15 سو سالہ جشن ولادت کے موقع پر

رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خواتین سے متعلق شفقت و رحمت بھری تعلیمات پر مشتمل ماہنامہ خواتین کا خصوصی شمارہ

خواتین کے لئے اُسوۂ رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم



شعبہ اسلامی بہنیں (دعوت اسلامی)

بفیضانِ نظر سراجُ الاُمّہ، کاشِفُ الغُمّہ، امامِ اعظم، حضرت سیّدُنا
امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ

بفیضانِ کرم اعلیٰ حضرت، امامِ اہلِ سنّت، مجدِّدِ دین و ملّت، شاہ
امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ

زیرِ سرپرستی شیخِ طریقت، امیرِ اہلِ سنّت، حضرت
علامہ محمد الیاس عطّار قادری دامت برکاتہم العالیہ

ماہنامہ خواتین

ماہنامہ خواتین کا خصوصی شمارہ

خواتین کے لئے اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

چیف ایڈیٹر: مولانا ابو الابصار قادری عطاری

سینئر معاون: مولانا ابو زین العابدین عطاری مدنی

معاون: مولانا ابو حنظلہ عطاری مدنی

شرعی ایڈوائزر: مولانا محمد انس عطاری مدنی

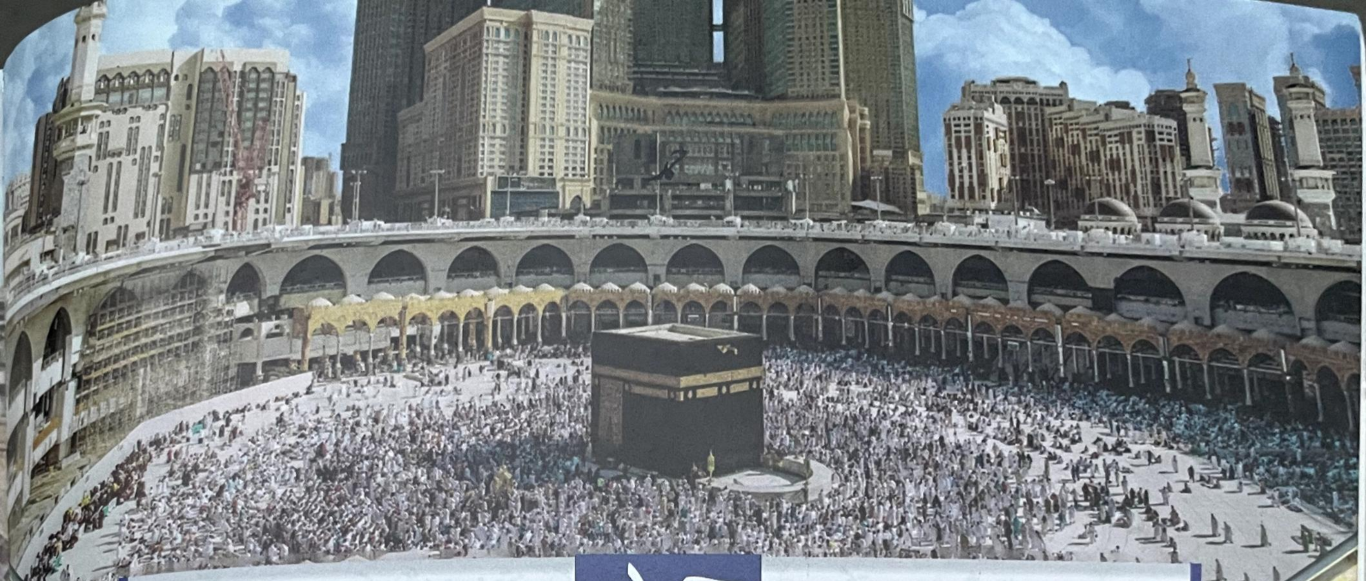
گرافکس ڈیزائنر: ابو حذیفہ عطاری



پیش کش

شعبہ ماہنامہ خواتین، مجلس ماہنامہ فیضانِ مدینہ (دعوتِ اسلامی)
https://www.dawateislami.net/magazine

فہرست مضامین



حمد

ہے پاک رُتبہ فکر سے اُس بے نیاز کا

ہے پاک رُتبہ فکر سے اُس بے نیاز کا
کچھ دَخل عقل کا ہے نہ کام اِمتیاز کا

شہ رگ سے کیوں وِصال ہے آنکھوں سے کیوں حجاب
کیا کام اس جگہ خردِ ہرزہ تاز کا

لب بند اور دل میں ہیں جلوے بھرے ہوئے
اللہ رے جگر ترے آگاہِ راز کا

غش آگیا کلیم سے مشتاقِ دید کو
جلوہ بھی بے نیاز ہے اُس بے نیاز کا

ہر شے سے ہیں عیاں مِرے صانع کی صنعتیں
عالم سب آئنوں میں ہے آئینہ ساز کا

اَفلاک و اَرض سب ترے فرماں پذیر ہیں
حاکم ہے تو جہاں کے نشیب و فراز کا

اس بے کسی میں دِل کو مِرے ٹیک لگ گئی
شہرہ سنا جو رحمتِ بے کس نواز کا

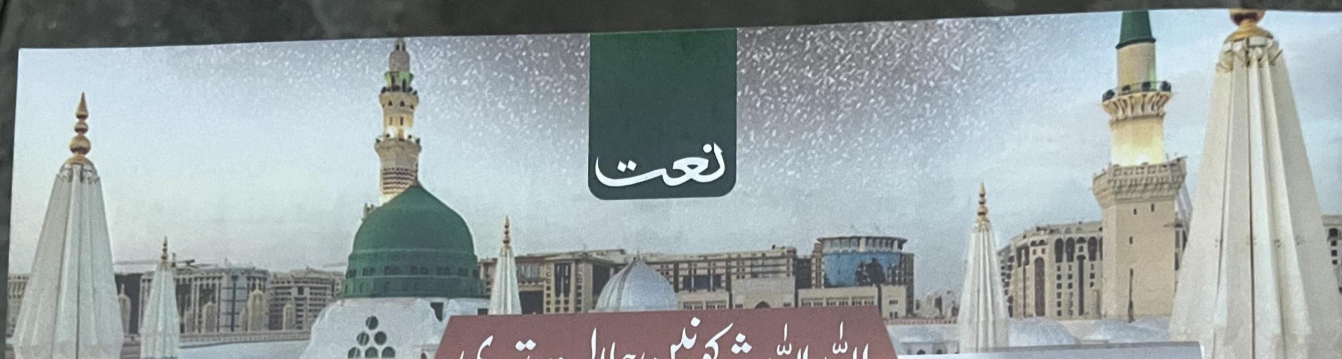
مانندِ شمع تیری طرف لَو لگی رہے
دے لطف میری جان کو سوز و گداز کا

تو بے حساب بخش کہ ہیں بے شمار جرم
دیتا ہوں واسطہ تجھے شاہِ حجاز کا

بندے پہ تیرے نفسِ لعیں ہوگیا محیط
اللہ کر علاج مری حرص و آز کا

کیوں کر نہ میرے کام بنیں غیب سے حسنؔ
بندہ بھی ہوں تو کیسے بڑے کارساز کا

از: برادرِ اعلیٰ حضرت مولانا حسن رضا خان رحمۃ اللہ علیہ
ذوقِ نعت، ص 17



اللہ اللہ شہِ کونین جلالت تیری

اللہ اللہ شہِ کونین جلالت تیری
فرش کیا عرش پہ جاری ہے حکومت تیری

جھولیاں کھول کے بے سمجھے نہیں دوڑ آئے
ہمیں معلوم ہے دولت تری عادت تیری

تو ہی ہے مُلکِ خدا مِلکِ خدا کا مالک
راج تیرا ہے زمانہ میں حکومت تیری

تیرے انداز یہ کہتے ہیں کہ خالق کو ترے
سب حسینوں میں پسند آئی ہے صورت تیری

اس نے حق دیکھ لیا جس نے ادھر دیکھ لیا
کہہ رہی ہے یہ چمکتی ہوئی طلعت تیری

بزمِ محشر کا نہ کیوں جائے بلاوا سب کو
کہ زمانہ کو دکھانی ہے وَجاہت تیری

عالم رُوح پہ ہے عالم اَجسام کو ناز
چوکھٹے میں ہے عناصر کے جو صورت تیری

جن کے سر میں ہے ہوا دشتِ نبی کی رِضواں
ان کے قدموں سے لگی پھرتی ہے جنت تیری

تو وہ محبوب ہے اے راحتِ جاں دِل کیسے
ہیزمِ خشک کو تڑپا گئی فرقت تیری

مہ و خورشید سے دن رات ضیا پاتے ہیں
مہ و خورشید کو چمکاتی ہے طلعت تیری

گٹھڑیاں بندھ گئیں پر ہاتھ ترا بند نہیں
بھر گئے دل نہ بھری دینے سے نیت تیری

موت آ جائے مگر آئے نہ دل کو آرام
دَم نکل جائے مگر نکلے نہ اُلفت تیری

دیکھنے والے کہا کرتے ہیں اللہ اللہ
یاد آتا ہے خدا دیکھ کے صورت تیری

مجمعِ حشر میں گھبرائی ہوئی پھرتی ہے
ڈُھونڈنے نکلی ہے مجرم کو شفاعت تیری

نہ ابھی عرصہء محشر نہ حساب امت
آج ہی سے ہے کمربستہ حمایت تیری

تو کچھ ایسا ہے کہ محشر کی مصیبت والے
دَرد دُکھ بھول گئے دیکھ کے صورت تیری

ٹوپیاں تھام کے گر عرشِ بریں پر دیکھیں
اُونچے اُونچوں کو نظر آئے نہ رِفعت تیری

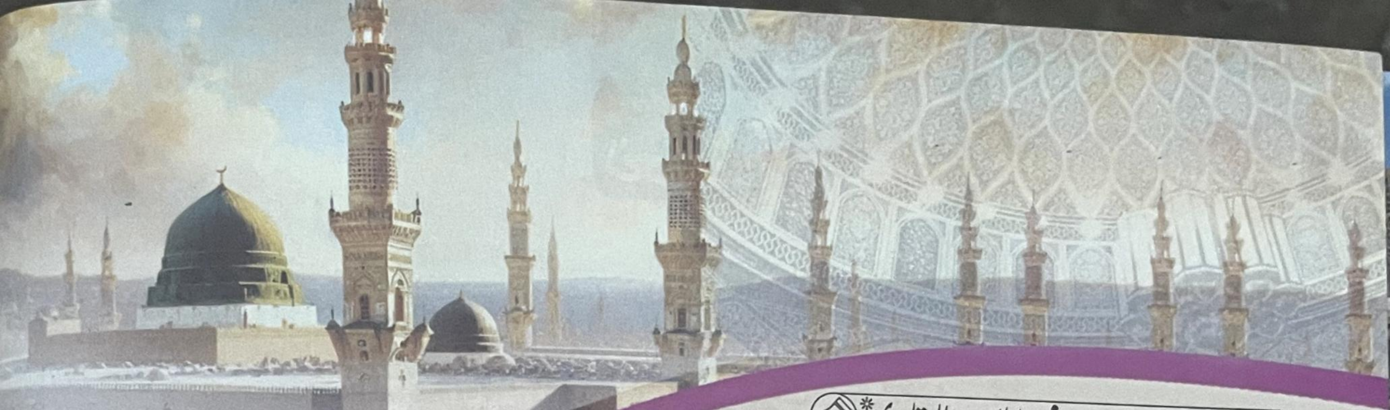
حسن ہے جس کا نمک خوار وہ عالم تیرا
جس کو اللہ کرے پیار وہ صورت تیری

دونوں عالم کے سب اَرمان نکالے تو نے
نکلی اِس شانِ کرم پر بھی نہ حسرت تیری

چین پائیں گے تڑپتے ہوئے دِل محشر میں
غم کسے یاد رہے دیکھ کے صورت تیری

ہم نے مانا کہ گناہوں کی نہیں حد لیکن
تو ہے اُن کا تو حسن تیری ہے جنت تیری

از: برادرِ اعلیٰ حضرت مولانا حسن رضا خان رحمۃ اللہ علیہ
ذوقِ نعت، ص121



شیخِ طریقت، امیرِ اہلِ سنّت، حضرت علامہ محمد الیاس عطّار قادری*

خواتین کے لئے اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

عشقِ رسول کی علامات

سوال: سرکار صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم سے عشق و محبت کی کیا علامت ہے؟

جواب: سرکارِ عالی وقار صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم سے محبت کی علامات کی ایک طویل فہرست ہے۔ چنانچہ ماہِ ربیع الاول 1440ھ کے ماہنامہ فیضانِ مدینہ میں ہے: عاشقِ رسول کی کچھ علامات و نشانیاں ہوتی ہیں ہمیں اپنے اندر ان نشانیوں کو تلاش کرنا چاہیے وہ یہ ہیں: ❁ عاشقِ رسول اپنے محبوبِ اعظم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی بے انتہا تعظیم و تکریم کرتا ہے ❁ وہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا ذکر کثرت سے کرتا ہے ❁ وہ ان پر کثرت سے درود و سلام پڑھتا ہے ❁ وہ اپنے رسول پاک کی شان و عظمت سن کر خوش ہوتا ہے، وہ چاہتا ہے کہ مزید شان سامنے آجائے ❁ وہ اپنے مقدّس و مطہر نبی کا عیب سننا ہر گز گوارا نہیں کرتا کیونکہ جب عیب زدہ محبوب کا عیب لوگ نہیں سنتے تو پھر جو ہستی ہر طرح کے ظاہری و باطنی عیب سے پاک ہو تو اس کا عیب کیسے سنا جا سکتا ہے؟ ❁ وہ اپنے محبوب سے ملاقات کا شوق رکھتا ہے ❁ اپنے محبوب کے پیاروں یعنی صحابہ و اہلِ بیت سے محبت کرتا ہے ❁ محبوبِ اکرم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی نسبتوں سے پیار کرتا ہے ❁ پیارے حبیب کے دشمنوں سے نفرت و عداوت رکھتا ہے ❁ عاشقِ رسول اپنے محبوب کی اطاعت و اتباع کرتا ہے۔ آخر کار جس مسلمان کے دل میں عشقِ رسول کی شمع روشن ہو جاتی ہے وہ محبتِ رسول کے جام پی لیتا ہے، وہ شب و روز اسی محبت میں گزارتا ہے اور عشقِ رسول کی لازوال لذّت سے آشنا ہو جاتا ہے۔(1)

سیرتِ طیبہ کے متعلق چند مدنی پھول

سوال: حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی سیرتِ طیبہ کے متعلق چند مدنی پھول ارشاد فرما دیجئے۔

جواب: پیارے آقا صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی سیرتِ طیبہ کے متعلق چند مدنی پھول حاضر ہیں: ❁ ہمارے پیارے آقا، مکی مدنی مصطفےٰ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی عاجزی و انکساری ایسی تھی کہ اپنے مبارک نعلین خود گانٹھ لیتے یعنی ضرورت پڑنے پر اپنی مبارک جوتیاں خود سی لیتے تھے۔ ❁ آپ اپنے مبارک کپڑوں میں پیوند بھی خود لگا لیا کرتے تھے۔ ❁ اسی طرح آپ گھر کے کام کاج میں مدد فرماتے اور اپنی ازواجِ مطہرات کے ساتھ گوشت کے ٹکڑے کر لیا کرتے تھے۔ ❁ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم انتہائی بھوک کی وجہ سے اپنے مبارک پیٹ پر پتھر باندھ لیا کرتے تھے۔(2) اور جو کچھ موجود ہوتا تناول فرما لیتے یعنی کھا لیتے اور حلال و پاکیزہ اشیا کھانے سے اجتناب نہ فرماتے یعنی انہیں کھا لیتے اور اگر روٹی نہ ہوتی تو صرف کھجور ہی کو پاتے تو وہی تناول فرما لیتے تھے۔

پیارے آقا صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے لگاتار تین دن سیر ہو کر گندم کی روٹی نہیں کھائی یہاں تک کہ اللہ پاک سے جا ملے یعنی آپ کی وفات شریف ہوئی۔(3) یاد رکھیے! آپ کا یہ عمل فخر اور بخل

کی وجہ سے نہ تھا بلکہ دوسروں کو خود پر ترجیح دینے اور ایثار کے لئے تھا[4]۔[5]

سادگی اپنائیے!

حضرت علّامہ ابن الحاج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: رسولِ پاک صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم لباس کے بارے میں تکلف نہ فرماتے بلکہ جو آسانی سے میسّر ہوتا اسے ہی پہن لیتے۔[6] ایک بار چٹائی پر آرام فرمانے کے سبب حضور کے جسمِ مبارک پر چٹائی کا اثر ظاہر ہو گیا تھا۔[7] یوں سیرتِ مصطفےٰ میں سادگی کا پہلو نمایاں ہے۔

تری سادگی پہ لاکھوں تری عاجزی پہ لاکھوں
ہوں سلام عاجزانہ مدنی مدینے والے

اے عاشقانِ رسول! ہمیں بھی سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی سیرت پر عمل کرتے ہوئے لباس، کھانے پینے اور رہن سہن میں سادگی اپنانی چاہئے۔ الحمدُ للہ! عاشقانِ رسول کی دینی تحریک دعوتِ اسلامی نیکی کی دعوت عام کرنے کے لئے کوشش کر رہی ہے اور مذہبی طبقے کو سادہ لباس میں ہونا چاہئے کیونکہ لوگ جب کسی مذہبی شخص کو شوخ لباس میں دیکھتے ہیں تو معیوب سمجھتے ہیں اور باتیں بناتے ہیں کہ دیکھو! دیندار ہو کر کیسے بھڑکیلے کپڑے پہنے ہوئے ہے! طرح طرح کی تراش خراش والے لباس پہننے والوں کو چاہئے کہ سادہ لباس اپنالیں، سادہ لباس کی فضیلت بیان کرتے ہوئے ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو باوجودِ قدرت اچھے کپڑے پہننا تواضع (عاجزی) کے طور پر چھوڑ دے گا اللہ پاک اس کو کرامت کا حلّہ (یعنی جنّتی لباس) پہنائے گا۔[8] الحمدُ للہ دعوتِ اسلامی سے پہلے بھی میرا لباس سادہ تھا اور میں دعوتِ اسلامی بھی سادگی کے ساتھ لے کر چلا، اللہ کی رحمت سے کبھی ٹیپ ٹاپ کا سلسلہ بھی نہیں ہوا مگر جب سے دعوتِ اسلامی میں لباس کے حوالے سے رخصت ملی ہے ایک تعداد نے اپنے آپ کو سنتوں بھرے لباس سے محروم کر لیا ہے، حالانکہ مخصوص لباس کی وجہ سے دعوتِ اسلامی کا مدنی کام کرنے میں جھجکنے والوں کو قریب لانے کی حکمتِ عملی کی وجہ سے تنظیمی طور پر مہذب لباس کے استعمال کرنے کی اجازت ملی، مگر بعضوں نے اسے فیشن کا شوق پورا کرنے کے لئے استعمال کیا اور طرح طرح کی تراش خراش والے، ایک سے ایک چمکیلے، بھڑکیلے اور شوخ رنگ پہننے شروع کر دیئے، یوں مجھے اذیّت و صدمہ پہنچایا۔ الحمدُ للہ! میں سادگی پسند کرتا ہوں اور دعوتِ اسلامی میں سادگی اپنانے والوں کی کمی نہیں، اے عاشقانِ رسول! آپ بھی سادگی اپنا لیجئے اور ہر جگہ سادگی ہی سادگی ہو، اس سادگی کی برکت سے دعوتِ اسلامی کی نیک نامی میں اضافہ ہوگا اور نیکی کی دعوت کا کام مزید بڑھے گا، ان شاءَ اللہ۔[9]

شفقت کیجیے!

پیارے آقا صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے خادم حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں 10 سال تک حضور کی خدمت میں رہا، آپ نے کبھی مجھے یہ نہیں فرمایا کہ یہ کام کیوں کیا؟ اور یہ کام کیوں نہیں کیا؟[10] آپ نہ کسی کو جھاڑتے تھے اور نہ ہی کسی پر رعب جماتے تھے۔ ایک مرتبہ کوئی صاحب دربارِ رسالت میں حاضر ہوئے تو رعبِ نبوّت سے تھر تھر کانپنے لگے، آپ نے اس کی یہ حالت دیکھ کر اسے تسلی دی اور فرمایا: میں تو ایک ایسی خاتون کا بیٹا ہوں جو سوکھا گوشت کھایا کرتی تھی۔[11] آپ سامنے والے کو بات کرنے کے لئے بہت پیارا ماحول دیا کرتے تھے۔ ایک محاورہ ہے: یار! تم جو چاہو بولو! تم کو سات خون معاف ہیں یعنی بندہ اتنا Peaceful (پر امن) رہے کہ کسی کے دل میں نفرت نہ ہو، بس پیار، ہمدردی اور محبّت ہو۔[12]

مسکرانا سیکھئے!

پیارے آقا صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم سے بکثرت مسکرانا ثابت ہے۔[13] صحابۂ کرام کے ایسے اقوال موجود ہیں کہ ہم نے جب بھی پیارے آقا کو دیکھا مسکراتے ہوئے پایا۔[14] اس لئے مسکرانا چاہیے۔ مسکرانا مردہ دلوں کو زندہ کرتا ہے۔ ہمارے ہاں لوگ مسکراتے نہیں ہیں، مجھے پرانا تجربہ ہے کہ جب ملاقات کی لائن لگتی ہے تو میں مسکرا کر ملتا ہوں، لیکن بعض ہوتے ہیں جو جواب

میں بھی نہیں مسکراتے، ایسا لگتا ہے کہ نہ مسکرانے کی قسم کھائی ہو۔ جو راہ نما کم مسکرائے گا اس کے پاس قوم کم جمع ہو گی، جو راہ نما، زیادہ مسکرائے گا اس کے ساتھ قوم بھی زیادہ ہو گی۔ (15)

مشورے کی عادت بنائیے!

سوال: کیا پیارے آقا صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی عاداتِ مبارکہ میں سے مشورہ کرنا بھی تھا؟

جواب: اس بات میں کوئی شک نہیں کہ پیارے آقا جیسی عقل اور حکمت و دانائی نہ کسی کے پاس تھی، نہ ہے اور نہ ہی ہو سکتی ہے بلکہ آج تک کوئی ایسا پیدا ہی نہیں ہوا جو آپ جیسا صائب الرائے یعنی درست رائے رکھنے والا ہو۔ اس کے باوجود آپ کا اپنے صحابۂ کرام سے نہ صرف مشورہ کرنا (16) اور اپنے غلاموں کی حوصلہ افزائی فرمانا ثابت ہے بلکہ ان مشوروں پر عمل کرنا بھی ثابت ہے۔ حتّٰی کہ غزوۂ خندق میں جو خندق کھودی گئی یہ بھی ایک صحابی کے مشورے سے ہی کھودی گئی تھی۔ (17) بعض صحابۂ کرام کے مشوروں کے حق میں باقاعدہ آیاتِ مبارکہ نازل ہوئی ہیں۔ (18) لہٰذا مشورہ کرنا سنّت ہے اور اچھے کاموں میں مشورہ کرنا بھی چاہیے کہ اس سے برکت ہوتی ہے۔ (19)

گھریلو کام کاج میں ہاتھ بٹائیے!

ہمارے آقا صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی مبارک سیرت سے گھریلو کام کاج میں ازواجِ مطہرات کا ہاتھ بٹانا ثابت ہے۔ اُمُّ المومنین حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبیِّ اکرم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم اپنے گھر کے کام کاج میں مشغول رہتے تھے پھر جب نماز کا وقت آجاتا تو نماز کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔ (20)

حضور گھر کے کسی کام میں تکلف نہ فرماتے، اپنی ازواجِ مطہرات کے ساتھ گوشت کے ٹکڑے کر لیا کرتے، بکری کا دودھ دوہ لیتے، اپنے کپڑوں کی نگہداشت فرماتے، انہیں دھو لیتے، کپڑوں میں پیوند لگا لیتے اور اپنی نعلین شریفین گانٹھ لیتے، سواری کے جانور کو باندھ لیتے اور اسے چارا وغیرہ ڈال لیتے تھے۔ معلوم ہوا کہ گھر میں کام کر لینا صالحین کا طریقہ ہے، لہٰذا کسی جائز کام میں تکلف نہیں ہونا چاہئے۔ (21)

ہمیں اللہ پاک اور اس کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے احکام کی جانب نظر کرنی چاہئے اور انہی پر عمل کرنا چاہئے۔ گھر کی دیگر خواتین کے ساتھ مِل جُل کر گھر کے کام کرنے چاہئیں، میں حتَّی الامکان کبھی بھی اپنے گھر میں یہ نہیں کہتا کہ دستر خوان بچھاؤ! اَلحمدُ للہ خود ہی اُٹھا کر بچھا لیتا ہوں، بعض اوقات کچھ مصروفیت کی وجہ سے تھکاوٹ بھی ہوتی ہے اور میری عمر بھی ایسی ہے کہ اٹھنا بیٹھنا بھی کبھی دُشوار ہو جاتا ہے، لیکن یہ سوچ کر کہ جس طرح اٹھنے بیٹھنے میں مجھے تکلیف ہوتی ہے تو عمر کے حساب سے اُسے (بچوں کی امی کو) بھی ہوتی ہو گی، حالانکہ مجھے یہ بھی پتا ہوتا ہے کہ اگر میں بولوں گا تو اُس نے منع نہیں کرنا بلکہ اٹھا کر بچھانا ہی ہے، لیکن اس سے پہلے کہ وہ اٹھے عام طور پر میں لپک کر اٹھا لیتا اور بچھا لیتا ہوں، یہ بات ترغیب کے لئے عرض کر رہا ہوں، بتائیے اس سے میری عزت میں کیا فرق آیا؟ جس کا کام تنقید کرنا ہے اس نے تو اپنا کام کرنا ہی ہے، لہٰذا آپ اپنا کام کئے جائیں۔

اللہ پاک ہمیں پیارے آقا صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی سنّتوں پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (22)

اٰمین بِجاہِ النّبیِّ الْاَمین صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم

---

(1) ماہنامہ فیضان مدینہ، ربیع الاول 1440ھ، ص 31 (2) احیاء علوم الدین، 2/443، 442 ملتقطاً (3) مسلم، ص 1214، حدیث: 7444 (4) احیاء علوم الدین، 2/443 (5) ملفوظات امیر اہل سنت، 2/180 (6) المدخل، 1/112 (7) ترمذی، 4/167، حدیث: 2384 (8) ابو داود، 4/326، حدیث: 4778 (9) ملفوظات امیر اہل سنت، 1/442 (10) بخاری، 4/110، حدیث: 6038 (11) ابن ماجہ، 4/31، حدیث: 3312 (12) ملفوظات امیر اہل سنت، 4/344 (13) بخاری، 4/125، حدیث: 6092 (14) مکارم الاخلاق للطبرانی، ص 319، حدیث: 21 (15) ملفوظات امیر اہل سنت، 4/80 (16) مسلم، ص 759، حدیث: 4621 ماخوذاً (17) مدارج النبوت، 2/168 ماخوذاً (18) بخاری، 1/158، حدیث: 402 ماخوذاً (19) ملفوظات امیر اہل سنت، 2/162 (20) بخاری، 1/241، حدیث: 676 (21) مسند امام احمد، 9/386، حدیث: 24685 – مدارج النبوت، 1/42 – مراٰۃ المناجیح، 8/74 ملخصاً (22) ملفوظات امیر اہل سنت، 2/212



پیغامِ بنتِ عطار

(سیرت نمبر کا تعارف)

اللہ پاک کے پیارے و آخری نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی دل آویز سیرت صرف مردوں کے لئے نہیں، بلکہ عورتوں کے لئے بھی کامل نمونہ ہے۔ آپ کی ذاتِ مبارکہ مکارمِ اخلاق کا روشن آئینہ ہے، جس میں امت کی راہ نمائی کے لئے ہر ضابطہ، ہر اصول اور ہر صفت موجود ہے۔ دنیا و آخرت کی سرفرازی اسی میں ہے کہ ہم اپنے اخلاق، رویے اور کردار کو حضور کی سیرت طیبہ کی روشنی میں سنواریں اور اپنی زندگی کے ہر گوشے کو وہ وقار، نرمی اور شائستگی عطا کریں جو حضور کی تعلیمات میں مذکور ہیں۔

حضور کی خصوصیت یہ تھی کہ آپ نے عورتوں کے لئے عزت، وقار اور تحفظ کا عملی پیغام دیا۔ جس دور میں معاشرہ عورت کو کمتر سمجھتا تھا اور اس کی اہمیت کو نظر انداز کیا جاتا تھا، وہاں آپ کی بعثت نے عورت کے مقام کو بلند کیا اور اسے حقیقی انسانی وقار عطا فرمایا۔ آپ نے عورت کی قدر و منزلت محض الفاظ میں بیان نہیں کی بلکہ اپنی عملی زندگی، سیرت و کردار اور روزمرہ تعلقات میں ثابت کیا، تاکہ امت دیکھ سکے کہ عورت اللہ پاک کی بارگاہ میں عزت و شرف کی حامل اور معاشرتی انصاف و وقار کی مستحق ہے۔

امت کی خواتین کے لئے یہ سیرت نمبر اسی روشنی کا آئینہ ہے جو عورت کے لئے راہ نمائی فراہم کرتی ہے۔ اس میں ازواجِ مطہرات و صحابیاتِ طیبات کی سیرت، گھریلو زندگی، تعلیم و تربیت، صبر و استقامت، عفت و حیا، معاشرتی ذمہ داریاں اور عورت کے حقوق کے اہم پہلو ایسے منفرد انداز سے پیش کیے گئے ہیں کہ ہر اسلامی بہن اپنی زندگی میں انہیں عملی طور پر نافذ کر سکے۔ یہاں نہ صرف تعلیم اور نصیحت موجود ہے بلکہ ایک عملی راہ نمائی بھی ہے جو زندگی کے ہر شعبے میں قابلِ عمل ہے۔

صحابیات کی زندگی اس امر کی واضح دلیل ہے کہ عورت اپنے کردار، گفتگو، نگاہوں، لباس اور طرزِ عمل کے ذریعے اپنے وقار اور حیا کی حفاظت کر سکتی ہے، اور یہی عملی پردہ و وقار معاشرتی سکون، خاندانی استحکام اور باہمی احترام کی ضمانت ہے۔ خواتین سیرتِ رسول کو صرف مطالعہ تک محدود نہ رکھیں بلکہ اپنی روزمرہ زندگی، گھریلو معاملات، تربیتِ اولاد اور سماجی تعلقات میں نافذ کریں تو نہ صرف ان کی شخصیت سنورے گی، بلکہ معاشرہ بھی امن، اخلاق اور وقار کا گہوارہ بن جائے گا۔

یہ سیرت نمبر ہر اُس خاتون کے لئے مشعلِ راہ ہے جو ایک مثالی مسلمان عورت بننے کی خواہشمند ہے، جو اپنی ذات کو اللہ پاک کی رضا کے مطابق سنوارنا چاہتی ہے اور اپنے کردار، حیا اور وقار کے ذریعے معاشرتی فتنہ و فساد سے محفوظ رہنا چاہتی ہے۔ حضور کی سیرت کے یہ روشن پہلو خواتین کو یہ پیغام دیتے ہیں کہ عزت، وقار اور شائستگی کے ساتھ زندگی گزارنا نہ صرف فرض بلکہ حقیقی طاقت اور سعادت کی علامت ہے اور یہ عمل نہ صرف ان کی ذاتی خوشی اور تحفظ کا ذریعہ ہے بلکہ پورے معاشرے کے لئے فلاح و بہبود کا سبب ہے۔



پیغامِ محترمہ اُمِّ میلاد عطاریہ

سیرت کی اہمیت خواتین کے لئے اس اعتبار سے اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ یہ ان کی انفرادی، گھریلو اور معاشرتی زندگی کے لئے ایک مکمل، متوازن اور قابلِ عمل راہ نمائی فراہم کرتی ہے۔ عورت اپنی ذات کی اصلاح، اپنے گھر کی تربیت اور اپنے ماحول کی درستی کا ارادہ کرے تو اسے سیرتِ مصطفےٰ میں ایسا جامع نصاب ملتا ہے جو عقل، جذبات اور عمل؛ تینوں کو ہم آہنگ کر دیتا ہے۔ جب ایک عورت سیرت کا مطالعہ کرتی ہے تو اس کے سامنے ایک ایسے معلم کی عملی تصویر آتی ہے جو محبت، شفقت، حکمت اور صبر کے ساتھ دلوں کی اصلاح فرماتے ہیں اور خواتین کو دین سمجھنے، سوال کرنے اور حق بات کہنے کا پورا حوصلہ عطا کرتے ہیں۔ سیرت کے مطالعے سے یہ حقیقت بھی واضح ہوتی ہے کہ وہ کون سی تربیت تھی جس نے گھروں میں محدود سمجھی جانے والی عورتوں کو ایمان و کردار کی ایسی بلندی عطا کی کہ وہ علم، صبر، قربانی اور معاشرتی خدمت کی روشن مثالیں بن گئیں اور ان کی گود میں پلنے والی نسلیں دنیا کے لئے ہدایت کا ذریعہ بن گئیں۔

اسی سیرتی راہ نمائی کی جھلکیاں اس خاص شمارے کے مختلف مضامین میں نمایاں طور پر دیکھی جاسکتی ہیں، جہاں میلادِ مصطفےٰ کے ذیل میں ولادتِ مبارکہ کے پسِ منظر اور اس کے اثرات بیان ہو کر عورت کے لئے رحمتِ نبوی کا مفہوم واضح ہوتا ہے اور حضور سے نسبت رکھنے والی خواتین کے تذکروں میں ماں، بیٹی، نواسی اور دیگر رشتوں کے ذریعے شفقت، وقار اور احترام کے وہ نمونے سامنے آتے ہیں جو گھریلو زندگی کو امن و محبت کا گہوارہ بنا دیتے ہیں۔ اسی طرح ایمان، عشق اور قربانی کی مثالوں میں مہاجر صحابیات، امہات المومنین اور دیگر عظیم خواتین کے کردار بیان ہوئے ہیں تاکہ عورت جان سکے کہ سیرتِ نبوی نے اسے صبر و استقامت، جرأتِ حق اور وفاداری کا کیسا بلند معیار عطا کیا ہے۔

یہ سیرت نمبر حضور کے خواتین سے شفقت بھرے برتاؤ، ان کی دینی تربیت و راہ نمائی، سوال و جواب، عبادات میں سہولت اور پردہ و حیا کے متوازن اصولوں کو بھی اجاگر کرتا ہے، تاکہ عورت دین کو بوجھ نہیں بلکہ رحمت اور آسانی کے طور پر سمجھے۔ اسی طرح خواتین کی عزت افزائی کے باب میں مشورے، دعا، بشارتِ جنت اور مثالی عورت کی پہچان کے تذکروں کے ذریعے یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ اسلام میں عورت کو محض تابع نہیں بلکہ معزز اور باوقار مقام حاصل ہے۔

مزید برآں، خواتین کی معاشرتی ذمہ داریوں، معاشی استحکام، پیشہ ورانہ سرگرمیوں اور ظلم و تشدد کے خاتمے سے متعلق مضامین اس بات کی عملی راہ نمائی دیتے ہیں کہ آج کی عورت سیرتِ نبوی کی روشنی میں اپنے وقت کے مسائل کا حل کیسے تلاش کر سکتی ہے۔ یوں یہ سیرت نمبر محض مضامین کا مجموعہ نہیں بلکہ خواتین کے لئے ایک فکری، تربیتی اور عملی راہ نما دستاویز ہے، جو انہیں سیرتِ محمدی کے آئینے میں اپنی ذات کو پہچاننے، سنوارنے اور معاشرے کے لئے خیر و برکت کا ذریعہ بننے کی دعوت دیتا ہے۔

میلاد مصطفیٰ ﷺ





سیدہ آمنہ کے بطنِ اطہر میں قیام کے دوران کے واقعات و عجائبات

عالمہ بنتِ طارق چشتیہ عطاریہ*

نورِ مصطفیٰ کی منتقلی

امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں: جب حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کو شکمِ اطہر میں اٹھانے کا شرف ملا تو بے شمار عجائبات ظاہر ہونے لگے۔ چنانچہ جب حضرت عبدُ اللہ کا پاکیزہ نطفہ اور محمدی موتی سیدہ آمنہ کے بطنِ اطہر میں ٹھہرا تو عالمِ ملکوت و جبروت میں ندا دی گئی کہ پاک اور مشرف مقامات کو معطر کیا جائے، آسمانوں اور ان کے اطراف میں علاماتِ تعظیم ظاہر کی جائیں اور ملائکۂ مقربین میں سے صدق و صفا کے حامل منتخب فرشتوں کے لئے پاکیزہ صفوں میں عبادت کے سجادے بچھا دیئے جائیں۔ اعلان کیا گیا کہ جو نورِ محمدی مدتوں سے پوشیدہ تھا، آج حضرت آمنہ کے بطنِ مبارک میں منتقل ہو چکا ہے؛ وہ جو عقلِ وافر اور حسب و نسب کے اعتبار سے قوم میں فخر اور ہر عیب سے پاکیزہ ہیں۔ اللہ پاک نے حضرت آمنہ کو اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے لئے خاص طور پر منتخب فرمایا، کیونکہ آپ حسب و نسب اور اصل و فرع ہر اعتبار سے نہایت طیب، شریف اور برگزیدہ تھیں۔

مزید نقل فرماتے ہیں: جب اللہ پاک نے حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے بطنِ اطہر میں حضور کی تخلیق کا ارادہ فرمایا تو خازنِ جنت رضوان فرشتے کو حکم ہوا کہ جنت الفردوس کے دروازے کھول دیئے جائیں اور ایک اعلان کرنے والا آسمانوں اور زمین میں اعلان کرے کہ وہ نورِ پوشیدہ جو خزانۂ ہدایت ہے اور جس سے نبیِ ہادی پیدا ہوں گے، آج اپنی والدہ کے بطنِ اطہر میں قرار پا گیا ہے؛ یہاں اس کی تخلیق کی تکمیل ہو گی اور وہ بنی نوعِ انسان کے لئے بشیر و نذیر بن کر تشریف لائیں گے۔ [1]

حضرت کعبُ الاحبار رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں اس پکار کے ذکر کے بعد یہ بھی مذکور ہے کہ اس دن دنیا بھر کے بت اوندھے جا پڑے اور قریش جو سخت قحط سالی اور تنگی میں مبتلا تھے، ان کے لئے زمین سرسبز ہو گئی اور درخت پھلوں سے لد گئے۔ نیز ہر سمت سے ان کے پاس بھلائی ہی بھلائی آنے لگی۔ چنانچہ وہ سال جس میں حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کا نورِ مبارک اپنی والدہ کے بطنِ اطہر میں منتقل ہوا اور حمل ٹھہرا وہ سال قریش میں فتح اور سرور کا سال کہلایا۔ [2]

نورِ نبوی کی منتقلی پر جانوروں کی گواہی

حضرت عبدُ اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جس رات حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کا نورِ مبارک اپنی والدہ ماجدہ کے شکم میں منتقل ہوا، اس رات قریش کے تمام جانوروں نے گواہی دی: ربِ کعبہ کی قسم! آج محمدِ عربی اپنی والدہ کے شکم میں جلوہ گر ہو گئے ہیں، وہ دنیا کے لئے امان بنیں گے اور توحید کی روشنی سے اسے منور کریں گے۔ اسی رات قریش تو

* گکھڑ منڈی

کیا، پورے جزیرۂ عرب کے کاہنوں سے علم چھین لیا گیا، دنیا کے تمام بادشاہوں کے تخت الٹ دیئے گئے اور ہر بادشاہ قوتِ گویائی سے محروم رہا۔ مشرق سے مغرب تک کے جانور، یہاں تک کہ پانی کے جاندار بھی ایک دوسرے کو مبارک باد دینے لگے کہ ابوالقاسم بس تشریف لانے ہی والے ہیں۔(3)

جب اللہ پاک کے اذن اور مشیتِ کاملہ سے نورِ محمدی بی بی آمنہ کے بطنِ اطہر میں منتقل ہوا تو عالمِ سفلی میں ایک عجیب ہیبت و لرزہ برپا ہو گیا۔ دنیا بھر کے جو بت برسوں سے اپنی بے نوری کے باوجود شیطانی فریب کا سہارا بنے بیٹھے تھے، اس رات یکایک اوندھے منہ گر پڑے۔ گویا کائنات نے خود یہ اعلان کیا کہ حق کا سورج طلوع ہونے والا ہے اور باطل کی تاریکیاں ہمیشہ کے لئے مٹنے کو ہیں۔

نورِ نبوی کی منتقلی پر شیطان کی آہ و بکا

انہی لمحات میں شیطانِ رجیم پر ایک ایسی ضرب پڑی جو اس نے کبھی محسوس نہ کی تھی۔ روایت میں ہے کہ نورِ مصطفوی کی منتقلی کے بعد ابلیس 40 دن تک اوندھے منہ زمین پر پڑا رہا۔ اس کی طاقت چھن چکی تھی، چہرہ سیاہی اور رنج سے بوجھل ہو چکا تھا اور وجود میں خوف کی لرزشیں دوڑ رہی تھیں۔ 40 دن کے بعد جب اسے ہوش سا آیا تو باؤلے کی طرح بھاگتا دوڑتا پھرتا رہا، کبھی کسی بیابان میں منہ چھپاتا اور کبھی کسی وادی میں چیخ مارتا۔ آخرکار وہ جبلِ ابی قبیس کی چوٹی پر پہنچا اور وہاں اپنی روایتی حرکات سے بھی بڑھ کر آہ و فغاں کرنے لگا۔ اس کی چیخیں پوری زمین میں گونجیں اور یہ واویلا دیکھ کر دنیا بھر کے شیاطین اس کے گرد جمع ہونے لگے۔

جب اس کے چیلوں نے اسے اس حال میں دیکھا تو حیران رہ گئے۔ انہوں نے پوچھا: اے ہمارے سردار! یہ گھبراہٹ، چیخ و پکار اور مارا مارا پھرنا کیسا ہے؟ اس پر ابلیس نے غصے اور خوف سے بھری آواز میں کہا: تم سب ہلاک ہو جاؤ! تمہیں کوئی اندازہ نہیں کہ آج ہماری تباہی کا سبب پیدا ہو چکا ہے۔ فلاں عورت کے بطن میں ایک ایسا نور ٹھہر گیا ہے جس نے ہماری بنیادیں ہلا کر رکھ دی ہیں۔

چیلے بھی یہ سن کر ڈر گئے اور انہوں نے کانپتے ہوئے سوال کیا: آخر کون سی ہستی ہے جو آپ جیسے کے لئے بھی اتنی خوفناک ہے؟

ابلیس نے کہا: جلد ہی آخری نبی محمد بن عبدُ اللہ دنیا میں تشریف لانے والے ہیں۔ وہ توحید کی ایسی تلوار لے کر آئیں گے جو ہماری طاقت کے پرخچے اڑا دے گی۔ وہ باطل کی جڑیں کاٹ دیں گے اور بت پرستی کو نیست و نابود کر دیں گے۔ ہم دنیا میں جدھر بھی جائیں گے، اللہ پاک کی وحدانیت کے ہی نعرے سنائی دیں گے۔ یہی نہیں، انہی کی امت کی وجہ سے اللہ پاک نے مجھ پر لعنت فرمائی، مجھے دھتکارا اور راندۂ درگاہ قرار دیا۔ ان کی امت چار دانگِ عالم میں توحید کی روشنی پھیلائے گی۔

ابلیس کی یہ گفتگو سن کر ساری محفل پر ایک گہری خاموشی چھا گئی۔ کچھ دیر بعد ایک شیطان نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا: آپ گھبرائیں نہیں، ہم نے ان سے پہلے بھی بہت سے سخت لوگوں کو زیر کیا ہے جن کے پاس طاقت، نسل، مال اور جاہ کچھ بھی کم نہ تھا۔ جب ہم نے ان کا مقابلہ کر لیا تو ان کی امت کو بھی دیکھ لیں گے۔

ابلیس نے طنزیہ مسکراہٹ سے کہا: تم ان پر کیسے قابو پاؤ گے؟ ان میں تو ایسی خوبیاں ہوں گی جو تمہارے تمام حربوں کو ناکارہ کر دیں گی۔ وہ نیکی کا حکم دیں گے، برائی سے روکیں گے، عدل کے علمبردار ہوں گے اور تقویٰ میں بلند مقام رکھنے والے ہوں گے۔

اس پر ایک شیطان آگے بڑھا اور بولا: ہم عالم کو اس کے علم سے گمراہ کریں گے، جاہل کو اس کی جہالت سے، دنیادار کو دنیا کی محبت سے، زاہد کو اس کے زہد سے اور ریاکار کو اس کی ریاکاری سے تباہ کریں گے۔

ابلیس نے کچھ دیر سوچا، پھر کہا: لیکن وہ سب تو اللہ پاک

کے رحم و کرم کے سائے میں رہیں گے اور اس کی پناہ انہیں ڈھانپے رکھے گی! پھر کیا کرو گے؟

ایک اور شیطان نے جواب دیا: اگر ایسا ہوا تو ہم ان میں گمراہ کن خواہشات، بخل، حرص اور ظلم کو پھیلا دیں گے۔ جب یہ چیزیں ان کے دلوں میں جگہ بنا لیں گی تو وہ خود ہی ہلاک ہو جائیں گے۔

یہ سن کر ابلیس یکایک قہقہہ مار کر ہنسنے لگا اور بولا: اب تمہاری باتوں سے میری آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں۔ اب میرا دل مطمئن ہے۔[4]

یوں نورِ نبوی کی آمد کا اعلان جہاں مخلوقاتِ عالم کے لئے بشارت و رحمت تھا، وہیں شیطان کے لئے ایسی شکستِ فاش کا پیش خیمہ تھا جس نے اسے جنون کی حد تک بے قرار کر دیا تھا۔

استقرارِ حمل کب اور کس ماہ میں ہوا؟

استقرارِ حمل کے وقت اور ماہ کے بارے میں مختلف اقوال منقول ہیں، البتہ! یہ کہ حمل ٹھہرنے کی رات کون سی تھی؟ اس حوالے سے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اصح یہ ہے کہ شبِ جمعہ تھی، اسی لئے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ شبِ جمعہ کو شبِ قدر سے افضل کہتے ہیں کہ یہ خیر و برکت و کرامت و سعادت جو اس میں اتری اس کے ہمسر نہ کبھی اتری نہ قیامت تک اترے، وہاں تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا (پ30، القدر: 4) (اس میں فرشتے اور روح الامین اترتے ہیں۔) یہاں مولائے ملائکہ و آقائے روح کا نزولِ اجلال عظیم الفتوح ہے۔[5] یعنی شبِ قدر میں فرشتے اور جبرائیل امین علیہ السلام اترتے ہیں جبکہ شبِ جمعہ ان سب کے آقا نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کا نزول ہوا۔

اب سوال یہ ہے کہ وہ ماہ کون سا تھا؟ اس بارے میں مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اہلِ عرب زمانہ جاہلیت میں دو حرکتیں کرتے تھے: ایک تو کبھی سال کو تیرہ ماہ کا بنا دینا، دوسرے مہینوں کی تبدیلی۔ اگر اُن کی جنگ کے زمانے میں ماہِ حرم، مثلاً: رجب آ جاتا اور ابھی جنگ باقی ہوتی تو اسے کوئی اور مہینا قرار دے لیتے تاکہ جنگ جاری رکھ سکیں، پھر جنگ ختم ہونے کے بعد کسی اور مہینے کو رجب مان لیتے، یوں ہی بقر عید میں تبدیلی کر لیتے تھے تاکہ حج جس موقع پر آسان ہو اس پر کر لیں۔ چنانچہ جس سال جناب آمنہ خاتون حاملہ ہوتی ہیں اسی سال رجب کو بقر عید مان کر حج کیا گیا تھا، اسی لئے روایات میں آتا ہے کہ جناب آمنہ کا حاملہ ہونا ایامِ منیٰ میں ہوا، چنانچہ اس سے وہ اعتراض اٹھ گیا کہ جب استقرارِ حمل شریف ایامِ حج میں ہوا اور ربیع الاول میں ولادت مبارک ہوئی تو نو ماہ کیسے پورے ہوئے! معلوم ہو گیا کہ وہ ماہِ رجب تھا جسے بقر عید بنا کر حج کیا گیا تھا۔[6]

مدتِ حمل

جامع الآثار فی مولد النبی المختار نامی کتاب میں ہے کہ حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم اپنی والدہ ماجدہ کے شکمِ اطہر میں کامل نو ماہ تشریف فرما رہے۔[7]

حمل کا علم کب اور کیسے ہوا؟

سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ انہیں ابتدا میں قطعاً احساس نہ ہوا کہ وہ حاملہ ہیں۔ عام عورتیں حمل کے روز و شب میں جس بوجھ، تھکن یا جسمانی کیفیت کا سامنا کرتی ہیں، انہیں ان میں سے کچھ بھی محسوس نہ ہوا۔[8] یعنی نہ بدن میں بھاری پن آیا، نہ طبیعت میں کوئی غیر معمولی تبدیلی۔ سب کچھ ایسے تھا گویا کوئی خاص کیفیت اُن پر طاری ہے جسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا، مگر عام حمل کی کیفیات سے وہ بالکل خالی تھیں۔

انہیں حمل کا شعور کیسے ہوا؟

اس کے متعلق خود سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک رات وہ نیم خوابیدہ حالت میں تھیں کہ ایک نورانی ہستی نے انہیں مخاطب کر کے کہا: اے آمنہ! کیا تم جانتی ہو کہ تم حاملہ ہو؟ انہوں نے تعجب سے نفی میں جواب دیا۔ اس پر اس ہستی نے بشارت دیتے ہوئے کہا: تم اس امت کے سردار، اللہ پاک کے برگزیدہ نبی کی ماں بننے والی ہو۔ سیدہ آمنہ فرماتی ہیں

کہ یہ عظیم خبر انہیں جس روز ملی وہ پیر کا دن تھا، جو بعد میں اس نورانی نسبت کا بھی حامل دن بن گیا۔ (9)

علامہ ابنِ ناصر الدین دمشقی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور نہایت لطیف روایت نقل فرمائی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مبارک حمل کی بشارت صرف سیدہ آمنہ کو ہی نہیں بلکہ حضرت عبدُ اللہ رضی اللہُ عنہ کو بھی خواب میں عطا کی گئی تھی۔ چنانچہ وہ نقل کرتے ہیں کہ ایک صبح جب بی بی آمنہ بیدار ہوئیں تو انہوں نے اپنے شوہر حضرت عبدُ اللہ سے کہا: میں نے خواب میں کسی کو یہ کہتے سنا کہ تم ایک عظیم بیٹے کی ماں بننے والی ہو اور اس کا نام احمد رکھنا۔ اس پر حضرت عبدُ اللہ مسکرا کر بولے: میں نے بھی ایسی ہی خوشخبری اپنے خواب میں سنی ہے اور مجھے بھی اسی نام کا حکم دیا گیا ہے۔ (10) یوں ماں اور باپ دونوں کو خواب میں یکساں بشارت عطا ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حمل عام حمل نہ تھا، بلکہ وہ ایسا نورانی پیکر تھا جس کا اعلان عالمِ ارواح سے لے کر عالمِ شہود تک جلوہ گر ہو رہا تھا۔

حمل کی تکلیف

بی بی آمنہ رضی اللہُ عنہا فرماتی ہیں کہ انہیں زمانۂ حمل میں نہ کوئی تکلیف پہنچی اور نہ وہ بوجھ یا تھکن محسوس ہوئی جو عام حاملہ عورتوں کو لاحق ہوتی ہے۔ (11) سیرتِ حلبیہ میں بھی ان ہی کا یہ قول منقول ہے کہ حمل سے لے کر پیدائش تک انہیں کسی قسم کی مشقت یا جسمانی تکلیف کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ (12) یہ کیفیت اس مبارک حمل کی خصوصیت تھی جو نورِ مصطفٰے کے سبب سراسر رحمت و سکون کا حامل تھا۔

البتہ مواہبِ لدنیہ میں حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا ایک فرمان مذکور ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ میری والدہ نے بھی دیگر عورتوں کی طرح شروع میں حمل کا بوجھ محسوس کیا اور اپنی سہیلیوں سے اس کا ذکر کیا۔ پھر آپ فرماتے ہیں: میری والدہ نے خواب میں دیکھا کہ ان کے بطنِ اطہر میں جو امانت ہے وہ نور ہے۔ یوں دونوں طرح کی روایات میں بوجھ محسوس کرنے اور نہ کرنے کا ذکر آتا ہے۔ اس اختلاف کو علمائے کرام نے نہایت لطیف انداز میں یوں جمع کیا ہے کہ حمل کے آغاز میں کچھ بوجھ یا غیر معمولی کیفیت محسوس ہوئی ہو، لیکن جب نورِ محمدی اپنی تجلیات کے ساتھ ظاہر ہوا تو وہ ابتدائی کیفیت بھی ختم ہوگئی اور پورا زمانۂ حمل راحت، سکینت اور خاص رحمت کا مظہر بن گیا۔ (13)

دورانِ حمل کے عجائبات

امام ابو نعیم اصبہانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت آمنہ رضی اللہُ عنہا سے مروی ایک نہایت عظیم الشان واقعہ نقل کیا ہے۔ آپ فرماتی ہیں کہ جب میں چھ ماہ کی حاملہ تھی تو ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی نورانی پیکر میرے پاس آتا ہے اور نہایت شفقت کے ساتھ کہتا ہے: اے آمنہ! آپ کو عنقریب تمام جہانوں سے بہتر اور برتر ہستی کی ماں بننے کا شرف نصیب ہونے والا ہے۔ پھر اس نے ہدایت فرمائی کہ جب وہ مبارک ہستی دنیا میں تشریف لائے تو ان کا نام محمد رکھئے گا اور جن انوار و تجلیات کا مشاہدہ آپ دورانِ حمل کریں، انہیں کسی پر ظاہر نہ کیجئے گا۔ (14) اسی مفہوم کی ایک اور روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ سیدہ آمنہ نے خواب میں یہ پکار سنی کہ آپ تمام مخلوقِ خدا سے بہتر اور تمام جہانوں کے سردار کی ماں بننے والی ہیں۔ اس ہستی نے فرمایا کہ ان کا نام محمد اور احمد رکھئے گا، نیز یہ کہ جب وہ پیدا ہوں گے تو ان کے گلے میں ایک مخصوص تعویذ ڈال دیجئے گا۔ حضرت آمنہ فرماتی ہیں کہ میں خواب سے بیدار ہوئی تو اپنے سر کے نزدیک ایک سنہری تحریر رکھی ہوئی دیکھی جس کے حروف نہایت چمک دار اور نورانی تھے۔ اس تحریر میں اللہ پاک کی پناہ اور اس کی وحدانیت کا اظہار کچھ یوں تھا:

میں پناہ مانگتی ہوں اللہ وحدہ لاشریک کی ہر حاسد کے شر سے، ہر بھٹکی ہوئی مخلوق کے شر سے، چاہے وہ کھڑی ہو یا بیٹھی ہو، سیدھی راہ سے ہٹی ہوئی ہو یا فساد کی کوشش کرنے والی ہو۔ میں پناہ مانگتی ہوں ہر اس کے شر سے جو پھونک مارنے والا

یا گرہیں لگانے والا ہے اور اس مردود مخلوق کے شر سے جو لوگوں کی گزر گاہوں میں گھات لگائے بیٹھی رہتی ہے۔ میں اس بچے کو اللہ پاک کی پناہ میں دیتی ہوں اور اسے اسی کے ظاہری و باطنی دستِ قدرت کے حوالے کرتی ہوں۔ بے شک اللہ پاک ہی تمام مخلوقات پر غالب ہے، وہی محافظ ہے اور اسی نے انہیں اپنے حجاب میں لے رکھا ہے، لہٰذا کوئی مخلوق انہیں قیامت تک کسی حال میں نقصان نہ پہنچا سکے گی۔ (15)

یہ روایت الفاظ کے جزوی اختلاف کے ساتھ متعدد کتبِ سیرت میں مذکور ہے، مگر کتاب شرفِ مصطفیٰ میں اس کے بعد ایک نہایت اہم اضافہ بھی بیان ہوا ہے۔ چنانچہ سیدہ آمنہ فرماتی ہیں کہ میں نے اس خواب، اس ندا اور اس نورانی تعویذ کا تذکرہ چند عورتوں سے کیا تو انہوں نے بجائے اطمینان دلانے کے کہا کہ یہ کوئی آسیب یا غیر معروف اثر معلوم ہوتا ہے، بہتر ہے کہ آپ اپنے گلے اور بازو میں لوہے کی کوئی چیز باندھ لیا کریں۔ ان کے اصرار پر میں نے ایسا کرنا شروع کیا، مگر چند ہی دنوں میں یہ عجیب کیفیت سامنے آئی کہ جو بھی لوہے کی چیز میں استعمال کرتی وہ خود بخود ٹوٹ جاتی۔ میں اسے دوبارہ باندھتی تو وہ پھر فوراً ٹوٹ جاتی۔ اس مسلسل کیفیت سے میں متعجب ہوئی اور بالآخر میں نے لوہے کی کوئی چیز باندھنا ہی ترک کر دیا۔ (16)

یہ تمام روایات اس عظیم حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ حضور کا وجودِ اقدس ابتدا ہی سے اللہ پاک کی خاص حفاظت، خصوصی عنایت اور نگرانی میں تھا۔ ان خوابوں میں دی گئی خبریں، نورانی کلمات، تعویذ کا نزول، اس کا ٹوٹ جانا اور حمل کے دوران پیش آنے والے غیر معمولی واقعات اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ جو ہستی دنیا میں تشریف لانے والی تھی وہ صرف ایک انسان نہیں بلکہ تمام جہانوں کے لئے رحمت بن کر مبعوث ہونے والی تھی۔ یہ سب بشارات اس حقیقت کو واضح کرتی ہیں کہ آپ کا ذکر، آپ کی حفاظت اور آپ کا نور آنے والے زمانوں میں پوری انسانیت کو منور کرنے والا تھا۔

نور سے سارا جہان منور ہو گیا

روایاتِ سیرت میں یہ واقعہ نہایت عظمت و جلال کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے کہ حضور ابھی اپنی والدہ ماجدہ کے شکمِ اطہر میں جلوہ افروز تھے کہ ایک رات حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے محسوس کیا کہ آپ کے بطنِ مبارک سے ایک نور ظاہر ہوا، ایسا نور کہ جس نے مشرق و مغرب تک کے ماحول کو منور کر دیا، یہاں تک کہ انہوں نے بُصریٰ کے محلات کو صاف طور پر دیکھا۔ بُصریٰ شام کی جانب واقع ایک قدیم اور نمایاں مقام ہے جس کا ذکر متعدد روایات و کتبِ سیر میں ملتا ہے۔ اسی نوعیت کا دوسرا واقعہ ولادتِ باسعادت کی ساعت میں بھی بیان کیا جاتا ہے۔ (17)

علامہ سید احمد بن زینی دحلان مکی رحمۃ اللہ علیہ اس تعلق سے نہایت اہم نکتہ بیان کرتے ہوئے اپنی کتاب السیرۃ النبویۃ میں فرماتے ہیں کہ حضرت آمنہ نے دورانِ حمل جو نور دیکھا تھا وہ خواب میں تھا، جبکہ ولادتِ مبارکہ کے وقت جو نور نظر آیا وہ عالمِ بیداری میں مشاہدہ کیا گیا۔ (18)

یوں معلوم ہوتا ہے کہ حمل کے دوران نور دیکھنا بشارت اور مقدمۂ نبوت تھا اور ولادت کے وقت نور کا پھیل جانا اس ظہورِ نورِ محمدی کی عملی تجلی تھی جو دنیا بھر کے لئے ہدایت اور رحمت بن کر جلوہ گر ہوا۔

امام ابنِ رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ اس نور کے ظہور کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ولادت کے وقت نور کا ظاہر ہونا اس بات کی علامت ہے کہ حضور وہ نور لے کر آئے ہیں جس کے ذریعے دنیا جہالت، شرک اور ظلمت کے اندھیروں سے نکل کر ایمان، توحید اور معرفتِ الٰہی کی طرف آئے گی۔

قرآنِ مجید میں اسی حقیقت کو یوں واضح فرمایا: قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۵﴾ یَّهْدِیْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَ یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَ یَهْدِیْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۱۶﴾ (پ6، المائدۃ: 15،16) (19) ترجمہ: بیشک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آگیا اور ایک روشن کتاب۔ اللہ اس کے

ذریعے اسے سلامتی کے راستوں کی ہدایت دیتا ہے جو اللہ کی مرضی کا تابع ہو جائے اور انہیں اپنے حکم سے تاریکیوں سے روشنی کی طرف لے جاتا ہے اور انہیں سیدھی راہ کی طرف ہدایت دیتا ہے۔

ولادت کے وقت نور کے بُصریٰ تک پہنچنے کی حکمت پر علما فرماتے ہیں کہ اس میں اشارہ ہے کہ شام کے علاقے کو نورِ نبوت کے اثرات میں خصوصی حصہ ملے گا۔ حضرت کعبُ الاحبار رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفصیل سابقہ آسمانی کتب کی روشنی میں بیان کرتے ہیں کہ حضور کی جائے ولادت مکہ، ہجرت کا مقام مدینہ اور قیادت وغلبہ کا مرکز ملکِ شام ہوگا۔ چنانچہ تاریخ نے اس حقیقت کو ثابت کیا کہ نبوت کی ابتدا مکے سے ہوئی، اس کی تنظیم و تربیت کا مرکز مدینہ بنا اور اس کی سلطنت شام تک پھیلی۔ اسی مناسبت سے شبِ معراج میں حضور کو بیتُ المقدس اور شام کے مقدس علاقوں کی سیر کرائی گئی، جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اسی خطے کی طرف ہجرت فرماتے تھے۔ (20)

پیدائش سے پہلے ربیع الاول کی ہر رات بشارت

علامہ ابن جوزی فرماتے ہیں:

✍ پہلی رات: ربیع الاول کی پہلی رات سیدہ آمنہ کو بے پناہ مسرت حاصل ہوئی (گویا یہ رات ان کے لئے خوشی اور نورانی بشارت کا آغاز تھی)۔

✍ دوسری رات: انہیں آرزو پانے اور آنے والے شرف کی خبر دی گئی، (جو مستقبل کے عظیم مرتبے کی پیش گوئی تھی)۔

✍ تیسری رات: واضح ہوا کہ آپ اس ہستی کی ماں بننے والی ہیں جو حمد وشکر میں تمام جہان کی نمائندگی کرے گی۔

✍ چوتھی رات: آسمانوں سے فرشتوں کی تسبیح کی آوازیں سنائی دیں (اور ہر طرف نور چھا گیا)۔

✍ پانچویں رات: حضرت ابراہیم کو خوش خبری دیتے ہوئے سنا کہ اے آمنہ! مدح وعزت کے مالک کی ماں بننے کا شرف پانے پر خوش ہو جاؤ۔

✍ چھٹی رات: فرحت و برکت کی مکمل کیفیت آئی اور دل وروح میں سکون بکھر گیا۔

✍ ساتویں رات: نور چمکا اور مدھم نہ ہوا (حضور کی عظمت کی ابتدائی علامت ظاہر ہوئی)۔

✍ آٹھویں رات: فرشتے سیدہ آمنہ کے گرد طواف کرنے لگے (اور ان کے گرد نورانی حلقہ قائم ہوا)۔

✍ نویں رات: سیدہ آمنہ کی سعادت وغنا واضح ہوئی اور روحانی برکتیں بھرپور طریقے سے ظاہر ہوئیں۔

✍ دسویں رات: فرشتوں نے شکر وثنا کے ساتھ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا ورد کیا (جس سے ہر جانب نور کی روشنی پھیلی)۔

✍ گیارہویں رات: مشقت وتھکاوٹ دور ہو گئی اور سیدہ آمنہ کے لئے حمل مبارک کی کیفیت مکمل راحت وسکون میں بدل گئی۔ (21)

ہر رات ایک نئی بشارت، نورانی علامت اور روحانی سکون لے کر آئی جو سیدہ آمنہ کے دل ودماغ میں آنے والے عظیم شرف اور حضور کی آفاقی برکت کی روشنی بکھیرتی رہی۔ یہ سلسلہ ہر دن اور رات کے ساتھ بڑھتا گیا اور حمل مبارک کا ہر مرحلہ آسمانی نشانات کے ذریعے ممتاز ہوتا گیا۔

آسمان وزمین سے ندا کا آنا

سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: حمل کے ہر ماہ میں آسمان و زمین کے درمیان یہ نورانی ندا سنائی دیتی: آپ کو مبارک ہو! وہ وقت قریب آ پہنچا ہے جب ابو القاسم دنیا میں جلوہ افروز ہوں گے، جو تمام جہان کے لئے خیر وبرکت کا سبب بنیں گے۔ (22)

یہ آسمانی بشارت حمل کے ہر مرحلے میں حضرت آمنہ کے دل و دماغ کو سکون اور امید سے بھر دیتی تھی اور ان کی روح کو حضور کے عظیم مرتبے کی خبر مل جاتی تھی۔

ہر ماہ کسی نبی کی بشارت

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا جب حاملہ ہوئیں تو ہر ماہ ایک نبی تشریف لا کر انہیں حضور کی عظمت اور مستقبل کے شرف کے

متعلق آگاہ کرتے رہے:

✍ **پہلے ماہ:** حضرت آدم علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا کہ ایسی ہستی آنے والی ہے جو تمام جہان میں خیر و برکت کا سبب ہو گی۔

✍ **دوسرے ماہ:** حضرت ادریس علیہ السلام تشریف لائے اور حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے فضل و کرم اور شرفِ عالی کی خبر دی۔

✍ **تیسرے ماہ:** حضرت نوح علیہ السلام تشریف لائے اور بتایا کہ آپ کا نورِ نظر فتح و نصرت کا مالک ہو گا اور دینِ حق کی سربلندی کا سبب بنے گا۔

✍ **چوتھے ماہ:** حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تشریف لا کر حضور کے قدر و شرف کے متعلق آگاہ فرمایا۔

✍ **پانچویں ماہ:** حضرت اسماعیل علیہ السلام نے بشارت دی کہ جس ہستی کی آپ ماں بننے والی ہیں وہ صاحب مکارم، عزت اور اعلیٰ شان کی حامل ہو گی۔

✍ **چھٹے ماہ:** حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تشریف لا کر حضور کی قدر و جاہِ عظیم کے متعلق آپ کو بتایا۔

✍ **ساتویں ماہ:** حضرت داود علیہ السلام نے آکر بتایا کہ آپ جس ہستی کی ماں بننے والی ہیں وہ مقامِ محمود، حوضِ کوثر، لواءُ الحمد، شفاعتِ عظمیٰ اور روزِ ازل کی مالک ہے۔

✍ **آٹھویں ماہ:** حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ بشارت دی کہ آپ کو نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ماں بننے کا شرف ملنے والا ہے۔

✍ **نویں ماہ:** حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تشریف لا کر خبر دی کہ آپ کے نورِ نظر قولِ راست اور دینِ راجح کے مالک ہیں۔

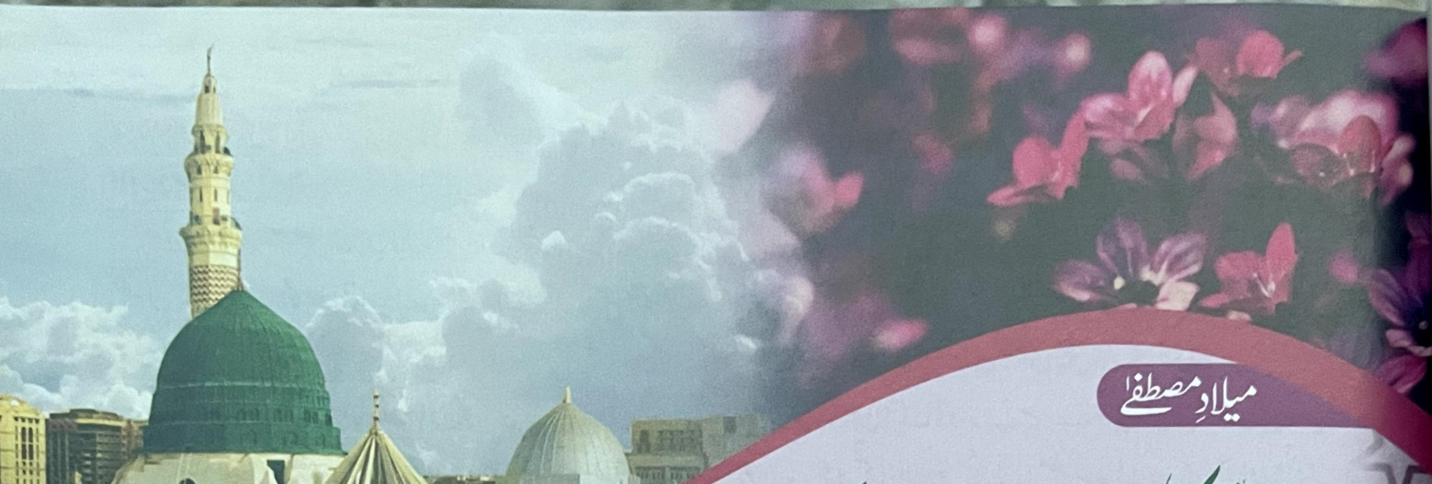
الغرض ہر ایک نبی نے انہیں بتایا کہ اے آمنہ! تمہیں بشارت ہو کہ تم دنیا و آخرت کے سردار کی ماں بننے والی ہو۔ لہٰذا جب وہ پیدا ہوں تو ان کا نام محمد رکھنا۔[23]

یہ تمام واقعات، بشارتیں اور نورانی علامات اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ولادت صرف ایک انسانی پیدائش نہیں تھی بلکہ یہ عالمِ ارواح و ملکوت کے لئے ایک عظیم واقعہ اور دنیا کے لئے رحمت و ہدایت کا آغاز تھا۔ ہر لحظہ، ہر رات اور ہر ماہ کے دوران حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کو دی جانے والی بشارتیں، فرشتوں کی تعظیم، آسمان و زمین کی ندا اور انوار کی تجلیات یہ ظاہر کرتی ہیں کہ اللہ پاک نے اپنی خاص عنایت سے یہ نورِ مصطفوی انسانیت کے لئے مبعوث فرمایا۔

حمل مبارک کی غیر معمولی راحت، نور کی تابندگی اور شیطان کی بے چینی اس بات کا عملی ثبوت ہیں کہ حضور کی آمد عالمِ غیب و شہود کے لئے ایک مبارک اور عظیم الشان واقعہ تھی۔ یہی وہ نور تھا جو تمام جہانوں کو منور کرنے، توحید کی روشنی پھیلانے اور انسانیت کو ظلم و جاہلیت سے نجات دلانے کے لئے تشریف لایا۔ اس لئے یہ واقعہ ہر دور کے مومن کے لئے سبق، روشنی اور یقین کی بنیاد ہے کہ اللہ پاک اپنی ذات اور اپنی حکمت سے مبعوث ہونے والے نبی کے ذریعے ہمیشہ کے لئے انسانیت کو ہدایت بخشتا ہے۔

---

(1) مواہب لدنیہ، 1/60، 61 ملخصاً (2) مواہب لدنیہ، 1/61 (3) دلائل النبوۃ لابی نعیم، ص362، حدیث:555 (4) شرف المصطفیٰ، 1/347، حدیث:92 (5) فتاویٰ رضویہ، 26/407 (6) مرآۃ المناجیح، 4/171 (7) جامع الآثار فی مولد النبی المختار، 2/715 (8) سیرت حلبیہ، 1/69 (9) خصائص کبری، 1/72 (10) جامع الآثار فی مولد النبی المختار، 2/704 (11) خصائص کبری مترجم، ص140 (12) سیرت حلبیہ، 1/69 (13) مواہب لدنیہ، 1/62 (14) دلائل النبوۃ لابی نعیم، ص362، حدیث:555 (15) دلائل النبوۃ لابی نعیم، ص77، حدیث:78 (16) شرف المصطفیٰ، 1/351، حدیث:97 (17) مدارج النبوت مترجم، 2/28 (18) سیرۃ نبویۃ للدحلان، 1/45 (19) لطائف المعارف، ص173 (20) لطائف المعارف، ص174 (21) رسائلِ میلادِ مصطفیٰ، مولد العروس، ص227 (22) مدارج النبوت مترجم، 2/28 (23) رسائلِ میلادِ مصطفیٰ، مولد العروس، ص225



حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شبِ ولادت کے واقعات

محترمہ ام حنظلہ عطاریہ*

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی شبِ ولادت انسانی تاریخ کی وہ مبارک گھڑی تھی جس نے کائنات کی روح میں نئی زندگی پھونک دی۔ یہ وہ رات تھی جب زمین و آسمان کے پردوں پر نور کے دریچے کھل گئے، فضا میں ایسی لطیف شان کی سرگوشیاں بکھر گئیں جنہوں نے صدیوں سے سوئے ہوئے دلوں کو بیدار کرنے کی بشارت دی۔ اللہ پاک نے اپنے آخری و پیارے نبی صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی آمد کے چراغ کی روشنی کو ظاہر کرنے کے لئے ایسے غیر معمولی مناظر ظاہر فرمائے جنہیں سابقہ امتوں کی کتب میں صدیوں سے بیان کیا جاتا رہا تھا۔ آسمانی علامتیں ہوں یا زمینی نشانیاں، ہر سمت کائنات اپنی زبانِ حال سے گویا یہ اعلان کر رہی تھی کہ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ کی تشریف آوری کا وقت آن پہنچا ہے۔

یہ عجائبات محض واقعات نہ تھے بلکہ ایک نئے دور کے آغاز کی روشن دلیلیں تھیں؛ ہدایت، رحمت اور معرفت کے اس دور کی جن کی بنیاد حضور کے نورِ ولادت سے رکھی گئی۔ چنانچہ اس رات کے چند عجائبات کا تذکرہ پیشِ خدمت ہے:

ستاروں کا جھکنا

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ فرماتی ہیں: میں حضور کی پیدائش کے وقت ان کی والدہ ماجدہ بی بی آمنہ کے پاس موجود تھی۔ میں دیکھ رہی تھی کہ ستارے جھکنے لگے یہاں تک کہ مجھے گمان ہونے لگا کہ یہ مجھ پر آگریں گے، جب حضور پیدا ہوئے تو حضرت آمنہ سے ایسا نور نکلا جس نے در و دیوار کو جگمگا دیا اور مجھے ہر طرف نور ہی نور نظر آنے لگا۔(1)

جبکہ شواہد النبوۃ میں ہے کہ حضرت عثمان کی والدہ ماجدہ فرماتی ہیں کہ حضور کے نور کے سامنے چراغ کی روشنی بھی ماند تھی، میں نے اس رات 6 نشانیاں دیکھیں:

1. جب حضور پیدا ہوئے تو آپ نے پیدا ہوتے ہی سب سے پہلے سجدہ کیا۔
2. جب حضور نے اپنا سرِ مبارک سجدے سے اٹھایا تو نہایت فصاحت کے ساتھ فرمایا: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰه۔
3. حضور کی پیدائش پر تمام گھر روشن ہو گیا۔
4. حضور پیدا ہوئے تو میں نے آپ کو نہلانا چاہا لیکن ہاتفِ غیبی سے آواز آئی: اپنے آپ کو تکلیف میں نہ ڈالئے، ہم نے آپ کو پاک وصاف پیدا کیا ہے۔
5. پھر جب میں نے معلوم کرنا چاہا کہ لڑکی ہے یا لڑکا تو میں نے آپ کو ختنہ شدہ اور ناف بریدہ دیکھا۔
6. پھر جب میں نے خیال کیا کہ آپ کو کسی کپڑے میں لپیٹوں تو میں نے آپ کی پشت پر مہرِ نبوت دیکھی اور آپ کے کندھے

*اورنگی ٹاؤن کراچی

کے درمیان لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ لکھا ہوا دیکھا۔ (2)

ولادتِ مبارکہ

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم ختنہ شدہ پیدا ہوئے، آنکھوں میں سرمہ لگا ہوا تھا، پاک صاف اتنے کہ جسمِ اقدس پر کوئی گندگی نہ تھی۔ (3)

جنت کے خازن فرشتے کی مبارک باد

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی ولادت ہوئی تو جنت کے خازن فرشتے رضوان نے آپ کے کان مبارک میں کچھ ایسی باتیں کہیں جنہیں میں سمجھ نہیں سکی، پھر اس نے آپ کی پیشانی پر بوسہ دیا اور عرض کی: اے محمد! آپ کو مبارک ہو!

- آپ کو تمام انبیائے کرام کا علم دیا گیا۔ آپ گویا کہ تمام انبیا سے زیادہ عالم ہیں۔
- آپ کا قلبِ مبارک بھی تمام انبیائے کرام کے قلوب سے قوی ہے۔
- آپ ہی کے پاس نصرت کی چابیاں ہیں۔
- لوگوں کے دلوں میں آپ کی ہیبت اور رعب ڈال دیا گیا ہے۔
- جو بھی آپ کا ذکر سنے گا اس کا دل خوفزدہ اور مضطرب ہو جائے گا۔

پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے اپنا منہ حضور کے منہ پر رکھ کر یوں کچھ ڈالا جیسے کبوتر اپنے بچے کو خوراک دیتا ہے اور حضور اپنی مبارک انگلیوں سے اسے مزید دینے کا اشارہ فرما رہے تھے۔ وہ کچھ دیر تک اسی طرح کرتا رہا۔ پھر اس نے عرض کی: یا حبیب اللہ! آپ کو مبارک ہو، ہر نبی کا علم آپ کو عطا کر دیا گیا ہے۔ اس کے بعد اس نے حضور کو اٹھا لیا اور کچھ دیر کے لئے سیدہ آمنہ کی نگاہوں سے اوجھل کر دیا۔ چونکہ آپ اس وقت گھر میں تنہا تھیں اس لئے یہ غیر معمولی مناظر دیکھ کر گھبرا گئیں اور ان کا دل شدتِ حیرت سے لرز اٹھا۔

مزید فرماتی ہیں کہ میں ابھی اسی حیرت وہیبت میں ڈوبی ہوئی تھی کہ اچانک محسوس ہوا کہ حضور واپس تشریف لا چکے ہیں اور چودھویں کے چاند کی طرح نور بکھیر رہے ہیں۔ ان کے وجودِ مسعود سے ایسی دل آویز خوشبو اٹھ رہی تھی جو کستوری کی لطیف مہک کی مانند ہر سمت پھیلتی چلی جا رہی تھی۔

اسی دوران ایک آواز نے میرے دل میں ارتعاش پیدا کیا، جو کہہ رہی تھی: ان کو مشرق و مغرب کی سیر کرواؤ اور انہیں انبیائے کرام کی جائے پیدائش بھی دکھاؤ۔

اتنے میں حضرت آدم علیہ السلام جلوہ فرما ہوئے۔ انہوں نے نہایت شفقت سے حضور کو اپنی آغوش میں لیا، بوسہ دیا اور محبت سے فرمایا: اے میرے محبوب! آپ کے لئے خوشخبری ہے، آپ اولین و آخرین کے سردار ہیں۔ پھر وہ حضور کو میرے سپرد کر کے رخصت ہو گئے۔

اسی اثنا میں ایک اور شخص نورانی عظمت کے ساتھ ظاہر ہوا۔ وہ حضور پر نگاہِ عقیدت ڈال کر بولا: اے دنیا کی عزت! اے آخرت کے شرف! آپ کے لئے مبارک ہو کہ آپ نے اللہ پاک کی مضبوط رسی تھام رکھی ہے۔ جو شخص آپ کی اطاعت کرے گا اور آپ کی رسالت کی گواہی دے گا وہ روزِ محشر آپ کے جھنڈے تلے ہو گا اور آپ ہی کے قافلے میں شامل کیا جائے گا۔ یہ کہہ کر اس نے بھی حضور کو دوبارہ میرے حوالے کیا اور پھر نظروں سے یوں اوجھل ہوا کہ میں نے اسے کبھی دوبارہ نہ دیکھا۔ (4)

پیدا ہوتے ہی سب سے پہلا کام

حضور نے اپنی ولادتِ مبارکہ کے فوراً بعد کیا کیا؟ اس بارے میں متعدد روایات منقول ہیں۔ امام قسطلانی نے امام طبرانی کے حوالے سے لکھا ہے کہ جب حضور پیدا ہوئے تو آپ کی مبارک مٹھی بند تھی اور آپ شہادت کی انگلی سے ایسا اشارہ فرما رہے تھے گویا کوئی شخص اسی انگلی سے تسبیح پڑھ رہا ہو۔ (5) ایک دوسری روایت میں یہ کیفیت یوں بیان ہوئی ہے

کہ ولادت کے وقت حضور سجدے کی ہیئت میں تھے اور آپ کی انگلیاں اس طرح اٹھی ہوئی تھیں جیسے کوئی بندہ انتہائی خشوع و خضوع کے ساتھ اپنے رب کی عبادت میں ڈوبا ہوا ہو۔[6] حضور کی پیدائش کے فوراً بعد کے یہ مناظر آپ کی عظمت اور نورانی شان کے اولین جلوے تھے۔

پہلی روایت میں صرف شہادت کی انگلی کا ذکر ہے، جبکہ دوسری میں ایک سے زائد انگلیوں کا۔ علامہ نور الدین حلبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں، کیونکہ ممکن ہے دوسری روایت میں دونوں ہاتھوں کی شہادت کی انگلیاں مراد ہوں۔ پیدا ہوتے ہی حضور کا سجدہ اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ آپ کی مبارک زندگی کی ابتدا ہی اللہ پاک کے قرب اور عبودیت کے اظہار سے ہوئی۔ اسی طرح بعض روایات میں یہ بھی مذکور ہے کہ ولادت کے وقت آپ کی شان و تمکنت خاص طور پر نمایاں تھی۔ اس لئے کہ

- جب حضور پیدا ہوئے تو آپ اپنے ہاتھوں پر جھکے ہوئے تھے اور سر آسمان کی جانب اٹھائے ہوئے تھے۔
- آپ اپنی ہتھیلیوں اور گھٹنوں کے بل جھکے ہوئے تھے اور نگاہیں آسمان پر تھیں۔
- آپ گھٹنوں کے بل جھکے ہوئے تھے۔[7]

روایات میں تطبیق

ان تمام روایات کے بعد علامہ نور الدین حلبی رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ تحقیق کا خلاصہ یہ بنتا ہے کہ یہ روایات بظاہر سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت کے مخالف دکھائی دیتی ہیں، جس میں وہ فرماتی ہیں کہ میں نے اپنے لختِ جگر کو سجدے کی حالت میں دیکھا۔ تاہم حقیقت میں کوئی تعارض نہیں، کیونکہ ممکن ہے کہ ابتدا میں حضور نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی ہو، پھر فوراً سجدے کی حالت میں آ گئے ہوں۔ اسی طرح باقی کیفیتیں بھی یکے بعد دیگرے ظاہر ہوئیں اور ہر راوی نے وہی کیفیت بیان کی جو اس کے مشاہدے میں آئی، یوں سب روایات مختلف پہلوؤں کی مکمل تصویر بن جاتی ہیں۔ نیز حضور کی پیدائش کے فوراً بعد آسمان کی طرف سر اٹھائے ہونے میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ آپ عظمت، سیادت اور سربلندی والے ہیں اور آپ کی نگاہوں کا آسمان کی جانب متوجہ ہونا اس امر کی علامت ہے کہ آپ کی توجہ اور مرکزِ نظر ابتدا ہی سے اعلیٰ و ارفع مقامات کی سمت ہے جو آپ کی بلند مرتبہ شان اور ربانی اتصال کا اظہار کرتی ہے۔[8]

مواہب میں مذکور ہے کہ جب حضور زمین پر جلوہ افروز ہوئے تو آپ نے مٹی کی ایک مٹھی اٹھائی اور اپنا سر آسمان کی جانب بلند کیا۔[9] اس پر علامہ سید احمد بن زینی دحلان مکی رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں کہ جب یہ واقعہ بنو لہب کے ایک شخص تک پہنچا تو اس نے اپنے ساتھی سے کہا: اگر یہ بات سچ ہے تو یقیناً یہ بچہ پوری زمین پر غالب آجائے گا۔[10] اس پیش گوئی نما جملے میں گویا اس روشن مستقبل کی جھلک تھی جو بعد میں حقیقت بنتی پوری دنیا نے دیکھا۔

سارا جہاں روشن ہو گیا

جنتی صحابی حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ بی بی شفا رضی اللہ عنہا حضور کی ولادتِ طیبہ کا منظر بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ جب حضور دنیا میں تشریف لائے تو میرے ہی ہاتھوں پر جلوہ افروز ہوئے اور پیدائش ہی سے ختنہ شدہ تھے۔ اسی وقت آپ کو چھینک آئی اور میں نے ایک غیبی آواز سنی جو کہہ رہی تھی: یَرْحَمُكَ اللہ۔ اس چھینک کے بعد مشرق و مغرب کے درمیان ہر شے جگمگا اٹھی اور میری نگاہوں کے سامنے شام کے محلّات تک روشن ہو گئے۔

مزید بیان کرتی ہیں کہ میرے دل پر اس غیر معمولی منظر سے خوف اور لرزہ طاری ہو گیا۔ اسی اثنا میں دائیں جانب سے ایک نور ظاہر ہوا تو ایک آواز سنائی دی: انہیں کہاں لے جایا گیا؟ جواب ملا: مغرب کی جانب تمام متبرک مقامات کی سیر کے لئے۔ پھر بائیں طرف سے بھی ایک نور پھیلا تو پھر سوال

ہوا کہ انہیں کہاں لے گئے تھے؟ ارشاد ہوا: مشرق کی سمت تمام مقدس مقامات کی طرف اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حضور بھی پیش کیا گیا۔ انہوں نے نہایت محبت سے حضور کو اپنے سینے سے لگایا اور طہارت و برکت کی دعا عطا فرمائی۔

بی بی شفا فرماتی ہیں: یہ تمام واقعات میری یاد میں ہمیشہ تازہ رہے، یہاں تک کہ جب حضور نے نبوت کا اعلان فرمایا تو میں فوراً ایمان لے آئی اور اولین سابقین میں شامل ہونے کا شرف پایا۔[11]

کسریٰ کے محل کے برجوں کا گرنا اور آتش کدہ سرد ہونا

جس رات حضور پیدا ہوئے کسریٰ کا محل لرز اٹھا اور اس کے 14 برج (مینارے) گر گئے۔ ایران کا وہ آتش کدہ سرد ہو گیا جو ایک ہزار سال سے مسلسل دہک رہا تھا۔ دریائے ساوہ خشک ہو گیا اور مجوسی عالم موبذان نے خواب میں دیکھا کہ طاقتور اونٹ عربی گھوڑوں کو ہانکتے ہوئے لائے اور دریائے دجلہ عبور کرتے ہوئے انہیں ایران میں پھیلا دیا۔ صبح ہونے پر کسریٰ شاہِ ایران بڑا پریشان تھا مگر اس نے صبر کیا اور سوچا کہ اس بارے میں وزیروں وغیرہ سے مشورہ کرنا چاہئے۔ چنانچہ،

اس نے تاج پہنا اور اپنے تخت پر بیٹھتے ہی موبذان کو بلا کر کہا: موبذان! آج رات میرے محل کے 14 برج گر گئے ہیں اور ہزار سال سے مسلسل دہکنے والا آتش کدہ بھی بجھ گیا ہے! اس پر موبذان بولا: اے بادشاہ! میں نے بھی آج ایک عجیب خواب دیکھا ہے کہ کچھ طاقتور اونٹ عربی گھوڑوں کو ہانکتے ہوئے لائے اور دجلہ عبور کروا کر انہیں ہمارے ملک میں پھیلا دیا۔

بادشاہ نے کہا: موبذان! اب بتاؤ! کیا کیا جائے؟ موبذان علم میں ان سب کا امام تھا، کہنے لگا: عرب میں کوئی حادثہ ہوا ہے۔ کسریٰ نے اسی وقت (یمن کے فرماں روا) نعمان کو حکم بھیجا کہ اس کے پاس ایک ایسے شخص کو بھیجا جائے جو اس کے سوالات کا جواب دے سکے۔ چنانچہ نعمان نے فوراً عبد المسیح نامی ایک شخص کو بھیج دیا جس سے شاہِ ایران نے جب یہ پوچھا کہ کیا تمہارے پاس میرے سوالات کا جواب ہے؟ تو وہ بولا: اگر مجھے علم ہوا تو جواب دوں گا ورنہ کسی علم والے کا راستہ بتاؤں گا جو جواب دے سکے۔ بادشاہ نے اسے سارا ماجرا سنایا تو وہ بولا: اس کا علم تو میرے ماموں سطیح کے پاس ہے جو شام کے ایک پہاڑ میں رہتا ہے۔ لہٰذا بادشاہ نے اسے وہاں بھیج دیا۔

جب وہ سطیح کے پاس پہنچا تو وہ آخری سانسیں لے رہا تھا۔ عبد المسیح کی پکار پر سطیح نے سر اٹھایا اور یہ بتایا کہ ان ساسانیوں (شاہانِ فارس) سے اتنے ہی افراد بادشاہ بنیں گے جتنے برج گرے ہیں اور جو کچھ ہونے والا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ یہ کہہ کر سطیح مر گیا۔ پھر عبد المسیح نے واپس آ کر کسریٰ کو سارا ماجرا سنایا تو وہ بولا: ہم میں سے 14 بادشاہوں کے گزرنے تک کچھ کا کچھ ہو چکا ہو گا (اس لئے کوئی فکر والی بات نہیں)۔ مگر کہتے ہیں کہ صرف 4 برس میں ان کے 10 بادشاہ گزر گئے اور باقی بھی یونہی جلد ختم ہو گئے۔[12]

حضور کی پیدائش کے وقت کی کہانی سیدہ آمنہ کی زبانی

جب حضور کی پیدائش کا وقت ہوا تو بی بی آمنہ فرماتی ہیں:

- میں گھر میں تنہا تھی، اس وقت میں نے ایک عظیم آواز سنی جس سے میں خوفزدہ ہو گئی۔
- پھر میں نے دیکھا کہ ایک سفید مرغ کا بازو میرے سینے کو مل رہا ہے تو میرا خوف وغیرہ جاتا رہا۔
- پھر میں نے دیکھا کہ میرے پاس ایک سفید شربت کا پیالہ لایا گیا، میں نے اسے پیا اور سکون و قرار حاصل ہوا۔
- اس کے بعد میں نے نور کا ایک بلند مینار دیکھا۔
- اس کے بعد اپنے پاس بلند قامت والی عورتیں دیکھیں جن کا قد عبدِ مناف کی لڑکیوں کی مانند کھجور کے درختوں کی طرح تھا۔ میں حیران ہوئی کہ یہ کہاں سے آ گئیں! اس پر ان میں سے ایک بولی: میں آسیہ فرعون کی بیوی ہوں۔ دوسری نے بتایا کہ میں مریم بنتِ عمران ہوں اور یہ عورتیں حورِ عین ہیں۔

❖ میرا حال بہت سخت ہو گیا اور ہر گھڑی عظیم سے عظیم تر آوازیں سنتی جس سے خوف معلوم ہوتا تھا۔

❖ اسی دوران میں نے دیکھا کہ زمین و آسمان کے درمیان ایک پردہ سا کھینچ دیا گیا۔

❖ پھر میں نے دیکھا کہ پرندوں کا ایک جھنڈ میرے سامنے آیا یہاں تک کہ میرا کمرہ ان سے بھر گیا، ان کی چونچیں زمرد کی اور بازو یاقوت کے تھے۔

❖ اللہ پاک نے میری آنکھوں سے پردہ اٹھا دیا اور میں نے مشارق و مغارب کو دیکھا اور یہ بھی دیکھا کہ تین جھنڈے ہیں: ایک مشرق میں، ایک مغرب میں اور ایک خانہ کعبہ کے اوپر نصب ہے۔(13)

آپ حضور کی پیدائش کے متعلق مزید فرماتی ہیں:

❖ جب آپ پیدا ہوئے تو اس وقت میں نے دیکھا کہ آپ سجدے میں ہیں اور دونوں ہاتھوں کی شہادت کی انگلیاں آسمان کی جانب اٹھائے ہوئے بڑی ہی عاجزی کے ساتھ رو رہے ہیں۔

❖ پھر میں نے ایک سفید بادل دیکھا جس نے انہیں میری نظروں سے چھپا دیا اور یہ آواز آئی کہ انہیں زمین کے مشارق و مغارب میں موجود تمام شہروں کی سیر کراؤ تاکہ وہاں کے رہنے والے ان کے اسمِ مبارک اور صورت کو پہچان لیں اور جان لیں کہ یہ شرک کے آثار کو ختم کرنے والے ہیں۔(14)

تمام انبیائے کرام کے اخلاق سے آراستہ

ایک اور روایت میں ہے کہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب حضور کو لٹایا گیا تو انہوں نے ایک بہت بڑے نورانی بادل کو دیکھا جس میں گھوڑوں کے ہنہنانے اور بازوؤں کے پھڑ پھڑانے اور لوگوں کے باتیں کرنے کی آوازیں سنیں یہاں تک کہ اس بادل نے حضور کو ڈھانپ لیا اور وہ ان کی نظروں سے غائب ہو گئے، اس وقت انہوں نے کسی کو یہ کہتے سنا کہ حضور کو زمین کے جملہ گوشوں کی سیر کرواؤ اور جن و انس کی روحوں، فرشتوں، پرندوں اور چرندوں کو زیارت کراؤ۔ نیز ان کو

- حضرت آدم کے اخلاق
- حضرت شیث کی معرفت
- حضرت نوح کی شجاعت
- حضرت ابراہیم کی خلت
- حضرت اسمعیل کی زبان
- حضرت اسحاق کی رضا
- حضرت صالح کی فصاحت
- حضرت لوط کی حکمت
- حضرت یعقوب کی بشارت
- حضرت موسیٰ کی شدت
- حضرت ایوب کے صبر
- حضرت یونس کی طاعت
- حضرت یوشع کے جہاد
- حضرت داود کے لحن
- حضرت دانیال کی محبت
- حضرت الیاس کے وقار
- حضرت یحییٰ کی عصمت اور
- حضرت عیسیٰ کے زہد

بلکہ تمام نبیوں کے دریائے اخلاق میں غوطہ دو۔ اس کے بعد وہ بادل ہٹ گیا تو انہوں نے دیکھا کہ سبز ریشمی کپڑے میں حضور خوب لپٹے ہوئے ہیں اور چشمہ کی مانند اس حریر سے پانی ٹپک رہا ہے۔ کوئی کہنے والا کہتا ہے: ماشاء اللہ! ماشاء اللہ! حضور کو تمام دنیا پر کس شان سے بھیجا گیا! دنیا کی کوئی مخلوق ایسی نہیں ہے جو آپ کی تابع فرمان نہ ہو۔ سب ہی کو آپ کے قبضۂ قدرت میں دیا گیا ہے۔ اس کے بعد جب سیدہ آمنہ نے حضور کو دیکھا تو گویا آپ چودھویں رات کے چاند کی مانند چمک رہے تھے اور آپ کے جسم اطہر سے مشک و عنبر کی لپٹیں آ رہی تھیں۔ تین شخص کھڑے تھے، ایک کے ہاتھ میں چاندی کا آفتابہ، دوسرے کے ہاتھ میں سبز زمرد کا طشت اور تیسرے کے ہاتھ میں سفید حریر تھا۔ اس کے بعد انہوں نے ایک انگشتری نکالی جس سے دیکھنے والوں کی نظریں جھپک گئیں، پھر اسے 7 مرتبہ دھویا، اس سے آپ کے شانوں کے درمیان مہر لگائی، حریر میں لپیٹ کر اٹھا لیا اور کچھ دیر اپنی آغوش میں لے کر ان کے سپرد کر دیا۔(15)

حضور کے دادا جان کا ہاتفِ غیبی کی آواز سننا

حضور کے دادا جان حضرت عبد المطلب شبِ ولادت کعبے

کے پاس تھے، جب آدھی رات ہوئی تو کیا دیکھتے ہیں کہ کعبہ مقامِ ابراہیم کی طرف جھکا اور سجدہ کیا اور اس سے آواز آئی: اللہ اکبر! اللہ اکبر! اللہ بلند و بالا ہے وہ رب ہے محمد مصطفیٰ کا۔ اب مجھے میرا رب بتوں کی پلیدی اور مشرکوں کی نجاست سے پاک فرمائے گا۔ پھر غیب سے آواز آئی: ربِّ کعبہ کی قسم! خبردار ہو جاؤ! کعبہ اس نومولود کا قبلہ و مسکن ہے۔ اس کے بعد انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ وہ بت جو کعبے کے اردگرد نصب تھے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور ہبل نامی سب سے بڑا بت منہ کے بل گر پڑا۔[16]

حضور کے دادا جان کا عجائبات دیکھنا

اتنے میں انہیں حضور کی ولادت کی خبر دی گئی۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے کعبے کے لرزنے اور بتوں کے منہ کے بل گرنے کی یہ حالت دیکھی تو ایک لمحے کے لئے محسوس ہوا کہ شاید خواب میں ہوں۔ لیکن جب یقین ہو گیا کہ یہ سب بیداری ہی کے عالم میں ہو رہا ہے تو بابِ بنی شیبہ سے نکل کر بطحائے مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں کیا دیکھتے ہیں کہ صفا و مروہ کی پہاڑیاں بھی عجیب سی ہیبت ناک حرکت میں ہیں اور فضا میں ہر سمت سے گویا یہی صدا سنائی دے رہی ہے کہ آپ کو کیا ہو گیا ہے؟ آپ یہ مناظر دیکھ کر خوف زدہ کیوں ہو رہے ہیں، حالانکہ آپ قریش کے سردار ہیں! وہ اگرچہ ان حیرت انگیز مناظر سے پریشان تھے، مگر اپنے پوتے کو دیکھنے کی بے قراری ان کے دل پر غالب آ گئی۔ چنانچہ ان عجائبات سے نظریں ہٹا کر خاموشی سے گھر کی طرف بڑھنے لگے۔ جب گھر پہنچے تو سب سے پہلے حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی پیشانی پر نگاہ پڑی۔ وہاں نورِ نبی کی وہ چمک نہ دیکھ کر جو قبل از ولادت نظر آیا کرتی تھی، گھبرا کر اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے عرض کی: وہ نور اب انسانی صورت میں ظاہر ہو چکا ہے۔[17]

ہنڈیا ٹوٹ گئی

زمانہ جاہلیت میں عرب میں رواج تھا کہ نوزائیدہ بچوں کو کسی بڑے برتن سے ڈھانپ دیتے اور رات بھر اسے نہ دیکھتے۔ جب حضور پیدا ہوئے تو اس دستور کے مطابق آپ کے ساتھ بھی یہی کیا گیا، مگر تقدیر نے ایک عجیب منظر دکھایا۔ ایک روایت کے مطابق جب آپ دنیا میں تشریف لائے تو ایک زبردست نور چمکا اور پیدائش ہی کے وقت آپ دونوں مبارک ہاتھ زمین پر رکھ کر بیٹھ گئے، جبکہ آپ کی نگاہیں آسمان کی جانب بلند تھیں۔ پھر گھر والوں نے آپ پر ایک بڑی ہنڈیا رکھ دی، لیکن کچھ ہی دیر میں وہ دو ٹکڑے ہو گئی۔[18] اس واقعے میں گویا اس نورانی شخصیت کی عظمت اور دنیا پر غالب آنے والی شان کی ابتدائی جھلک واضح ہوئی۔

ایک روایت میں ذکر ہے کہ حضور کو پیدا ہونے کے فوراً بعد ایک طشت کے سائے میں رکھا گیا۔ جب طشت کو ہٹایا جاتا تو دیکھا جاتا کہ آپ کی نگاہیں آسمان کی جانب جمی ہوئی ہیں۔[19] ایک دوسری روایت میں حضرت آمنہ فرماتی ہیں کہ میں نے آپ پر برتن رکھا، مگر تھوڑی ہی دیر بعد وہ ٹوٹا ہوا پایا اور دیکھا کہ آپ اپنا مبارک انگوٹھا چوس رہے تھے، جس سے دودھ جاری تھا۔ بعض مفسرین کے نزدیک برتن یا ہنڈیا وغیرہ کے پھٹ جانے میں یہ نشانی پوشیدہ تھی کہ یہ نوزائیدہ عالمِ انسانیت پر غالب آئے گا اور اس کے وسیع اثرات تمام افراد پر واضح ہوں گے۔ اسی طرح آپ کے وجودِ مبارک نے جہالت کے اندھیروں کو دور کرنے اور کائنات میں نورانی راہ نمائی پھیلانے کا پہلا اعلان کیا۔[20]

---

(1) دلائل النبوۃ لابی نعیم، ص76، حدیث:76 (2) شواہد النبوۃ مترجم، ص70 (3) السیرۃ النبویۃ للدحلان، 1/45 (4) شرف المصطفیٰ، 1/360، حدیث:107 (5) مواہب لدنیہ، 1/67 (6) نہایۃ الارب، 16/49 (7) سیرت حلبیہ، 1/80 (8) سیرت حلبیہ، 1/80 (9) مواہب لدنیہ، 1/67 (10) السیرۃ النبویۃ للدحلان، 1/46 (11) مدارج النبوت مترجم، 2/30 (12) دلائل النبوۃ لابی نعیم، ص78، حدیث:82 (13) مدارج النبوت مترجم، 2/30 (14) مدارج النبوت مترجم، 2/30 (15) مدارج النبوت مترجم، 2/31 (16) مدارج النبوت مترجم، 2/32 (17) شرف المصطفیٰ، 1/361 تا 363، حدیث:108 (18) دلائل النبوۃ لابی نعیم، ص78، حدیث:80 (19) لطائف المعارف، ص184 (20) سبل الہدیٰ والرشاد، 1/346



حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی پیدائش پر اہلِ کتاب، شیاطین اور بتوں کی حالت

محترمہ بنتِ طارق قادریہ*

تورات کی گواہی

حضرت کعبُ الاحبار رحمۃُ اللہِ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے تورات میں یہ بیان پایا کہ اللہ پاک نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی ولادت کے وقت کی خبر دے دی تھی۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے اپنی قوم کو بتا دیا کہ جب تم دیکھو کہ فلاں ستارہ جسے تم اپنے عرف میں ایک خاص نام سے پکارتے ہو، اپنی جگہ سے حرکت کرے اور روشن ہو کر طلوع ہونے لگے تو سمجھ لینا کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی ولادتِ باسعادت کا وقت آپہنچا ہے۔ حضرت کعبُ الاحبار مزید فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے علما اس نشانی کو نسل در نسل محفوظ رکھتے تھے اور انہیں معلوم تھا کہ یہ علامت آخری نبی کی پیدائش کے ساتھ ظاہر ہوگی۔ (1)

ایک یہودی کی پکار

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہُ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اُس وقت سات یا آٹھ برس کا بچہ تھا جب حضور کی ولادت ہوئی۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا کہ ایک یہودی صبح کے وقت اپنی قوم کو بلند آواز سے پکار رہا تھا اور بڑا ہی بے چین تھا۔ لوگوں نے اس سے پوچھا: کیوں چلّا رہے ہو؟ تو اس نے جواب دیا: آج رات احمد کا ستارہ طلوع ہو چکا ہے۔ (2)

یہودی تاجر بے ہوش ہو گیا

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہُ عنہا فرماتی ہیں کہ مکہ مکرمہ میں ایک یہودی تاجر رہتا تھا۔ جب وہ مبارک رات آئی جس میں حضور کی ولادت باسعادت ہوئی تو اس یہودی نے قریشیوں سے پوچھا: اے گروہِ قریش! کیا آج کی رات تم میں کوئی لڑکا پیدا ہوا ہے؟ قریشیوں نے جواب دیا: ہمیں علم نہیں۔ اس پر وہ یہودی بولا: اس آخری امت کا نبی پیدا ہو چکا ہے۔ اس کی نشانی یہ ہے کہ اس کے دونوں مبارک شانوں کے درمیان ایک علامت ہے، جس میں گھوڑے کی رگ کی مانند بال جمع ہیں۔ پھر جب اسے سیدہ آمنہ رضی اللہُ عنہا کے پاس لے جایا گیا اور اس نے حضور کی پشتِ مبارک سے قمیص اٹھا کر مہرِ نبوت کو دیکھا تو وہ چیخ مار کر بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا اور ہوش آنے پر کہنے لگا: خدا کی قسم! بنی اسرائیل سے نبوت اٹھا لی گئی۔ (3)

اس حدیثِ پاک سے معلوم ہوا کہ حضور اپنی ولادت ہی کے ساتھ شانوں کے درمیان مہرِ نبوت لئے ہوئے تھے اور یہی وہ واضح علامت تھی جس سے اہلِ کتاب حضور کی پہچان کیا کرتے تھے اور اسے دیکھنے کا مطالبہ بھی کیا کرتے تھے۔ (4)

یوسف نامی یہودی کی حالت

علامہ واقدی کے بیان کے مطابق مکہ مکرمہ میں یوسف نامی

*(بی ایڈ آنرز) لالہ موسیٰ

ایک یہودی سکونت پذیر تھا۔ جب حضور کی ولادتِ باسعادت ظہور پذیر ہوئی تو یہ شخص اس خبر کی تحقیق کے لئے قریش کی ہر محفل میں پہنچا اور ہر گروہ سے یہی پوچھتا پھرتا رہا کہ اے گروہِ قریش! تمہارے ہاں آج رات اس امت کا نبی پیدا ہوا ہے؟ چونکہ اُس وقت تک قریش میں سے کسی کو بھی اس واقعے کی تفصیلی خبر نہ ملی تھی، اس لئے اسے واضح جواب نہ مل سکا۔ آخر کار جب وہ حضرت عبد المطلب کے پاس آیا اور ان سے معلوم ہوا کہ واقعی حضرت عبدُ اللہ کے گھر فرزند پیدا ہوا ہے، تو فوراً بے اختیار پکار اُٹھا: تورات کی قسم! وہی نبی ہیں۔ (5)

مکے کے علاوہ دیگر مقامات کے یہودی بھی جان گئے

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بنو قریظہ، بنو نضیر، فدک اور خیبر کے یہودی حضور کی ولادت سے پہلے ہی آپ کی صفات سے واقف تھے۔ وہ جانتے تھے کہ آخری نبی مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کریں گے۔ جب آپ کی ولادت باسعادت ہوئی تو یہودی علما ایک دوسرے سے کہنے لگے: آج رات احمد مجتبیٰ پیدا ہو گئے ہیں، ان کا ستارہ طلوع ہو چکا ہے۔ (6)

اسی طرح مرالظہران کے مقام پر ایک شامی راہب اہلِ مکہ کو بار بار یہ خبر دیا کرتا تھا کہ عنقریب ایک ایسا بچہ پیدا ہونے والا ہے جس کے دین کو اہلِ عرب قبول کریں گے اور سلطنتِ عجم بھی اس کے زیرِ نگیں آئے گی۔ جب اسے یہ معلوم ہوا کہ حضرت عبد المطلب کے گھر ایک فرزند پیدا ہوا ہے تو اس نے پوچھا: اس کا کیا نام رکھا گیا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ اس کا نام محمد رکھا ہے تو وہ بے اختیار کہہ اٹھا: اللہ پاک کی قسم! میں جانتا تھا کہ وہ بچہ تمہارے ہی گھرانے میں پیدا ہو گا۔ اس کی پہچان کی تین نشانیاں مکمل ہو چکی ہیں: 1 اس کا ستارہ گزشتہ رات طلوع ہوا 2 وہ آج کے دن پیدا ہوا اور 3 اس کا نام محمد ہے۔ (7)

شیاطین کی حالت

شیاطین کو آسمانوں سے روک دیا گیا

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ شیاطین کو عام طور پر آسمانوں پر جانے کی اجازت تھی اور وہ زمین پر رونما ہونے والے امور کی خبریں کاہنوں تک پہنچایا کرتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی ولادت کے وقت انہیں تین آسمانوں سے روکا گیا، جبکہ بعض روایات کے مطابق چار آسمانوں سے روک دیا گیا۔ حضور کی ولادتِ باسعادت کے موقع پر شیاطین کو تمام آسمانوں سے روک دیا گیا اور آسمانوں کو شہابِ ثاقب سے محفوظ کر دیا گیا، تاکہ کوئی چوری چھپے سن نہ سکے۔ بعد ازاں جب حضور نے اپنی نبوت کا اعلان فرمایا تو شہابِ باری میں بھی اضافہ ہوا اور تیزی پیدا ہوئی۔ (8)

شیطان کا دھاڑیں مار کر رونا

تفسیر بقی بن مخلد کے حوالے سے کئی مؤرخین و سیرت نگاروں نے یہ بات نقل کی ہے کہ شیطان چار مرتبہ دھاڑیں مار مار کر رویا:

1 جب اس پر لعنت کی گئی۔
2 جب اسے زمین پر اتارا گیا۔
3 جب حضور کی ولادت ہوئی۔
4 اور جب سورۂ فاتحہ نازل ہوئی۔ (9)

یہی روایت امام مجاہد سے بھی منقول ہے مگر اس میں ہے کہ شیطان تیسری مرتبہ حضور کی بعثت کے وقت رویا تھا۔ (10)

جبلِ ابی قبیس پر شیطان کی پریشانی

جب اللہ پاک کے اذن سے نورِ سرکار بی بی آمنہ رضی اللہ عنہا کے بطنِ اطہر میں منتقل ہوا تو شیطان لعین 40 دن تک اوندھے منہ پڑا رہا، پھر جبلِ ابی قبیس پر پہنچ کر بلند آواز سے رونے لگا، دیگر شیاطین اس کے پاس جمع ہوئے اور وجہ پوچھی تو وہ بولا: تم سب ہلاک و برباد ہو جاؤ! فلاں عورت نے ہم سب کی ہلاکت کا سامان کر دیا ہے۔ پھر اس نے انہیں بتایا کہ جلد ہی آخری نبی حضرت محمد پیدا ہونے والے ہیں، ان کے پاس توحید کی ایسی تلوار ہو گی جس سے وہ ہمیں اس طرح کاٹیں گے کہ اس کے بعد زندگی کا تصور محال ہو گا، وہ تمام ادیان کو مٹا دیں گے، بہت

پرستی کا خاتمہ کر دیں گے، بلکہ ہم دنیا میں جدھر بھی جائیں گے اللہ پاک کی وحدانیت کا ہی چرچا پائیں گے۔[11]

حضور کی پیدائش پر شیطانی کانفرنس

جب حضور کی پیدائش ہوئی تو شیطان نے اپنے لشکریوں سے کہا: آج رات ایک ایسا بچہ پیدا ہوا ہے جو ہمارا معاملہ برباد کر دے گا۔ اس پر اس کے لشکریوں نے اسے مشورہ دیا کہ اگر ایسا ہے تو پھر اگر ممکن ہو تو تم ہی جاکر اس بچے کی عقل میں خرابی پیدا کر دو۔ چنانچہ شیطان کو یہ بات اچھی لگی مگر جب وہ اس پر عمل کرنے کے لئے حضور کے قریب ہوا تو اللہ پاک نے حضرت جبرائیل امین علیہ السلام کو آپ کی حفاظت کے لئے بھیجا اور انہوں نے آتے ہی شیطان لعین کو کھینچ کر ایسی ٹانگ رسید کی کہ وہ ملکِ عدن میں جا گرا۔[12]

بتوں کی حالت

قریش کا ایک بت تھا جس کے پاس وہ اکٹھے ہو کر ہر سال عید اور جشن مناتے اور اعتکاف بھی کرتے۔ حضور کی شب ولادت انہوں نے دیکھا کہ وہ بت اوندھا پڑا ہوا ہے، انہوں نے اسے اٹھا کر دو تین بار اپنی جگہ کھڑا کیا مگر وہ ہر بار گر جاتا۔[13]

سیرتِ حلبیہ اور دیگر کتبِ سیرت میں ذکر ہے کہ ورقہ بن نوفل، زید بن عمرو بن نفیل اور عبد اللہ بن جحش موجود تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ ایک بت بار بار اوندھا ہو رہا ہے۔ جب سبب پوچھا گیا تو بت کے پیٹ سے آواز آئی کہ ایک ایسا بچہ پیدا ہو چکا ہے جس کے نور سے مشرق و مغرب روشن ہو گئے ہیں۔ یہ واقعہ حضور کی ولادت کی عظمت اور علامتوں کو ظاہر کرتا ہے۔[14]

یہ واقعہ امام خرائطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ہواتف الجنان میں حضرت اسماء بنتِ ابی بکر سے کچھ یوں نقل کیا ہے کہ واقعہ فیل کے بعد زید بن عمرو اور ورقہ بن نوفل نجاشی کے پاس گئے۔ نجاشی نے ان سے پوچھا کہ کیا قریش میں کوئی ایسا شخص ہے جس کے والد نے اسے ذبح کرنے کا ارادہ کیا ہو مگر بعد میں اس کی طرف سے بہت سے اونٹ ذبح کیے گئے ہوں۔ انہوں نے اثبات میں جواب دیا تو نجاشی نے مزید تفصیلات پوچھیں، حقیقت میں وہ حضور کی پیدائش کی رات رونما ہونے والے عجائبات جاننا چاہتا تھا۔ پہلے ورقہ بن نوفل بولے: اس رات میں ایک بت کے قریب گیا اور اس کے پیٹ سے سنا کہ نبی کریم پیدا ہو چکے ہیں۔ اس کے بعد دنیاوی بادشاہ (اگر مطیع نہ ہوئے تو) ذلیل ہوں گے، گمراہی دور ہو جائے گی اور شرک منہ پھیر کر بھاگے گا۔ پھر وہ بت منہ کے بل گر پڑا۔

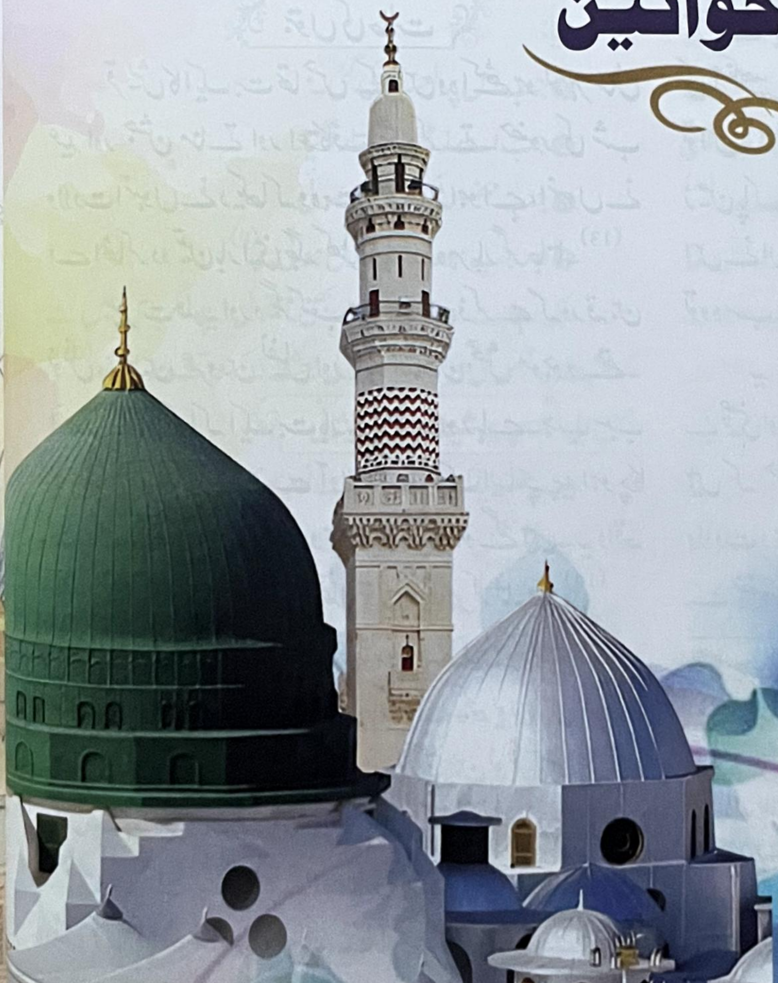
اس کے بعد زید بن عمرو نے بتایا کہ اس رات جبلِ ابی قبیس پر دو سبز پروں والا ایک فرشتہ آسمان سے اتر کر مکے کی طرف دیکھ کر اعلان کرتا رہا کہ آج وہ ہستی پیدا ہو چکی ہے جسے الامین کہا جائے گا۔ شیطان ذلیل ہو گا اور بت پرستی کا خاتمہ ہو گا۔ اس فرشتے نے ایک کپڑا پھیلایا جس نے مشرق و مغرب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور اس کے نیچے ہر چیز روشن ہو گئی، یہاں تک کہ ان کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ پھر وہ فرشتہ اڑ کر خانہ کعبہ کے اوپر آیا تو اس کے نور سے سارا تہامہ روشن ہو گیا۔ پھر وہ فرشتہ بولا: ساری زمین پاک ہو گئی ہے اور اس کی بہار لوٹ آئی ہے۔ اس کے بعد اس نے ان بتوں کی طرف اشارہ کیا جو خانہ کعبہ کی چھت پر تھے تو وہ سب نیچے گر پڑے۔[15]

یہ تمام روایات اہلِ کتاب کی پیش گوئی، شیاطین کی بے چینی اور بتوں کے لرزنے کے ذریعے اس حقیقت کی تصدیق کرتی ہیں کہ حضور کی ولادت ایک عظیم اور معجزاتی واقعہ تھی۔ یہ ولادت دنیا میں حق و باطل کے درمیان فیصلہ کن موڑ تھی، جس سے حضور کی عظمت اور نبوت کی پہچان سب پر واضح ہو گئی۔

---

1 سیرۃ نبویۃ للدحلان، 1/48 2 مدارج النبوت مترجم، 2/30 3 مدارج النبوت مترجم، 2/29 4 لطائف المعارف، ص183 5 سیرۃ نبویہ للدحلان، 1/49 6 طبقات ابن سعد، 1/126 7 مواہب لدنیہ، 1/76 8 سیرۃ نبویہ للدحلان، 1/48 9 بدایہ ونہایہ، 2/223 10 حلیۃ الاولیاء، 3/341، رقم: 4209 11 شرف المصطفیٰ، 1/347، حدیث: 92 12 خصائص کبریٰ، 1/86 13 مدارج النبوت مترجم، 2/33 14 سیرت حلبیہ، 1/104 15 سبل الہدی والرشاد، 1/351

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت رکھنے والی خواتین





حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ

محترمہ ام الابصار قادریہ*

زمانہ جاہلیت میں حسب و نسب کی اہمیت

زمانہ جاہلیت میں عرب معاشرے میں عورتوں پر ظلم و ستم کی داستانوں، بلکہ انہیں زندہ درگور کرنے کے واقعات تو تاریخ کی کتب میں ملتے ہیں مگر اس دور میں عورتوں کی جو قدر اور عظمت عربوں کے دلوں میں موجود تھی اس کے متعلق تاریخ کے اوراق میں کچھ زیادہ نہیں ملتا۔ گویا اس وقت کے عرب معاشرے کے منفی پہلو کو اجاگر کر کے تصویر کا ایک رخ تو بیان کیا گیا مگر عورت کی تقدیس کے حوالے سے تصویر کے دوسرے رخ سے پہلو تہی کی گئی۔

اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ عرب ہمیشہ اپنے حسب و نسب پر فخر کرتے دکھائی دیتے اور ان کے ہاں کسی بھی فرد کے معزز ہونے کا معیار اس کے حسب نسب پر ہی موقوف تھا۔ یہی وجہ ہے کہ عرب حسب نسب کا خاص خیال رکھتے اور اس پر کوئی سمجھوتہ نہ کرتے۔ جیسا کہ حضرت ابو الاسود دوئلی نے اپنے بیٹوں سے فرمایا: میں نے تم پر تمہارے بچپن اور لڑکپن میں احسان کیا بلکہ اس وقت بھی احسان کیا جب تم پیدا بھی نہ ہوئے تھے۔ انہوں نے عرض کی: بچپن اور لڑکپن کی بات تو سمجھ میں آتی ہے، مگر ہماری پیدائش سے پہلے احسان سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: میں نے تمہارے لئے ایسی ماؤں کا انتخاب کیا جن کی وجہ سے تم پر کوئی انگلی نہیں اٹھا سکتا۔[1]

اسی طرح زمانہ جاہلیت کا مشہور دانشور اکثم بن صیفی اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہتا ہے: اے میرے بیٹے! عورتوں کا ظاہری حسن و جمال تمہارے نسب کو خراب نہ کر دے۔ کریم عورتوں سے نکاح عزت و شرف کا زینہ ہے۔[2] چنانچہ،

حضور کا حسب و نسب

اس تناظر میں اگر اس بات کا جائزہ لیا جائے کہ جن ہستیوں کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کے والدین بننے کا شرف حاصل ہونا تھا وہ حسب و نسب کے اعتبار سے کتنی عظیم ہوں گی! اس بارے میں وہ فرمانِ مصطفےٰ کافی ہے کہ جس میں آپ نے ارشاد فرمایا: میں عرب کے دو سب سے افضل قبیلوں بنی ہاشم و بنی زہرہ سے پیدا ہوا۔[3] یعنی حضور کا تعلق ماں باپ کی طرف سے جن دو قبیلوں سے تھا وہ اس وقت سب سے افضل تھے، باقی رہے آپ کے والدین کریمین تو وہ کس قدر عظیم ہستیاں تھیں، ان کے ناموں سے ظاہر ہے، جیسا کہ حضور کے والد کا نام عبدُ اللہ تھا، جس کا معنی بنتا ہے: اللہ پاک کا بندہ، اللہ پاک کا عبد، یعنی عبادت اور بندگی کی طرف معنیٰ جاتا ہے جبکہ والدہ محترمہ کا اسم ذی شان آمنہ، جس کے معنیٰ میں سے امن و سکون اور پیار و محبت کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ گویا ان دونوں

* کراچی

ناموں کے معانی کو جمع کرو تو اللہ پاک کی عبادت اور امن و سکون کا نتیجہ نکلتا ہے، پھر ان کے وجودِ گرامی قدر سے جس مولودِ مسعود صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی وہ پوری کائنات کے لئے خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت اور امن وسکون کا پیغام لے کر آئے، یعنی سراپا رحمۃٌ للعالمین بن کر جلوہ گر ہوئے۔[4] زیرِ نظر تحریر میں صرف حضور کی والدہ ماجدہ حضرت بی بی آمنہ رضی اللہ عنہا کا ذکرِ خیر کیا جا رہا ہے۔

بی بی آمنہ کی عظمت

سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کو چونکہ اس ہستی کی والدہ ہونے کا شرف ملنے والا تھا جو تمام مخلوق سے افضل و اعلیٰ ہے، لہٰذا ہمارا ایمان ہے کہ آپ ان تمام اوصاف سے متصف تھیں جو کہ سرورِ انبیا کی ماں کے شایانِ شان ہونا چاہئے تھے۔ جیسا کہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بی بی آمنہ نہایت پارسا، پرہیزگار، طہارتِ نفس، شرافتِ نسب اور عزت و وجاہت والی صاحبِ ایمان خاتون تھیں۔ آپ قریش کی عورتوں میں حسب نسب اور فضیلت میں سب سے ممتاز تھیں۔[5]

ایک کاہنہ کی پیشین گوئی

حضرت آمنہ کے والد وہب کی پھوپھی سودہ بنتِ زہرہ قبیلہ قریش کی کاہنہ تھی، ایک مرتبہ وہ قبیلہ بنی زہرہ سے کہنے لگی: تمہارے درمیان ایک ایسی لڑکی ہے جو یا تو خود لوگوں کو عذابِ الٰہی سے ڈرانے والی ہوگی یا اس کا بیٹا یہ کام کرے گا، اس لئے اپنی تمام لڑکیوں کو میرے سامنے پیش کرو۔ چنانچہ اس کے سامنے لڑکیاں لائی جاتی رہیں اور وہ ہر ایک کے متعلق کچھ نہ کچھ پیشین گوئی کرتی جاتی جو بعد میں پوری بھی ہوئی، جب حضرت آمنہ اس کے سامنے آئیں تو وہ انہیں دیکھتے ہی کہنے لگی: یہ وہ لڑکی ہے جو یا تو خود نذیرہ ہے یا اس کا بیٹا نذیر ہو گا، جو بڑی شان والا اور واضح دلیل والا ہو گا۔[6]

اوراقِ تاریخ کی خاموشی

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے شادی سے پہلے کے حالاتِ زندگی ہوں یا اس کے بعد کے، ان کا تذکرہ تاریخ کی کتب میں بہت کم ملتا ہے، البتہ! جو چند تفصیلات ملتی بھی ہیں تو ان کا تعلق کسی نہ کسی طرح حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے ساتھ ہے، اس کی کئی وجوہات ہیں، ایک تو مؤرخین کا ان کے حالاتِ طیبہ کو بخوبی بیان نہ کرنا اور دوسرا ان کا چادر و چار دیواری کو ہمیشہ لازم پکڑے رہنا اور سماجی معاملات سے دور رہنا ہے۔

سیدہ آمنہ ایک پردہ دار خاتون تھیں

سیدہ آمنہ نے جس دور میں آنکھ کھولی اور پرورش پائی وہ دور ایسا تھا جس میں عورتیں خوب بن سنور کر بے پردہ گھروں سے نکلتیں اور بازاروں وغیرہ میں مردوں کے دوش بدوش گھومتی پھرتی تھیں۔ مگر قربان جائیے بی بی آمنہ رضی اللہ عنہا کی شان پر! آپ نے اس دور میں بھی چادر اور چار دیواری کے تقدس کو پامال نہ ہونے دیا اور پردے کا جو حکم آپ کے نورِ نظر کے لائے ہوئے دین میں سالوں بعد نازل ہوا، اس پر آپ نے پہلے ہی خوب عمل کر کے دکھایا اور گویا ثابت کر دیا کہ آپ تو پہلے ہی سے ایک حقیقی مومنہ تھیں۔ جیسا کہ تاریخِ خمیس میں حافظ صلاح الدین علائی کے حوالے سے منقول ہے کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا انتہائی پردہ دار خاتون تھیں، ہمیشہ گھر کی چار دیواری میں رہتیں، نامحرم مردوں سے ملنا اور ان کی خبریں سننا بالکل پسند نہ فرماتیں۔[7]

وفا شعار بیوی

اگر عرب کے اس وقت کے حالات اور حافظ صلاح الدین علائی کی اس بات کے تناظر میں سیدہ آمنہ کی سیرت کا مطالعہ کیا جائے تو بلاشبہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ سیدہ آمنہ کی عقلمندی و معاملہ فہمی اور زبان دانی کی صلاحیتیں اللہ پاک کی خاص عطا کردہ تھیں۔ آپ کے متعلق سیرت نگاروں نے اگرچہ کچھ خاص نہیں لکھا، مگر آپ کے متعلق جو چند باتیں ذکر کی ہیں وہی آپ کی شخصیت کی عکاس بھی ہیں۔ چنانچہ آپ نے مختلف

مواقع پر جو اشعار برجستہ کہے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ایک وفاشعار بیوی تھیں، مثلاً: جب آپ کو اپنے سر تاج حضرت عبدُ اللہ کے وصالِ پُر ملال کی خبر ملی تو اس وقت آپ نے اپنے جذبات کا اظہار جن الفاظ میں فرمایا، وہ اس بات کے شاہد ہیں کہ آپ اپنے شوہر سے انتہائی محبت کرنے والی تھیں۔ چنانچہ حضرت عبدُ اللہ کے وصال پر آپ سے منقول قصیدے کے چند اشعار مع مفہوم ذیل میں پیشِ خدمت ہیں:

عَفَا جَانِبُ الْبَطْحَاءِ مِنَ ابْنِ هَاشِمٍ
وَ جَاوَرَ لَحْدًا خَارِجًا فِي الْغَمَاغِمِ

یعنی بطحا کی سرزمین حضرت ہاشم کے فرزند سے خالی ہو گئی ہے کہ وہ وادیِ مکہ سے دور کفن پہنے کسی قبر میں محوِ آرام ہو گیا ہے۔

دَعَتْهُ الْمَنَايَا دَعْوَةً فَأَجَابَهَا
وَ مَا تَرَكَتْ فِي النَّاسِ مِثْلَ ابْنِ هَاشِمٍ

یعنی موت نے انہیں پکارا تو انہوں نے فوراً آگے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا، (ہائے افسوس!) اب ان کی مثل (اعلیٰ پائے کا انسان) بنی ہاشم میں کوئی باقی نہیں رہا۔

عَشِيَّةَ رَاحُوا يَحْمِلُونَ سَرِيرَهُ
تَعَاوَرَهُ أَصْحَابُهُ فِي التَّزَاحُمِ

یعنی حضرت عبدُ اللہ نے جس شام کو اس جہاں سے رختِ سفر باندھا اور ان کا جنازہ اٹھایا گیا تو اس وقت (انہیں رخصت کرنے والے) ان کے دوست احباب اتنے زیادہ تھے کہ ان کا جنازہ ایک کندھے سے دوسرے کندھے پر بار بار تبدیل ہو رہا تھا۔ (جو اس بات کا ثبوت ہے کہ)

فَإِنْ يَكُ غَالَتْهُ الْمَنَايَا وَ رَيْبُهَا
فَقَدْ كَانَ مِعْطَاءً كَثِيرَ التَّرَاحُمِ

موت نے اگرچہ انہیں ہم سب سے جدا کر دیا ہے مگر (ان کے احسانات اور کرم نوازیاں اب بھی ہمارے ساتھ ہیں، کیونکہ) وہ حقیقت میں بہت زیادہ عطا کرنے اور رحم فرمانے والے تھے۔ (8)

سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے ان اشعار سے جہاں آپ کا وفا شعار ہونا معلوم ہوتا ہے وہیں یہ بات بھی معلوم ہو رہی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے والد ماجد حضرت عبدُ اللہ رضی اللہ عنہ کا اپنی زوجہ سے حسنِ سلوک کتنا عمدہ تھا کہ ان کی رحلت کے بعد سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے کتنے ہی خوبصورت انداز میں انہیں خراجِ عقیدت پیش کیا۔ بلاشبہ حضرت عبدُ اللہ اپنے وقت کے بہترین انسان تھے اور حضرت آمنہ نے جو کہا سچ کہا، جس کی تصدیق حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے اس فرمانِ عالی شان سے بھی ہوتی ہے کہ تم میں بہترین شخص وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لئے بہترین ہو۔ (9)

سیدہ آمنہ کی قادر الکلامی

عرب چونکہ اپنی زبان دانی پر فخر کرتے تھے اور اپنے مقابلے میں غیر عرب قوموں کو عجمی یعنی گونگا کہتے تھے، لہٰذا فصیح و بلیغ کلام کرنا اور اشعار کی شکل میں اپنے خیالات کا برجستہ اظہار کرنا ان کے ہاں عام تھا اور قدرت نے بھی اس حوالے سے انہیں کافی نواز رکھا تھا۔ چنانچہ،

اس ماحول میں سیدہ آمنہ کی تربیت اگرچہ گھر کی چار دیواری میں ہوئی مگر آپ نے عربوں کے ضروری علوم وفنون اپنے خاندان سے ورثے میں پائے جن میں خاندانِ بنو ہاشم کی بہو بن کر مزید نکھار آ گیا۔ مذکورہ قصیدے کے چند اشعار اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ سیدہ آمنہ کتنی قادرُ الکلام تھیں کہ جب الفاظ آپ کے مبارک منہ سے جاری ہوتے تو گویا موتیوں کی ایک حسین لڑی خود بخود تیار ہو جاتی۔ آپ کی قادرُ الکلامی کی یہ جھلک دیگر مواقع پر بھی نظر آتی ہے، مثال کے طور پر جب سیدہ حلیمہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کو لے کر اپنے گھر روانہ ہونے لگیں تو حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے جو الوداعی و برجستہ کلام فرمایا، وہ کچھ یوں تھا:

أُعِيذُهُ بِاللهِ ذِي الْجَلَالِ
مِنْ شَرِّ مَا مَرَّ عَلَى الْجِبَالِ

یعنی میں اپنے لختِ جگر کو عظمت و جلال کے مالک اللہ پاک کی پناہ میں دیتی ہوں ہر اس چیز کے شر سے جو انسانی جسم کو لاحق ہو سکتی ہے۔

حَتّٰی اَرَاہُ حَامِلَ الْحِلَالَ

وَ یَفْعَلُ الْعُرْفَ اِلَی الْمَوَالِیْ

یہاں تک کہ میرا یہ لختِ جگر عمر کے اس حصے تک پہنچ جائے کہ حلال رزق کمانے لگے اور اس کے پاس کثیر غلام ہوں جن کے ساتھ یہ حسنِ سلوک سے پیش آئے۔

وَ غَیْرِھِمْ مِنْ حِشْوَۃِ الرِّجَالِ (10)

صرف غلاموں کے ساتھ ہی اچھا سلوک نہ کرے، بلکہ دیگر معاشرے کے پسے ہوئے لوگوں کا بھی خیر خواہ بنے۔

ہر ماں اپنے لختِ جگر کے متعلق ایسی نیک تمناؤں کا اظہار اگرچہ کرتی ہے مگر قربان جایئے حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی عظمت و شان پر! آپ نے جس ہستی کو جنم دیا اس کے متعلق گویا یہ یقین رکھتی تھیں کہ آپ کا لختِ جگر ایسا عظیم سردار بنے گا جو رحیم و شفیق ہو گا اور اس کی دادرسی و خیر خواہی سے ہر دکھی دل فیض پائے گا، وہ اپنوں کے غموں کا مسیحا ہی نہ ہو گا بلکہ معاشرے کے ہر فرد کا غم گسار ثابت ہو گا۔ آپ کے یہ اشعار آپ کی شخصیت کے ان پہلوؤں کو بھی خوب واضح فرما رہے ہیں کہ آپ کو حلال و حرام کی خوب پہچان حاصل تھی اور چاہتی تھیں کہ آپ کا لختِ جگر بھی حلال کمائی کرنے والا بنے اور پھر دنیا نے دیکھا کہ آپ کی یہ خواہش و تمنا اللہ پاک نے کس طرح پوری فرمائی۔

سیدہ آمنہ کا اپنے نورِ نظر پر یقینِ کامل

سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی قادرُ الکلامی کی ایک جھلک کے ساتھ یہ بھی بیان کیا گیا تھا کہ آپ کو اپنے لختِ جگر کی عظمت پر کس قدر یقین تھا، کیونکہ جب سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کا نورِ مبارک آپ کے بطنِ اطہر میں جلوہ گر ہوا تھا، آپ مسلسل ایسی باتیں دیکھتی آرہی تھیں جو بلاشبہ ان کے نورِ نظر کی عظمت کی واضح اور روشن دلیل تھیں، لہٰذا جب بھی آپ کو حضور کی عظمت بیان کرنے کا موقع ملا تو آپ نے بڑے ٹھوس انداز میں اس کا اظہار فرمایا۔ چنانچہ،

ایسے ہی ایک موقع پر حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا سے آپ نے جو کچھ فرمایا وہ بھی آپ کے اپنے لختِ جگر کی عظمت پر یقین کی واضح مثال ہے۔ ہوا کچھ یوں کہ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں قیام کے دوران جب شقِ صدر کا واقعہ پیش آیا تو حضرت حلیمہ اور ان کے شوہر دونوں بے حد گھبرا گئے تو حضرت حارث یعنی سیدہ حلیمہ کے شوہر نے ان سے کہا: اے حلیمہ! مجھے ڈر ہے کہ ان کے اوپر شاید کچھ آسیب کا اثر ہے، لہٰذا بہت جلد تم ان کو ان کے گھر والوں کے پاس چھوڑ آؤ۔ اس کے بعد حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا آپ کو لے کر مکہ مکرمہ آئیں کیونکہ انہیں اس واقعہ سے یہ خوف پیدا ہو گیا تھا کہ شاید اب ہم کما حقہ ان کی حفاظت نہ کر سکیں گے۔ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا نے جب مکہ معظمہ پہنچ کر آپ کو آپ کی والدہ ماجدہ رضی اللہ عنہا کے سپرد کیا تو انہوں نے اپنی خداداد فراست سے جان لیا کہ ضرور کوئی ایسی بات رونما ہو گئی ہے جس کی وجہ سے یہ اتنی جلد ان کے لختِ جگر کو واپس لے آئی ہیں۔ لہٰذا جب آپ نے ان سے بصدِ اصرار دریافت فرمایا: حلیمہ! تم تو بڑی خواہش اور چاہ کے ساتھ میرے بچے کو اپنے گھر لے گئی تھی پھر اس قدر جلد واپس لے آنے کی وجہ کیا ہے؟ تو حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا نے شکم چاک کرنے کا واقعہ بیان کیا اور آسیب کا شبہ ظاہر کیا تو آپ نے فرمایا: ہر گز نہیں! خدا کی قسم! میرے نورِ نظر پر ہر گز کبھی بھی کسی جن یا شیطان کا اثر نہیں ہو سکتا، میرے بیٹے کی بڑی شان ہے۔ پھر چند حیرت انگیز واقعات سنا کر حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کو مطمئن کر دیا اور وہ حضور کو ان کے سپرد کر کے اپنے گاؤں واپس چلی گئیں۔ (11)

حضور کی عظمت کی یہ گواہیاں گاہے گاہے ملتی ہی رہتی تھیں کہ جس کے گواہ صرف حضور کے اپنے خاندان کے

لوگ یعنی ان کی والدہ ماجدہ اور دادا جان عبدُ المطلب ہی نہیں تھے بلکہ دیگر لوگ بھی ان نشانیوں کو دیکھ کر آپ کی عظمت کے شاہد تھے، چنانچہ بعض سیرت نگاروں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ جب حضرت حلیمہ حضور کو لے کر مکے شریف آرہی تھیں تو راستے میں ایک جگہ حضور ان سے جدا ہو گئے، وہ کافی پریشان ہو گئیں، خوب تلاش کیا اور بالآخر اسی پریشانی کے عالم میں حضرت عبدُ المطلب کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئیں: میں آپ کے لختِ جگر کو لے کر آرہی تھی کہ مکہ شریف کے بالائی علاقے میں وہ کہیں گم ہو گئے۔ خدا کی قسم! اب میں نہیں جانتی کہ وہ کہاں ہیں؟ حضرت عبدُ المطلب نے یہ سنا تو فوراً کعبے کے پاس کھڑے ہو کر یہ دعا کی:

یَا رَبِّ! رُدَّ وَلَدِی مُحَمَّدًا

اُرْدُدْهُ رَبِّی وَاصْطَنِعْ عِنْدِی یَدًا

یعنی اے میرے رب! میرا بیٹا محمد واپس بھیج دے، اس کو میرے پاس بھیج اور اسے میرا دست و بازو بنا دے۔

اتنے میں آسمان سے یہ آواز آئی: لوگو! پریشان مت ہو، محمد کا رب موجود ہے، وہ اس کو رسوا کرے گا نہ ضائع ہونے دے گا۔ اس پر حضرت عبدُ المطلب نے آواز دینے والے سے عرض کی: ان کو ہمارے پاس کون پہنچائے گا؟ آواز آئی: وہ تہامہ کی وادی میں فلاں درخت کے پاس ہیں۔ چنانچہ،

یہ سنتے ہی وہ فوراً ادھر چل دیئے، وہاں ایک بہت زیادہ گھنے درخت کے نیچے ایک لڑکے کو کھڑے دیکھا تو پوچھنے لگے: بیٹا! تم کون ہو؟ حضور نے جواب دیا: میں محمد بن عبدُ اللہ بن عبدُ المطلب ہوں۔ اس پر حضرت عبدُ المطلب نے کہا: تم پر میری جان قربان! میں ہی تمہارا دادا عبدُ المطلب ہوں۔ پھر انہوں نے حضور کو اٹھا کر سینے سے لگایا اور اپنے ساتھ گھوڑے پر سوار کر کے مکہ لے آئے، یہاں انہوں نے بکریاں اور گائیں ذبح کیں اور مکے والوں کی دعوت کی۔

یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد علامہ نورُ الدین حلبی رحمۃُ اللہ علیہ سیرتِ حلبیہ میں فرماتے ہیں کہ حضرت عبدُ المطلب کا حضور سے یہ پوچھنا کہ آپ کون ہیں؟ شاید اس لئے تھا کہ آپ اس عمر میں جتنے بڑے ہو گئے تھے، اتنے عام طور پر اس عمر کے بچے نہیں ہوتے، (یہی وجہ ہے کہ حضور کو ایک عرصے کے بعد دیکھ کر پہچان نہ سکے)۔[12]

تاریخ یعقوبی میں اس کی وضاحت یہ بیان کی گئی ہے کہ جب حضور واپس مکہ تشریف لائے تو اس وقت آپ کی عمر چار یا پانچ سال تھی، مگر دکھائی یوں دیتا تھا کہ آپ 10 سال کے ایک مضبوط لڑکے ہوں۔[13]

حضور کے جسمِ اطہر کی نشوونما

یاد رکھئے! حضور کے جسمِ مبارک کی نشوونما عام بچوں سے بالکل جدا تھی۔ جیسا کہ سیدہ حلیمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: حضور کی ایک دن کی جسمانی نشوونما ایسی تھی جیسے عام بچوں کی ایک ماہ میں ہوتی ہے اور آپ ایک ماہ میں اتنے بڑے ہو جاتے جتنے عام بچے ایک سال میں بڑے ہوتے ہیں۔[14] یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم دو سال کی عمر مبارک میں ہی ایک قوی اور توانا بچے کی مانند نظر آتے۔[15]

اس کے علاوہ حضور کی نشوونما کے متعلق جو تفصیلات مروی ہیں، ان کے مطابق

- حضور 2 ماہ کی عمر مبارک میں گھٹنوں کے بل چلنے لگے۔
- 3 ماہ میں اٹھ کر کھڑے ہونے لگے۔
- 4 ماہ میں دیوار کے ساتھ ہاتھ رکھ کر ہر طرف چلا کرتے۔
- 5 ماہ تک بآسانی چل پھر لیتے تھے۔
- جب عمر مبارک 6 ماہ کو پہنچی تو تیز چلنا شروع فرما دیا تھا۔
- 7 ماہ میں ہر طرف خوش اسلوبی سے دوڑتے تھے۔
- جب 8 ماہ کے ہوئے تو یوں کلام فرماتے کہ بات اچھی طرح سمجھ آجاتی۔
- 9 ماہ کی عمر میں فصیح گفتگو فرمانے لگے۔
- جب عمر مبارک 10 ماہ کی ہو گئی تو بچوں کے ساتھ تیر

اندازی میں سبقت لے جاتے۔

کسی نے حضور سے پوچھا: آپ کون ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: میں طاقت کے اعتبار سے ایک مضبوط ترین عرب، نیزہ زنی میں سب سے زیادہ دلیر اور دین میں سب سے اعلیٰ محمد بن عبدُ اللہ بن عبدُ المطلب ہوں۔ (16)

معلوم ہوا کہ جب حضور اپنی والدہ ماجدہ کے پاس واپس تشریف لائے تو قد و قامت میں دس سال کے معلوم ہوتے تھے، تیر اندازی و نیزہ زنی میں بھی ماہر تھے اور جسمانی ساخت کے اعتبار سے بھی انتہائی مضبوط تھے۔

اس کے بعد جب تک حضور اپنی والدہ ماجدہ کی پرورش میں رہے کوئی خاص واقعہ ہمارے مطالعہ کے مطابق کسی سیرت نگار نے ذکر نہیں کیا، البتہ! ابنِ اسحاق کے حوالے سے یہ ضرور منقول ہے کہ حضور اپنی والدہ ماجدہ اور (ان کے بعد) اپنے دادا حضرت عبدُ المطلب کے ساتھ اللہ پاک کی حفظ وامان میں رہے اور اللہ پاک نے حضور کو ان دونوں کی دیکھ بھال میں خوب پروان چڑھایا۔ (17) چنانچہ،

حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم چھ سال کی عمر مبارک میں گویا کسی بھی مضبوط نوجوان سے کم دکھائی نہ دیتے تھے، کیونکہ جب آپ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے ہاں سے واپس اپنی والدہ ماجدہ کے پاس مکہ مکرمہ تشریف لائے تو اس وقت آپ کی عمر تقریباً چار یا پانچ سال تھی، مگر دکھائی یوں دیتا تھا کہ آپ 10 سال کے ہیں۔ (18)

حضور کا پہلا اور آپ کی والدہ ماجدہ کا آخری سفرِ مدینہ

جب حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کچھ عرصہ اپنی والدہ ماجدہ کے پاس رہے اور انہیں اپنے لختِ جگر کی دانائی و بہادری کے کمالات کا بخوبی ادراک ہو گیا اور یہ یقین بھی ہو گیا کہ ان کا نورِ نظر مدینہ منورہ کے طویل اور دشوار سفر کی مشکلات برداشت کرنے کے قابل ہے تو انہوں نے حضرت عبدُ المطلب کی اجازت سے مدینہ منورہ جانے کا ارادہ ظاہر کیا، اس سفر سے سیدہ آمنہ کے دو مقصود تھے، ایک تو حضور کو ان کے دادا عبدُ المطلب کے ننھیال سے متعارف کروانا اور دوسرا حضور کو ان کے والد ماجد کی قبر مبارک کی زیارت کروانا۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کا فاصلہ تقریباً 300 میل (450 کلو میٹر) ہے اور یہ سارا راستہ تقریباً ریگستانی ہے، جسے طے کرنے کے لئے کسی ماہر راستہ شناس کا ساتھ ہونا انتہائی ضروری ہے، مگر سیدہ آمنہ نے حضور کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف جو سفر کیا تھا اس میں صرف حضرت اُمِّ ایمن بطورِ خادمہ آپ کے ساتھ تھیں اور آپ کا یہ کارواں (بظاہر) دو اونٹوں پر مشتمل تھا۔ (19)

یہ کارواں یقیناً کسی بڑے قافلے کا حصہ تھا، اگرچہ یہ بات کسی بھی مستند سیرت نگار نے ذکر نہیں کی کہ آپ نے یہ سفر کسی بڑے قافلے کے ساتھ کیا تھا، مگر بعض باتوں کی وجہ سے اسے جھٹلانا بھی ممکن نہیں اور وہ یہ ہیں:

1. حضرت آمنہ کی سیرت کے تذکرہ میں کہیں بھی یہ نہیں ملتا کہ آپ اس سفر کے علاوہ کبھی مکہ مکرمہ سے باہر تشریف لے گئی ہوں۔ چنانچہ ریگستان کے پرپیچ راستوں سے آگاہی کے لئے ضروری تھا کہ آپ کسی ماہر راستہ شناس کے ہمراہ جاتیں اور چونکہ آپ کے ہمراہ کسی اور کا جانا ثابت نہیں، لہٰذا لازم آئے گا کہ آپ کسی قافلے کے ساتھ تھیں۔
2. حضرت عبدُ المطلب جیسے زیرک سردارِ قریش سے بھی یہ توقع نہیں رکھی جاسکتی کہ وہ اپنے لاڈلے پوتے کو اس کی ماں کے ساتھ ہلاکت کے راستے پر جانے کی اجازت دیں گے۔ بظاہر یہ قافلہ دو کمزور عورتوں اور ایک کم سن بچے پر مشتمل تھا، مگر اس کی حفاظت کا یقیناً آپ نے کوئی ایسا بہترین انتظام کیا ہو گا کہ جس پر اعتماد کی وجہ سے آپ نے مطمئن و بے فکر ہو کر یہ اجازت دی ہو گی۔

صحرائی سفر کی مشکلات سے آگاہی

ہماری اس بات کی تائید دورِ جدید کی مفکر ڈاکٹر بنتِ شاطی کی سیدہ آمنہ کی سیرت پر لکھی گئی کتاب سے بھی ہوتی ہے جس

میں آپ فرماتی ہیں کہ جس وقت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے اس طویل اور دشوار سفر کا ارادہ کیا، وہ موسمِ گرما تھا، سورج کی تپش سے چٹانیں دہک رہی تھیں، چونکہ آپ صحرائی سفر کی صعوبتوں سے بے خبر نہ تھیں، لہٰذا آپ نے اپنی سواری وزادِ راہ کی تیاری کی اور مکہ سے شمال (شام) کی طرف جانے والے پہلے قافلے کے ساتھ ہولیں۔[20]

سیدہ آمنہ کا مدینہ منورہ میں قیام

مدینہ منورہ کا نام اس وقت یثرب تھا جہاں سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے بنو عدی بن نجار کے ہاں دارُ النابغہ میں ایک ماہ تک قیام فرمایا۔[21]

حضور کا اپنی والدہ کے ساتھ قیامِ مدینہ کو یاد کرنا

اس مہینا بھر قیام کے دوران جو واقعات پیش آئے حضور بعدِ ہجرت بسا اوقات ان یادوں کو تازہ فرمایا کرتے تھے، مثلاً: جب اس مکان کو دیکھتے جہاں اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ قیام کیا تھا تو فرماتے: یہی وہ مکان ہے جس میں میری والدہ نے قیام کیا تھا، یہیں میرے والد ماجد کو بھی دفنایا گیا تھا اور میں نے بنو عدی بن نجار کے تالاب میں تیرنے میں مہارت حاصل کی تھی۔[22]

یہود حضور کی حقیقت جان گئے

حضرت اُمِّ ایمن رضی اللہ عنہا سے بھی اس وقت کی چند یادیں منقول ہیں۔ سیدہ آمنہ چونکہ حضور کے متعلق خوب آگاہ تھیں اور انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ یہود کو اگر ان کے لختِ جگر کی حقیقت معلوم ہو گئی تو وہ ان کے دشمن ہو جائیں گے، لہٰذا آپ ہمیشہ محتاط رہتیں، مگر پھر بھی یہود کے کانوں تک یہ بات پہنچ ہی گئی اور وہ حضور کے آخری نبی ہونے کی تصدیق کرنے کے مختلف طریقے اپنانے کی کوشش کرنے لگے جس کے لئے وہ اس گھر تک بھی پہنچ گئے جہاں آپ کا قیام تھا۔ جب سیدہ آمنہ کو حضرت اُمِّ ایمن کی زبانی معلوم ہوا کہ یہود ان کے لختِ جگر کے متعلق ایسی ایسی باتیں کر رہے ہیں تو آپ ڈر گئیں اور آپ نے مزید قیام کرنا مناسب نہ جانا اور فوری کوچ کا ارادہ کر لیا۔[23]

خوش قسمتی سے واپسی پر بھی آپ کو ایک ایسا ہی بااعتماد قافلہ مل گیا کہ جس کے ساتھ آپ بحفاظت سفر کر سکتی تھیں۔ مگر زندگی نے وفا نہ کی اور جب قافلہ ابوا کے مقام پر پہنچا تو طبیعت کی خرابی کی وجہ سے آپ اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملیں اور وہیں ایک پہاڑی پر ہی آپ کی آخری آرام گاہ بنا دی گئی۔[24]

بی بی آمنہ کے اشعار

حضرت آمنہ کے اس آخری سفر کے وقت اس قافلے میں چونکہ دیگر خواتین بھی ہم سفر تھیں، لہٰذا انہی میں سے ایک خاتون فرماتی ہیں کہ میں سیدہ آمنہ کے وصالِ پُر ملال کے وقت ان کے پاس موجود تھی، حضور سیدِ عالم اپنی والدہ ماجدہ کے سر کی طرف کھڑے تھے، ان کی والدہ ماجدہ نے بوقتِ وصال حضور کو محبت سے دیکھ کر ارشاد فرمایا:

بَارَكَ اللّٰهُ فِيْكَ مِنْ غُلَامٖ
يَا ابْنَ الَّذِىْ مِنْ حَوْمَةِ الْحِمَامٖ
نَجَا بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْمُنْعَامٖ
فُوْدِىَ غَدَاةَ الضَّرْبِ بِالسِّهَامٖ
بِمِائَةٍ مِّنْ اِبِلٍ سَوَامٖ
اِنْ صَحَّ مَا اَبْصَرْتُ فِى الْمَنَامٖ
فَاَنْتَ مَبْعُوْثٌ اِلَى الْاَنَامٖ
مِنْ عِنْدِ ذِى الْجَلَالِ وَ الْاِكْرَامٖ
تُبْعَثُ فِى الْحِلِّ وَ فِى الْحَرَامٖ
تُبْعَثُ فِى التَّحْقِيْقِ وَ الْاِسْلَامٖ
دِيْنِ اَبِيْكَ الْبَرِّ اِبْرَاهَامٖ
فَاللّٰهُ اَنْهَاكَ عَنِ الْاَصْنَامٖ
اَنْ لَّا تُوَالِيَهَا مَعَ الْاَقْوَامٖ

یعنی اے میرے نورِ نظر! اللہ پاک تم کو بابرکت کرے۔ اے اس عظیم باپ کے لختِ جگر! جس نے موت کے گھیرے سے نجات پائی۔ بڑے انعام والے بادشاہ اللہ پاک کی مدد سے کہ جس صبح کو قرعہ ڈالا گیا، 100 بلند اونٹ ان کے فدیے میں

قربان کیے گئے۔ (اے میرے لختِ جگر!) جو کچھ میں نے خواب میں دیکھا ہے اگر وہ درست ہے تو عزّت و جلال والا رب حرم و غیر حرم ہی نہیں بلکہ ہر علاقے و مخلوق کا تمہیں پیغمبر بنائے گا، تم یقیناً حق و اسلام یعنی اپنے جدِّ امجد حضرت ابراہیم کے دین پر مبعوث ہوگے۔ میں اللہ پاک کی قسم دے کر تمہیں کہتی ہوں کہ لوگوں کے ساتھ مل کر بتوں کی دوستی نہ کر بیٹھنا۔[25]

سیدہ آمنہ کو اپنے لختِ جگر کی نبوت پر یقین تھا

سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے اپنے لختِ جگر سے جو آخری کلام کیا تھا، وہ پہلے بیان ہو چکا ہے، چنانچہ آپ نے وقتِ وصال جو باتیں ارشاد فرمائیں وہ اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ آپ اللہ پاک کی وحدانیت کو ماننے والی اور دینِ ابراہیمی کی پیروکار تھیں، نیز آپ کو اپنے لختِ جگر کی نبوت پر یقین تھا۔ جیسا کہ سیدہ آمنہ کا یہ کلام نقل کرنے کے بعد اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ رضویہ شریف میں تحریر فرمایا ہے۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت کی عبارت کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے دنیا سے رخصت ہوتے وقت اپنے لختِ جگر کو جو پاک وصیت کی، الحمدُ للہ! ان الفاظ سے توحید کا اقرار اور شرک کی نفی بالکل واضح معلوم ہو رہی ہے، اس کے ساتھ دینِ اسلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت پاک کا بھی پورا اقرار موجود ہے۔ بلاشبہ یہ ایمانِ کامل ہے، پھر اس سے بالاتر حضور پُر نور سید المرسلین صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی رسالت کا بھی اعتراف موجود اور وہ بھی اس وضاحت کے ساتھ کہ آپ کی بعثت عام ہو گی اور آپ ہر علاقے و ہر فرد کے نبی ہوں گے۔[26]

سیدہ کی زبانِ مبارک سے نکلنے والے آخری کلمات

ان اشعار کے بعد سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے مزید ارشاد فرمایا: كُلُّ حَيٍّ مَيِّتٌ وَكُلُّ جَدِيدٍ بَالٍ، وَكُلُّ كَبِيرٍ يَفْنٰى وَاَنَا مَيِّتَةٌ وَذِكْرِي بَاقٍ وَقَدْ تَرَكْتُ خَيْرًا وَوَلَدْتُ طُهْرًا یعنی ہر زندہ موت کا مزہ چکھے گا، ہر نئی چیز پرانی ہو جائے گی اور ہر بڑی چیز فنا ہو جائے گی۔ میں تو مر رہی ہوں لیکن میرا ذکر ہمیشہ باقی رہے گا۔ میں نے ایک پاکباز بچے کو جنم دیا ہے۔ یہی وہ آخری کلمات تھے جو حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی زبانِ مبارک سے ادا ہوئے اور اس کے بعد آپ اس جہانِ فانی سے کوچ فرما گئیں۔[27]

آخری کلمات میں ایمانی فراست اور نورانی پیشین گوئی

اعلیٰ حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے یہ کلمات نقل کرنے کے بعد گویا فرماتے ہیں: سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے ان الفاظ میں جس ایمانی فراست اور نورانی پیشین گوئی کا تذکرۂ خیر فرمایا ہے، وہ انتہائی قابلِ غور ہے کہ میں تو اس جہانِ فانی سے کوچ کرتی ہوں مگر میرا ذکرِ خیر ہمیشہ باقی رہے گا۔ کیونکہ عرب و عجم کی ہزاروں شہزادیاں، بڑی بڑی تاج والیاں خاک کا پیوند ہوئیں جن کا نام تک کوئی نہیں جانتا، مگر اس طیبہ خاتون کے ذکرِ خیر سے مشرق و مغرب میں محافل و مجالس کے اہتمام سے زمین و آسمان گونج رہے ہیں اور ابد الآباد تک گونجیں گے۔[28] اِن شاءَ اللہ

بی بی آمنہ کے وصال پر جنات کے اشعار

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے اس آخری سفر کی داستان سنانے والی راویہ حضرت اسماء بنتِ رہم رضی اللہ عنہا کی والدہ فرماتی ہیں کہ جب حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا تو ہم نے جنات کی آوازیں سنیں جو ان کے وصال پر نوحہ کر رہے تھے اور یہ اشعار پڑھ رہے تھے:

نَبْكِي الْفَتَاةَ الْبَرَّةَ الْاَمِيْنَهْ
ذَاتَ الْجَمَالِ الْعِفَّةَ الرَّزِيْنَهْ

یعنی ہم اس عظیم خاتون کی موت پر رو رہے ہیں جو احسان کرنے والی، اطاعت کرنے والی اور امانت دار تھیں۔ وہ باجمال، پاکباز اور باوقار تھیں۔

زَوْجَةَ عَبْدِ اللّٰهِ وَ الْقَرِيْنَهْ
اُمَّ نَبِيِّ اللّٰهِ ذِي السَّكِيْنَهْ

یعنی وہ حضرت عبدُ اللہ کی زوجہ اور ساتھی تھیں۔ اللہ پاک کے نبی کی وہ والدہ صاحبِ سکینہ تھیں۔

وَ صَاحِبِ الْمِنْبَرِ بِالْمَدِیْنَہْ

صَارَتْ لَدَی حُفْرَتِھَا رَھِیْنَہْ

جو مدینہ طیبہ میں منبر پر جلوہ گر ہوں گے، آہ! آج ان کی والدہ بھی قبرِ انور میں محوِ آرام ہو گئی ہیں۔(29)

سُبل الہدیٰ والرشاد میں مزید یہ اشعار بھی نقل ہیں:

لَوْ فُوْدِیَتْ لَفُوْدِیَتْ ثَمِیْنَہْ

وَ لِلْمَنَایَا شَفْرَۃٌ سَنِیْنَہْ

یعنی اگر ان کا فدیہ ادا کیا جاتا تو ان کا فدیہ انتہائی گراں بہا ہوتا، مگر آہ! اموات کے پاس تیز چھری ہوتی ہے۔

لَا تُبْقِیْ ظَعَّانًا وَ لَا ظَعِیْنَہْ

اِلَّا اَتَتْ وَ قَطَّعَتْ وَتِیْنَہْ

جو کسی مرد کو چھوڑتی ہے نہ کسی عورت کو، بلکہ اس کے پاس آتی ہے اور اس کی شاہ رگ کو کاٹ کر رکھ دیتی ہے۔

اَمَّا ھَلَکْتِ اَیُّھَا الْحَزِیْنَہْ

عَنِ الَّذِیْ ذُو الْعَرْشِ یُعْلِیْ دِیْنَہْ

اے (اپنے بیٹے کو دنیا میں اکیلے چھوڑ جانے پر) غم میں مبتلا ہونے والی عظیم خاتون! آپ کی موت کا حکم اللہ پاک کی طرف سے ہے، (لہٰذا بے فکر رہیں) وہی آپ کے بیٹے کے دین کو غلبہ عطا فرمائے گا۔

فَکُلُّنَا وَالِھَۃٌ حَزِیْنَہْ

نَبْکِیْکِ لِلْعُطْلَۃِ اَوْ لِلزِّیْنَہْ

وَ لِلضَّعِیْفَاتِ وَ لِلْمِسْکِیْنَہْ

ہم سب غم زدہ و افسردہ ہیں۔ آپ کی جدائی و فراق پر رو رہے ہیں۔ ہمیں ہر کمزور اور ناتواں عورت کی موت (پر آپ کی یاد) رلایا کرے گی۔(30)

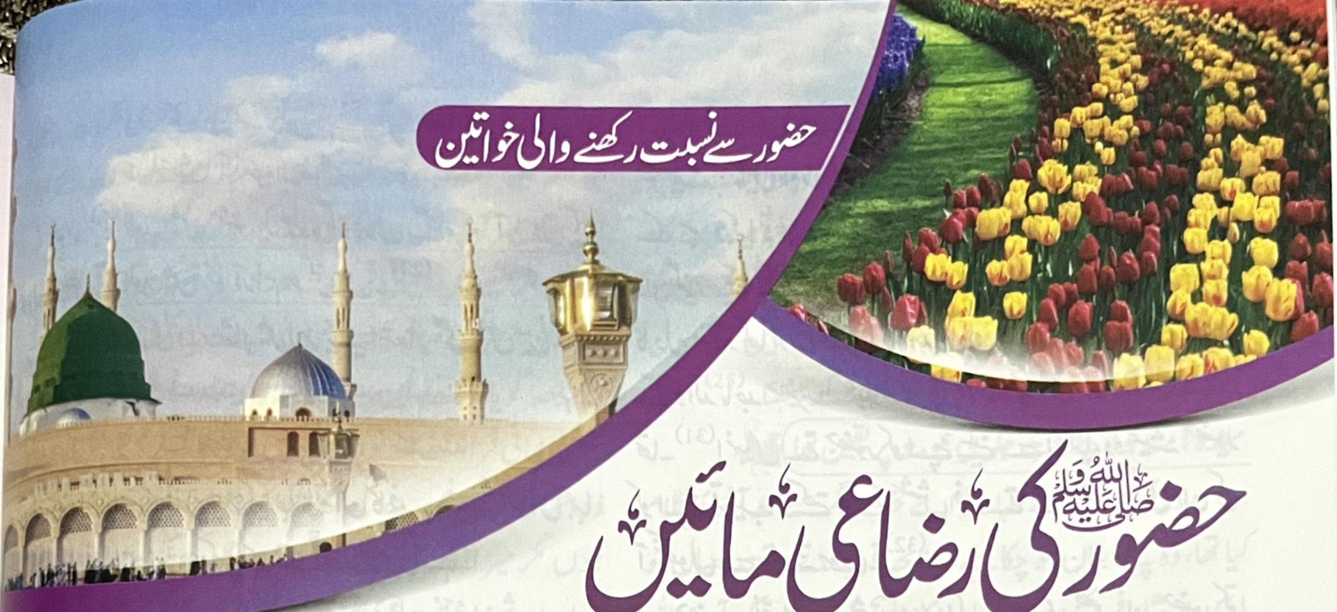
حضرت عبدُ المطلب نے حضور کو سینے سے لگالیا

سیدہ آمنہ کا جب مکہ مکرمہ واپسی کے دوران ابوا کے مقام پر وصال ہو گیا اور حضور اکیلے رہ گئے تو آپ کی خادمہ حضرت اُمِّ ایمن نے اپنی ہمت بر قرار رکھی اور حضور کو ایک ماں کی طرح اپنے دامن میں سمیٹ کر واپس مکہ لے آئیں۔ جب آپ مکے شریف پہنچیں اور حضور کو ان کے دادا حضرت عبدُ المطلب کے سپرد کیا تو اس وقت تک حضرت آمنہ کے وصال کو پانچ دن گزر چکے تھے۔ اس وقت حضور کو دیکھ کر حضرت عبدُ المطلب کا دل اتنا دکھا اور انہیں اتنا صدمہ ہوا کہ اپنے بیٹے یعنی حضور کے والد ماجد حضرت عبدُ اللہ کی موت کا بھی اتنا صدمہ نہ ہوا تھا۔(31) انہوں نے حضور کو اپنے سینے سے لگالیا، وہ ہمیشہ حضور کو اپنے قریب رکھتے اور کوشش فرماتے کہ حضور کبھی ان کی آنکھوں سے دور نہ ہوں۔(32)

حضرت اُمِّ ایمن رضی اللہ عنہا اگرچہ باندی تھیں اور حضور کو اپنے والد ماجد کی میراث میں ملی تھیں، مگر اللہ پاک نے ان کے دل میں حضور کی محبت اس طرح کوٹ کوٹ کر بھر دی تھی گویا کہ وہی ان کی ماں ہوں یعنی اللہ پاک نے اپنے محبوبِ کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو ایک ماں کی شفقت سے محروم فرمایا تو اس کے بدلے حضرت اُمِّ ایمن کی شکل میں ایک اور ماں بھی عطا فرمائی کہ بعد میں بھی حضور جب انہیں دیکھتے تو فرمایا کرتے: اَنْتِ اُمِّی بَعْدَ اُمِّی یعنی میری (سگی) ماں کے وصال کے بعد آپ ہی میری ماں ہیں۔(33)

---

(1) احکام القرآن لبکر بن العلاء-ط جائزۃ دبی، 1/383 (2) ادب الدنیا والدین، ص137 (3) تاریخ ابنِ عساکر، 3/401 (4) خاندانِ مصطفےٰ، ص189 (5) دلائل النبوۃ للبیہقی، 1/102 ملخصاً (6) سیرت حلبیہ، 1/68 (7) تاریخ خمیس، 1/424 (8) طبقات ابن سعد، 1/80 (9) ترمذی، 5/475، حدیث: 3921 (10) طبقات ابن سعد، 1/90 (11) سیرتِ مصطفےٰ، ص78-79 مفہوماً (12) سیرتِ حلبیہ، 1/138 (13) تاریخِ یعقوبی، 2/8 (14) مسندِ ابی یعلیٰ، 6/172، حدیث: 7127 (15) الوفا، 1/92 (16) معارجُ النبوۃ، رکن دوم، ص55 (17) سیرتِ ابنِ ہشام، ص69 (18) تاریخِ یعقوبی، 2/8 (19) طبقات ابن سعد، 1/93 (20) ام النبی لبنتِ شاطی، ص149، 150 (21) طبقات ابن سعد، 1/93 (22) طبقات ابن سعد، 1/93 (23) بدایہ و نہایہ، 2/238 (24) انساب الاشراف، 1/103 (25) مواہب لدنیہ، 1/88 (26) فتاویٰ رضویہ، 30/302 (27) مواہب لدنیہ، 1/88 (28) فتاویٰ رضویہ، 30/303 (29) خصائص کبریٰ، 1/135 (30) سبل الہدیٰ والرشاد، 2/121 (31) سیرت حلبیہ، 1/154 (32) دلائل النبوۃ لابی نعیم، ص95 (33) سیرت حلبیہ، 1/154



حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی مائیں

مولانا ابو الابصار قادری*

رضاعتِ مصطفوی کا شرف

امام مجاہد سے منقول ہے، وہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کی: کیا یہ درست ہے کہ پرندوں اور بادلوں نے حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو دودھ پلانے کے حوالے سے جھگڑا کیا تھا؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں! پرندوں اور بادلوں نے ہی نہیں بلکہ جن وانس وغیرہ ہر مخلوق یہ چاہتی تھی کہ وہ دودھ پلانے کی عمر میں حضور کی خدمت کا شرف حاصل کرے۔

پھر حضرت عبد اللہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے تفصیل بیان فرمائی کہ جب ایک منادی نے آسمان وزمین میں ہر طرف یہ اعلان کیا: اے مخلوقاتِ خدا! یہ محمد بن عبد اللہ ہیں، مبارک ہو اُس کے لیے جو انہیں دودھ پلائے، مبارک ہو اُس ہاتھ کے لیے جو ان کی پرورش کرے اور مبارک ہو اُس گھر کے لیے جس میں یہ قیام فرمائیں۔

یہ اعلان سنتے ہی پرندوں نے کہا: ہم اس سعادت کے زیادہ حق دار ہیں! جبکہ بادلوں نے عرض کیا: یا اللہ! ہم وہ ہیں جنہیں تو نے زمین و آسمان کے درمیان مُسخّر کیا ہے، ہمیں طاقت بخشی ہے، ہم ہر گوشۂ ارض و سما سے واقف ہیں۔ ہم ان کی پرورش بہترین انداز میں کریں گے، انہیں پاکیزہ غذائیں اور پھل عطا کریں گے اور دو برس تک صاف، ٹھنڈا، شیریں پانی پلاتے رہیں گے۔ لیکن ان سب کو جواب دیا گیا: رک جاؤ! ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ پاک نے یہ معاملہ انسانوں کے حوالے کر دیا ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی پرورش کے لئے اللہ پاک نے حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کا انتخاب فرمایا۔(1)

الٰہی تقدیر کا مظہر

یہ روایت نہ صرف ہمارے پیارے آقا، حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی عظمت و رفعت کی روشن دلیل ہے بلکہ اس حقیقت کی بھی گواہی دیتی ہے کہ حضور کو دودھ پلانے کا شرف جس خاتون کے حصے میں آنا تھا، اس کا فیصلہ ازل ہی میں اللہ پاک نے فرما دیا تھا۔ غور کیجئے! جب خود خالقِ کائنات نے اپنے محبوب کو دودھ پلانے والی خاتون کا انتخاب فرمایا، تو وہ انتخاب کیسا لاجواب ہو گا!

زبان وفصاحت میں بنی سعد کا اثر

اس الٰہی انتخاب کی حکمت اور برکت کا ایک مظہر حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی فصاحت و بلاغت میں بھی نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ارشاد فرمایا: میں تم سب سے زیادہ فصیح و بلیغ عربی بولتا ہوں، کیونکہ میں قریش ہوں اور میں نے بنی سعد میں دودھ پیا ہے۔

* چیف ایڈیٹر ماہنامہ خواتین

اسی طرح حضرت ابو بکر نے ایک مرتبہ حضور سے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم! میں نے آپ سے زیادہ فصیح کسی کو نہیں پایا۔ تو آپ نے گویا مسکراتے ہوئے ارشاد فرمایا: کیوں نہ ہوں، میں قریشی ہوں اور میں نے بنی سعد میں دودھ پیا ہے۔ (2)

بنی سعد میں دودھ پینے سے مراد یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے بنی سعد قبیلے کی خاتون بی بی حلیمہ کو دودھ پلانے کا شرف عطا فرمایا تھا، یہی وجہ ہے کہ سیدہ حلیمہ کو ان کے قبیلے کی نسبت کی وجہ سے حلیمہ سعدیہ کہا جاتا ہے، سعدیہ دراصل قبیلے کی طرف نسبت ہے، نام کا جز نہیں۔

عرب میں رضاعت کی رواجی حکمت

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے اپنی والدہ ماجدہ کا دودھ کیوں نہ پیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس دور کے عرب شرفا کی یہ عام روایت تھی کہ وہ اپنے نومولود بچوں کو دودھ پلانے کے لیے شہروں سے باہر دیہات کی خواتین کے سپرد کر دیا کرتے تھے، تاکہ بچے صاف ستھری آب و ہوا میں پرورش پائیں، جسمانی طور پر تندرست رہیں اور خالص، فصیح و بلیغ عربی زبان سیکھ سکیں۔ چنانچہ قریش کا بھی یہی معمول تھا کہ وہ اپنے بچوں کو رضاعت کے زمانے میں دیہاتی عورتوں کے حوالے کرتے تھے، کیونکہ عرب کے دیہاتیوں کی زبان نہایت پاکیزہ، سلیس اور فصاحت وبلاغت کا اعلیٰ نمونہ ہوتی تھی۔

اسی روایت کے ضمن میں مؤرخین نے ایک دلچسپ مثال بیان کی ہے: عبدُالملک بن مروان اپنے بیٹے ولید سے بے حد محبت کرتا تھا، اس لیے اسے دودھ پلانے کے لیے دیہات نہ بھیجا بلکہ شہر میں ہی اپنی والدہ کے پاس رکھا۔ لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ولید کی زبان اتنی فصیح نہ تھی جتنی اس کے بھائی سلیمان کی، کیونکہ سلیمان نے رضاعت کا زمانہ دیہات میں گزارا تھا۔ (3) یوں عرب معاشرے کے اس رواج نے حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے لیے بھی وہی سبب فراہم کیا جو بعد میں آپ کی زبانِ مبارک کی فصاحت و لطافت کا ایک نمایاں مظہر بن گیا۔

حضور کی رضاعی مائیں اور ترتیبِ رضاعت

ولادتِ باسعادت کے بعد حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے سب سے پہلے اپنی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کا دودھ پیا۔ بعض روایات کے مطابق یہ مدت تین دن رہی، جبکہ بعض کے نزدیک سات دن تک آپ اپنی والدہ کا دودھ پیتے رہے۔ پھر سیدہ حلیمہ کی مکے میں آمد سے پہلے کچھ عرصہ ابو لہب کی لونڈی ثُوَیبہ کا دودھ پیا۔ (4)

بعد ازاں، آپ کو **مستقل طور پر دودھ پلانے کا شرف** اگرچہ سیدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کو حاصل رہا، لیکن مختلف معتبر کتبِ سیرت مثلاً شرح الزرقانی (5) اور سبل الہدیٰ و الرشاد (6) کے مطابق، دس خواتین نے حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی رضاعت کا شرف پایا۔ یعنی اللہ پاک نے اپنے محبوب کی خدمت کے لئے کل دس خواتین کا انتخاب فرمایا، سیدہ آمنہ کے علاوہ باقی خواتین کے نام یہ ہیں:

1 ثُوَیبہ 2 حلیمہ سعدیہ

3 بنو سعد کی ہی ایک اور عورت 4 خَولہ بنتِ مُنْذِر

5 اُمِّ ایمن 6، 7، 8 بنو سُلیم کی تین عورتیں

9 اُمِّ فَرْوَہ۔

یوں گویا رضاعتِ مصطفوی کا شرف کل دس برگزیدہ خواتین کو حاصل ہوا اور یہ انتخاب خود ربِ کریم نے فرمایا، جو حضور کی عظمت اور الٰہی تقدیر کی رفعت پر واضح دلیل ہے۔

رضاعتِ مصطفوی کی برکات اور ایمان کی سعادت

یہ جاننا بے حد اہم ہے کہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ جن خواتین کو اللہ پاک کے آخری و پیارے نبی صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کو دودھ پلانے کا شرف حاصل ہوا، اللہ پاک نے انہیں دنیا و آخرت دونوں میں خیر و برکت سے نوازا اور اس سعادتِ

رضاعت کا نایاب صلہ عطا فرمایا۔

ایمان سے بڑھ کر چونکہ کسی انسان کے لیے کوئی نعمت یا دولت ممکن نہیں، اس لیے ربِّ کریم نے اپنے محبوب کی خدمت گزار ان خواتین کو نہ صرف طویل عمر عطا فرمائی بلکہ اعلانِ نبوت کے وقت ایمان کی دولت سے بھی سرفراز فرمایا۔ جیسا کہ امامِ اہلِ سنت رحمۃ اللہ علیہ فتاویٰ رضویہ شریف میں امام ابو بکر ابنُ العربی کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں کہ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کو جتنی بیبیوں نے دودھ پلایا سب اسلام لائیں۔ [7] اور ظاہر ہے، یہ اسی وقت ممکن ہے جب وہ تمام خواتین اعلانِ نبوت تک حیات و سلامت رہی ہوں۔

ایمان کے علاوہ بھی ان خوش نصیب خواتین پر کرم و انعامات کی بارش رہی، ان میں بعض عطائیں ظاہری تھیں اور بعض ایسی جو صرف اہلِ نظر پہچان سکتے ہیں۔ مثلاً: اُس دور میں جب غلامی عام تھی اور لونڈیوں کی خرید و فروخت روزمرہ کا معمول تھا، ایسے میں کسی غلام یا باندی کے لیے سب سے بڑی نعمت آزادی سمجھی جاتی تھی۔ چنانچہ،

آزادی ورضاعت کی سعادت

حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا ابو لہب کی لونڈی تھیں، لیکن چونکہ اللہ پاک نے ان کے مقدر میں حضور کی رضاعی ماں بننے کا شرف لکھ دیا تھا، اس لیے ربِّ کریم نے انہیں اس عظیم سعادت سے پہلے ہی آزادی کی نعمت عطا فرما دی۔

یوں وہ اُس وقت آزاد عورت کے رُتبے پر فائز ہوئیں جب انہیں ابھی حضور کی خدمتِ رضاعت سے مشرف ہونا تھا۔ کیا ہی حسین تقدیر تھی کہ ایک لونڈی کو اللہ نے اپنے محبوب کی رضاعی ماں بنا کر دنیا و آخرت میں عزت و شرف کا مقام بخشا۔

حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی والدہ ماجدہ کی عظمت کا تذکرہ چونکہ مکمل طور پر الگ سے کیا جا چکا ہے، لہٰذا اب ذکر ہو رہا ہے ان مبارک خواتین کا جنہوں نے رضاعتِ مصطفوی کی سعادت حاصل کی۔

سیدہ ثویبہ

سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے بعد سب سے پہلے حضرت ہی وہ خوش نصیب خاتون تھیں جنہوں نے حضور کو دودھ پلانے کا شرف پایا۔

آزادیِ ثویبہ اور روایات کا اختلاف

مَروِی ہے کہ حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا حضور کے چچا ابو لہب کی لونڈی تھیں، جب انہوں نے ابو لہب کو حضور کی ولادتِ باسعادت کی خوش خبری سنائی تو خوشی کے عالم میں ابو لہب نے انہیں فوراً آزاد کر دیا۔ [8]

البتہ بعض سیرت نگاروں نے اس واقعے کے وقت میں اختلاف ذکر کیا ہے۔ ایک روایت کے مطابق اُمّ المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا حضرت ثویبہ کی بہت عزت و تکریم فرمایا کرتی تھیں، چنانچہ انہوں نے انہیں ابو لہب سے خرید کر آزاد کرنا چاہا، لیکن ابو لہب نے انکار کر دیا۔ پھر جب حضور مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمانے لگے تو ابو لہب نے از خود انہیں آزاد کر دیا۔ چنانچہ،

امام نورُ الدین حلبی رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں روایات میں تطبیق دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ دونوں روایتیں اپنی جگہ درست ہو سکتی ہیں۔ ممکن ہے ابو لہب نے حضرت ثویبہ کو ولادتِ نبوی کے موقع پر ہی آزاد کر دیا ہو، مگر اس آزادی کو ظاہر نہ کیا ہو، اور جب اُمّ المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے انہیں خریدنا چاہا تو اس نے اس لیے انکار کیا ہو کہ وہ در حقیقت آزاد تھیں اور آزاد کو بیچا نہیں جا سکتا۔ بعد ازاں جب حضور کی ہجرتِ مدینہ کا وقت آیا تو ابو لہب نے ان کی آزادی کو ظاہر کر دیا۔ [9]

بہر حال یہ تطبیق نہ صرف روایت کے تمام پہلوؤں کو جمع کرتی ہے بلکہ حضرت ثویبہ کے مقدر کی بلندی کو بھی واضح کرتی ہے کہ وہ آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کو دودھ پلانے کی وجہ سے آزادی و عزت کے شرف سے نوازی گئیں۔

حضرت ثویبہ نے چونکہ حضور سے پہلے حضرت امیر حمزہ کو بھی دودھ پلایا تھا، لہٰذا اس اعتبار سے حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ حضور کے رضاعی بھائی بھی تھے۔[10] بلکہ بنو سعد کی ایک اور خاتون نے بھی حضور کو دودھ پلانے کا شرف حاصل کیا اور یہ خاتون وہی تھیں جنہوں نے حضرت حمزہ کو بھی دودھ پلایا تھا۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو حضور سے نہ صرف نسبی رشتہ حاصل تھا بلکہ رضاعت کی دوہری نسبت نے اس تعلق کو مزید قرب و شرف کی بلندی عطا کر دی۔

سیدہ ثویبہ کی وفات اور برکات

سیدہ ثویبہ رضی اللہ عنہا کا وصال حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی ہجرت کے ساتویں سال ہوا۔[11] (حضور کے ہجرت فرمانے سے پہلے) حضرت ثویبہ جب بھی حضور کے ہاں تشریف لاتیں تو آپ اور سیدہ خدیجہ ان کی بے حد عزت فرمایا کرتے، بلکہ ہجرت فرمانے کے بعد حضور مدینے شریف سے انہیں تحائف بھی بھیجا کرتے تھے، یہاں تک کہ جب فتحِ خیبر کے بعد حضور کو علم ہوا کہ ان کا وصال ہو گیا ہے تو حضور نے ان کے بیٹے مسروح کے متعلق پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ تو اپنی ماں سے بھی پہلے فوت ہو گئے تھے اور اب ان کی اولاد میں سے کوئی بھی زندہ نہیں۔[12]

سیدہ ثویبہ اور ان کے بیٹے کے ایمان کے بارے میں سیرت نگاروں کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کے نزدیک وہ مسلمان نہ ہوئے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر وہ اسلام لے آئے تھے تو ہجرتِ مدینہ کے بعد وہاں کیوں نہ پہنچے؟ مگر امام نورُ الدین حلبی رحمۃ اللہ علیہ اس اعتراض کا نہایت خوبصورت جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ممکن ہے سیدہ ثویبہ اور ان کے بیٹے ان مسلمانوں میں شامل ہوں جو کسی عذر یا مجبوری کی بنا پر ہجرت نہ کر سکے۔[13] کیونکہ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جس خاتون نے بھی آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کو دودھ پلانے کا شرف حاصل کیا، اللہ پاک نے اسے ایمان، عزت اور دائمی سعادت سے سرفراز فرمایا۔[14] ان میں سے ہر ایک کی زندگی حضور کی برکتوں سے منور رہی اور ان کا ذکرِ خیر قیامت تک اہلِ محبت کے دلوں میں جاوداں رہے گا۔

بنو سُلیم کی تین کنواری عاتکہ بیبیاں

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فتاویٰ رضویہ شریف میں ایک نہایت لطیف و ایمان افروز واقعہ بیان فرماتے ہیں حضرت حلیمہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو گود میں لئے راہ میں جاتی تھیں، تین نوجوان کنواری لڑکیوں نے وہ خدا بھاتی صورت دیکھی جوشِ محبت سے اپنی پستانیں دہن اقدس میں رکھیں، تینوں کے دودھ اتر آیا، تینوں پاکیزہ بیبیوں کا نام عاتکہ تھا۔ عاتکہ کے معنیٰ زن شریفہ، رئیسہ، کریمہ، سراپا عطر آلود، تینوں قبیلہ بنی سُلَیم سے تھیں کہ جس کے نام میں ہی سلامتی اور اسلام کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس واقعے کے ذیل میں ایک نہایت عمیق نکتہ بیان فرماتے ہیں:

الحق کسی نبی نے کوئی آیت و کرامت ایسی نہ پائی کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وعلیہم وسلم کو اس کی مثل اور اس سے زیادہ عطا نہ ہوئی، یہ اس مرتبے کی تکمیل تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بے باپ کے کنواری بتول کے پیٹ سے پیدا کیا اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تین پاک دامن اور کنواری لڑکیوں کے پستان میں دودھ پیدا فرما دیا۔ ع آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری۔ (جو کمالات سب رکھتے ہیں تُو تنہا رکھتا ہے۔)[15]

بلاشبہ یہ معجزہ اس حقیقت کا مظہر ہے کہ تمام انبیائے کرام کے فضائل و کمالات، نبیِ آخر الزماں صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی ذاتِ اقدس میں بدرجہ اتم جمع کر دیئے گئے۔

اختلافی روایات — دیگر خواتینِ رضاعت

اب تک جن چھ جلیل القدر خواتین کا ذکر ہو چکا ہے یعنی

- حضرت ثویبہ، حضرت حلیمہ سعدیہ
- بنو سعد قبیلے کی ایک اور خاتون
- اور بنو سُلیم کی تین پاک دامن کنواری بیبیاں۔

ان سب کے بارے میں تمام سیرت نگاروں کا اتفاق ہے کہ انہوں نے حضور کو دودھ پلانے کی سعادت حاصل کی۔

البتہ ان کے علاوہ مزید تین خواتین کے بارے میں مؤرخین و محدثین کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے کہ آیا وہ بھی اس شرفِ رضاعت میں شامل تھیں یا نہیں۔ بعض کتبِ سیرت میں ان کے نام رضاعی ماؤں کی فہرست میں مذکور ہیں، جب کہ دیگر روایات انہیں شامل نہیں کرتیں۔ لہٰذا اب اختصار کے ساتھ ان اختلافی روایات اور ان خواتینِ رضاعت کا تذکرہ پیشِ خدمت ہے، تاکہ رضاعتِ مصطفوی کی فہرست ایک جامع و تحقیقی صورت میں سامنے آسکے۔

خَولہ بنتِ مُنذِر

سبل الہدیٰ والرشاد میں یہ روایت منقول ہے کہ حضرت خَولہ بنتِ مُنذِر رضی اللہ عنہا نے بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو دودھ پلانے کا شرف حاصل کیا۔ تاہم یہ قول محلِ نظر ہے، کیونکہ اکثر معتبر سیرت نگاروں کے نزدیک وہ حضور کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی رضاعی والدہ تھیں، نہ کہ خود حضور کی۔[16]

البتہ بعض علمائے کرام نے انہیں بھی رضاعتِ مصطفوی کی فہرست میں شامل کیا ہے۔ امام نور الدین حلبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اختلاف کی تطبیق پیش کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ دونوں روایتیں درست ہو سکتی ہیں، کیونکہ ممکن ہے کہ خَولہ بنتِ مُنذِر نام کی دو مختلف خواتین ہوں، ایک وہ جنہوں نے خود حضور کو دودھ پلایا اور دوسری وہ جنہوں نے آپ کے بیٹے حضرت ابراہیم کی پرورش کی۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ قبیلہ بنی سعد کی جس خاتون نے حضور کو دودھ پلانے کا شرف حاصل کیا، ممکن ہے وہی دراصل خَولہ بنتِ مُنذِر ہوں۔[17]

تاہم جمہور محققین کے نزدیک یہ تطبیق محض احتمال ہے۔

اکثر اہلِ علم کا اتفاق ہے کہ حضرت خَولہ بنتِ مُنذِر درحقیقت حضور کے بیٹے حضرت ابراہیم کی رضاعی والدہ تھیں۔ اس موقف کی تائید محمد بن سعد ہاشمی زُہری نے الطبقات الکبریٰ[18] میں، ابنِ عبدُ البر نے الاستیعاب[19] میں، تقیُّ الدِّین مَقریزی نے اپنی کتاب اِمتاعُ الاسماع[20] میں اور امام ابنِ حجر عسقلانی نے اپنی کتاب اِصابہ[21] میں کی ہے، جہاں سب نے یک زبان ہو کر لکھا ہے کہ خَولہ بنتِ مُنذِر ایک **انصاری خاتون** تھیں جنہوں نے حضور کے شہزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو دودھ پلانے کا شرف پایا۔

اُمِّ فَروَہ

اُمِّ فَروَہ رضی اللہ عنہا کو بھی بعض روایات میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی رضاعی ماں شمار کیا گیا ہے، لیکن تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسبت درست نہیں۔ بالکل جس طرح حضرت خَولہ بنتِ مُنذِر کے بارے میں بعض نے غلط فہمی سے انہیں خود حضور کی رضاعی والدہ قرار دیا، حالانکہ وہ دراصل آپ کے بیٹے حضرت ابراہیم کی رضاعی ماں تھیں، اسی طرح اُمِّ فَروَہ کے بارے میں بھی روایت کی تعبیر میں خلطِ مبحث پیدا ہوا۔

حضرت ام فروہ کو حضور کی رضاعی ماں سمجھنے کے متعلق جس روایت سے دلیل پکڑی جاتی ہے وہ **مُستَغفِری** نے اپنی کتاب فضائلُ القرآن میں کچھ یوں نقل فرمائی ہے: عَنْ اُمِّ فَرْوَۃَ ظِئْرِ النَّبِيِّ قَالَتْ یعنی اُمِّ فَروَہ سے مَروی ہے کہ جنہوں نے حضور کو دودھ پلایا تھا، فرماتی ہیں کہ حضور نے مجھ سے ارشاد فرمایا: جب تم اپنے بستر پر جانے لگو تو سورۃ کافرون پڑھ لیا کرو، کہ یہ شرک سے نجات کا باعث ہے۔[22]

لیکن امام ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اس میں راوی کے نام اور تعبیر میں غلطی واقع ہوئی ہے۔ بعض رواۃ نے فَرَوَہ، بعض نے

ابو فَرْوَہ اور بعض نے اُمِّ فَرْوَہ لکھا، حالانکہ صحیح نام ابو فروہ ہے۔

یہ غلطی اس لفظ ظِئْرالنَّبِیِّ کی وجہ سے پیدا ہوئی، کیونکہ ظِئْر عربی میں صرف دودھ پلانے والی عورت کے لیے نہیں بلکہ اس کے شوہر کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔ چنانچہ،

بعض راویوں نے یہ سمجھا کہ جب ظِئْر آیا ہے تو راوی عورت ہوگی، لہٰذا ابو فَرْوَہ کو اُمِّ فَرْوَہ لکھ دیا۔ اور یہی تصحیف بعد کے بعض ناقلین تک پہنچ گئی یعنی بعد میں مُستغفری کے حوالے سے جس نے یہ روایت نقل کی اس نے اُمِّ فَرْوَہ کو حضور کی رضاعی ماں شمار کر لیا۔[23]

حقیقت یہ ہے کہ یہی روایت اسی سند کے ساتھ (یعنی عَنْ اَبِی اِسحاق عَنْ فَرْوَۃَ بْنِ نَوْفَل) کے الفاظ میں متعدد کتب میں موجود ہے مثلاً امام خَرائطی نے مکارم الاخلاق[24] میں، امام ابو داود نے سُنَنِ ابی داود[25] میں اور امام حاکم نے مستدرک[26] میں یہ روایت نقل فرمائی ہے۔ مگر ان تمام روایات میں ظِئْرالنَّبِیِّ کا اضافہ نہیں۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ علامہ مستغفری نے یہ اضافہ کیوں کیا؟ اس کا جواب مسندِ امام احمد کی ایک روایت سے واضح ہوتا ہے، جہاں حضرت ابو فروہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ربیبہ (سوتیلی بیٹی) حضرت زینب بنتِ اُمِّ سلمہ کو ان کے سپرد کرتے ہوئے فرمایا: اِنَّمَا اَنْتَ ظِئْرِی (یعنی تم میری دودھ پلانے والی کے شوہر کے حکم میں ہو)۔[27] اور امام ابنِ حجر عسقلانی نے فتح الباری میں تصریح کی ہے کہ یہ بچی زینب بنتِ اُمِّ سلمہ تھیں۔[28]

شاید اسی مناسبت سے علامہ مستغفری نے حضرت ابو فروہ کا ذکر کرتے ہوئے ظِئْرُالنبی کا اضافہ کر دیا، جسے بعد کے بعض اہلِ قلم نے غلطی سے اُمِّ فَرْوَہ سمجھ لیا۔

پس تحقیق سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اُمِّ فَرْوَہ نہ تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضاعی والدہ تھیں اور نہ ہی آپ سے رضاعت کا کوئی تعلق رکھتی تھیں؛ بلکہ وہ دراصل حضور کی ربیبہ زینب بنتِ اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا کی رضاعی والدہ تھیں۔

اُمِّ ایمن

حضرت اُمِّ ایمن رضی اللہ عنہا اگرچہ باندی تھیں اور حضور کو اپنے والد ماجد کی میراث میں ملی تھیں، مگر اللہ پاک نے انہیں حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت سے مالا مال فرمایا تھا، حضور جب بھی انہیں دیکھتے تو فرماتے: اَنْتِ اُمِّی بَعْدَ اُمِّی یعنی میری سگی ماں کے بعد آپ میری ماں ہیں۔[29]

حضرت اُمِّ ایمن رضی اللہ عنہا کے متعلق مشہور تو یہی ہے کہ وہ حضور کی خادمہ تھیں اور آپ کی دیکھ بھال کیا کرتی تھیں۔ جیسا کہ سیرتِ مصطفٰے میں ہے: جب حضور حضرت حلیمہ کے گھر سے مکہ مکرمہ پہنچ گئے اور اپنی والدہ محترمہ کے پاس رہنے لگے تو حضرت اُمِّ ایمن آپ کی دیکھ بھال اور خدمت میں دن رات جی جان سے مصروف رہنے لگیں، یہی آپ کو کھانا کھلاتی، کپڑے پہناتی اور آپ کے کپڑے دھوتی تھیں۔[30] لیکن بعض علمائے کرام نے انہیں بھی حضور کی رضاعی ماں شمار کیا ہے اور ان علما میں اعلیٰ حضرت بھی شامل ہیں۔[31]

اس لحاظ سے حضور کی رضاعی ماؤں کی ترتیب یہ بیان کی جاتی ہے کہ سب سے پہلے حضور کی والدہ ماجدہ نے سات دن، پھر حضرت ثُوَیبہ نے اور اس کے بعد حضرت اُمِّ ایمن نے اور پھر سیدہ حلیمہ سعدیہ نے حضور کو دودھ پلایا۔[32]

سیدہ حلیمہ سعدیہ

قبیلہ، نام اور نسب کی عظمت

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اگرچہ مختلف خواتین نے دودھ پلانے کی سعادت حاصل کی، مگر سب سے زیادہ مدت تک سیدہ حلیمہ سعدیہ نے یہ سعادت حاصل کی۔ آپ کا نام ہی حلم، وقار اور سعادت کا پیکر ہے، آپ کا تعلق قبیلۂ بنی سعد بن بکر سے تھا، وہی قبیلہ جس کی آب و ہوا کی لطافت، زبان کی شیرینی اور فصاحت و بلاغت پورے عرب میں ضرب

المثل تھی۔[33] یہی سبب ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی زبانِ مبارک میں بھی وہی فصاحت اور اثر انگیزی پیدا ہوئی جس نے عرب کے فصحا و بلغا کو مبہوت کر دیا۔

الٰہی انتخاب اور مقدر کا فیصلہ

رضاعت بھی دراصل نسب ہی کی مانند ایک رشتہ رکھتی ہے، کیونکہ دودھ کی تاثیر بچے کی طبیعت اور فطرت پر گہرا اثر ڈالتی ہے۔ جیسا کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اپنے بچے کو دودھ پلانے کے لئے کسی نا سمجھ عورت کا انتخاب نہ کرو کیونکہ دودھ کا اثر اگلی نسل میں منتقل ہوتا ہے۔[34]

پس جیسے اللہ پاک نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے لیے پاکیزہ پشتوں اور صاف رحموں کو منتخب فرمایا، ویسے ہی وہ خاتون بھی جن کا دودھ حضور کی پرورش کا ذریعہ بنا، نسب و شرافت میں اعلیٰ اور اپنی قوم میں عزت و وقار رکھنے والی تھیں۔[35] چنانچہ،

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ سیدہ حلیمہ سعدیہ جیسی باوقار خاتون اُجرت پر دودھ پلانے کے لیے کیوں آمادہ ہوئیں؟ حالانکہ عرب میں یہ بات معروف تھی کہ ایک باعزت عورت بھوک تو برداشت کر لیتی ہے مگر اپنے دودھ کی اجرت نہیں لیتی۔ بہت سی عرب خواتین اس عمل کو اپنی عزت کے خلاف سمجھتی تھیں۔ تاہم اس دور میں مکہ مکرمہ کے قریب کے دیہاتی قبیلے موسم بہار یا خزاں میں بچوں کی پرورش کے لیے آیا کرتے اور اکثر ان کا مقصد نیک نیتی سے خدمت کے ساتھ ساتھ اہلِ مکہ سے معاشی فائدہ حاصل کرنا ہوتا۔ سیدہ حلیمہ سعدیہ کا یہ قدم اگرچہ ظاہراً اسی معاشی ضرورت کے تحت نظر آتا ہے، کیونکہ اس زمانے میں ان کا قبیلہ شدید قحط سالی کا شکار تھا،[36] مگر درحقیقت یہ سب تقدیرِ الٰہی کا ظہور تھا۔ ان کے دل میں جس محرومی کا احساس تھا، وہ اسی سعادتِ رضاعت کی بشارت تھی جس کا فیصلہ ازل ہی میں ہو چکا تھا۔ جیسا کہ امام قسطلانی فرماتے ہیں: جب حضور کی پیدائش ہوئی تو آسمان سے یہ پکارا گیا: اِس بے مثل دُرِّ یتیم کی خدمت کون کرے گا؟ زمین و آسمان کی ہر مخلوق نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ کاش! یہ خدمت اسے نصیب ہو جائے تو قدرت کی طرف سے آواز آئی: اللہ پاک نے اپنی حکمت سے پہلے ہی یہ فیصلہ فرما دیا ہے کہ اس کے مبارک نبی کو دودھ پلانے کی سعادت حاصل کرنے والی حلیمہ سعدیہ ہوں گی۔[37]

یوں معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ حلیمہ سعدیہ اپنے مقدر کی خوشبو پا چکی تھیں اور اسی سعادت کی تلاش انہیں مکہ مکرمہ کی طرف لے گئی جہاں تقدیر کا وہ فیصلہ ظاہر ہونا تھا جس نے ان کی زندگی ہی نہیں، ان کی نسلوں کو بھی برکت و ایمان سے مالا مال کر دیا۔

قحط، صبر اور سیدہ حلیمہ کی آزمائشیں

حضرت معین الدین کاشفی سیدہ حلیمہ سعدیہ کے متعلق اپنی کتاب معارج النبوۃ میں لکھتے ہیں:

اُس زمانے میں قبیلہء بنو سعد سخت قحط اور خشک سالی کی لپیٹ میں تھا۔ زمین بنجر ہو چکی تھی، باغوں میں درخت سوکھ گئے تھے، گھاس کے تنکے تک باقی نہ رہے تھے۔ مویشی کمزور ہو کر زمین پر گر پڑتے اور لوگ بھوک سے نڈھال تھے۔

حلیمہ سعدیہ فرماتی ہیں: ہم جنگلوں میں بھٹکتے، گھاس کی جڑیں کھا کر خدا کا شکر ادا کرتے تھے۔ کئی کئی دن گزر جاتے اور کھانے کو کچھ میسر نہ آتا۔ ایک روز ایسا بھی آیا کہ بھوک نے نڈھال کر دیا، تین دن سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ اسی عالم میں مجھے دردِ زِہ شروع ہوا۔ بھوک اور تکلیف نے یہ تمیز ہی مٹا دی کہ رونا درد کی شدت سے ہے یا بھوک کی اذیت سے!

مزید فرماتی ہیں: میں اس قدر بے حال ہو گئی تھی کہ زمین و آسمان کا فرق نہ سمجھ آتا، نہ دن کی پہچان تھی نہ رات کی۔ اسی اضطراب میں، بچہ پیدا ہوا اور میں بے ہوشی کی سی نیند میں چلی گئی۔ خواب میں دیکھا کہ ایک نورانی شخص میرے پاس آیا،

اُس نے مجھے اُٹھایا اور دودھ کی طرح سفید پانی میں غوطے دیے۔ وہ کہنے لگا: اے حلیمہ! اس پانی سے خوب پی لے تاکہ تیرے سینے میں برکت اور دودھ کی فراوانی ہو، کیونکہ عزت و دولت کا تاج تیرے سر پر سجنے والا ہے۔ میں پیتی جاتی اور وہ مجھے مزید پینے پر آمادہ کرتا۔ وہ پانی شہد سے زیادہ میٹھا، دودھ سے زیادہ سفید اور روح کو فرحت دینے والا تھا۔

سیدہ حلیمہ فرماتی ہیں: پھر اُس نے مجھ سے کہا: کیا تو مجھے پہچانتی ہے؟ میں نے عرض کی: نہیں۔ تو وہ بولا: میں وہ حمد و شکر ہوں جو تُو تنگی اور تکلیف میں اللہ پاک کی بارگاہ میں کرتی تھی۔ اے حلیمہ! مکہ معظمہ چلی جا، وہاں تجھے رزق میں کشادگی نصیب ہوگی، اور تُو اپنے ساتھ نور و برکت واپس لائے گی۔ لیکن خبردار، میرے متعلق کسی سے کچھ نہ کہنا۔

پھر اُس نورانی ہستی نے میرے سینے پر ہاتھ مارا اور دعا دی: اللہ پاک تیرے دودھ میں برکت دے، تجھے وسعتِ رزق اور عزتِ دوام عطا فرمائے۔(38)

یہ بیان دراصل اُس تقدیرِ ازلی کے ظہور کا ابتدائی منظر ہے جو سیدہ حلیمہ سعدیہ کے لیے لکھی جا چکی تھی۔ وہی آزمائشیں، وہی بھوک اور وہی صبر، اس بات کی تمہید تھے کہ جلد ہی اُن کی گود رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے نور سے منور ہونے والی تھی۔

خواب، بشارت اور نورِ مصطفوی کی خبر

اس روایت سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

اول یہ کہ سیدہ حلیمہ سعدیہ دینِ ابراہیم کی پیروکار، نہایت صابر و شاکر اور اللہ پاک کی رضا پر راضی رہنے والی خاتون تھیں۔ وہ خوشی و غمی، تنگی و فراخی؛ ہر حال میں شکرِ الٰہی ادا کرتیں، اسی اخلاص و توکل کی بدولت اللہ پاک نے انہیں اپنی خاص رحمتوں اور برکتوں سے نوازا۔

دوم یہ کہ سیدہ حلیمہ کو حضور کے متعلق پہلے سے غیبی آگاہی حاصل تھی۔ یہ بات آپ کے مرتبہ و مقام کی روشن دلیل ہے کہ آپ اُن ہی باوقار اور شریف النفس خواتین میں سے تھیں جو فقر وفاقہ گوارا کر لیتیں مگر اپنے دودھ کی اُجرت لینا اپنی عزت کے منافی سمجھتیں۔ مگر چونکہ خواب میں آپ کو حقیقت ظاہر کرنے سے منع کر دیا گیا تھا، اس لیے ظاہری طور پر آپ نے بھی دیگر خواتین کے ساتھ قحط کے باعث اُجرت پر دودھ پلانے کا بہانہ بنایا، حالانکہ دراصل آپ تو اپنے مقدر کی سعادت کی تلاش میں تھیں۔

مکہ مکرمہ کا سفر اور غیبی اشارے

اللہ پاک کی حکمت چونکہ یہ تھی کہ سیدہ حلیمہ سعدیہ ہی اس کے آخری نبی کو دودھ پلانے کا شرف حاصل کریں، اس لیے اسبابِ ظاہری بھی اسی نتیجے کے لیے سازگار بنا دیے گئے۔ چنانچہ تقدیر کے انتظام نے ایسا نظام ترتیب دیا کہ تمام بنی سعد کی عورتوں میں سے صرف حلیمہ سعدیہ ہی اس سعادت کی حقدار ٹھہریں۔ حالانکہ ایک روایت کے مطابق بنی سعد قبیلے کی عورتوں کو اس سال کے سفر کے متعلق ایک عجب یقین تھا کہ یہ ان کی زندگی کا سب سے مبارک سفر ثابت ہوگا، کیونکہ ان میں سے کسی ایک کی گود میں نورِ ہدایت کا مینار پرورش پانے والا ہے۔ جیسا کہ حافظ ابو سعید نے اپنی کتاب شرفُ المصطفیٰ میں سیدہ حلیمہ سعدیہ سے یہ روایت نقل کی ہے:

جب ہمارے قبیلے کی عورتیں دودھ پلانے کے لیے مکہ جانے لگتیں تو وہ ہمیشہ بچیاں تلاش کیا کرتی تھیں، مگر اس سال روانگی سے قبل ہم نے ایک غیبی ندا سنی: اللہ پاک نے اس سال مشرق و مغرب کی تمام عورتوں پر بچیاں پیدا کرنا حرام کر دیا ہے، کیونکہ اس سال قریش میں ایک ایسا فرزندِ مقدس پیدا ہوا ہے جو سورج و چاند کی مانند عالم کو روشن کرے گا اور جو عورت اسے دودھ پلائے گی وہ بے حد خوش نصیب ہوگی۔

یہ بشارت سن کر بنی سعد کی عورتوں نے اپنے شوہروں کو اطلاع دی اور سب کے سب اشتیاق و خوشی سے بھرے ہوئے مکہ مکرمہ کے سفر پر روانہ ہوگئے۔

سیدہ حلیمہ فرماتی ہیں: میں بھی ان کے ساتھ نکلی، مگر میری سواری نہایت کمزور تھی، بھوک سے اس کی ہڈیاں نمایاں تھیں، لہٰذا قافلے کی عورتیں مجھ سے بہت آگے نکل گئیں۔ میرے شوہر بار بار کہنے لگے کہ باقی سب آگے پہنچ چکی ہیں، تم بھی رفتار تیز کرو، مگر سواری کمزوری کے باعث چلنے سے معذور تھی۔ پریشانی کی اس گھڑی میں میرے لئے جو خوشی کا سامان کرنے والی چیز تھی، وہ بس یہ تھی کہ میں جہاں سے بھی گزرتی تو دائیں بائیں سے صدائیں سنائی دیتیں: اے حلیمہ! تجھے مبارک ہو، تو وہ خوش نصیب ہے جسے وہ نورانی بچہ نصیب ہو گا۔

سیدہ حلیمہ سعدیہ کی مکہ میں آمد

سیدہ حلیمہ مزید فرماتی ہیں: راستے میں جب ہم دو پہاڑیوں کے درمیان سے گزر رہے تھے تو اچانک ایک نورانی ہستی ظاہر ہوئی، جس کی قامت کھجور کے بلند درخت کی مانند تھی اور اس کے ہاتھ میں ایک چمک دار نیزہ تھا۔ اس نے میرا نام لے کر کہا: اے حلیمہ! بھلائی اور سلامتی کے ساتھ آگے بڑھتی جا، اللہ پاک نے مجھے اس لیے بھیجا ہے کہ میں تجھے خوش خبری دوں، وہ نوری تاجدار تیرے سوا کسی عورت کے نصیب میں نہیں۔ پھر اس نے میرے گدھے کو تھپتھپایا اور فرمایا: میں سرکش شیطانوں کو تجھ سے دور کرنے پر مامور کیا گیا ہوں۔

فرماتی ہیں: (میں یہ سب عجائبات دیکھ سن کر حیران و پریشان تھی، لہٰذا جب) میں نے اپنے شوہر سے پوچھا: کیا جو کچھ میں دیکھتی اور سنتی ہوں آپ بھی دیکھ سن رہے ہیں؟ تو وہ بولے: نہیں۔ مجھے تو کوئی بھی (انہونی) چیز دکھائی دے رہی ہے نہ میں کسی کی آواز سن رہا ہوں! مجھے بتاؤ! کس چیز سے ڈرتی ہو! فرماتی ہیں: میں نے کچھ بھی نہ بتایا، بلکہ یہ کہا کہ مجھے ڈر ہے، میں اپنی ساتھی عورتوں تک کسی حال میں بھی پہنچ نہ پاؤں گی![39]

معارج النبوۃ میں ہے کہ سیدہ حلیمہ سعدیہ فرماتی ہیں: جب ہم تھکے ہارے مکہ مکرمہ سے تقریباً 480 گز کے فاصلے پر پہنچے تو آرام کے لیے ٹھہر گئے۔ وہیں میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے سرہانے ایک سرسبز و شاداب اور سایہ دار درخت ہے جس کی شاخیں تر و تازہ کھجوروں سے لدی ہوئی ہیں۔ کچھ دیر بعد بنی سعد کی تمام عورتیں میرے پاس جمع ہو کر کہنے لگیں: اے حلیمہ! تو ہم سب کی سردار ہے۔ اتنے میں اس درخت سے ایک کھجور ٹوٹ کر میری جھولی میں گری، میں نے اسے اٹھا کر کھالیا۔ وہ شہد سے بھی زیادہ شیریں تھی اور اس کی مٹھاس میرے ذائقے میں اس وقت تک باقی رہی جب تک کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم میرے پاس رہے یعنی حضور کی جدائی کے ساتھ ہی مٹھاس بھی ختم ہو گئی۔

فرماتی ہیں: میں نے اپنے خواب اور دیگر غیبی اشاروں کا ذکر کسی سے نہ کیا، کیونکہ مجھے یقین تھا کہ اگر اللہ پاک کو کوئی امر منظور ہوا تو وہ خود بخود ظاہر ہو جائے گا۔[40]

انتخابِ الٰہی اور عبد المطلب کو غیبی اشارہ

اِدھر سیدہ حلیمہ غیبی بشارتوں میں گھری ہوئی تھیں تو اُدھر مکہ مکرمہ میں بھی قدرت نے اپنا فیصلہ ظاہر فرما دیا۔ جب وہ شہر میں داخل ہوئیں تو حضرت **عبد المطلب** کو الہام ہوا کہ وہ بنو سعد کی حلیمہ سعدیہ کو ہی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کو دودھ پلانے کے لئے منتخب فرمائیں۔ جیسا کہ سبل الہدیٰ والرشاد میں ہے: یہ وہی بچہ ہے؛ **محمد بن عبد اللہ**، جو تمام مخلوق سے افضل اور اللہ پاک کے تمام برگزیدہ بندوں میں سب سے پاکیزہ ہے۔ اسے حلیمہ سعدیہ کے سوا کوئی عورت دودھ نہیں پلائے گی، کیونکہ وہ نہایت نیک، امانت دار، عفت شعار اور ہر عیب سے پاک خاتون ہیں۔ پس اپنے پوتے کو انہی کے حوالے کرنا کہ یہی اللہ پاک کا حکم ہے۔[41]

عبد المطلب کا الہامی انتخاب

سیدہ حلیمہ سعدیہ فرماتی ہیں: جب میں مکہ میں داخل ہوئی تو میری تمام ساتھی عورتیں پہلے ہی پہنچ چکی تھیں اور ہر ایک نے کسی نہ کسی بچے کو لے لیا تھا۔ میں اکیلی رہ گئی اور اس نور والے کی تلاش میں گلی گلی بھٹکنے لگی۔ دل میں ایک انجانا سا یقین تھا کہ

میرا مقدر جس سعادت کے انتظار میں ہے، وہ اب بس سامنے آنے ہی والی ہے۔

فرماتی ہیں: میں نے اپنے شوہر سے کہا: میں عورت ہوں اور آپ مرد، بہتر یہی ہے کہ آپ شہر جا کر معلوم کریں کہ یہاں کون لوگ اپنے بچوں کو دودھ پلانے کے بدلے سب سے زیادہ نوازتے ہیں۔ چنانچہ وہ گئے اور لوٹ کر بتایا: بنو مخزوم کے لوگ اپنی دائیوں کو خوب مال و دولت دیتے ہیں۔ یہ سن کر میرے دل نے گواہی دی کہ جس برکتوں والے بچے کی مجھے تلاش ہے، وہ ان میں سے نہیں ہو سکتے۔ میں نے اپنے شوہر سے کہا: اب جا کر یوں دریافت کریں کہ یہاں لوگوں میں عزت و شرف کے اعتبار سے سب سے افضل کون ہے؟ چنانچہ اس بار انہوں نے آ کر بتایا کہ ایسا شخص صرف ایک ہی ہے، قریش کے سردار، بنو ہاشم کے بزرگ عبد المطلب، جن کے گھر میں حال ہی میں ایک یتیم بچہ پیدا ہوا ہے۔ یہ سن کر میرا دل جیسے اُچھل پڑا۔ میں نے شوہر سے کہا: اب آپ یہیں ٹھہریں، میں خود جاتی ہوں۔

فرماتی ہیں: چونکہ میری تمام ساتھی عورتیں پہلے ہی بچوں کو لے چکی تھیں، اس لیے شہر میں داخل ہوتے وقت مجھے ان کے سامنے آنے میں شرمندگی محسوس ہو رہی تھی۔ میں اپنی قسمت کو کوستی جا رہی تھی کہ اے کاش! میں اپنے قبیلے ہی میں بیٹھی رہتی، مگر دل میں ایک ہی عزم تھا جس بچے کی خوشبو اور بشارت مجھے پہلے ہی دی جا چکی ہے، میں اُسی کی تلاش میں نکلی ہوں۔ میں مکہ کی گلیوں میں دروازہ دروازہ تلاش کرتی پھری، مگر ہر جگہ یہی جواب ملا کہ اس گھر کا بچہ تو فلاں عورت لے گئی ہے۔ پھر اچانک میری ملاقات ایک بزرگ سے ہوئی جن کی زلفیں کندھوں تک لہرا رہی تھیں اور چہرے پر نور برس رہا تھا۔ وہ بنی سعد کی عورتوں سے پوچھ رہے تھے: کیا تم میں سے کوئی ہے جسے ابھی تک بچہ نہ ملا ہو؟ یہ سن کر میں آگے بڑھی تو انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ میں نے عرض کی: میرا تعلق بھی بنی سعد سے ہی ہے۔ پھر مزید پوچھنے پر جب میں نے اپنا نام حلیمہ بتایا تو وہ مسکرا دیئے اور گویا کہ فرمانے لگے: بس ٹھیک ہے، (مجھے تمہارا ہی انتظار تھا کہ) تمہارے اور تمہارے قبیلے کے نام میں سعادت اور بُردباری دو باتیں جمع ہو گئی ہیں اور یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں جن میں بھلائی اور عزت ہی عزت ہے۔ پھر فرمانے لگے: اے حلیمہ! میرے ہاں محمد نامی ایک بچہ ہے، اگرچہ اس کا باپ نہیں کہ جو تمہیں دنیاوی مال و دولت سے فائدہ پہنچائے مگر مجھے یقین ہے کہ تم اس یتیم بچے کی برکتوں سے خوب فائدہ اٹھاؤ گی۔ فرماتی ہیں: (مجھے لگا کہ مجھے جس برکتوں والے بچے کی تلاش تھی، وہ یہی ہے مگر پھر بھی) میں نے ان سے اپنے شوہر سے مشورہ کرنے کی اجازت طلب کی تو انہوں نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں۔ چنانچہ میں (خوشی کے مارے بھاگی بھاگی) اپنے شوہر کے پاس آئی اور انہیں ساری بات بتائی تو وہ بھی یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے: جاؤ! اور اس بچے کو فوراً قبول کر لو! کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی دوسری عورت اسے لے جائے۔ (42)

حضرت آمنہ کا خواب اور تصدیق

اس کے علاوہ حضرت حلیمہ سعدیہ کی خوش بختی اس بات سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ آپ کو حضور کی رضاعی ماں بننے کا جو شرف ملنے والا تھا اس سے صرف حضور کے دادا جان ہی آگاہ نہ تھے، بلکہ حضور کی والدہ ماجدہ بھی خوب جانتی تھیں۔ جیسا کہ طبقات ابنِ سعد میں ہے کہ

جب سیدہ حلیمہ سعدیہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو انہوں نے انہیں فرمایا: مجھے تین دن سے خواب میں کہا جا رہا ہے کہ اپنے بیٹے کے لئے بنی سعد میں آلِ ابی ذُویب سے دودھ پلانے والی کا انتظام کرو۔ تو سیدہ حلیمہ نے عرض کی: (آپ کو جس کا انتظار تھا وہ میں ہی ہوں کیونکہ) یہ جو بچہ میری گود میں ہے، اس کے والد کا نام ہی ابو ذُویب ہے اور وہ میرے شوہر ہیں۔ (43)

یوں آسمانی اشارے اور زمینی اسباب آپس میں یکجا ہو گئے اور تقدیر نے وہ فیصلہ ظاہر کر دیا جو ازل سے لکھا جا چکا تھا کہ نورِ محمدی کی پرورش سیدہ حلیمہ کے دودھ سے ہونی ہے۔

شکوک کا ازالہ

اگر اسی واقعے کو ایک دوسرے زاویے سے دیکھا جائے تو ذہن میں چند نہایت اہم سوالات ابھرتے ہیں، جن کے جوابات واضح کرنا ضروری ہے۔ مثلاً: اکثر سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ بنی سعد کی دیگر خواتین نے حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کو دودھ پلانے سے محض اس وجہ سے انکار کر دیا تھا کہ آپ یتیم تھے اور انہیں اُمید نہ تھی کہ کوئی مالی فائدہ حاصل ہوگا۔ اسی طرح بعض روایات میں یہ بھی ملتا ہے کہ سیدہ حلیمہ سعدیہ نے بھی بظاہر مجبوری کے تحت حضور کو دودھ پلانے پر رضامندی ظاہر کی، کیونکہ انہیں کوئی دوسرا بچہ نہیں ملا تھا۔(44)

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان عورتوں کو یقین تھا کہ جن بچوں کو وہ اپنے ساتھ لے جا رہی ہیں، ان کے والدین ہمیشہ زندہ رہیں گے اور انہیں انعام و اکرام سے نوازتے رہیں گے؟ اور اگر وہ عورتیں حضور کے یتیم ہونے کی بنا پر جھجک رہی تھیں تو کیا وہ بنو ہاشم کے پسِ منظر اور عبد المطلب جیسے جلیل القدر سردار کی سخاوت و وجاہت سے ناواقف تھیں؟

عقل ماننے کو تیار نہیں کہ وہ خواتین مکے میں اجنبی تھیں یا انہیں واقعۂ فیل اور عبد اللہ بن عبد المطلب کے بدلے سو اونٹوں کی قربانی والا مشہور واقعہ معلوم نہ تھا۔ حیرت تو اس بات پر ہے کہ جو خاندان کعبہ کے محافظ اور قریش کے سردار کی حیثیت رکھتا تھا، اس گھرانے کے ایک بچے کو محض یتیمی کے سبب ناپسند کیا جا رہا تھا، حالانکہ اس وقت حضرت عبد المطلب مکے کے امیر ترین اور فیاض ترین سردار تھے۔

نیز یہاں یہ بات بھی انتہائی اہم اور غور طلب ہے کہ حضرت عبدُ المطلب جیسا قریش کا انتہائی عقل مند، تجربہ کار اور طاقتور سردار اتنا مجبور تھا کہ وہ اپنے انتہائی لاڈلے پوتے کو دودھ پلانے کے لئے ایک ایسی عورت کے حوالے کرنے پر راضی ہو گیا کہ جس کی ظاہری حالت بھی کچھ اچھی نہ تھی، جیسا کہ سیدہ حلیمہ خود اپنی ظاہری حالت کے متعلق فرماتی ہیں: یہ سال سخت خشک سالی کا تھا، میری سواری نہایت کمزور تھی، ہمارے پاس ایک بوڑھی اونٹنی بھی تھی جس کے تھنوں میں ایک قطرہ دودھ نہ تھا، ہم کبھی پوری رات آرام سے سو نہیں سکتے تھے، کیونکہ ہمارا بچہ بھوک سے روتا رہتا تھا، میری چھاتیوں میں اتنا دودھ نہ تھا جو اس کے لئے کافی ہوتا اور نہ ہماری اونٹنی کے تھنوں میں اتنا دودھ تھا کہ اس سے اس کا پیٹ بھر سکتا۔(45)

کیا یہ ممکن ہے کہ عبد المطلب نے اپنے پوتے کے لیے ایسی عورت کا انتخاب مجبوری میں کیا ہو؟ ہرگز نہیں!

یہاں سمجھنے کی بات یہ ہے کہ سیرتِ مصطفوی کے تمام واقعات کو عقل کے ترازو پر تولنے کی کوشش اکثر حقیقت سے دور لے جاتی ہے۔ کچھ امور وہ ہیں جنہیں بلا دلیل مان لینے ہی میں دراصل ایمان کی سلامتی ہے۔ جیسا کہ امام فخر الدین رازی رحمۃُ اللہِ علیہ کے بارے میں منقول ہے کہ جب وقتِ وصال قریب آیا تو شیطان نے آکر اللہ پاک کی وحدانیت پر سوال کیا۔ آپ نے یکے بعد دیگرے 360 دلائل پیش کیے مگر شیطان ہر دلیل کا رد کرتا گیا۔

اس وقت آپ کے پیر و مرشد حضرت نجم الدین کُبریٰ رحمۃُ اللہِ علیہ وہاں سے میلوں دور کسی مقام پر وضو فرماتے ہوئے چشمِ باطن سے یہ سب ملاحظہ فرما رہے تھے، چنانچہ آپ نے وہیں سے روحانی طور پر فرمایا: رازی! کہہ کیوں نہیں دیتے کہ میں نے خدا کو بغیر دلیل کے ایک مانا۔ امام رازی نے یہ کہا اور کلمہ طیبہ پڑھ کر جان! جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔(46)

معلوم ہوا! بعض باتوں کو بغیر دلیل کے ہی ماننے میں عافیت ہے اور اگر کسی دلیل سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی شانِ اقدس میں کمی کا گمان پیدا ہو تو ایسی دلیل کا ذکر

کرنا بھی ادبِ رسالت کے منافی ہے۔ جیسا کہ علامہ حافظ ابنِ حجر فرماتے ہیں: ایسی باتیں بیان نہ کی جائیں جن سے حضور کی اہمیت و عظمت کم ہوتی ہو۔[47]

یعنی تاریخ و سیرت کی کتب میں لکھی ہر وہ بات جس سے حضور کی عظمت کا احساس ہونے کے بجائے دکھ ہوتا ہو بیان نہ کرنا ہی بہتر ہے۔ چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے لئے دودھ پلانے والی کسی خاتون کا انتظام کرنے سے متعلق جو واقعات کتابوں میں لکھے ہیں یعنی بنو سعد کی عام خواتین نے حضور کو ان کے یتیم ہونے کی وجہ سے دودھ پلانے سے انکار کیا یا حضرت عبد المطلب نے سیدہ حلیمہ کی ظاہری حالت اتنی کمزور ہونے کے باوجود انہیں اپنے لاڈلے پوتے کو دودھ پلانے کے لئے مجبوری کی حالت میں چنا تھا، یہ ایسی باتیں ہیں جنہیں عوام میں بیان کرنا مناسب نہیں، کیونکہ اس سے حضور کی شان میں کمی ہوتی ہے، ہاں اگر یوں کہا جائے تو کوئی حرج نہیں کہ در حقیقت یہ انتخاب کسی بشر کا نہیں تھا، یہ محض حکمِ ربی تھا۔ اللہ پاک نے ازل ہی سے فیصلہ فرما دیا تھا کہ اس کے محبوب نبی کی پرورش اور رضاعت کی سعادت سیدہ حلیمہ سعدیہ کے مقدر میں لکھی جا چکی ہے۔

ایمان، عشق اور تقدیر

یہ سوال بجا ہے کہ آخر سیدہ حلیمہ سعدیہ کی ایسی کون سی خصوصیت یا روحانی کیفیت تھی جو اللہ پاک کے نزدیک اس قدر مقبول ہوئی کہ انہیں اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی پرورش کا شرف عطا فرمایا؟ اگرچہ تاریخ و سیرت کی کتابیں اس سوال کے جواب میں خاموش ہیں، مگر قرائن و اشارات سے جو حقیقت ابھرتی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ پاک نہ جسموں کو دیکھتا ہے نہ صورتوں کو، بلکہ دلوں کے حال دیکھتا ہے۔[48] یعنی اللہ پاک کے ہاں خوبصورتی اور بدصورتی کا کوئی اعتبار نہیں، بلکہ وہ دلوں میں موجود یقین، سچائی، اِخلاص، دکھلاوے کا ارادہ، شہرت، اچھے بُرے اخلاق اور اَعمال دیکھتا ہے اور پھر انہی کے مطابق بدلہ عطا فرماتا ہے۔[49]

سیدہ حلیمہ سعدیہ انہی پاک دل بندوں میں سے تھیں جن کے دل شکر و صبر سے لبریز تھے۔ معارج النبوۃ کے بیان کے مطابق آپ دینِ ابراہیم کی پیرو، نہایت صابر، شاکر اور خدا ترس خاتون تھیں۔ ہر حال میں اللہ پاک کا شکر ادا کرتیں، فقر میں بھی، قحط میں بھی، مصیبت میں بھی۔[50] جب بھوک کی شدت نے جسم کو نحیف کر دیا تھا، تب بھی ان کے دل میں ربّ پر کامل یقین اور رحمتِ الٰہی پر پورا اعتماد قائم تھا۔[51]

آپ کا یہ یقین اور صبر ہی دراصل وہ جوہرِ باطن تھا جس نے آپ کو بارگاہِ الٰہی میں قبولیت کا درجہ عطا کیا۔ چنانچہ جب حضرت عبد المطلب کو غیب سے یہ الہامی پیغام ملا کہ وہ سیدہ حلیمہ کو ہی اپنے پوتے کو دودھ پلانے کے لئے چنیں کہ وہ نہایت نیک، امانت دار، ہر عیب سے محفوظ اور انتہائی پاکیزہ دامن والی ہیں۔[52] تو در اصل یہ اعلان سیدہ حلیمہ کی باطنی طہارت، ایمانی اخلاص اور ربّ پر توکل کی تصدیق تھا۔

یوں تقدیرِ الٰہی نے انہیں وہ بلند منصب عطا فرمایا جس کی سعادت دنیا و آخرت کی تمام عزتوں پر بھاری ہے۔ یہ محض اتفاق نہ تھا بلکہ ایمان، عشق، اور صبر کے امتزاج سے جنم لینے والی الٰہی تقدیر کا ظہور تھا۔

شکر، یقین اور برکت

یہ تمام قرائن اس بات کے روشن شواہد ہیں کہ اللہ پاک کے نزدیک سیدہ حلیمہ سعدیہ کا ایک خاص مقام و مرتبہ تھا، اسی روحانی قربت کی بنا پر انہیں حضور کی رضاعی ماں بننے کا شرف نصیب ہوا۔

یقیناً یہ کوئی معمولی سعادت نہ تھی بلکہ الٰہی انتخاب کا نتیجہ تھی۔ اللہ پاک نے انہیں چُن لیا اور ایسے اسباب پیدا فرما دیئے کہ ان کے سوا کوئی اور عورت اس شرف کے لائق نہ ٹھہری۔ لیکن اگر اس واقعے کو عشق و معرفت کی نگاہ سے دیکھا جائے تو ایک اور حقیقت سامنے آتی ہے اور وہ یہ کہ حضور نبی

کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم سراپا رحمت و کمال پیدا کیے گئے۔ آپ کی پیدائش ہی سجدے سے ہوئی اور یہ سجدہ گویا اس امر کی علامت تھا کہ آپ کی پوری زندگی اللہ پاک کی قربت واطاعت کے سا میں بسر ہونے والی ہے۔[53]

آپ کے اخلاق وسیرت کا وصف یہ تھا کہ آپ ہمیشہ بے سہاروں کے سہارا، محتاجوں کے مددگار اور یتیموں کے والی بنے۔ اسی لئے جب پہلی وحی کے نزول پر آپ کی طبیعت پر بوجھ محسوس ہوا تو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے تسلی دیتے ہوئے عرض کی: آپ رشتہ جوڑتے ہیں، دوسروں کے بوجھ اٹھاتے ہیں، محتاجوں کے لیے کمائی کرتے ہیں، مہمان کی مہمان نوازی کرتے ہیں، حق کے طلبگاروں کی مدد کرتے ہیں۔[54]

شفا شریف میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضور پُر نور صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم مسکینوں کی عیادت فرماتے، فقیروں کے پاس بیٹھتے اور کوئی غلام بھی دعوت دیتا تو آپ ازراہِ تواضع اسے قبول فرمالیتے تھے۔[55]

مدارج النبوۃ میں علامہ عبدُ الحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب حضور کسی محتاج کو دیکھتے تو اپنا کھانا پینا یہاں تک کہ اپنی ضرورت کا سامان بھی اس پر قربان فرما دیتے۔ آپ کی عطائیں مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتیں؛ کسی کو ہدیہ عطا فرماتے، کسی کا قرض اتار دیتے، کسی کا بوجھ ہلکا کرتے، کسی کو لباس دیتے، کسی کا قرض بڑھا کر ادا فرماتے اور جب کوئی آپ کو تحفہ دیتا تو آپ اس سے کئی گنا زیادہ انعام میں عطا فرما دیتے۔[56]

یہ سب واقعات گواہی دیتے ہیں کہ آپ کا وجود سراپا کرم، سخاوت اور خیر کا سرچشمہ تھا۔ لہٰذا اگر یہ مان لیا جائے کہ آپ پیدائش ہی سے غریب نواز اور حاجت روا تھے، تو پھر یہ ماننے میں بھی کوئی مانع نہیں کہ سیدہ حلیمہ رضی اللہ عنہا کو حضور کی خدمت کا جو موقع ملا تھا اس کی سب سے بڑی وجہ ان کے اس وقت کے حالات بھی تھے کہ جنہیں سیدہ حلیمہ نے خود بھی بیان فرمایا ہے اور یہی وجہ ہے کہ جب انوارِ مصطفوی کی بارش ان پر برسی، تو وہی قحط زدہ وادی رحمت و برکت کا گلزار بن گئی۔ ان کی قسمت کا رخ پلٹ گیا، ان کے گھر کی خشک زمین سیراب ہو گئی اور وہ خود نہیں بلکہ ان سے وابستہ ہر شے حضور کی نوازشوں کا فیض پانے لگی۔

کرمِ مصطفوی اور حلیمہ سعدیہ کی تقدیر

کسی نے کیا خوب کہا ہے:

آتا ہے فقیروں پہ انہیں پیار کچھ ایسا
خود بھیک دیں اور خود کہیں منگتا کا بھلا ہو

واقعی، یہ شعر گویا کرمِ مصطفوی کی ترجمانی کرتا ہے۔ حضور کی شان ہی یہ ہے کہ جو اُن کی خدمت میں حاضر ہوا، محروم نہ لوٹا۔ سیدہ حلیمہ سعدیہ نے بھی جب اپنی گود کو حضور کے قدموں کے صدقے سے زینت بخشی، تو اُن کی تقدیر کے تمام بند دروازے کھل گئے۔ وہ جو کبھی فقر و تنگدستی کی مار سہتی تھیں، اب کرمِ مصطفوی کے سائے میں اتنی مالا مال ہوئیں کہ اُن کا ذکر آج تک عرب و عجم میں عزت، سعادت اور عظمت کی علامت بن کر زندہ ہے۔

واقعی، اگر سیدہ حلیمہ کے اُس وقت کے حالات کو دیکھا جائے اور پھر اُن پر حضور کی عنایتوں کا موازنہ کیا جائے، تو اندازہ ہوتا ہے کہ یہ صرف کرم نہیں، بلکہ محبوبِ خدا کا وہ فیضانِ بے حساب تھا جس کی کوئی حد نہیں۔ کسی صاحبِ دل شاعر نے اسی کیفیت کو یوں بیان کیا ہے:

قرباں میں اُن کی بخشش کے مقصد بھی زباں پر آیا نہیں
بن مانگے دیا اور اتنا دیا دامن میں ہمارے سمایا نہیں

حضور کو یتیم کہنا کیسا؟

اس سے قبل یہ جائزہ لیا جا چکا کہ کیا واقعی حضور کے یتیم ہونے کی وجہ سے بنو سعد کی دیگر خواتین نے آپ کو اپنانے سے انکار کیا تھا اور کیا حضرت عبدُ المطلب نے مجبوری کے عالم میں سیدہ حلیمہ کو منتخب فرمایا اور سیدہ حلیمہ نے بھی کسی تنگی

حالات کے باعث حضور کو قبول کیا کہ انہیں کوئی اور بچہ نہ ملا؟

اسی سلسلے میں چند آخری گزارشات پیشِ خدمت ہیں۔

یہ بات بلاشبہ درست ہے کہ حضور کی ولادتِ باسعادت سے قبل ہی آپ کے والد ماجد اس جہانِ فانی سے رخصت ہو چکے تھے اور عرفِ عام میں جس بچے کے سر سے والد کا سایہ اٹھ جائے اسے اگرچہ یتیم کہتے ہیں، مگر حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کو یتیم کہنے سے پہلے ہزار بار سوچ لیجیے، کیونکہ حضور کو یتیم کہنا جائز نہیں۔

ایک وہ جو عرف میں رائج ہے یعنی وہ بچہ جس کے والد کا انتقال بلوغت سے پہلے ہو جائے؛ اور دوسرا معنی ہے منفرد، بے مثال اور یکتا ہونا۔ پہلے معنی کے لحاظ سے حضور کو یتیم کہنا ناجائز ہے، کیونکہ علمائے کرام نے صراحت فرمائی ہے کہ ایسے الفاظ جن سے حضور کی شانِ اقدس میں کمی کا شائبہ پیدا ہو، انہیں زبان پر لانا گناہ ہے۔ بلکہ بعض اہلِ علم کے نزدیک جو شخص اس معنی میں حضور کو یتیم کہے، وہ گستاخِ رسول ہے اور اس پر حدِ کفر جاری ہوتی ہے۔ البتہ دوسرے معنی کے لحاظ سے یعنی یتیم بمعنی بے نظیر و بے مثال کے اعتبار سے، حضور کو دُرِّ یتیم کہنا نہ صرف درست بلکہ باعثِ ثواب ہے۔ کیونکہ سورۃ الضُّحیٰ میں حضور کے متعلق جو یہ لفظ ذکر ہوا ہے اس سے بعض مفسرین نے یہی دوسرا معنیٰ مراد لیا ہے یعنی قریش میں حضور کی مثال نہیں ملتی، آپ یکتا ہیں۔[57]

دودھ پلانے والی خواتین کے انکار کی بنیادی وجہ!!!

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ بنو سعد کی خواتین نے حضور کو یتیم سمجھ کر دودھ پلانے سے انکار کیا، تو یہ روایات بعید از قرینِ قیاس معلوم ہوتی ہیں۔ کیونکہ اگر اُن دنوں آزاد عورتیں دودھ پلانے کی اُجرت لینا عیب و عار سمجھتی تھیں، تو وہ یہ خدمت محض رضاکارانہ طور پر انجام دیتی تھیں اور صلہ و عطیہ بچے کے والد کی سخاوت پر چھوڑ دیتی تھیں۔

عرب معاشرت کے تجربات کے مطابق، عموماً باپ ہی ایسی خدمات کے بدلے فراخ دلی سے نوازتا تھا؛ چنانچہ اگر کسی بچے کا باپ وفات پا چکا ہوتا تو وہ سمجھتیں کہ دادا یا ماں سے اتنا انعام نہیں ملے گا، کیونکہ وہ ویسے ہی تحائف و عطیات سے نواز دیا کرتے ہیں۔[58] اس لیے ان عورتوں نے زیادہ انعام و دولت کی توقع میں حضور پر دیگر سردارانِ قریش کے بچوں کو ترجیح دی، حالانکہ یہ ان کی بہت بڑی غلط فہمی تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عبدُ المطلب اُس وقت مکہ کے امیر ترین تاجر اور سب سے سخی سردار تھے۔ جب حضور کی ولادت ہوئی تو آپ نے شکرانے میں کئی اونٹ اور بکریاں ذبح فرمائیں، مکہ کے تمام باشندوں کی تین دن تک ضیافت کی، اور راستوں پر قربانی کے جانور رکھوا دیئے تاکہ آنے جانے والے انسان، پرندے اور جانور سب فیض یاب ہوں۔[59]

اس بات کو اگرچہ کئی سیرت نگاروں نے بیان کیا ہے کہ حضرت عبد المطلب نے کئی اونٹ ذبح فرمائے مگر کب کرائے؟ اس کی تاریخ میں اختلاف ہے۔ مثلاً: تاریخِ خمیس میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے پیدا ہونے کی خوشی میں ساتویں دن عقیقے کے موقع پر حضرت عبد المطلب نے کئی اونٹ ذبح کر کے قریش کے تمام لوگوں کی دعوت کی۔[60] اب یہ کیسے ممکن ہے کہ وہی عبدُ المطلب جو اپنے پوتے کی ولادت پر اتنی سخاوت فرمائیں، کسی دودھ پلانے والی خاتون کو ان کی خدمت کے بدلے محروم رکھیں! یہ بات عقل و واقعیت دونوں کے لحاظ سے ناقابلِ قبول ہے۔

بنو سعد قبیلے کی خواتین کی اہمیت اور مکہ میں ان کی حیثیت

اس زمانے میں مکہ مکرمہ کے باہر سے آنے والوں کے لیے مخصوص مقامات مقرر تھے جہاں وہ قیام کیا کرتے تھے۔

یہ گمان درست نہیں کہ وہ خواتین بچوں کی تلاش میں موجودہ زمانے کے انداز میں پھیری لگانے والیوں کی طرح آوازیں لگاتی ہوں گی کہ کیا کسی کے گھر میں ایسا بچہ ہے جسے دودھ پلانے والی کی حاجت ہو؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ قریشِ مکہ اپنے

حسب و نسب کے معاملے میں نہایت غیرت مند اور حساس تھے۔ وہ اپنے بچوں کے لیے کسی کو دودھ پلانے والی کے طور پر منتخب کرنے سے پہلے ضرور دیکھ بھال کرتے کہ وہ خاتون کردار، نسب اور اخلاق کے لحاظ سے کیسی ہے؟

دودھ پلانے کا عمل محض ایک خدمت یا کاروباری لین دین نہ سمجھا جاتا، بلکہ یہ رشتہ رضاعت کہلاتا تھا؛ ایسا رشتہ جو ایک قبیلے اور خاندان کو دوسرے سے ہمیشہ کے لیے جوڑ دیتا۔ یہ رشتہ کبھی منقطع نہیں ہوتا تھا بلکہ عزت، وفا اور حرمت کے ساتھ ہمیشہ قائم رہتا۔ اسی لیے قریش اس تعلق کا بے حد لحاظ رکھتے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اعلانِ نبوت فرمانے کے بعد جب آپ کے رضاعی والد حضرت حارث مکے تشریف لائے تو قریشِ مکہ نے جن الفاظ میں ان سے شکایت کی وہ انتہائی قابلِ غور ہیں۔ کیونکہ انہوں نے کہا تھا: اے حارث! کیا تو جانتا ہے کہ تیرا بیٹا کیا کہتا ہے؟[61] یہ الفاظ خود اس حقیقت کی دلیل ہیں کہ عرب دودھ کے رشتے کو حقیقی خونی رشتہ سمجھتے تھے۔

جب بنو سعد قبیلے کی خواتین مکہ آئیں تو وہ یقیناً کسی مقررہ مقام پر ٹھہریں اور پھر معلومات حاصل کیں کہ اس وقت کن گھرانوں کو دودھ پلانے والی کی ضرورت ہے۔ یہ ان کے لیے معمول کا سلسلہ تھا، کیونکہ ہر سال اطرافِ مکہ کے مختلف قبائل سے ایسی خواتین آتی رہتی تھیں۔ البتہ مکے والے عام طور پر بنو سعد قبیلے کی خواتین کو ترجیح دیتے، کیونکہ ان کے علاقے کی آب و ہوا نہایت خوشگوار، زبان فصیح و بلیغ اور تربیت مثالی سمجھی جاتی تھی۔ علامہ ابنِ کثیر نے اپنے رسالہ مولد النبی میں اس امر کو واضح فرمایا ہے۔[62] چنانچہ اسی وجہ سے بنو سعد قبیلہ مکہ میں خاص شہرت رکھتا تھا اور ان کی خواتین کو بہت زیادہ ترجیح حاصل تھی۔ جب اہلِ مکہ کو ان کے آنے کی اطلاع ملتی تو وہ اپنے بچوں کے لیے فوراً ان میں سے کسی خاتون کا انتخاب کرنے میں بالکل دیر نہ کرتے۔

اس سال بھی جب بنو سعد کی خواتین مکہ آئیں تو بچوں کے حصول کی دو ہی صورتیں تھیں: وہ خود ان گھرانوں کا رخ کرتیں جہاں سے زیادہ مال و دولت ملنے کی توقع ہو یا مکہ کے معزز و متمول لوگ خود ان سے رابطہ کر کے انہیں اپنے بچوں کو دودھ پلانے کے لیے منتخب کرتے۔ جیسا کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبدُ المطلب نے بھی ان کی آمد کی خبر سن کر ایسی ہی کسی نیک سیرت خاتون کی تلاش فرمائی تھی جو حضور کو دودھ پلانے کا شرف حاصل کرے۔[63]

حضرت عبد المطلب اور دودھ پلانے والی خواتین کے درمیان مکالمہ

حضرت عبدُ المطلب چونکہ اس سے قبل بھی اپنے بیٹے حضرت حمزہ کے لیے بنو سعد ہی کی ایک خاتون کی خدمات حاصل کر چکے تھے، اس لیے جب اس مرتبہ آپ اپنے نورِ نظر، اپنے پوتے کے لیے دودھ پلانے والی خاتون کی تلاش میں اس مقام پر تشریف لے گئے جہاں بنو سعد کی عورتیں قیام پذیر تھیں، تو آپ نے نہایت وقار کے ساتھ پکار کر فرمایا: اے دودھ پلانے والی عورتو! کیا تم میں کوئی ایسی خاتون ہے جسے ابھی تک دودھ پلانے کے لئے بچہ نہ ملا ہو؟[64] مگر اس مرتبہ کا منظر کچھ مختلف تھا۔ بنو سعد کی خواتین اگرچہ حضرت عبدُ المطلب کی شان و وجاہت اور بنو ہاشم کی عظمت و شرافت سے بخوبی واقف تھیں، لیکن اس سال شدید قحط سالی کے باعث وہ اپنے اہلِ خانہ کی کفالت کے لیے زیادہ مال و دولت کی طلب گار تھیں۔ اسی لیے ان کی پہلی ترجیح وہ گھرانے تھے جو دولت مند ہوں اور اپنی سخاوت سے انہیں خوب نواز سکیں۔ چونکہ ان کا سابقہ تجربہ یہ تھا کہ یتیم بچوں کی مائیں یا دادا دودھ پلانے کے بدلے کوئی خاص انعام نہیں دیتے، لہٰذا اس غلط فہمی کے باعث وہ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو دودھ پلانے پر آمادہ نہ ہوئیں۔

دوسری جانب حضرت عبدُ المطلب کی تمنا یہ تھی کہ کوئی

خاتون محض لالچ مال میں ان کے پوتے کو گود میں نہ لے، بلکہ وہ ایسی عورت چاہتے تھے جو اخلاص، محبت اور ماں جیسی شفقت کے ساتھ خدمت کرے۔ انہیں یہ احساس بھی تھا کہ ان کے پوتے کی حقیقت کچھ اور ہی ہے اور اگر اس رازِ ازلی سے اہلِ کتاب یا یہود و نصاریٰ کو خبر ہو گئی تو وہ ضرور نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے۔ اسی لیے آپ چاہتے تھے کہ حضور کی حقیقت کو پوشیدہ رکھا جائے، البتہ اس نورِ نبوت کے اثرات کو چھپانا ممکن نہ تھا جو ہر آن ظاہر ہوتے تھے۔ چنانچہ جب آپ کی ملاقات سیدہ حلیمہ سعدیہ سے ہوئی تو آپ نے نہ ان کے سامنے مال و دولت کا ذکر کیا، نہ کوئی غیر معمولی وعدہ فرمایا، بلکہ نہایت متانت سے صرف اتنا کہا: میرے پوتے کے سر پر اگرچہ باپ کا سایہ نہیں۔ ہاں! اگر تم اس بچے کو دودھ پلانے پر راضی ہو جاتی ہو تو ممکن ہے یہ بچہ تمہارے لئے خیر و برکت کا سبب بن جائے۔[65] اور پھر وہی ہوا، جب حضور سیدہ حلیمہ سعدیہ کی گود میں آئے تو وہ گود برکت و رحمت سے معمور ہو گئی، ان کی قسمت بدل گئی اور ان کے گھر کے ہر ذرے نے انوارِ مصطفوی سے فیض پایا۔

دودھ پلانے والی خواتین نے حضور کو دودھ پلانے سے انکار کیا یا حضور نے انہیں قبول نہ فرمایا؟

یہ بات ذکر کے لائق ہے کہ سیدہ حلیمہ سعدیہ سے مروی واقعات میں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے۔ اگر ایک روایت میں یہ منقول ہے کہ بنو سعد کی دیگر خواتین نے حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو یتیم سمجھ کر قبول نہ کیا، تو علامہ ابنِ جوزی نے ایک دوسری روایت ایسی بھی نقل فرمائی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دراصل ان خواتین نے انکار نہیں کیا تھا بلکہ حضور نے خود کسی کو قبول نہ فرمایا۔ چنانچہ،

حضرت حلیمہ فرماتی ہیں: جب ہم مکہ مکرمہ پہنچیں تو ہم میں سے بعض عورتیں بچوں کی تلاش میں نکل گئیں، جبکہ میں اور سات عورتیں وہیں بیٹھی تھیں کہ حضرت عبدُ المطلب تشریف لائے اور فرمایا: میرے پاس ایک بچہ ہے، اے دودھ پلانے والی عورتو! آؤ اسے دیکھ لو، پھر جس کی قسمت میں ہو، وہ اسے پالے۔ لہٰذا ہم سب ان کے ساتھ گئیں اور جب ہم نے حضور کو دیکھا تو ہم میں سے ہر ایک یہی کہنے لگی کہ میں اس بچے کو دودھ پلاؤں گی۔ لہٰذا اس صورت میں یہ طے پایا کہ حضور جسے پسند کریں گے وہی دودھ پلائے گی، چنانچہ سب نے باری باری حضور کو دودھ پلانے کی کوشش کی مگر حضور نے ان میں سے کسی کو بھی شرفِ قبولیت عطا نہ فرمایا اور پھر آخر میں جب میری باری آئی تو آپ نے مجھے دیکھا، مسکرائے اور خوشی سے میری گود میں جلوہ فرما ہو گئے۔ میں نے اپنی سیدھی چھاتی پیش کی، آپ نے بخوشی قبول فرمالی؛ پھر جب میں نے الٹی چھاتی پیش کی تو آپ نے قبول نہ کی گویا کہ آپ جانتے تھے کہ آپ کے علاوہ کوئی اور بھی دودھ پینے میں آپ کا حصے دار ہے۔ یہ دیکھ کر حضور کی محبت و رغبت میرے دل میں اور بھی بڑھ گئی، لہٰذا میں نے ارادہ کر لیا کہ بس ابھی حضور کو اپنے ساتھ ہی لے کر جاؤں گی۔ مگر جب حضرت عبد المطلب نے یہ بتایا کہ اس بچے کے سر پر باپ کا سایہ نہیں تو (میں سوچ میں پڑ گئی کہ اب کیا کروں؟[66] اور) ان سے عرض کی: مجھے کچھ مہلت دیجئے تاکہ میں اس معاملے میں اپنے شوہر سے مشورہ کر لوں۔ انہوں نے خوشی سے مجھے ایسا کرنے کی اجازت عطا فرما دی۔ میں سیدھی اپنے شوہر کے پاس گئی اور جا کر سب کچھ بتایا تو انہوں نے فرمایا: فوراً جا کر اس بچے کو لے آؤ! ہو سکتا ہے اللہ پاک اس بچے کو ہمارے لئے برکت کا سبب بنا دے![67] جبکہ شرفُ المصطفیٰ میں ہے کہ جب انہوں نے اپنے شوہر سے بات کی تو (وہ بڑی حیران ہوئیں کہ) اللہ پاک نے ان کے شوہر کے دل میں پہلے ہی سے اتنی خوشی پیدا کر دی تھی کہ وہ فوراً کہنے لگے: اے حلیمہ! فوراً اس نیک بخت بچے کو جا کر لے آ! (اور دیر نہ کر!) اگر تو اس بچے کو حاصل نہ کر سکی تو پھر زمانے میں کبھی کامیابی نہ پا سکے گی۔ فرماتی ہیں: میں نے فوراً حضور کو اپنانے کا فیصلہ کر

لیا اور میں اس ارادے سے اٹھی ہی تھی کہ اچانک میرے بھانجے نے یہ کہتے ہوئے میرے ارادے میں دراڑ ڈالنے کی کوشش کی کہ خالہ جان! بنی سعد کی تمام خواتین ایسے بچوں کو لے کر واپس اپنے قبیلے میں جائیں گی جن کے باپ انہیں دودھ پلانے کی خدمت کے بدلے خوب نوازیں گے جبکہ آپ ایک ایسے بچے کو ساتھ لے کر جائیں گی جس کے سر پر باپ کا سایہ ہی نہیں! بھلے وہ قریشی ہے، مگر آپ دوسروں کی نسبت مال و دولت کی زیادتی سے محروم رہیں گی اور الٹا آپ کو اس بچے کی پرورش پر تکلیف اور دیگر مصیبتوں کا بھی سامنا کرنا پڑے گا۔ فرماتی ہیں: یہ سن کر کچھ دیر کے لئے میں نے اپنا ارادہ بدل دیا مگر (یہ جان کر کہ میری تمام ساتھی عورتوں کو بچے مل چکے ہیں) اچانک میری غیرت نے جوش مارا اور میں بولی: میرے قبیلے کی دیگر عورتیں بچے لے کر واپس جائیں اور میں خالی ہاتھ جاؤں، ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا، میں اسی بچے کو لے کر جاؤں گی، بھلے اس کے سر پر باپ کا سایہ نہیں، مگر اس کے دادا حضرت عبد المطلب تو ہیں اور میں نے آج تک ان سے بڑھ کر خوبصورت انسان نہیں دیکھا (یقیناً وہ مجھے محروم نہیں رہنے دیں گے)۔ (68)

جبکہ یہی بات مَعارجُ النبوۃ میں کچھ یوں بیان کی گئی ہے کہ جب سیدہ حلیمہ کا ارادہ لمحاتی طور پر متزلزل ہوا تو انہیں الہام ہوا: اگر اس بچے کو چھوڑ دیا تو ہرگز فلاح نہ پائے گی۔ لہٰذا انہوں نے دل میں پختہ عزم کر لیا کہ میں حضور کو ہی لوں گی اگرچہ ان کے والد نہیں تو کیا ہوا! ان کے دادا تو ہیں! میں انہیں صرف والد کا سایہ سر پر نہ ہونے کی وجہ سے نہیں چھوڑوں گی اور اگر یہ وہی دُرِّ یتیم ہے جس کی بشارت مجھے خواب میں ملی تھی تو یقیناً وہ میری قسمت بدل دے گا۔ (69)

پس معلوم ہوا کہ بنی سعد کی خواتین نے حضور کو نہیں بلکہ حضور نے خود انہیں قبول نہ فرمایا۔ گویا سیدہ حلیمہ اللہ اور رسول دونوں کی پسند تھیں اور انہوں نے بھی حضور کو کسی مجبوری کے باعث نہیں، بلکہ محبت، یقین اور رضا کے ساتھ اپنی گود میں لیا۔

البتہ! ان روایات میں اختلاف کو جمع کیا جائے تو تطبیق یہ بنتی ہے کہ ان خواتین کو مکے پہنچتے ہی معلوم ہو گیا تھا کہ کس گھر میں بچہ ہے، لہٰذا انہوں نے ایک دوسرے سے پہلے بچے لینے کے لئے جلدی کی اور جب حضرت عبد المطلب پہنچے تو بعض بچے لے چکی تھیں یا ان کی ابھی مشاورت جاری تھی، پھر جب حضور نے انہیں قبول نہ فرمایا تو انہوں نے دوسرے بچے لے لئے مگر سیدہ حلیمہ حضور سے متعلق مشاورت کی وجہ سے کسی اور طرف نہ گئیں۔ پھر آپ نے اپنے بھانجے کی وجہ سے جو ارادہ بدلا تھا وہ بھی اس دلی یقین کی وجہ سے دور ہو گیا کہ آپ کو خواب و بیداری کی حالت میں جس نیک بخت بچے کو دودھ پلانے کی سعادت ملنے سے متعلق خوشخبریاں مل رہی تھیں، وہ غلط نہیں ہو سکتیں۔ (70)

سیدہ حلیمہ پر حضور کی نوازشیں

عشقِ سرکار کی دولت اور پہلی زیارت کا فیضان

سیدہ حلیمہ سعدیہ نے حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم سے جو سب سے پہلی برکت پائی وہ عشقِ سرکار کی دولت تھی، وہ عشق جو ایمان کی روح اور قربِ مصطفوی کا پہلا زینہ ہے۔

آپ نے جب حضور کی پہلی مرتبہ زیارت کی تو اس وقت اپنی حالت و کیفیت کے متعلق فرماتی ہیں: حضرت عبد المطلب مجھے لے کر جب اس مکان میں گئے جہاں حضور تشریف فرما تھے تو سیدہ آمنہ نے نہایت محبت سے میرا استقبال کیا۔ پھر وہ مجھے اس حجرے میں لے گئیں جہاں حضور آرام فرما رہے تھے۔ میں نے دیکھا کہ آپ کا لباس دودھ سے بھی زیادہ سفید اونی کپڑے کا ہے اور بستر سبز رنگ کے ریشمی کپڑے کا۔ آپ پر نیند طاری تھی، ہلکی ہلکی خراٹوں کی آواز سنائی دے رہی تھی، آپ کے جسمِ مبارک سے ایسی خوشبو مہک رہی تھی کہ قرب و جوار کی ہر چیز کستوری بن گئی تھی۔ جب کپڑے کو چہرۂ اقدس سے ہٹایا گیا تو میں آپ کے حسن و جمال میں اس طرح گم ہو گئی کہ مجھے آپ کو جگانے کی ہمت ہی نہ رہی۔ (71)

شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں سیدہ حلیمہ کے جذبات کی ترجمانی کچھ یوں کی ہے: میں آپ کو بیدار کرنا چاہتی تھی مگر عاشق شدم بر حسن و جمال شریف وے یعنی آپ کے حسن و جمال نے مجھے آپ کا عاشق بنا دیا۔[72]

مولانا معین الدین کاشفی کی کتاب معارج النبوۃ میں ہے: چون نظر من بر جمال این خجستہ فرزند دلبند افتاد بصد هزار دل عاشق او گشتم و بصد هزار جان شیفتہ و فریفتہ او شدم یعنی جب میری نظر اس بہت پیارے بیٹے کے حسن و جمال پر پڑی تو میں ہزار دل و جاں سے اس پر عاشق فریفتہ اور دیوانی ہو گئی۔

مزید فرماتی ہیں: محبت او در صمیم جانم مرکوز گشت یعنی حضور کی محبت میری روح کی گہرائی میں اتر گئی۔[73] جب میں کچھ سنبھلی تو میں نے کچھ قریب ہو کر جونہی حضور کے سینہ مبارک پر اپنا ہاتھ رکھا آپ نے فوراً مسکراتے ہوئے آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا تو میں نے آپ کی آنکھوں سے ایک نور کو نکلتے ہوئے دیکھا جس کی شعاعیں میرے دیکھتے ہی دیکھتے آسمان تک جا پہنچیں (یعنی کمرے میں ہونے کے باوجود سیدہ حلیمہ کی نگاہوں نے اس نور کا آسمان تک پیچھا کیا)۔

فرماتی ہیں: (مجھے خود پر قابو نہ رہا اور) میں نے فوری آگے بڑھ کر اپنی چادر حضور کے چہرۂ اقدس پر ڈال دی تا کہ ان کی والدہ ماجدہ یہ سب نہ دیکھ لیں اور پھر (بے اختیار ہو کر) میں نے حضور کی دونوں آنکھوں کے درمیان (مبارک ماتھے کو) چوما اور اپنی گود میں اٹھا لیا۔[74]

علامہ نورُ الدین حلبی نے نقل فرمایا ہے کہ بعض روایات میں جو یہ مذکور ہے کہ سیدہ حلیمہ نے بھی پہلے حضور کو اپنانے سے انکار کر دیا تھا تو یہ بن دیکھے تھا، پھر جب حضور کی زیارت سے مشرف ہوئیں اور چہرۂ مصطفوی کی جھلک دیکھی تو وہ حسن و جمال کی ایسی وادی میں اتر گئیں جہاں عقل و تدبیر کے تمام حجابات ٹوٹ گئے تو فرماتی ہیں: میں نے ٹھان لیا کہ ہر حال میں اسی نور والے کو لے کر جاؤں گی۔[75]

یوں پہلی زیارت ہی میں سیدہ حلیمہ کے دل پر محبتِ مصطفوی کا نقش ابدی ثبت ہو گیا اور ان کی زندگی کی ہر سانس اس عشق کے فیضان سے معطر ہو گئی۔

رضاعت میں عشق کا ظہور — دودھ کی پہلی برکت

سیدہ حلیمہ سعدیہ کا عشقِ سرکار مرحبا! صد مرحبا! آپ کے دل میں اللہ پاک نے پہلی جھلک پر عشقِ سرکار کی جو شمع جلائی اس کی جھلک ہمیشہ دکھائی دیتی رہی، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ہمیشہ حضور کو اپنی سگی اولاد پر ترجیح دی اور آپ کے ہر عمل سے عشق کی جھلک نمایاں رہی۔ چنانچہ جب آپ مکہ تشریف لائیں تو آپ کی اپنی حالت یہ تھی کہ بچہ بھوک سے روتا رہتا تھا کیونکہ ان کی چھاتیوں میں اتنا دودھ نہ تھا جو اس کے لئے کافی ہوتا۔[76] بلکہ ایک قول کے مطابق آپ کی ایک چھاتی میں دودھ ہی نہ تھا۔[77] مگر پھر بھی جتنا دودھ چھاتیوں میں تھا آپ نے وہ اپنے بچے کو پلانے کے بجائے پہلے حضور کو پلایا۔ جیسا کہ آپ فرماتی ہیں: جب میں حضور کو لے کر اپنے قافلے میں واپس آئی اور میں نے آپ کو دودھ پلانے کے لئے اپنی گود میں لٹایا تو آپ میری سیدھی چھاتی سے دودھ پینے لگے اور خوب پیٹ بھر کر پیا۔ آپ کے بعد آپ کے بھائی (یعنی سیدہ حلیمہ کے اپنے بیٹے عبد اللہ) نے دودھ پیا اور حضور کی برکت سے اس نے بھی خوب پیٹ بھر کر دودھ پیا۔[78] بلاشبہ یہ وہ لمحہ تھا جب خشک سینہ، رحمت کے لمس سے چشمہ بن گیا اور بھوک کے آنسو، برکت کے موتیوں میں بدل گئے۔

پورے گھرانے پر عشقِ مصطفےٰ کی چھاپ

اس کے بعد حضور جتنا عرصہ سیدہ حلیمہ سعدیہ کے پاس تشریف فرما رہے اس سارے عرصے کے واقعات کا جائزہ لیا جائے تو ہر ہر جگہ سیدہ حلیمہ سعدیہ کے عمل سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضور کی رضاعی ماں سے بڑھ کر حقیقت میں ایک سچی عاشقِ رسول بھی تھیں۔ عشقِ سرکار ایک ایسی دولت

تھی جو صرف سیدہ حلیمہ سعدیہ کو ہی نصیب نہ ہوئی بلکہ آپ کے گھرانے کا ہر ہر فرد اس دولت سے فیض یاب ہوا۔ اگر یوں کہا جائے کہ سیدہ حلیمہ سعدیہ کا سارا گھرانا ہی حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی محبت میں دیوانہ تھا تو بے جا نہ ہو گا۔ چنانچہ اگر سیدہ حلیمہ کے گھرانے کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے گھرانے میں پانچ افراد تھے، میاں بیوی دو بیٹیاں اور ایک بیٹا۔ جیسا کہ سیدہ حلیمہ کے گھرانے کے افراد کا ذکر کرتے ہوئے امام ابو نعیم اصبہانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں فرماتے ہیں کہ حضور کے ایک رضاعی بھائی عبد اللہ تھے، جبکہ اُنیسہ اور شیماء دو رضاعی بہنیں تھیں۔(79) گویا کہ پانچ افراد پر مشتمل یہ گھرانا درِ مصطفےٰ کا منتخب قافلہ بن گیا، ایک ایسا گھر جہاں ہر سانس عشق سے مہکنے لگی، ہر چہرے پر سرورِ مصطفےٰ کے انوار جھلکنے لگے اور ہر دل حضور کے پیار سے معمور ہو گیا۔

حضور کے رضاعی گھرانے میں عشق و ادب کے رنگ

حضور کی رضاعی بہن اُنیسہ سے متعلق تاریخ و سیرت کی کتابوں میں نام کے علاوہ اور کوئی خاص بات نہیں ملتی۔ اس اعتبار سے اگر جائزہ لیا جائے تو سیدہ حلیمہ سعدیہ کے علاوہ آپ کے گھرانے کے باقی تین افراد حضور سے بہت محبت رکھتے تھے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ یہ وہ گھر تھا جس کی فضاؤں میں عشقِ مصطفےٰ کے نغمے گونجتے تھے۔

حضور کے رضاعی والد کا عشق و سجدۂ شکر

سیدہ حلیمہ سعدیہ کے شوہر حضرت حارث رضی اللہ عنہ بھی حضور کو پہلی بار دیکھتے ہی دیوانے ہو گئے۔ جیسا کہ ان کے متعلق شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مدارج النبوۃ میں فرماتے ہیں: جب سیدہ حلیمہ سعدیہ حضور کو لے کر آئیں اور آپ کے شوہر (حضرت حارث) نے پہلی نظر حضور کے چہرۂ مبارک پر ڈالی تو وہ آپ کے بے مثال حسن و جمال کے اسیر ہو گئے اور سجدۂ شکر ادا کیا۔(80) جبکہ معارج النبوۃ میں یہی کیفیت اور بھی پر جوش انداز میں یوں بیان ہوئی ہے: جب اُن کی نگاہ حضور کے رخِ مصطفوی پر پڑی تو وہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھے، خوشی و حیرت کے عالم میں دیوانہ وار سجدے میں گر گئے(81) اور جب سنبھلے تو زبانِ حال سے عرض کی: اے ربِّ کریم! کیسا نور ہے جو آج ہمارے گھر میں اُترا ہے!

حضرت حارث کے سجدے کا یہ جوشِ محبت دراصل اس غیبی کشش کا نتیجہ تھا جو اللہ پاک نے اُن کے دل میں بن دیکھے ہی پیدا فرما دی تھی۔ چنانچہ جب سیدہ حلیمہ نے حضور کو لینے سے قبل اپنے شوہر سے مشورہ کیا، تو وہ پہلے ہی فرطِ شوق سے بول اٹھے: اے حلیمہ! اس نیک بخت بچے کو فوراً لے آؤ! (اور دیر نہ کرو) اگر تم اس بچے کو حاصل نہ کر سکی تو پھر زمانے میں کبھی کامیابی نہ پا سکو گی۔(82) یہ جواب کسی عقل و تدبیر کا نہیں، بلکہ ایمان، وجدان اور عشق کا فیصلہ تھا اور یہ فیصلہ تقدیرِ حلیمہ کا نقطۂ آغاز بن گیا۔

حضور کے رضاعی بھائی ادبِ مصطفےٰ کا اولین مظہر

جب حضور صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم سیدہ حلیمہ کی گود میں تشریف لائے تو سیدہ حلیمہ نے سب سے پہلے آپ کو دودھ پلایا اور پھر اپنے بیٹے کی طرف متوجہ ہوئیں، چنانچہ وہ بچہ جو کہ حضور کے ساتھ دودھ پینے میں شریک تھا، اس کے دل میں حضور کی کتنی محبت تھی اور وہ حضور کا کس قدر ادب کرتا تھا اس کے متعلق حافظ ابو سعد اپنی کتاب شرفُ المصطفیٰ میں سیدہ حلیمہ کا یہ قول نقل فرماتے ہیں کہ ان کا بیٹا اس وقت تک دودھ نہ پیتا تھا جب تک کہ حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم دودھ نہ پی لیتے۔(83)

کیا ہی پیارا منظر ہو گا، ایک معصوم بچہ، ابھی زبان نہیں کھولی، مگر دل میں ادبِ مصطفےٰ اور نگاہ میں نورِ عشق جاگزیں ہے۔ یہ عشق و ادبِ فطری تھا، گویا فطرت نے بھی سیدہ حلیمہ کے گھرانے کو درِ مصطفےٰ کے آداب سکھا دیئے تھے۔

حضور کے رضاعی بھائی کے اس عشق پر قربان جایئے! اتنی

ننھی سی عمر میں انہیں ادبِ مصطفیٰ اور عشقِ مصطفیٰ کی جو لازوال دولت ملی بلاشبہ انہی کا خاصہ تھا، اب اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ انہوں نے پہلے حضور کی زیارت کی یا حضور کی نگاہِ ناز پہلے ان پر پڑی اور انہیں یہ دولتِ بے مثال ملی۔ اگر حضرت اسماعیل علیہ السلام نے بچپن میں اپنے والد کی خواہش پر خود کو قربانی کے لئے پیش کر دیا تھا تو یہاں ایک دودھ پیتے بچے نے ادبِ مصطفیٰ کو پیشِ نظر رکھا اور کبھی ان سے پہلے دودھ نہ پیا، اگر حضرت اسماعیل علیہ السلام کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے:

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسمٰعیل کو آدابِ فرزندی

تو پھر حضرت عبد اللہ کی اس ادا کے متعلق کہا جاسکتا ہے:

یہ لطفِ مصطفیٰ تھا یا کرمِ رضاعت کا فیضان
سکھائے کس نے عبد اللہ کو آدابِ محبتِ جاناں

حضور کی رضاعی بہن کی محبت و عقیدت کے انداز

سیدہ حلیمہ کی بڑی بیٹی حضرت شیماء حضور صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم سے کس قدر محبت فرماتی تھیں، اس کا اندازہ ان لوریوں سے لگایا جاسکتا ہے جو آپ حضور کو گود میں لے کر سنایا کرتی تھیں، یہ لوریاں صرف بہن کے محبت بھرے جذبات کا اظہار نہیں تھیں، بلکہ الٰہی الہام اور مستقبل کی سچائیوں کی جھلک تھیں، کیونکہ وہ سب دعائیں بعد میں حقیقت بن کر ظاہر ہوئیں۔ چنانچہ اُن کے کلام کے چند ایمان افروز اشعار یہ ہیں:

يَا رَبَّنَا اِبْقِ لَنَا مُحَمَّدَا | حَتّٰى اَرَاهُ يَافِعًا وَ اَمْرَدَا
ثُمَّ اَرَاهُ سَيِّدًا مُسَوَّدَا | وَ اكْبِتْ اَعَادِيْهِ مَعًا وَ الْحُسَّدَا
وَ اَعْطِهٖ عِزًّا يَّدُوْمُ اَبَدَا (84)

یعنی اے میرے رب! حضرت محمد کو ہمارے لئے سلامت رکھنا! یہاں تک کہ میں ان کو ایک بھرپور جواں مرد دیکھوں۔ پھر میں یہ بھی دیکھوں کہ یہ اپنی قوم کے ایسے سردار بن گئے ہیں جن کی ہر بات مانی جاتی ہے اور ان کے تمام دشمنوں اور حاسدوں کو ذلیل و رسوا کرنا اور حضرت محمد کو ایسی عزت عطا فرمانا جو ہمیشہ باقی رہے۔

حضرت شیماء کا والہانہ نعتیہ کلام

امام محمد بن یوسف صالحی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب سبل الہدیٰ والرشاد میں حضرت شیماء رضی اللہ عنہا سے مروی مزید دو طرح کے کلام نقل کئے ہیں۔ جو اُن کی محبت، خیر خواہی اور جذبۂ عقیدت کی گہرائی کو ظاہر کرتے ہیں۔ آپ فرماتی ہیں:

هٰذَا اَخٌ لِّيْ لَمْ تَلِدْهُ اُمِّيْ | وَ لَيْسَ مِنْ نَسْلِ اَبِيْ وَ عَمِّيْ
فَدَيْتُهٗ مِنْ مُخْوِلٍ مُعِمٍّ | فَانْمِهِ اللّٰهُمَّ فِيْمَا تُنْمِيْ

یعنی یہ میرے بھائی ہیں۔ اگرچہ انہیں میری والدہ نے جنم دیا ہے نہ یہ میرے باپ اور چچا کی نسل سے ہیں، مگر میں ان پر اپنے سارے عزیزوں کو قربان کر دوں گی۔ اے میرے رب! ان کو ترقیوں کے بلند مقام پر فائز فرما۔

مُحَمَّدٌ خَيْرُ الْبَشَرْ | مِمَّنْ مَضٰى وَ مَنْ غَبَرْ
مَنْ حَجَّ مِنْهُمْ اَوِ اعْتَمَرْ | اَحْسَنُ مِنْ وَجْهِ الْقَمَرْ
مِنْ كُلِّ اُنْثٰى وَ ذَكَرْ | مِنْ كُلِّ مَشْبُوْبٍ اَغَرْ
جَنِّبْنِي اللّٰهُ الْغِيَرْ | فِيْهِ وَ اَوْضِحْ لِيَ الْاَثَرْ

یعنی جو انسان گزر چکے اور جو آئیں گے ان سب سے بہتر میرے بھائی محمد ہیں۔ بلکہ یہ توحج وعمرہ کی سعادت پانے والوں میں بھی سب سے اعلیٰ بلکہ حسن و جمال میں چاند سے بھی بڑھ کر ہیں۔ یہی نہیں بلکہ آپ تو ہر خوبصورت اور بہادر مرد و عورت سے بڑھ کر روشن چہرے والے ہیں۔ اللہ پاک مجھے میرے بھائی کے صدقے حوادثِ زمانہ سے بچائے اور میرے لیے (حق کو اپنانے) کی راہ کو واضح فرمائے۔ (85)

یہ کلام حضرت شیماء کی محبت، عقیدت اور فراستِ ایمانی کے آئینہ دار ہیں کہ انہوں نے وہی مانگا جو بعد میں تقدیرِ الٰہی نے عطا فرمادیا۔

حضور کی اپنے رضاعی رشتوں سے حسن سلوک

اگر سیدہ حلیمہ سعدیہ اور ان کے گھرانے کا ہر ہر فرد حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم سے والہانہ محبت رکھتا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم بھی اپنے رضاعی والدین اور بھائی بہنوں پر بے انتہا مہربان تھے۔

رضاعی والدین سے حضور کا حسنِ سلوک

ابو داود شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم تشریف فرما تھے کہ آپ کے رضاعی والد حاضر ہوئے، آپ نے اپنی چادر کا ایک حصہ ان کے لیے بچھا دیا اور وہ اُس پر بیٹھ گئے۔ کچھ دیر بعد آپ کی رضاعی والدہ سیدہ حلیمہ سعدیہ تشریف لائیں، تو آپ نے چادر کا دوسرا کنارہ ان کے لیے پھیلا دیا۔ پھر جب آپ کے رضاعی بھائی پہنچے تو آپ فوراً کھڑے ہو گئے اور انہیں اپنی جگہ بٹھا کر خود ان کے سامنے بیٹھ گئے۔(86) آپ نے ایسا اس لئے کیا تا کہ آپ کے رضاعی والدین اور بھائی سب آپ کی چادر مبارک پر ہی بیٹھیں۔(87)

یہ منظر صرف ادب و احترام کا نہیں، بلکہ وفا و شکر کا بھی ہے ایک ایسی شانِ کرم جس نے یہ اعلان کر دیا کہ حضور کے لیے دودھ پلانا محض رضاعت نہیں، بلکہ یہ ایک ابدی نسبتِ محبت ہے جس کا صلہ خود آقا نے اپنی چادر سے عطا فرمایا۔

غزوۂ حنین میں حضرت شیماء سے ملاقات

غزوۂ حنین کے موقع پر جب قبیلہ ہوازن مسلمانوں کے مقابل آیا اور آخر کار شکست کھا کر ان کے مرد، عورتیں اور بچے قیدی بنے تو انہی قیدیوں میں حضور کی رضاعی بہن حضرت شیماء بھی شامل تھیں جو اس وقت تک ایمان نہیں لائی تھیں۔ قیدی بننے کے بعد جب انہیں بارگاہِ نبوی میں پیش کیا گیا تو انہوں نے نہایت مؤدب انداز میں عرض کیا: میں آپ کی رضاعی بہن ہوں، (چونکہ آپ نے انہیں بچپن کے بعد اب دیکھا تھا اس لئے) فرمایا: اس کی کیا علامت ہے؟ (کہ تم میری رضاعی بہن ہو؟) انہوں نے ایک نشانی دکھائی جسے حضور نے نگاہِ نبوت سے پہچان لیا، بچپن کی یادیں تازہ ہو گئیں اور رحمت و محبت کے آنسو آپ کی آنکھوں سے بہہ نکلے۔ پھر اپنی چادر مبارک زمین پر بچھا کر انہیں نہایت عزت واحترام سے بٹھایا۔ اس کے بعد آپ نے شیماء سے ان کے والد اور والدہ کے متعلق پوچھا جس پر انہوں نے بتایا کہ ان دونوں کا وصال ہو چکا ہے۔ اس کے بعد حضور نے ان کو اختیار دیا کہ اگر چاہیں تو میرے پاس ٹھہر جائیں، یہاں انہیں عزت و محبت ملے گی اور اگر چاہیں تو اپنی قوم کے پاس چلی جائیں۔ انہوں نے اسلام قبول کر کے قوم میں واپس جانا چاہا تو حضور نے انہیں تین غلام اور ایک باندی اور ایک یا دو اونٹ دینے کا حکم فرمایا۔ پھر ارشاد فرمایا کہ ابھی جعرانہ چلی جائیں، وہاں اپنی قوم کے پاس ٹھہریں، میں طائف جا رہا ہوں، واپسی پر دوبارہ ملاقات ہو گی۔

دوبارہ ملاقات اور انعامِ کرم

جب حضور طائف سے واپس ہوئے تو جِعرانہ میں حضرت شیماء سے دوبارہ ملاقات فرمائی۔ اس موقع پر حضور نے انہیں بے شمار بکریاں اور بھیڑیں عطا فرمائیں اور ان کے گھر کے دیگر افراد کو بھی انعامات وعطیات سے نوازا۔(88)

شیماء کا اپنی قوم کے لیے کردار

امام نور الدین حلبی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں یہ بھی ذکر کیا ہے کہ جب سیدہ شیما اپنی قوم میں پہنچیں تو ان کے قبیلے کے جو لوگ جنگ میں قیدی بنا لئے گئے تھے، انہوں نے ان سے عرض کی: حضور آپ کے رضاعی بھائی ہیں، ان سے اپنی قوم کے قیدیوں کی سفارش کریں گی تو ہمیں امید ہے کہ وہ آپ کی بات مان لیں گے۔ چنانچہ جب شیماء کی حضور سے دوبارہ ملاقات ہوئی اور انہوں نے حضور سے قیدیوں کو مانگا کہ جن کی تعداد 6 ہزار تھی تو حضور نے یہ سب قیدی ان کو ہبہ فرما دیئے اور انہوں نے ان سب کو آزاد کر دیا۔ یہ منظر تاریخ میں ایک یگانہ مثال ہے، نہ کبھی کسی بھائی نے اپنی بہن کو ایسا مقامِ عزت عطا کیا اور نہ کسی بہن نے اپنی قوم کے لیے ایسی رحمت وفیاضی کا مظاہرہ کیا۔ علامہ حلبی فرماتے ہیں: اس سے بڑھ کر شریفانہ معاملہ دنیا میں کبھی دیکھنے میں نہیں آیا اور نہ شیماء سے زیادہ کوئی عورت اپنی قوم کے لیے باعثِ برکت ثابت ہوئی۔(89)

بنی ہوازن کے قیدیوں کی رہائی کا پس منظر اور سببِ رضاعت

حضور کا اپنی رضاعی بہن سیدہ شیماء سے اس طرح ملاقات

کرنا اور پھر ان کی یوں عزت افزائی فرمانا بلاشبہ اس بات کی علامت ہے کہ آپ کو اپنی رضاعت کے زمانے کی باتیں یاد تھیں اور آپ اپنے ان رضاعی رشتوں سے بھی خوب محبت فرماتے تھے۔ بلکہ بعض روایات میں ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے اس موقع پر بنی ہوازن کے قیدیوں کو جو آزاد کیا تھا وہ بھی صرف اسی رضاعی رشتے کی وجہ سے تھا۔ جیسا کہ حضرت محمد بن یوسف صالحی شامی اپنی کتاب سبل الھدیٰ میں فرماتے ہیں: حضور کے پاس بنی ہوازن کا وفد آیا جس میں 14 افراد تھے اور سب کے سب مسلمان تھے۔ اس وفد کے سربراہ زہیر بن صرد تھے۔ اس وفد میں حضور کے رضاعی چچا ابو برقان بھی تھے۔[90] بقولِ امام نور الدین حلبی زُہیر بن صرد کا لقب ہی ابو صرد اور ابو برقان تھا۔[91] چنانچہ،

وفدِ ہوازن کی عرضداشت

ان لوگوں نے آکر عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم! ہم باعزت اور خاندانی لوگ ہیں، مگر ہم پر جو وقت آپڑا ہے وہ آپ کو معلوم ہے۔ ہم پر احسان کیجئے، اللہ پاک آپ پر احسان کرے۔ یارسولَ اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم! آپ نے جن قیدیوں کو پکڑا ہے ان میں آپ کی پھوپیاں، خالائیں اور آپ کو دودھ پلانے والیاں ہیں کہ جنھوں نے آپ کی نگہداشت کی۔ اگر ہم نے شام کے بادشاہ حارث یا عراقی بادشاہ نعمان ابنِ منذر کو دودھ پلایا ہوتا اور ہم پر ایسی مصیبت آئی ہوتی تو ہم اس سے بھی مہربانی کی امید کرتے جبکہ آپ تو ان میں سب سے بہتر ہیں![92]

اس پورے واقعے کی جزئیات اگرچہ سیرت و حدیث کی کئی کتب میں موجود ہیں اور امام نورُ الدین حلبی نے چونکہ ان میں سے کئی روایات کو اپنی کتاب سیرتِ حلبیہ میں ایک ہی جگہ جمع کر دیا ہے، لہٰذا سیرتِ حلبیہ کی روشنی میں باقی باتیں پیش خدمت ہیں۔ اس کے بعد زہیر نے اشعار کی شکل میں حضور سے مہربانی و کرم کی درخواست کی۔ ان میں سے چند اشعار کا مفہوم یہ ہے:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم! ہم پر کرم کر کے احسان فرمائیے، کیونکہ آپ ایک شریف آدمی ہیں اور ہم آپ سے کرم کی امید لے کر آئے ہیں۔ ان عورتوں پر احسان و کرم فرمائیے جن کا آپ دودھ پیا کرتے تھے اور جن کے دودھ کی دھاروں سے آپ کا منہ بھرا رہا کرتا تھا یعنی ہم ان نعمتوں کو بھولے نہیں چاہے آپ انکار کر دیں۔ ہم ان نعمتوں کا تذکرہ ضرور کرتے رہیں گے چاہے آپ ان کو فراموش کر جائیں اور ہمارے پاس تو اس دن کے بعد بھی وہ ذخیرے باقی رہیں گے۔ ہم آپ سے زبردست اور بہت بڑے عفو و کرم کی امید کر رہے ہیں اور دنیا کی سب سے بڑی نیکی یہی ہے کہ معاف کیا جائے اور نیک سلوک کیا جائے۔ آپ اپنی ماؤں کو عفو و کرم کا لباس پہنائیے جن کی چھاتیوں کا دودھ آپ پی چکے ہیں کیونکہ کرم ہی سے دنیا میں شہرت و عزت حاصل ہوتی ہے۔

یہ سن کر حضور نے فرمایا: بہترین بات وہ ہے کہ جو سچی ہو، اس لئے یہ بتاؤ کہ تمہیں اپنی عورتیں اور بچے پیارے ہیں یا مال و دولت؟ بخاری شریف میں یہ الفاظ موجود ہیں: میرے نزدیک سب سے اچھی بات وہ ہے جو سچ ہو، اس لئے دو چیزوں میں سے ایک چیز پسند کر لو: قیدی یا مال۔ ایک روایت میں ہے کہ میں تمہارا انتظار کرتا رہا، آخر میں نے یہ سمجھا کہ تم لوگ نہیں آؤ گے۔ کیونکہ طائف سے جعرانہ واپسی کے بعد حضور نے مالِ غنیمت تقسیم فرمانے سے پہلے دس پندرہ دن تک بنی ہوازن کا انتظار فرمایا تھا۔ ایک روایت کے مطابق حضور نے ان لوگوں کی درخواست کے جواب میں فرمایا: چیزوں یعنی قیدیوں اور مال کی تقسیم کا کام مکمل ہو چکا ہے، اس لئے اب دو باتوں میں سے ایک ممکن ہے: یا تو میں تمہارے لئے مسلمانوں سے قیدی مانگ لوں یا مال۔ یہ سن کر بنی ہوازن نے عرض کی: ہمیں مال و دولت کی ضرورت نہیں، آپ ہمارے بال بچے ہمیں واپس دے دیجئے، ہمیں وہی زیادہ عزیز ہیں، نیز ہم بکریوں اور

اونٹوں کے متعلق کچھ نہیں کہتے۔ اس پر حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے اور بنی عبد المطلب کے حصے میں جو قیدی آئے ہیں وہ میں نے تمہیں دیئے۔ پھر آپ نے فرمایا: جب میں لوگوں کو ظہر کی نماز پڑھالوں تو تم لوگ کھڑے ہو کر کہنا کہ ہم حضور کے ذریعے مسلمانوں سے سفارش کراتے ہیں اور مسلمانوں کے ذریعہ حضور سے سفارش کراتے ہیں کہ ہماری اولاد اور ہماری عورتوں کو چھوڑ دیا جائے۔ اس سے پہلے حضور ان سے یہ بھی فرما چکے تھے کہ اپنے اسلام کو ظاہر کر دینا اور کہنا کہ ہم تمہارے بھائی ہیں، تب میں لوگوں سے تمہاری سفارش کر دوں گا۔ چنانچہ،

عفوِ عام اور رخصتِ کرم

ظہر کی نماز کے بعد وہ لوگ کھڑے ہوئے اور انہوں نے وہ سب باتیں کہہ دیں جو حضور نے ان سے فرمائی تھیں۔ اس کے بعد حضور نے پہلے تو اللہ پاک کی حمد و ثنا بیان کی اور پھر فرمایا: تمہارے یہ بھائی توبہ کر کے آئے ہیں، میری رائے یہ ہے کہ ان کے قیدی انہیں واپس کر دیئے جائیں۔ اس لئے جو شخص خوش دلی کے ساتھ ان کے قیدی واپس کر سکے وہ کر دے لیکن جو شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنا حصہ بر قرار رکھے اور اس کے بعد اللہ پاک ہمیں جو مالِ غنیمت عطا فرمائے گا تو اس میں سے ہم اس کو دیں، تب وہ اپنا قیدی واپس کرے گا تو وہ ایسا بھی کر سکتا ہے۔

ایک روایت کے مطابق حضور نے یوں فرمایا: لیکن جو شخص یہ چاہے کہ وہ ان قیدیوں میں سے جو اس کا حق ہیں ان کو روکنا چاہے تو اس کو آئندہ ہم جو قیدی بھی گرفتار کریں گے اس مال میں اس کو ہر آدمی کے بدلے چھ اونٹ دیں گے۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ جو شخص بغیر زبردستی یا مجبوری کے دینا چاہے وہ دے دے اور جو شخص اس کی قیمت لینا چاہتا ہے تو اس کی قیمت میرے ذمہ ہے!

اس کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے بنی ہوازن سے فرمایا: جہاں تک میرے اور بنی عبد المطلب کے حصے کا تعلق ہے وہ تمہیں دیا۔ یہ سنتے ہی تمام مہاجرین اور انصار نے بھی اعلان کیا کہ جو ہمارا ہے وہ ہم نے حضور کو دیا۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ حضور نے مسلمانوں سے فرمایا: یہ لوگ مسلمان کی حیثیت سے آئے ہیں میں نے ان کو اختیار دیا تھا کہ چاہیں تو قیدیوں یعنی بیوی بچوں کو لے لیں اور چاہیں تو اپنا مال لے لیں مگر اپنی اولاد اور عورتوں کے مقابلے میں انہوں نے دوسری چیزوں سے انکار کر دیا ہے۔ اب تم میں سے جس کے پاس کوئی قیدی عورت ہو اور وہ خوشی سے اسے واپس کر سکتا ہے تو واپس کر دے لیکن جو بخشش کے طور پر انہیں واپس نہیں کرنا چاہتا تو وہ اپنے قیدی کو بطور قرض واپس کر دے اور اس کے بعد جو پہلا مال غنیمت حاصل ہو گا اس میں سے ہم اس کو ایک آدمی کے بدلے چھ اونٹ دیں گے! لوگوں نے عرض کی: ہم اس بات پر راضی ہیں اور اطاعت کرتے ہیں۔ چنانچہ اس کے بعد صحابہ نے بنی ہوازن کی عورتیں اور بیٹے واپس کر دیئے۔ (93)

بنی ہوازن کے قیدیوں پر بلاشبہ حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے کرم فرمایا، اس کی سب سے بڑی وجہ یہی تھی کہ وہ آپ کے رضاعی رشتے دار تھے اور آپ خود بھی ان کی آزادی چاہتے تھے، یہی وجہ ہے کہ مالِ غنیمت اور قیدیوں کی تقسیم سے پہلے آپ نے چند دن تک ان کا انتظار بھی کیا تھا اور پھر جب وہ آئے تو انہیں ان کی آزادی حاصل کرنے کا طریقہ بھی خود ہی ارشاد فرمایا۔

یوں یہ واقعہ واضح کرتا ہے کہ بنی ہوازن کے قیدیوں کی رہائی کا سب سے بڑا سبب وہی نسبتِ رضاعت تھی جو حضور کو اس قبیلے سے حاصل تھی۔ آپ نے نہ صرف قرابت کا حق ادا کیا بلکہ رحمتِ عالم ہونے کا کمال مظاہرہ فرمایا کہ دشمن بھی آپ کے عفو پر فخر کریں، اور زمانہ گواہی دے کہ جس نے پتھر مارے، اس پر بھی رحمت کی برسات کی۔

امام نور الدین حلبی فرماتے ہیں: سیدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا مومنہ تھیں۔ علامہ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب شرح ہمزیہ میں فرماتے ہیں کہ یہ سیدہ حلیمہ کی سعادت اور خوش قسمتی تھی کہ وہ بھی مسلمان ہوئیں، ان کے شوہر بھی اور ان کے بچے بھی مسلمان ہوئے یعنی عبدُ اللہ، شَیْماء اور اُنَیْسَہ۔[94]

ان سب کے اسلام لانے کی تفصیل کچھ یوں ہے:

سیدہ حلیمہ کا قبولِ اسلام

سیدہ حلیمہ کے اسلام لانے میں اختلاف پایا جاتا ہے اور اس کی سب سے بنیادی وجہ ان کے وصال میں اختلاف ہے، کیونکہ جو علمائے کرام کہتے ہیں کہ یہ مسلمان نہیں ہوئی تھیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک سیدہ حلیمہ حضور کے اعلانِ نبوت سے پہلے ہی وصال فرما گئی تھیں۔ جیسا کہ حضرت محمد بن یوسف صالحی شامی رحمۃ اللہ علیہ نے حافظ ابنِ کثیر کے حوالے سے یہ بات بیان کی ہے۔[95] اور جو علمائے کرام ان کے اسلام کے قائل ہیں وہ بھی یہ واضح طور پر یقین کے ساتھ نہیں فرماتے کہ سیدہ حلیمہ کب اسلام لائیں اور ان کا وصال کب ہوا؟

البتہ! ان سب کا اس بات پر اِتّفاق ہے کہ سیدہ حلیمہ رضی اللہ عنہا مسلمان ہوگئی تھیں مثلاً علامہ ابنِ جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: سیدہ حلیمہ حضور کے اعلانِ نبوت کے بعد آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئیں، اپنے شوہر کے ساتھ اسلام قبول کیا اور بیعت بھی فرمائی۔[96]

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں: حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے وصال کے بعد سیدہ حلیمہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں تشریف لائیں تو حضرت ابو بکر صدیق نے آپ کے ساتھ بہترین سلوک فرمایا اور اس کے بعد آپ مسلمانوں کے دوسرے خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بھی تشریف لائیں تو انہوں نے بھی آپ کی خوب تعظیم فرمائی۔[97]

علامہ ابنِ جوزی کی یہ دونوں عبارات اس بات کی گواہ ہیں کہ سیدہ حلیمہ مسلمان ہو گئی تھیں اور انہوں نے حضور کا زمانہ نبوت پایا تھا، نیز حافظ مغلطائی کا سیدہ حلیمہ کے اسلام لانے پر باقاعدہ ایک رسالہ "اَلتُّحفَةُ الجَسِيمَةُ فِي ذِكرِ حَلِيمَة" بھی ہے جس میں انہوں نے سیدہ حلیمہ کے مسلمان ہونے کے دلائل بیان کرنے کے ساتھ شفاءُ الصدور کے حوالے سے یہ روایت بھی نقل کی ہے جو سیدہ حلیمہ سے مروی ہے کہ وہ اپنی لمبی عمر کو اللہ پاک کی نعمت شمار کرتے ہوئے فرماتی ہیں:

(اللہ پاک کا شکر ہے کہ) میں نے اتنی عمر پائی، یہاں تک کہ حضور کی نبوت اور مدینے کی طرف ہجرت کا زمانہ پا لیا۔ مزید فرماتی ہیں: ایک مرتبہ ہم حضور کے پاس حاضر ہوئے تو آپ نے ہماری عزت افزائی کے لئے اپنی چادر بچھائی اور اس طرح چادر مبارک کے درمیان میں بیٹھ گئے کہ میرے شوہر آپ کے سیدھی جانب، میں اُلٹی جانب اور میرا بیٹا آپ کے سامنے تھا۔[98]

سیدہ حلیمہ کا یہ فرمان اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ نے حضور کی نبوت و ہجرت کا زمانہ پایا۔

حافظ مُغْلَطائی مزید فرماتے ہیں: سیدہ حلیمہ کے اسلام کی سب سے بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ آپ نے حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم سے احادیث روایت کیں اور پھر آپ سے دیگر صحابہ نے بھی احادیث بیان کیں۔ کافر جب تک اسلام قبول نہ کر لے اس وقت تک چونکہ اس سے حضور کی کوئی حدیث روایت کرنا جائز نہیں، لہٰذا اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ سیدہ حلیمہ سعدیہ اسلام لے آئی تھیں۔

اس کے بعد حافظ مغلطائی نے اپنا ایک خواب بیان کیا ہے کہ میں نے ربیعُ الثانی 838 ہجری کی 22 ویں رات خواب میں حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی زیارت کی اور ان سے سیدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے متعلق پوچھا تو انہوں نے جواب میں

ارشاد فرمایا کہ ان کا شمار بلاشبہ ان ہستیوں میں ہوتا ہے جن سے اللہ پاک راضی ہے۔(99)

مزارِ مبارک اور وصال

سیدہ حلیمہ کی تاریخ وصال اگرچہ یقینی طور پر کسی نے ذکر نہیں کی۔ مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کا شمار ان دس ہزار خوش نصیب صحابہ وصحابیات میں ہوتا ہے جنہیں حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے مبارک قدموں میں مدینہ طیبہ کے قبرستان جنت البقیع میں دفن ہونے کا شرف حاصل ہے۔

شاہ عبدُ الحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے مزارِ پُرانوار کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: جنتُ البقیع میں ایک چھوٹا سا گنبد ہے جو سیدہ حلیمہ سعدیہ کے قُبہ کے نام سے مشہور ہے اور لوگ اس کی زیارت کرتے ہیں۔(100)

سیدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کا مزارِ مبارک بقیع شریف میں ہونا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ آپ اسلام لے آئی تھیں اور مدینے میں ہی آپ کا وصال ہوا۔ الغرض اس کے علاوہ بھی کئی چیزیں اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ آپ مسلمان تھیں اور آپ نے لمبی عمر پائی تھی۔

منکرینِ اسلامِ حلیمہ کا ردّ

جن علمائے کرام نے سیدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے اسلام لانے کا انکار کیا ہے، ان کے اقوال کا دلائل سے رد بھی کیا گیا ہے۔ چنانچہ امام زُرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حوالے سے جو بحث فرمائی ہے، اس کا خلاصہ پیشِ خدمت ہے:

شیخ دِمیاطی اور ابو حیّان نَحوی کا یہ خیال کہ سیدہ حلیمہ ایمان نہ لائی تھیں، درست نہیں، کیونکہ حافظ مغلطائی کی سیدہ حلیمہ کے ایمان کے ثبوت پر لکھی گئی کتاب اَلتُّحفَۃُ الجَسِیمَۃ کو تمام علمائے کرام نے خوب پسند فرمایا ہے۔ چنانچہ ابو حیان کی بات کا وزن اس معاملے میں یوں باقی نہیں رہتا کہ یہ ان کا فن نہیں بلکہ وہ نحو کے امام ہیں اور باقی رہا امام دِمیاطی کا قول تو ان کے قول کے رد کے لئے خود ان کا اپنا یہ قول ہی کافی ہے کہ بہت سے لوگ پھسل گئے ہیں اور انہوں نے سیدہ حلیمہ کو صحابیات میں شمار کیا ہے۔

جب بہت سے محدثین وسیرت نگار یہ بات ثابت کر رہے ہیں تو امام دِمیاطی ان سب کے خلاف حکم کیسے لگا سکتے ہیں! کیونکہ ابنِ ابی خیثمہ، علامہ ابنِ عبدُ البر، علامہ ابنِ جوزی، امام مُنذری اور حافظ ابنِ حجر وغیرہ جیسے محدثین وعلمائے کرام نے سیدہ حلیمہ رضی اللہ عنہا کو صحابیات میں شمار کیا ہے۔ لہٰذا ان کے اسلام لانے پر بطورِ دلیل ان بزرگوں کا انہیں صحابیات میں شمار کرنا ہی کافی ہے۔(101)

مزید ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ سیدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا سے جو یہ روایت مروی ہے کہ "جب ہم سب عورتیں مکے آئیں اور میرے قبیلے کی تمام عورتوں پر اللہ پاک کے رسول صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کو پیش کیا گیا تو انہوں نے حضور کو بن باپ کا جان کر قبول نہ کیا" اس روایت کے الفاظ خود اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ سیدہ حلیمہ سعدیہ نے اسلام قبول کر لیا تھا، یہی وجہ ہے کہ جب آپ نے اللہ پاک کے آخری نبی صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کا ذکرِ خیر کیا تو ان کی رسالت کا اقرار ہی نہیں کیا، بلکہ حضور پر درود وسلام کا نذرانہ بھی پیش کیا۔(102)

یوں واضح ہو گیا کہ سیدہ حلیمہ سعدیہ کے اسلام کی شہادت نہ صرف تاریخی روایات دیتی ہیں، بلکہ ان کی روایتِ حدیث، مزارِ بقیع، اور درود وسلام کے الفاظ ان کے ایمان کی محکم اور قطعی نشانیاں ہیں۔ اور یوں وہ حضور کی رضاعی ماں ہونے کی وجہ سے امت کے دلوں پر آج بھی محبت وعقیدت کی حکمران ہیں۔

حضور کے رضاعی والد کا قبولِ اسلام

حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے رضاعی والد حضرت حارث کا اسلام لانے کے متعلق امام سُہیلی فرماتے ہیں: ایک مرتبہ حارث مکے میں حضور سے ملنے کے لئے اس زمانے میں آئے جبکہ قرآن پاک نازل ہونا شروع ہو چکا تھا تو قریش نے

ان سے کہا: اے حارث! کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہارا بیٹا کیا کہتا ہے؟ حارث نے پوچھا: کیا کہتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: اس کا دعویٰ ہے کہ اللہ پاک مُردوں کو دوبارہ زندہ کر کے قبروں میں سے اٹھائے گا اور یہ کہ اللہ کے یہاں دو گھر ہیں، جن میں سے ایک میں ان لوگوں کو اللہ پاک سزا دیتا ہے جو اس کی نافرمانی کرتے ہیں اور دوسرے میں ان لوگوں کو نیک بدلہ دیتا ہے جو اس کی فرمانبرداری کرتے ہیں یعنی بُروں کو دوزخ میں عذاب دیتا ہے اور نیک لوگوں کو انعام میں جنت دیتا ہے۔ ان باتوں سے اس نے ہم لوگوں میں اختلاف ڈال دیا ہے۔ حارث یہ سن کر حضور کے پاس حاضر ہوئے اور کہنے لگے: اے بیٹے! آپ کو کیا ہوا ہے کہ آپ کی قوم کے لوگ آپ کی شکایت کرتے ہیں! ان کا دعویٰ ہے کہ آپ ایسا ایسا کہتے ہیں، یعنی لوگ مرنے کے بعد پھر زندہ ہوں گے اور اس کے بعد جنت اور جہنم میں جائیں گے۔

آپ نے ارشاد فرمایا: ہاں! میں ایسا کہتا ہوں۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ ہاں! میرا دعویٰ یہی ہے اور ابا جان! اگر آج وہ دن ہوتا تو میں آپ کا ہاتھ پکڑ کر آپ کو اس بات کا ثبوت دیتا۔ یہ سن کر حارث مسلمان ہو گئے اور شریعت کے بہت پابند ہوئے۔ جب وہ مسلمان ہو گئے تو یہ کہا کرتے تھے: اگر میرا بیٹا اپنی بات کا ثبوت دینے کے لئے میرا ہاتھ پکڑ لیتا تو مجھے جنت میں داخل کئے بغیر نہ چھوڑتا۔ (103)

حضرت حارث کو حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی نبوت پر اس قدر پکا یقین تھا کہ انہوں نے یہاں تک فرما دیا کہ اگر میرا بیٹا چاہتا تو اسی وقت اپنی بات ثابت کرنے کے لئے مجھے جنت میں داخل کر دیتا۔

سبحان اللہ! یہ وہ ایمان و یقین ہے جو مشاہدہ پر نہیں بلکہ محبت اور تصدیقِ قلب پر قائم تھا، یہی وہ یقین ہے جو رضاعت کے رشتے کو ایمان کی روشنی میں پروتا ہے اور جو انسان کو یقینِ مصطفوی سے یقینِ الٰہی تک پہنچا دیتا ہے۔

حضور کے رضاعی بھائی کا قبولِ اسلام

علامہ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بعض روایات میں جو واقعہ حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے رضاعی والد حضرت حارث کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے، وہ درحقیقت آپ کے رضاعی بھائی حضرت عبدُ اللہ کے ساتھ پیش آیا تھا۔ جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ جب حضور نے اعلانِ نبوت فرمایا، تو آپ کے رضاعی بھائی حضرت عبدُ اللہ نے بارگاہِ نبوی میں حاضر ہو کر عرض کی: اے میرے بھائی! کیا آپ واقعی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے اور حساب و جزا کے دن کی باتیں کرتے ہیں؟ تو حضور نے ارشاد فرمایا تھا: مجھے قسم ہے اس ہستی کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! قیامت کے دن میں تمہارا ہاتھ پکڑ کر تمہیں اس بات کا ثبوت دوں گا۔

یہ سن کر حضرت عبدُ اللہ کا دل نورِ ایمان سے منور ہو گیا، انہوں نے فوراً اسلام قبول کر لیا اور ہمیشہ یہ کہا کرتے تھے: مجھے یقین ہے کہ (میرے رضاعی بھائی) میرے آقا صلی اللہ علیہ والہ وسلم قیامت کے دن ضرور میرا ہاتھ تھام لیں گے (جیسا کہ آپ نے مجھ سے فرمایا تھا)۔ (104)

یہ واقعہ ذکر کرنے کے بعد امام ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ممکن ہے کہ یہ دو الگ الگ واقعے ہوں اور حضور کے رضاعی والد اور رضاعی بھائی دونوں کے ساتھ ایک جیسا واقعہ پیش آیا ہو۔ (105) بہر حال ان دونوں واقعات سے ایک بات ضرور معلوم ہوتی ہے کہ حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی برکت سے حضور کے رضاعی بھائی اور رضاعی والد کو اسلام کی دولت نصیب ہوئی اور حضور روزِ قیامت ان کی شفاعت بھی فرمائیں گے۔

حضور کی رضاعی بہن کا قبولِ اسلام

حضور کی رضاعی بہن حضرت شیماء غزوۂ حنین کے موقع پر قید ہو کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو حضور نے ایک نشانی سے انہیں پہچان کر ان کی خوب عزت فرمائی اور محبت کا

اظہار کیا۔ چنانچہ یہ بھی اس موقع پر اسلام لے آئیں۔ (106)
یوں سیدہ حلیمہ رضی اللہ عنہا کا سارا گھرانا مسلمان ہو گیا، یہ وہ گھرانا ہے جسے اللہ پاک نے اپنے محبوب کی رضاعت، صحبت، محبت اور ایمان چاروں نعمتوں سے سرفراز فرمایا۔

سیدہ حلیمہ کی قحط زدہ زندگی میں بہار

حضور کی برکت سے فقر و قحط کا خاتمہ

حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت کی برکت سے سیدہ حلیمہ اور ان کے گھرانے نے جو برکتیں اور سعادتیں سمیٹیں ان میں اگرچہ سب سے بڑی برکتیں دو ہی تھیں: حضور کی محبت اور اسلام کی دولت۔ مگر ان کے علاوہ جو ظاہری نعمتیں اور خوش حالی عطا ہوئی، وہ بھی کسی معجزے سے کم نہ تھیں۔

حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم جتنا عرصہ سیدہ حلیمہ کے ہاں قیام فرما رہے اس دوران کئی ایسے عجائبات و معجزات اور واقعات بھی پیش آئے جن کا سیدہ حلیمہ سے براہِ راست تعلق رہا۔ لہٰذا اس اعتبار سے جائزہ لیں تو سب سے پہلی بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی برکت سے سیدہ حلیمہ اور ان کے پورے گھرانے کی بھوک و افلاس کی کیفیت ختم ہو گئی، گویا ان کی قحط زدہ زندگی میں بہار آگئی ہو جیسا کہ البدء والتاریخ نامی کتاب میں ہے کہ جب حضرت حلیمہ نے حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو دودھ پلانے کی سعادت حاصل کی تو ہر طرف سے انہیں خیر و برکت ہی نصیب ہوئی۔ (107)

اسی طرح امام جعفر برزنجی رحمۃ اللہ علیہ مولد البرزنجی میں فرماتے ہیں: جب سیدہ حلیمہ نے حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو دودھ پلانے کے لئے حامی بھری تو ان کی مشکل اور غریبانہ زندگی رات ڈھلنے سے پہلے ہی آسودہ ہو گئی اور آپ فقر و غربت کے بعد غنی و مالدار ہو گئیں۔ (108)

سیدہ حلیمہ کے گھرانے پر حضور کی برکتوں اور نوازشوں کا ظہور اتنا واضح تھا کہ جب آپ سب نے حضور کی آمد کے بعد پہلی رات سکون اور خیریت سے گزاری تو صبح حضور کے رضاعی والد حضرت حارث نے سیدہ حلیمہ سے فرمایا: حلیمہ! میرا خیال ہے کہ تم نے ایک مبارک بچہ حاصل کیا ہے، کیا تم نے دیکھا نہیں کہ جب سے یہ بچہ ہمارے پاس آیا ہے گویا کہ ہم پر خیر و برکت کا مسلسل نزول ہو رہا ہے! فرماتی ہیں: میں نے عرض کی: مجھے بھی یونہی لگ رہا ہے۔ (109)

ایک اور روایت میں ہے کہ پھر اللہ پاک ہمیں (حضور کے صدقے) ہمیشہ خیر و برکت عطا فرماتا ہی رہا۔ (110)

یہ برکتیں صرف محسوس نہیں کی گئیں بلکہ ظاہراً بھی ظاہر ہو گئیں۔ جیسا کہ تمام سیرت نگار اس بات پر متفق ہیں کہ قبیلہ بنی سعد کا وہ علاقہ جو سخت قحط سالی کا شکار تھا، حضور نبیِ کریم کے وہاں تشریف لے جانے سے سرسبز و شاداب ہو گیا۔ وہی زمین جو سوکھی اور بنجر تھی، اس میں ہریالی لوٹ آئی۔

حضرت حلیمہ سعدیہ کی بوڑھی اونٹنی جو ایک قطرہ دودھ تک نہ دیتی تھی اب وہ اتنا زیادہ دودھ دیتی کہ ضرورت سے زائد ہوتا۔ گھروں میں خوش حالی آگئی اور ہر چہرے پر شکر و اطمینان کے آثار نمایاں ہو گئے۔

یہ سب واقعات اس بات کی روشن دلیل ہیں کہ حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم پیدائش ہی سے برکت و رحمت کے مظہرِ کامل تھے۔ آپ کا وجودِ مسعود جہاں پہنچا، وہاں خیر و برکت کا سمندر بہہ نکلا۔

قحط سے خوش حالی کی روحانی توجیہ اور قرآنی بنیاد

یہ امر کسی تعجب یا ناممکنات میں سے نہیں کہ سیدہ حلیمہ سعدیہ کے گھرانے میں حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے تشریف لانے سے فقر و قحط کا خاتمہ ہو گیا۔ بلکہ اس کی تعلیم خود شریعتِ مطہرہ نے ہمیں دی ہے سکھایا ہے کہ جب زمین پر بارش رُک جائے، قحط سالی چھا جائے، اور آسمان سے رحمت کا دروازہ بند ہو جائے، تو نیک بندوں کے وسیلے سے دعا کی جائے، چاہے وہ

اولیائے صالحین ہوں یا اہلِ بیتِ اطہار، اللہ پاک ان کے سبب سے بارش نازل فرماتا اور زمین کو زندگی عطا کر دیتا ہے۔

اس اصول پر تمام ائمہ و فقہا کا اتفاق ہے کہ اللہ پاک اپنے خاص بندوں کی برکت سے اپنی مخلوق پر مہربانی فرماتا ہے۔ جب عام نیکوں کے سبب ربِّ کریم رحمتیں نازل فرماتا ہے، تو پھر حضور جو تمام نیکیوں کے مرکز، تمام برکتوں کے منبع اور تمام کائنات کے لیے رحمتِ مجسم ہیں، ان کی ذاتِ بابرکات کے سبب خیر و برکت کیوں نہ نازل ہو!

یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ سیدہ حلیمہ سعدیہ کی گود میں جلوہ افروز ہوں، ان کا دودھ نوش فرمائیں اور پھر بھی قحط و خشکی باقی رہے؟ یقیناً اللہ پاک نے ان کے صدقے سے خشک سالی کو سرسبزی، افلاس کو فراوانی اور تاریکی کو روشنی میں بدل دیا۔

بے شک ساری کائنات کا نظام اسی ربِّ کریم کے دستِ قدرت میں ہے، لیکن برکت و کرم کے اسباب میں سرِ فہرست حضور کی ذاتِ بابرکات ہے کیونکہ آپ لوگوں کی طرف اللہ پاک کی رحمت بن کر تشریف لائے ہیں جس کا ذکر اللہ پاک نے یوں فرمایا:

وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۷﴾ (پ17، الانبیآء:107)

ترجمہ: اور ہم نے تمہیں تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر ہی بھیجا۔ (111)

پس جو ذات سراپا رحمت بن کر مبعوث ہوئی، اس کے قدم جہاں پڑ جائیں وہاں قحط کا رہنا ممکن ہی نہیں۔ ان کے وجود سے زمینیں ہری، فضائیں روشن اور دل ایمان و اطمینان سے معمور ہو جاتے ہیں۔

برکتوں کی اقسام — ذاتی، مالی اور قبیلے کے اعتبار سے

سیدہ حلیمہ سعدیہ کو حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے طفیل جو برکتیں نصیب ہوئیں، وہ مختلف جہات سے ظاہر ہوئیں۔ بعض برکتیں ان کی ذاتِ مبارکہ سے متعلق تھیں، بعض ان کے مال و مویشی اور معاشی حالات سے وابستہ اور بعض ان کے پورے قبیلہ پر نازل ہوئیں۔ ذیل میں ان تینوں اقسام کی برکتوں کا مختصر مگر جامع خاکہ پیش کیا جا رہا ہے:

سیدہ حلیمہ کی ذات سے متعلق برکتیں: سب سے پہلی برکت کا ظہور تو اسی لمحے ہوا جب سیدہ حلیمہ سعدیہ نے نبیِ رحمت کو محبت بھری نگاہ سے دیکھا اور دودھ پلانے کے لیے گود میں لیا۔ روایت میں ہے کہ اس سے قبل آپ کی ایک چھاتی بالکل خشک تھی، مگر جب آپ نے وہی چھاتی حضور کو پیش کی تو حضور کی برکت سے اس میں فوراً دودھ جاری ہو گیا۔ (112)

خصائصِ کبریٰ میں امام جلالُ الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میرا بچہ دودھ کم ہونے کی وجہ سے رات میں سونے نہ دیتا مگر حضور کے دودھ میں شریک ہونے کے بعد وہ اور حضور دونوں خوب سیر ہو جاتے، میرا خیال ہے کہ اگر ان دونوں کے علاوہ ایک تیسرا بچہ اور ہوتا تو وہ بھی میرے دودھ پر پل جاتا۔ (113)

سُبلُ الھدیٰ والرشاد میں امام محمد بن یوسف صالحی شامی رحمۃ اللہ علیہ نے سیدہ حلیمہ کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ جب ہم مکہ آئے تو میری حالت یہ تھی کہ چھاتیوں میں اتنا بھی دودھ نہ تھا کہ میرا اپنا بچہ پیٹ بھر کر پی سکتا، یہی وجہ تھی کہ وہ رات بھر روتا رہتا، مگر جب میں نے حضور کو اپنی گود میں لے کر دودھ پیش کیا تو اللہ پاک کی کرم نوازی سے آپ نے اور میرے بیٹے دونوں نے خوب پیٹ بھر کر دودھ پیا اور بعد میں دونوں سکون سے سو گئے۔ (114)

دوسری برکت یہ ظاہر ہوئی کہ سیدہ حلیمہ اور ان کے شوہر بھی بچے کی بے کلی و بے چینی کی وجہ سے اور خود بھی بھوک کی وجہ سے رات بھر سکون سے نہیں سو پاتے تھے، مگر جب حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ان کے ہاں تشریف آوری ہوئی تو پہلی ہی رات یہ دونوں بھی خوب جی بھر کر سکون کی نیند سوئے۔ جیسا کہ شیخ عبدُ الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مدارجُ النبوت میں سیدہ حلیمہ کا یہ قول نقل فرماتے ہیں کہ ہم اس رات خیر و برکت کے ساتھ چین کی نیند سوئے، کیونکہ اس سے

پہلے بھوک و پریشانی میں نیند نہیں آتی تھی۔[115]

مالی و معاشی برکتیں

سیدہ حلیمہ سعدیہ کا اپنے قبیلے بنو سعد بن بکر کے دیگر گھرانوں کی طرح بنیادی ذریعہ معاش چرواہی اور مویشی بانی تھا۔ وہ بکریاں اور اونٹ وغیرہ پالتیں، انہی سے دودھ، گوشت، چمڑا اور اون حاصل کر کے زندگی گزارتیں۔ قبیلے کے زیادہ تر لوگ یہی کام کرتے اور اسی پر ان کا انحصار تھا۔

جس زمانے میں حضور نبیِ کریم کی ولادت ہوئی، اس وقت پورا علاقہ شدید قحط سالی کا شکار تھا۔ بارشیں رک گئی تھیں، زمین بنجر ہو چکی تھی اور مویشی کمزور ہو گئے تھے۔ سیدہ حلیمہ کے اپنے گھر کی حالت بھی فقر و تنگ دستی سے دوچار تھی۔ مگر جب اللہ پاک نے اپنے آخری نبی صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے طفیل ان کے گھرانے پر کرم فرمایا تو ان کے مویشی طاقتور ہو گئے، دودھ اور رزق کی فراوانی ہو گئی اور ان کی زندگی میں خوش حالی و سکون لوٹ آیا۔

یوں سیدہ حلیمہ سعدیہ کا گھرانا، جو کبھی قحط و افلاس کی تصویر تھا، اللہ پاک کے محبوب کی برکت سے سکون، آسودگی اور رزقِ حلال کی وسعت کا پیکر بن گیا۔ چنانچہ،

سیدہ حلیمہ فرماتی ہیں کہ جب ہم حضور کو لے کر اپنی بستی میں واپس پہنچ گئے، اس وقت میرے خیال میں روئے زمین پر سب سے زیادہ خشک اور قحط زدہ علاقہ ہمارا تھا مگر حضور کی برکت سے اب ہماری حالت یہ ہو گئی کہ میری بکریاں اس حال میں شام کو واپس گھر آتی تھیں کہ ان کے پیٹ بھرے ہوتے تھے اور تھن دودھ سے لٹکے ہوتے تھے۔ ہم ان کا دودھ دوہتے اور جتنا دل چاہتا پیتے۔ حالانکہ خدا کی قسم دوسروں کو قحط کی وجہ سے اپنے جانوروں میں ایک قطرہ دودھ بھی نہیں ملتا تھا اور ان کے تھن سوکھے ہوتے تھے یہاں تک کہ لوگ اپنی بکریاں چرانے والوں کو کہنے لگے کہ آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے، تم اپنی بکریوں کو وہاں کیوں نہیں چراتے جہاں حلیمہ کی بکریاں چرتی ہیں۔ مگر پھر بھی ان کی بکریاں اس حال میں چرتیں کہ وہ بھوکی رہتیں اور دودھ سے خالی ہوتیں جب کہ میری بکریاں پیٹ بھر کر چرتیں اور خوب دودھ دیتیں۔[116]

حضرت معین الدین کاشفی معارج النبوۃ میں فرماتے ہیں کہ حضور کی برکت سے جلد ہی قبیلے کے دیگر لوگوں کے مویشی بھی فیض یاب ہونے لگے۔ گویا کہ پورے قبیلے کی حالت آہستہ آہستہ تبدیل ہونے لگی۔[117]

حاصلِ کلام

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے رضاعی تعلقات کا مطالعہ اس حقیقت کو بے نقاب کرتا ہے کہ اللہ پاک نے آپ کی ولادتِ باسعادت سے پہلے ہی ایسے اسباب پیدا فرما دیئے تھے جن سے آپ کے ظاہری و باطنی کمالات نمایاں ہوں۔ قبیلہ بنو سعد میں پرورش پانے کا واقعہ محض ایک تاریخی باب نہیں بلکہ ایک روحانی حقیقت ہے جس میں ربِّ کریم نے اپنے محبوب کے بچپن کے زمانے سے ہی رحمت و برکت کے جلوے ظاہر فرمائے۔ سیدہ حلیمہ سعدیہ اور ان کے گھرانے کی حالتِ فقر سے خوش حالی میں تبدیلی، مویشیوں کی کثرت، بارش و سرسبزی کی بہار اور دلوں میں ایمان و محبت کا پیدا ہو جانا، یہ سب اس بات کا زندہ ثبوت ہیں کہ حضور کی ذات سراپا خیر و برکت ہے۔

ان واقعات سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ رضاعت کا تعلق صرف جسمانی غذا و پرورش تک محدود نہیں بلکہ یہ روحانی اثرات سے بھی معمور تھا، چنانچہ سیدہ حلیمہ اور ان کا پورا گھرانا ایمان اور محبتِ رسول میں ممتاز ہوا جس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو بھی ذاتِ محمدی سے نسبت و وابستگی رکھتا ہے، اللہ پاک اس کے دل، گھر اور زندگی میں اپنی رحمتوں اور برکتوں کے در کھول دیتا ہے۔

سیدہ حلیمہ سعدیہ کی داستان دراصل عشق و برکت کی وہ تابناک مثال ہے جو ہمیشہ کے لیے ایمان والوں کے دلوں کو

منور کرتی رہے گی۔ وہ لمحہ جب انہوں نے حضور نبیِ رحمت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کو اپنی گود میں لیا، ان کی زندگی کا سب سے مبارک لمحہ بن گیا۔ ان کی گود سے نکلنے والی محبت نے رہتی دنیا تک یہ پیغام دیا کہ جس دل میں حضور کا عشق سما جائے، وہاں فقر باقی نہیں رہتا، وہاں صرف سکون، ایمان اور برکت کا بسیرا ہوتا ہے۔ اللہ پاک ہمیں بھی وہی نسبت و محبت عطا فرمائے جو سیدہ حلیمہ سعدیہ اور ان کے اہلِ خانہ کو نصیب ہوئی اور ہمیں حضور کے فیض و کرم سے دنیا و آخرت دونوں میں کامیابی بخشے۔ اٰمین بِجاہِ النّبیِّ الْاَمین صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم

---

(1) شرف المصطفیٰ، 1/363، حدیث:109 (2) سیرت حلبیہ، 1/131 (3) سیرت حلبیہ، 1/131 (4) تاریخ خمیس، 1/222 (5) شرح زرقانی علی المواہب، 1/258 (6) سبل الہدی و الرشاد، 1/375 (7) فتاویٰ رضویہ، 30/295 (8) بخاری، 3/432، حدیث:5101 (9) سیرت حلبیہ، 1/125 (10) سبل الہدی و الرشاد، 1/375 (11) تاریخ خمیس، 1/408 (12) سبل الہدی و الرشاد، 1/377 (13) سیرت حلبیہ، 1/129 (14) فتاویٰ رضویہ، 30/295 (15) فتاویٰ رضویہ، 30/295 مفہوماً (16) سبل الہدیٰ و الرشاد، 1/377 (17) سیرت حلبیہ، 1/128 (18) طبقات ابن سعد، 8/321 (19) استیعاب، 4/392 (20) امتاع الاسماع، 10/60 (21) اصابہ، 8/120 (22) فضائل القرآن، ص 687، حدیث:1020 (23) اصابہ، 8/451، 452 (24) مکارم الاخلاق، ص 312، حدیث:957 (25) ابو داود، 4/407، حدیث:5055 (26) مستدرک، 3/400، حدیث:4035 (27) مسند امام احمد، 9/212، حدیث:23868 (28) فتح الباری، 10/136، تحت الحدیث:5106 (29) سیرت حلبیہ، 1/154 (30) مدارج النبوۃ، 2/23 (31) فتاویٰ رضویہ، 30/296 (32) اتحاف الوریٰ، 1/57 (33) مدارج النبوۃ، 2/19 (34) مسند بزار، 18/103، حدیث:42 (35) الروض الانف، 1/286 (36) الروض الانف، 1/287 (37) المواہب اللدنیہ، 1/79 (38) معارج النبوۃ، 2/51 (39) شرف المصطفیٰ، 1/372 (40) معارج النبوۃ، 2/52 (41) سبل الہدی و الرشاد، 1/386 (42) شرف المصطفیٰ، 1/372 تا 374 (43) طبقات ابنِ سعد، 1/90 (44) مواہب لدنیہ، 1/79 (45) سیرتِ حلبیہ، 1/130 (46) ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت، ص 493 (47) سیرت حلبیہ، 1/135 (48) مسلم، ص1064، حدیث:2564 (49) مرقاۃ المفاتیح، 9/174، تحت الحدیث:5314 (50) معارج النبوۃ، 2/51 (51) سیرت حلبیہ، 1/130 (52) سبل الہدی و الرشاد، 1/386 (53) سیرت حلبیہ، 1/80 (54) بخاری، 1/8، حدیث:3 (55) الشفا، 1/131 (56) مدارج النبوۃ، 1/49 (57) فتاویٰ رضویہ، 14/627، 628۔ مزید تفصیلات جاننے کے لئے فتاویٰ رضویہ جلد 14 صفحہ 625 تا 635 پڑھئے۔ (58) سبل الہدیٰ و الرشاد، 1/386 (59) دلائل النبوۃ لابی نعیم، ص 78، حدیث: 81 (60) تاریخ خمیس، 1/204 (61) سیرت حلبیہ، 1/130 (62) ذکر مولد رسول اللہ لابن کثیر، ص 34 (63) سیرۃ نبویہ لابنِ ہشام، ص 66 (64) شرف المصطفیٰ، 1/374 (65) سیرت حلبیہ، 1/131، 132 (66) یتیم بچوں کو دودھ پلانے کے حوالے سے اسی مضمون میں تفصیلات ذکر ہو چکی ہیں۔ (67) مجموع لطیف، مولد العروس، ص 296 (68) شرف المصطفیٰ، 1/374 (69) معارج النبوۃ، 2/53 (70) شرف المصطفیٰ، 1/374 (71) مواہب لدنیہ، 1/79 (72) مدارج النبوۃ، 2/19 (73) معارج النبوۃ، 2/53 (74) شرف المصطفیٰ، 1/375 (75) سیرت حلبیہ، 1/132 (76) سیرۃ نبویہ لابن ہشام، ص 67 (77) سیرت حلبیہ، 1/132 (78) سیرۃ نبویہ لابن ہشام، ص 67 (79) دلائل النبوۃ لابی نعیم، ص 90 (80) مدارج النبوۃ، 2/20 (81) معارج النبوۃ، 2/54 (82) شرف المصطفیٰ، 1/374 (83) شرف المصطفیٰ، 1/376 (84) اصابہ، 8/206 (85) سبل الہدی و الرشاد، 1/381 (86) ابو داود، 4/434، حدیث:5145 (87) سیرتِ حلبیہ، 1/130 (88) سبل الہدی و الرشاد، 5/333 (89) سیرتِ حلبیہ، 3/178 (90) سبل الہدی و الرشاد، 5/390 (91) سیرتِ حلبیہ، 3/178 (92) سیرتِ ابنِ ہشام، ص 504 (93) سیرتِ حلبیہ، 3/179 تا 180 (94) سیرت حلبیہ، 1/130 (95) سبل الہدی والرشاد، 1/382 (96) المنتظم، 2/270 (97) الوفا باحوال المصطفیٰ، 1/96 (98) تحفہ جسیمہ، ص 91 (99) تحفہ جسیمہ، ص 95 تا 96 (100) مدارج النبوۃ، 2/494 (101) شرح زرقانی علی المواہب، 1/265 (102) شرح زرقانی علی المواہب، 1/267 (103) الروض الانف، 1/283 (104) اصابہ، 1/676 (105) اصابہ، 1/677 (106) سبل الہدی والرشاد، 5/333 (107) البدء و التاریخ، 4/133 (108) مجموع لطیف، مولد البرزنجی، ص 444 (109) سیرۃ نبویہ لابن ہشام، ص 67 ملخصاً (110) کتاب السیر و المغازی، ص 49 (111) فقہ السیرۃ مترجم، ص 73 (112) سیرت حلبیہ، 1/132 (113) خصائص کبری، 1/99 (114) سبل الہدیٰ والرشاد، 1/386 (115) مدارج النبوۃ مترجم، 2/35 (116) سیرت حلبیہ، 1/133 (117) معارج النبوۃ، 2/55



حضور صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی رشتے دار خواتین

رکنِ شوریٰ مولانا ابو ماجد عطاری مدنی*

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے جن نفوسِ قدسیہ کی تربیت کی ان میں امہات المومنین، بناتِ رسول اور دیگر رشتہ دار صحابیات بھی شامل ہیں۔ ان کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے۔

نوٹ: اس تحریر میں اکثر صحابیات ہیں، البتہ! چند تابعیات کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

حضور کی پھوپھیاں

حضور کی 6 پھوپھیاں ہیں: اُمِّ حکیم بیضاء: یہ حضرت ابو محمد عبدُ اللہ کی جڑواں بہن ہیں۔ عاتکہ، مرہ، امیمہ، اروی: ان سب کی والدہ فاطمہ بنتِ عائذ بن عمران بن مخزوم ہیں۔ صفیہ: ان کی والدہ ہالہ بنتِ اہیب بن عبدِ مناف بن زہرہ ہیں۔[1] ان میں سے چار مسلمان ہو کر شرفِ صحابیات سے مشرف ہوئیں، جن کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

1 حضرت اروی بنتِ عبدُ المطلب ہاشمیہ قرشیہ

حضور کے والدِ محترم حضرت عبدُ اللہ کی شقیقی بہن ہیں یعنی دونوں کے والدِ گرامی حضرت عبدُ المطلب اور والدۂ محترمہ حضرت فاطمہ بنتِ عمرو بن عائذ مخزومیہ ہیں۔ آپ کی پہلی شادی عمیر بن وہب بن عبد بن قصی سے ہوئی اور طلیب بن عمیر کی پیدائش ہوئی۔ عمیر کے مرنے یا طلاق دینے کے بعد آپ کا نکاح کلدہ بن ہاشم بن عبدِ مناف بن عبدُ الدار بن قصی سے ہوا اور فاطمہ پیدا ہوئیں۔ آپ کے بیٹے حضرت طُلیب بن عمیر بن وہب قدیمُ الاسلام، مہاجر اور بدری صحابی ہیں، انہی کی انفرادی کوشش سے آپ نے اسلام قبول کیا۔ آپ کو حضور سے بے حد محبت تھی، اپنے بیٹے طلیب سے فرمایا: بے شک تمہارے ماموں کے بیٹے (حضرت محمد بن عبدُ اللہ) تمہاری مدد و نصرت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ اللہ پاک کی قسم! اگر ہم بھی اس چیز پر قادر ہوتیں جس پر مردوں کو قدرت حاصل ہے تو ضرور ہم بھی حضور کا دفاع کرتیں اور دشمنوں کو ان سے روکتیں۔ آپ زمانۂ جاہلیت و اسلام کی ممتاز اور اچھی رائے رکھنے والی خاتون اور بہترین شاعرہ تھیں۔ آپ نے حضور کی شان میں اشعار کہے۔ آپ نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ

*نگرانِ مجلس معاونت برائے اسلامی بہنیں (دعوتِ اسلامی)

ہجرت فرمائی اور حضرت عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں وصال فرمایا۔[2]

2 حضرت اُمیمہ بنتِ عبدُ المطلب ہاشمیہ قرشیہ

آپ بھی حضرت عبدُ اللہ کی شقیقی بہن ہیں۔ ایک قول کے مطابق آپ نے اسلام قبول کیا۔ آپ کا نکاح زمانۂ جاہلیت میں حرب بن امیہ کے حلیف جحش بن ریاب (رِئاب) بن یعمر سے ہوا۔ ان سے تین بیٹے عبدُ اللہ، عبیدُ اللہ، ابو احمد عبدُ الاعمی شاعر اور تین بیٹیوں زینب، حبیبہ اور حمنہ کی پیدائش ہوئی۔ حضور نے خیبر کی کھجوروں سے چالیس وسق عطا فرمائے۔ آپ اُمُّ المومنین حضرت زینب بنتِ جحش کی والدہ ہیں۔[3]

3 حضرت عاتکہ بنتِ عبدُ المطلب ہاشمیہ قرشیہ

آپ بھی حضرت عبدُ اللہ کی شقیقی بہن ہیں۔ ایک قول کے مطابق آپ نے اسلام قبول کیا اور ہجرت فرمائی۔ آپ کا نکاح ابو امیہ بن مغیرہ (والدِ اُمُّ المومنین حضرت اُمِّ سلمہ) سے ہوا، ان سے آپ کی اولاد عبدُ اللہ، زہیر اور قریبہ کی پیدائش ہوئی۔ آپ نے غزوۂ بدر سے پہلے خواب دیکھا کہ ایک شخص اونٹ پر سوار ہو کر ابطح میں آیا اور اعلان کیا: اے آلِ بدر! تین دن میں اپنی قتل گاہوں کی طرف نکل جاؤ۔ پھر اس نے ایک چٹان پہاڑ سے نیچے پھینکی جو ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہوگئی اور اس کے ٹکڑے مکے کے ہر گھر تک پہنچ گئے۔ حضرت عاتکہ نے یہ خواب اپنے بھائی حضرت عباس کو سنایا۔ حضرت عباس نے اس کا ذکر ابو جہل سے کیا تو اس نے خواب کا مذاق اڑایا۔ اس نے کفارِ مکہ کو مسلمانوں سے جنگ پر آمادہ کیا اور لشکر لے کر بدر روانہ ہوا۔ بدر میں کفار کو سخت شکست ہوئی اور بہت سے سردار مارے گئے، یوں حضرت عاتکہ کا خواب سچا ثابت ہوا۔ آپ نے اپنے اشعار میں حضور اور آپ کی نبوت کی تعریف کی ہے۔[4]

4 حضرت صفیہ بنتِ عبدُ المطلب ہاشمیہ قرشیہ

آپ کی والدہ ہالہ بنتِ اہیب یا وہیب بن عبدِ مناف بن زہرہ قرشیہ ہیں، جو حضور کی خالہ ہیں۔ یوں آپ حضور کی پھوپھی ہونے کے ساتھ خالہ زاد بہن بھی ہیں۔ آپ حضرت حمزہ کی شقیقی (یعنی والد اور والدہ دونوں کی جانب سے) بہن ہیں۔

آپ کا پہلا نکاح حارث بن حرب بن امیہ سے ہوا، اس کے انتقال کے بعد عوام بن خویلد بن اسد سے ہوا۔ ان سے جلیلُ القدر صحابی حضرت زبیر بن عوام، عبدُ الکعبہ اور حضرت سائب کی پیدائش ہوئی۔ آپ ابتدائے اسلام میں مسلمان ہوئیں اور اپنے بیٹے حضرت زبیر بن عوام کے ساتھ مدینہ منورہ ہجرت کی۔ آپ بے حد نڈر و بہادر اور جری خاتون تھیں۔ غزوۂ خندق میں حضور نے ازواجِ مطہرات اور دیگر خواتین کو فارع نامی قلعہ میں ٹھہرایا۔ ایک یہودی قلعے پر چڑھ گیا اور عورتوں کو جھانک کر دیکھ لیا۔ حضرت صفیہ نے تلوار یا خیمے کے کھونٹے سے اس کا سر قلم کر کے قلعے سے باہر پھینک دیا۔ یہود سمجھے کہ ان کی حفاظت کے لئے مردوں کو مقرر کیا گیا ہے حالانکہ وہاں حضرت حسان بن ثابت انصاری کے علاوہ کوئی نہ تھا۔ آپ کی بہادری و جرأت مندی سے پاک بیبیاں یہودیوں کے حملے سے بچ گئیں۔ غزوۂ احد میں جب حضرت حمزہ شہید ہوگئے اور ان کا مثلہ کیا گیا تو آپ نے بہت صبر و تحمل سے انہیں ملاحظہ فرمایا، مغفرت کی دعا کی، اس کے بعد ان کی تدفین ہوئی۔ آپ بہترین اشعار بھی کہا کرتی تھیں۔ آپ کا وصال دورِ فاروقی میں ہوا اور جنتُ البقیع میں دفن کی گئیں۔[5]

حضور کی پھوپھی زاد بہنیں

1 حضرت اُروی بنتِ کریز بن ربیعہ قرشیہ

حضور کی پھوپھی اُمِّ حکیم بیضاء بنتِ عبدُ المطلب کی بیٹی ہیں۔ آپ کا پہلا نکاح عفان بن ابو العاص سے ہوا، جن سے امیر المومنین حضرت عثمانِ غنی اور حضرت آمنہ بنتِ عفان کی پیدائش ہوئی۔ اس کے بعد عقبہ بن ابو معیط سے نکاح ہوا، جس سے ولید، عمارہ، خالد، اُمِّ کلثوم، اُمِّ حکیم اور ہند کی پیدائش ہوئی۔ آپ اپنی بیٹی اُمِّ کلثوم بنتِ عقبہ کے بعد اسلام لائیں اور مدینہ منورہ ہجرت کی۔ آپ نے دورِ عثمانی میں نوے سال کی عمر میں

وصال فرمایا۔ حضرت عثمان نے چار پائی اٹھائی اور نمازِ جنازہ پڑھائی۔ جنتُ البقیع میں تدفین کے بعد قبر پر کھڑے ہو کر دعا کی: اے اللہ! میری ماں پر رحم فرما، اے اللہ! میری ماں کی مغفرت فرما۔ [6]

2 حضرت سعدی بنتِ کریز بن ربیعہ قرشیہ

حضور کی پھوپھی بیضاء بنتِ عبدُ المطلب کی بیٹی اور حضرت عثمانِ غنی کی خالہ ہیں۔ آپ کی ترغیب اور حضرت ابو بکر صدیق کی انفرادی کوشش سے حضرت عثمان کو دولتِ ایمان نصیب ہوئی۔ حضرت سعدی خود بھی ابتدائی مسلمانوں سے ہیں۔ آپ بہترین شاعرہ تھیں۔ [7]

3 حضرت حمنہ بنتِ جحش اسدیہ

اُمُّ المومنین حضرت زینب بنتِ جحش کی بہن ہیں۔ ان دونوں کی والدہ حضور کی پھوپھی حضرت امیمہ بنتِ عبد المطلب ہیں۔ حضرت حمنہ کا نکاح حضرت مصعب بن عمیر سے ہوا، جو غزوۂ اُحد میں شہید ہو گئے، پھر ان کا نکاح جلیلُ القدر صحابی حضرت طلحہ بن عبیدُ اللہ سے ہوا، جن سے سجادِ زمانہ حضرت محمد اور حضرت عمران پیدا ہوئے۔ یہ غزوۂ اُحد میں پیاسوں کو پانی پلانے اور زخمیوں کے علاج کے لئے شریک ہوئیں۔ حضور نے خیبر سے تیس وسق کھجوریں عطا فرمائیں۔ [8]

4 حضرت اُمِّ حبیبہ بنتِ جحش اسدیہ

اُمُّ المومنین حضرتِ زینب بنتِ جحش کی بہن تھیں۔ آپ کا نکاح جلیلُ القدر صحابی حضرت عبدُ الرحمن بن عوف سے ہوا۔ [9]

5 حضرت فاطمہ بنتِ کلدہ بن ہاشم

آپ کی والدہ حضرت اروٰی بنتِ عبدُ المطلب ہیں۔ آپ کی شادی ارطاۃ بن عبد شرحبیل بن ہاشم بن عبدِ مناف بن عبدُ الدار سے ہوئی اور زینب بنتِ ارطاۃ پیدا ہوئیں۔ زینب کی شادی حارث بن کریز بن ربیعہ سے ہوئی اور کبشہ بنتِ حارث بن کریز کی پیدائش ہوئی۔ کبشہ بنتِ حارث کی شادی عبدُ اللہ بن عامر بن کریز سے ہوئی، جن کی اولاد میں عبدُ اللہ الاعمی، عبدُ الملک قمیز، عبدُ الرحمن اور زینب بنتِ عبدُ اللہ بن عامر شامل ہیں۔ [10]

6 حضرت اُمِّ حبیب بنتِ عوام بن خویلد

آپ کی والدہ حضرت صفیہ بنتِ عبدُ المطلب ہیں۔ آپ حضرت زبیر بن عوام کی بہن ہیں۔ آپ کا نکاح حضرت خالد بن حزام سے ہوا اور اُمِّ حسن بنتِ خالد کی پیدائش ہوئی۔ حضرت خالد بن حزام کو حبشہ ہجرت کرتے ہوئے سانپ نے ڈس لیا جس سے ان کی شہادت ہو گئی۔ آپ کی صاحبزادی حضرت اُمِّ حسن نے اولاد نہیں چھوڑی۔ [11]

7 حضرت قریبہ کبریٰ بنتِ ابو امیہ حذیفہ بن مغیرہ مخزومیہ

آپ کی والدہ حضرت عاتکہ بنتِ عبدُ المطلب ہیں۔ آپ اُمُّ المومنین حضرت اُمِّ سَلَمہ کی علاتی بہن ہیں۔ جب حضرت زینب بنتِ ابو سلمہ کی پیدائش ہوئی تو حضور آپ کے گھر تشریف لائے، اس وقت وہاں حضرت قریبہ کبریٰ موجود تھیں۔ [12]

حضور کی چچیاں

حضور کے 10 چچا ابو طالب (عبدِ مناف)، حمزہ، مقوّم، جحل (مغیرہ)، عباس، ضرار، حارث، قثم، ابولہب (عبد العزیٰ) اور عیداق ہیں۔ [13] ان کی جن ازواج کو صحابیت کا شرف حاصل ہوا ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔

1 حضرت فاطمہ بنتِ اسد بن ہاشم قرشیہ ہاشمیہ

آپ حضور کے داداجان حضرت عبدُ المطلب کی بھتیجی، چچا ابو طالب کی زوجہ اور حضرت علی، حضرت جعفر، حضرت عقیل، حضرت اُمِّ ہانی، حضرت جُمانہ اور رِیطہ رضی اللہ عنہم کی والدہ ہیں۔ آپ نیک و پرہیز گار تھیں۔ حضور آٹھ سال کی عمر سے آپ کے ہاں رہتے اور آپ کو اماں جان فرمایا کرتے۔ آپ اولین مسلمانوں اور مدینہ منورہ ہجرت کرنے والیوں میں سے ہیں۔ آپ کا وصال مدینہ منورہ میں ہوا، حضور نے آپ کے کفن کے لئے اپنی قمیص عطا فرمائی، آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور جنتُ البقیع میں تدفین کرتے ہوئے آپ کی قبر میں اترے۔ کسی کے استفسار پر فرمایا: میں نے انہیں اپنا کرتا

اس لئے پہنایا تاکہ یہ جنت کے کپڑے پہنیں، ان کی قبر میں اس لئے لیٹا تاکہ قبر دبانے میں ان کے لئے آسانی کرے اور یہ ابو طالب کے بعد مخلوقِ خدا میں سب سے زیادہ میرے ساتھ نیک سلوک کرنے والی تھیں۔ (14)

2 حضرت خولہ بنتِ قیس خزرجیہ نجاریہ انصاریہ

آپ حضرت حمزہ بن عبدُ المطلب کی زوجہ ہیں۔ آپ کی کنیت اُمِّ محمد ہے۔ آپ کی والدہ فریعہ بنتِ زرارہ ہیں، جو حضرت اسعد بن زرارہ انصاری کی بہن ہیں۔ حضرت خولہ بنتِ قیس فرماتی ہیں: ایک مرتبہ حضور ہمارے گھر (حضرت حمزہ سے ملنے) تشریف لائے تو میں نے گرم گرم حریرہ پیش کیا۔ آپ کئی احادیث کی راویہ ہیں۔ حضرت حمزہ کی شہادت کے بعد آپ کا نکاح حضرت حنظلہ بن نعمان بن عمرو سے ہوا۔ (15)

3 حضرت سلمیٰ بنتِ عمیس خثعمیہ

آپ کا نکاح حضرت حمزہ بن عبدُ المطلب سے ہوا۔ آپ اُمُّ المومنین حضرت میمونہ اور حضرت اُمِّ فضل لبابہ کبریٰ کی اخیافی (ماں شریک) بہن ہیں۔ آپ ان کے ساتھ ابتدائے اسلام میں مسلمان ہوئیں۔ حضرت حمزہ سے آپ کی صاحبزادی حضرت امامہ یا امۃ اللہ یا عمارہ بنتِ حمزہ کی ولادت ہوئی۔ حضرت حمزہ کے طلاق دینے کے بعد آپ شداد بن ہاد لیثی سے بیاہی گئیں، ان سے حضرت عبدُ اللہ اور حضرت عبدُ الرحمن پیدا ہوئے۔ (16)

4 حضرت اُمِّ فضل لبابہ کبریٰ بنتِ حارث

حضور کے چچا جان حضرت عباس بن عبدُ المطلب کی زوجہ، اُمُّ المومنین حضرت میمونہ کی اخیافی (ماں شریک) بہن اور مفسر قرآن حضرت عبدُ اللہ بن عباس کی والدہ ہیں۔ آپ اولین مسلمانوں سے تھیں۔ فتحِ مکہ کے وقت مدینہ منورہ ہجرت کی۔ آپ قریش کی فصیح و شیریں گفتار، صاحبۂ علم، ذہین و فطین، صالحہ و پرہیز گار اور نفلی روزے رکھنے والی تھیں۔ آپ کے چھ بیٹے عبدُ اللہ، عبیدُ اللہ، معبد، قثم، عبدُ الرحمن، فضل اور ایک بیٹی اُمِّ حبیب یا اُمِّ حبیبہ ہیں۔ آپ حضرت امام حسین کی رضاعی والدہ بھی ہیں۔ ایک مرتبہ حضور حضرت عباس کے یہاں رونق افروز ہوئے تو حضرت عباس، حضرت اُمِّ فضل اور آپ کے بچوں کو چادر میں ڈھانپا اور یہ دعا کی: اے خدا! یہ میرے چچا اور میرے والد کے قائم مقام ہیں اور ان کے فرزندان میرے اہلِ بیت ہیں۔ ان سب کو آتشِ دوزخ سے ایسا چُھپا دے جیسے میں نے ان کو اپنی چادر میں چھپالیا ہے۔

حضرت اُمِّ فضل نے حضور سے 30 حدیثیں روایت کی ہیں۔ آپ سے روایت کرنے والوں میں حضرت عبدُ اللہ بن عباس، حضرت انس بن مالک اور حضرت عبدُ اللہ بن حارث شامل ہیں۔ آپ کا وصال حضرت عباس کے وصال سے قبل دورِ عثمانی میں ہوا اور نمازِ جنازہ امیر المومنین حضرت عثمانِ غنی نے پڑھائی۔ (17)

حضور کی چچازاد بہنیں

1 حضرت امامہ بنتِ حمزہ بن عبدُ المطلب ہاشمیہ

حضور کے بہت ہی پیارے چچا اور رضاعی بھائی حضرت حمزہ کی بیٹی ہیں۔ حضرت حمزہ کی شہادت کے وقت آپ نابالغہ تھیں۔ آپ مکہ مکرمہ میں اپنی والدہ سلمیٰ بنتِ عمیس کے ساتھ رہتی تھیں۔ حضور 7ھ میں عمرہ قضا کر کے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ واپس جانے لگے تو حضرت امامہ بنتِ حمزہ چچا! چچا! کہنے لگیں تو حضرت علی المرتضیٰ نے ارشادِ نبوی پر انہیں اٹھا کر حضرت فاطمہ کے ساتھ سواری پر سوار کرلیا۔ مدینہ منورہ پہنچے تو حضرت علی، حضرت جعفر اور حضرت زید بن حارثہ کا آپس میں نزاع ہو گیا کہ اس بچی کی پرورش کون کرے گا؟ حضرت جعفر بن ابو طالب کی زوجہ حضرت امامہ کی خالہ حضرت اسماء بنتِ عمیس تھیں، حضور نے فرمایا کہ خالہ ماں کے قائم مقام ہے اور آپ کو ان کے حوالے کر دیا۔ آپ کا نکاح حضرت سلمہ بن اُمِّ سَلَمہ سے کیا گیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کا نام امۃ اللہ اور کنیت ابو فضل ہے۔ البتہ! بعض نے کہا ہے کہ امۃ اللہ آپ کی بہن تھیں جو بچپن میں وفات پا گئیں۔ (18)

2 حضرت فاطمہ بنتِ حمزہ بن عبدُ المطلب

آپ کی والدہ بھی حضرت سلمی بنتِ عمیس ہیں۔ ایک مرتبہ حضور نے اپنے خاندان کی چاروں فاطمہ کی اوڑھنیوں کے لئے کپڑا بھجوایا یعنی حضرت فاطمہ بنتِ رسول، حضرت فاطمہ بنتِ اسد، حضرت فاطمہ بنتِ حمزہ اور غالباً حضرت فاطمہ بنتِ عقیل رضی اللہُ عنہن۔ (19)

3 حضرت سلمی بنتِ حمزہ بن عبدُ المطلب

آپ کا ذکر بھی کتب میں موجود ہے۔ آپ نے ایک غلام آزاد کیا، جس کا انتقال ہو گیا تو حضور نے اس غلام کی بیٹی اور حضرت سلمی بنتِ حمزہ کو نصف نصف ورثہ عطا فرمایا۔ (20)

4 حضرت ام حبیب بنتِ عباس بن عبدُ المطلب

آپ کی والدہ ام الفضل لبابہ کبریٰ ہیں جبکہ حضرت فضل بن عباس اور حضرت عبدُ اللہ بن عباس شقیقی بھائی ہیں۔ آپ کی شادی حضرت اسود بن سنان بن عبد الاسد مخزومی سے ہوئی، ان سے حضرت لبابہ بنتِ اسود اور حضرت زرقاء بنتِ اسود کی پیدائش ہوئی۔ آپ کی اولاد مکہ مکرمہ میں رہتی ہے۔ (21)

5 حضرت آمنہ بنتِ عباس بن عبدُ المطلب ہاشمیہ قرشیہ

حضور کی چچازاد بہن ہیں، آپ کا نکاح حضرت عباس بن عتبہ بن ابو لہب سے ہوا اور مشہور شاعر فضل بن عباس بن ربیعہ پیدا ہوئے۔ (22)

6 حضرت صفیہ بنتِ عباس بن عبدُ المطلب

آپ کا نکاح حضرت عباس بن عبدُ المطلب کے حلیف قبیلہ بنو سعد بن بکر کے ابو مسروح حارث بن یعمر سے ہوا جن سے محمد بن ابو مسروح کی پیدائش ہوئی۔ (23)

7 حضرت اُمِّ کلثوم بنتِ عباس بن عبدُ المطلب ہاشمیہ قرشیہ

آپ نے حضور کا زمانہ پایا اور حدیثِ پاک بھی روایت کی ہے۔ آپ کی ہم نام بھتیجی حضرت اُمِّ کلثوم بنتِ فضل بن عباس ہیں جن کی والدہ اُمِّ سَلَمہ بنتِ محمیہ بن جزء الزبیدی ہیں۔ آپ کا نکاح حضرت امام حسن بن علی سے ہوا اور محمد، جعفر، حمزہ اور فاطمہ کی پیدائش ہوئی مگر یہ سب بچپن میں وفات پا گئے۔ امام حسن سے جدائی کے بعد آپ کا نکاح حضرت ابو موسیٰ اشعری سے ہوا، جن سے حضرت موسی اشعری کی ولادت ہوئی۔ ان کی وفات کے بعد حضرت عمران بن طلحہ سے نکاح ہوا، ان سے جدائی کے بعد یہ کوفہ آ گئیں اور یہیں وفات ہوئی۔ (24)

8 حضرت ام ہانی فاختہ بنتِ ابو طالب قرشیہ ہاشمیہ

آپ کی والدہ حضرت فاطمہ بنتِ اسد ہیں۔ آپ امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ کی سگی بہن ہیں۔ آپ نے 8ھ فتحِ مکہ کے موقع پر اسلام قبول کیا۔ آپ کا نکاح ہبیرہ بن ابو وہب مخزومی سے ہوا، اس نے اسلام قبول نہ کیا تو اسلام کے حکم کے مطابق آپ ان سے جدا ہو گئیں۔ آپ کی اولاد میں چار بیٹے عمرو، ہانی، یوسف اور جعدہ ہیں۔ حضور نے ہجرت سے قبل آپ کے مکان سے سفرِ اسرا و معراج کا آغاز فرمایا، بعدِ فتحِ مکہ یہاں غسل فرمایا، نمازِ چاشت ادا فرمائی اور آپ کی امان کو اپنی امان قرار دیا۔ ایک حدیثِ پاک میں آپ کے جنتی ہونے کی خوشخبری آئی ہے۔

حضور نے حضراتِ حسنین کریمین کے بارے میں فرمایا: ان کے نانا جنتی، ان کے والد جنتی، ان کے چچا جنتی، ان کی پھوپھی (ام ہانی) جنتی، ماموں جنتی اور ان کی خالائیں جنتی ہیں۔ حضرت ام ہانی راویہ حدیث بھی ہیں۔ آپ سے روایت کرنے والوں میں آپ کے بیٹے حضرت جعدہ بن ہبیرہ، حضرت ابنِ عباس، حضرت عبدُ اللہ بن حارث وغیرہ شامل ہیں۔ آپ نے 46 احادیث روایت کی ہیں جو کہ صحاح ستہ (یعنی حدیثِ پاک کی 6 کتابیں، بخاری، مسلم، ترمذی، ابو داود، نسائی، ابنِ ماجہ) اور دیگر کتب میں موجود ہیں۔ آپ کا وصال شہادتِ مولیٰ علی کے بعد دورِ امیر معاویہ میں ہوا۔ (25)

9 حضرت اُمِّ طالب ریطہ بنتِ ابو طالب بن عبدُ المطلب

ان کی والدہ بھی حضرت فاطمہ بنتِ اسد ہیں۔ حضور نے ان کو خیبر کی چالیس وسق کھجوریں عطا فرمائیں۔ (26)

10 حضرت جمانہ بنتِ ابی طالب بن عبدُ المطلب

ان کی والدہ بھی حضرت فاطمہ بنتِ اسد ہیں۔ ان کا نکاح حضور کے چچازاد اور رضاعی بھائی ابو سفیان بن حارث بن عبدُ المطلب سے ہوا، ان سے حضرت جعفر بن ابو سفیان کی پیدائش ہوئی۔ حضور نے ان کو خیبر کی 30 وسق کھجوریں عطا فرمائیں۔(27)

11 حضرت دُرّہ بنتِ ابو لَہب بن عبدُ المطلب

آپ نے اپنے والدین کی کھلی اسلام دشمنی کے باوجود بغیر کسی کی پروا کئے اسلام قبول کیا اور صحابیہ کے اعلیٰ اعزاز سے بہرہ مند ہوئیں۔ آپ کا پہلا نکاح حضرت حارث بن نوفل بن حارث بن عبدُ المطلب سے ہوا۔ ان سے تین لڑکے عُقبہ، ولید اور ابو مسلم پیدا ہوئے۔ ان کے بعد آپ کا نکاح صحابیِ رسول حضرت دِحیہ کلبی سے ہوا جو کہ انتہائی خوب صورت اور خوش شکل انسان تھے۔ آپ نے مدینہ منورہ ہجرت کی، وہاں کسی نے آپ کو دشمنِ اسلام ابو لہب کی بیٹی ہونے کا طعنہ دیا جس سے آپ کی سخت دل آزاری ہوئی، جب آپ نے حضور کو اس کی اطلاع دی تو آپ منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور فرمایا: اے لوگو! کیا بات ہے! مجھے میرے خاندان کے معاملے میں تکلیف دی جا رہی ہے! خدا کی قسم! میری شفاعت میرے قَرابت داروں کو ضرور پہنچے گی، حتی کہ صُداء، حَکَم اور سِلہِم قبائل کو بھی قیامت کے دن میری شفاعت پہنچے گی۔ حضرت دُرّہ سے کئی احادیث مروی ہیں۔ آپ نہایت نیک خصلت، فیاض، سخی خاتون تھیں اور لوگوں کو خوب کھانا کھلایا کرتی تھیں۔(28)

12 حضرت خالدہ بنتِ ابو لہب بن عبدُ المطلب

حضور کی چچازاد بہن ہیں۔ آپ کا نکاح عثمان بن ابو العاص ثقفی کے ساتھ ہوا اور ان سے اولاد بھی ہوئی۔(29)

13 حضرت عزہ بنتِ ابو لہب بن عبدُ المطلب

حضور کی چچازاد بہن ہیں۔ آپ کا نکاح اوفیٰ بن حکیم بن امیہ سلمی کے ساتھ ہوا جس سے عبیدہ، سعید اور ابراہیم کی پیدائش ہوئی۔(30)

14 حضرت اُروی بنتِ حارث بن عبدُ المطلب ہاشمیہ قرشیہ

آپ کی والدہ غزیہ بنتِ قیس ہیں۔ آپ حضور کی چچازاد بہن ہیں۔ آپ کی شادی ابو وداعہ بن صبرہ سہمی سے ہوئی، جن سے دو بیٹے مطلب، ابو سفیان اور تین بیٹیاں اُمّ جمیل، اُمّ حکیم اور ربعہ پیدا ہوئیں۔ آپ نے دین اسلام قبول کیا اور صحابیت کا شرف پایا۔(31)

15 حضرت ہند بنتِ حارث بن عبدُ المطلب

حضور کی چچازاد بہن ہیں۔ آپ نے وصالِ نبوی کے وقت اشعار کہے۔(32)

16 حضرت اُرویٰ بنتِ مقوّم بن عبدُ المطلب ہاشمیہ قرشیہ

حضور کی چچازاد بہن ہیں۔ آپ کی والدہ قلابہ بنتِ عمرو بن جعونہ سہمیہ ہیں۔ آپ کا نکاح اپنے چچازاد بھائی ابو سفیان بن حارث بن عبدُ المطلب سے ہوا، جن سے بیٹیوں کی پیدائش ہوئی۔ یہ بھی روایت ہے کہ آپ کا نکاح حضرت عباس بن عبدُ المطلب کے حلیف قبیلۂ بنو سعد بن بکر کے ابو مسروح حارث بن یعمر سے ہوا اور ان سے صحابیِ رسول حضرت عبدُ اللہ بن ابی مسروح کی پیدائش ہوئی۔(33)

17 حضرت ہند بنتِ مقوّم بن عبدُ المطلب

حضرت ارویٰ کی شقیقی بہن ہیں۔ آپ کا نکاح ابو عمرہ بشیر بن عمرو نجاری انصاری سے ہوا، جن سے حضرت عبدُ الرحمن اور حضرت عبدُ اللہ کی پیدائش ہوئی۔(34)

18 حضرت ام عمرو بنتِ مقوّم بن عبدُ المطلب

حضرت ہند بنتِ مقوّم کی شقیقی بہن ہیں۔ آپ کا نکاح مسعود بن معتب ثقفی سے ہوا۔ جن سے عبدُ اللہ بن مسعود ثقفی کی پیدائش ہوئی۔ اس کے بعد آپ حضرت ابو سفیان بن حارث بن عبدُ المطلب کے نکاح میں آئیں، جن سے حضرت عاتکہ بنتِ ابو سفیان پیدا ہوئیں۔(35)

19 حضرت ضباعہ بنتِ زبیر بن عبدُ المطلب ہاشمیہ

ان کی والدہ عاتکہ بنتِ ابو وہب بن عمرو مخزومیہ ہیں۔

حضرت زبیر بن عبدُ المطلب کا نسب ان کے ہی ذریعے چلا ہے۔ آپ کی شادی حضرت مقداد بن اسود سے ہوئی، ان سے حضرت عبدُ اللہ بن مقداد اور حضرت کریمہ بنتِ مقداد کی ولادت ہوئی۔ حضرت عبدُ اللہ جنگِ جمل میں شہید ہوئے۔ حضرت ضباعہ سے حضرت عائشہ، حضرت کریمہ، حضرت عروہ اور حضرت اعرج وغیرہ نے احادیث روایت کیں ہیں۔[36]

20 حضرت ام زبیر صفیہ بنتِ زبیر بن عبدُ المطلب

حضرت ضباعہ کی شقیقی بہن ہیں۔ اسلام لائیں اور ہجرت کی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے خیبر کی چالیس وسق کھجوریں انہیں عطا فرمائیں۔[37]

21 حضرت ام الحکم یا اُمِّ حکیم بنتِ زبیر بن عبدُ المطلب

حضرت ضباعہ کی شقیقی اور حضور کی رضاعی اور چچازاد بہن ہیں۔ حضور مدینہ منورہ میں ان سے ملنے جایا کرتے تھے۔ آپ کا نکاح حضرت ربیعہ بن حارث بن عبدُ المطلب سے ہوا تھا۔ ان سے عبدِ شمس، عبدُ المطلب، اروی الکبری، محمد، عبدُ اللہ، عباس، حارث اور امیہ کی پیدائش ہوئی۔ حضور نے آپ کو خیبر کی تیس وسق کھجوریں عطا فرمائیں۔[38]

حضور کے چچازاد بھائیوں کی بیٹیاں اور دیگر

1 حضرت فاطمہ بنتِ عقیل بن ابی طالب بن عبدُ المطلب

آپ نے حضور کا زمانہ پایا۔ غالباً آپ کے لئے حضور نے اوڑھنی کے لئے کپڑا بھجوایا تھا۔[39]

2 حضرت نعمی بنتِ جعفر بن ابو طالب

حضور کے چچازاد بھائی حضرت جعفر کی صاحبزادی ہیں۔ یہ حضور کی رضاعی بھتیجی بھی ہیں کیونکہ حضرت جعفر نے حضرت ثویبہ کا دودھ پیا ہے۔ ایک مرتبہ حضور نے ان سے فرمایا کہ کیا وجہ ہے کہ جعفر کے بچے بہت کمزور نظر آرہے ہیں؟ کیا فقر و فاقہ ہے؟ حضرت نعمیٰ بنتِ جعفر نے عرض کی: انہیں جلد نظر لگ جاتی ہے، کیا میں دم کر دیا کروں؟ اس کے بعد کچھ کلمات پڑھے تو حضور نے فرمایا: ہاں انہیں یہ دم کر دیا کرو۔[40]

3 حضرت عاتکہ بنتِ ابو سفیان بن حارث بن عبدُ المطلب

آپ کے والدِ گرامی حضرت ابو سفیان بن حارث حضور کے چچازاد اور رضاعی بھائی ہیں کہ انہوں نے حضرت حلیمہ سعدیہ کا دودھ پیا تھا، اس لئے آپ حضور کی رضاعی بھتیجی بھی ہیں۔ آپ کی والدہ ام عمرو بنتِ مقوّم بن عبدُ المطلب ہیں۔ آپ کا پہلا نکاح معتب بن ابو لہب سے ہوا، جس سے خالدہ پیدا ہوئیں۔ پھر آپ کا نکاح عبدُ اللہ بن حارث بن نوفل بن حارث بن عبدُ المطلب المعروف بَبّہ سے ہوا۔[41]

4 حضرت جمانہ بنتِ ابو سفیان بن حارث بن عبدُ المطلب

حضرت عاتکہ کی باپ شریک بہن ہیں ان کی والدہ فغمہ بنتِ ہمام بن افقم ہیں۔[42]

5 حضرت حفصہ بنتِ ابو سفیان بن حارث بن عبدُ المطلب

آپ کو حُمیدہ کہا جاتا تھا۔ آپ کی والدہ بھی فغمہ بنتِ ہمام بن افقم یا حضرت جمانہ بنتِ ابو طالب ہیں۔[43]

6 حضرت اروی بنتِ ربیعہ بن حارث بن عبدُ المطلب

آپ کا نکاح حضرت حبان بن منقذ انصاری سے ہوا اور اولاد بھی ہوئی۔ آپ سے حدیثِ پاک بھی روایت کی گئی ہے۔[44]

7 حضرت امامہ یا امیمہ بنتِ ربیعہ بن حارث بن عبدُ المطلب

آپ کا نکاح حضرت حبان بن واسع سے ہوا، حضرت حبان کا انتقال دورِ عثمانی میں ہوا۔[45]

8 حضرت ہند بنتِ ربیعہ بن حارث بن عبدُ المطلب

آپ کا نکاح حضرت عبد الرحمن بن زبیر سے ہوا، ان سے طلاق کے بعد آپ نے حضرت رفاعہ سے نکاح کیا۔[46]

9 حضرت ام مغیرہ بنتِ نوفل بن حارث بن عبدُ المطلب

آپ کا نکاح حضور نے حضرت تمیم داری سے فرمایا۔[47]

10 حضرت رقیقہ بنتِ ابو صیفی بن ہاشم

حضور کے دادا حضرت عبدُ المطلب کے بھائی ابو صیفی عمرو بن ہاشم کی بیٹی ہیں۔ آپ کی والدہ ہالہ بنتِ کلدہ بن عبدِ مناف بن عبد الدار بن قصی ہیں۔ آپ کا نکاح نوفل بن اہیب بن عبدِ

مناف بن زہرہ سے ہوا۔ آپ کے بیٹے مخرمہ بن نوفل زہری تھے۔ مخرمہ کے بیٹے مسور تھے۔ آپ عمر میں حضرت عبد المطلب سے بڑی ہیں، فرماتی ہیں کہ گویا میں اپنے چچا شیبہ (عبدُ المطلب) کو دیکھ رہی ہوں، جب انہیں مطلب بن عبدِ مناف ہمارے پاس لے کر آئے تو اس وقت میں بچی تھی، میں سب سے پہلے بھاگ کر انہیں چمٹ گئی اور گھر والوں کو اس کی خبر دی۔ آپ اسلام لائیں اور ہجرت سے پہلے آپ نے ہی حضور کو خبر دی کہ کفار آپ کو شہید کرنے کے لئے مشورہ کر رہے ہیں۔ چنانچہ حضور نے ہجرت کا آغاز فرمایا۔ آپ نے بھی ہجرت کی۔ آپ اپنے بیٹے مخرمہ کے اسلام قبول نہ کرنے کی وجہ سے بہت سختی کیا کرتی تھیں۔ آپ سے حدیثِ پاک بھی مروی ہے۔ آپ نے طویل عمر پائی۔[48]

حضور کی بنو مطلب سے چچازاد بہنیں

حضرت ہاشم بن عبدِ مناف اور حضرت مطلب بن عبدِ مناف دونوں شقیقی بھائی اور آپس میں گہری محبت رکھنے والے تھے، اسی لئے حضرت ہاشم نے وصال سے قبل انہیں اپنا وصی مقرر کیا۔ اسی قربت کے باعث بنو ہاشم اور بنو مطلب ہمیشہ معاشرتی اور اقتصادی طور پر متحد رہے، حتی کہ کفارِ مکہ نے شعبِ ابی طالب کے بائیکاٹ میں بھی دونوں کو ایک ساتھ شامل کیا۔ حضور نے اسی حقیقت کو یوں بیان فرمایا: اِنَّمَا بَنُو الْمُطَّلِبِ وَبَنُوهَاشِمٍ شَیْءٌ وَاحِدٌ یعنی بے شک بنو مطلب اور بنو ہاشم ایک ہی ہیں۔[49]

بنو مطلب سے جن خوش نصیب خواتین کو صحابیات کا شرف حاصل ہوا، ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

1 حضرت ہند بنتِ اثاثہ بن عباد بن مطلب

آپ صحابیہ اور شاعرہ ہیں۔ غزوۂ اُحد کے موقع پر کفارِ مکہ کی ایک خاتون نے فخریہ اشعار پڑھے تو آپ نے اسے اشعار میں جواب دیا۔ حضور نے آپ اور آپ کے بھائی حضرت مسطح بن اثاثہ مطلبی کو تیس وسق خیبر کی کھجوریں عطا فرمائیں۔ آپ کا نکاح ابو جندب سے ہوا، جن سے ایک بیٹی ریطہ پیدا ہوئیں۔[50]

2 حضرت خدیجہ بنتِ حصین بن حارث بن مطلب

حضور کے پڑدادا حضرت ہاشم کے بھائی مطلب کے پوتے حصین کی صاحبزادی ہیں۔ آپ اسلام لائیں، بیعت کی اور مدینہ منورہ ہجرت کی، حضور نے آپ اور آپ کی بہن ہند بنتِ حصین کو سو وسق خیبر کی کھجوریں عطا فرمائیں۔[51]

3 حضرت خدیجہ بنتِ عبیدہ بن حارث بن مطلب

حضرت خدیجہ بنتِ حصین کی چچازاد بہن ہیں۔ ان کے والد عبیدُ اللہ بن حارث غزوۂ بدر میں زخمی ہوئے اور مقامِ صفراء پر وصال فرما گئے۔[52]

4 حضرت صفیہ بنتِ عبیدہ بن حارث بن مطلب

آپ صحابیہ ہیں۔ آپ کا وصال 2ھ میں ہوا۔[53]

5 حضرت ریطہ بنتِ عبدُ اللہ بن حارث بن مطلب

آپ صحابیہ ہیں۔ آپ کا وصال 2ھ میں ہوا۔[54]

6 حضرت رمیثہ بنتِ عمرو بن ہاشم بن مطلب

آپ اسلام لائیں اور بیعت کی۔ آپ سے حضرت قعقاع بن حکیم نے حدیثِ پاک روایت کی ہے۔ آپ حضرت عاصم بن قتادہ کی دادی ہیں۔[55]

حضور کے ننھیالی خاندان بنو زہرہ کی صحابیات

حضور کی والدہ محترمہ حضرت آمنہ بنتِ وہب بن عبدِ مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ کا سلسلۂ نسب حضور کے والد حضرت عبدُ اللہ بن عبدُ المطلب بن ہاشم بن عبدِ مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ سے چار واسطوں سے مل جاتا ہے۔ بنو زہرہ قریش کا ایک معزز قبیلہ ہے۔ حضرت عبدُ المطلب نے اسی خاندان کی ایک معزز خاتون ہالہ بنتِ وہیب سے نکاح فرمایا جن سے حضرت حمزہ اور حضرت صفیہ کی پیدائش ہوئی۔ اس خاندان کی جن خواتین کو شرفِ صحابیات حاصل ہوا، ان کا ذکر کیا جاتا ہے:

1 حضرت خالدہ بنتِ اسود بن عبدِ یغوث بن وہب

نیک و صالحہ اور اچھی صورت والی خاتون تھیں۔ آپ کی

کنیت اُمِّ خالد ہے۔ آپ نے اسلام قبول کیا اور ہجرت فرمائی۔ ایک مرتبہ آپ حضرت عائشہ کے پاس آئیں، حضور بھی اس وقت تشریف لائے اور پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ تو حضرت عائشہ نے عرض کی: یہ آپ کی خالہ حضرت خالدہ بنتِ اسود ہیں تو فرمایا: پاکی ہے اللہ کریم کے لئے جو مردے سے زندہ کو پیدا فرماتا ہے۔ چونکہ آپ کے والد کو اسلام کی دولت نصیب نہیں ہوئی تھی، اس لئے آپ نے یہ فرمایا۔[56]

2 حضرت سکینہ بنتِ ابی وقاص بن مالک بن اہیب

جلیلُ القدر صحابی حضرت سعد بن ابی وقاص کی بہن ہیں۔ آپ کی کنیت اُمِّ حکم ہے۔ آپ نے حضور سے سوال کیا کہ ہم عورتوں کا جہاد کیا ہے؟ تو فرمایا: تمہارا جہاد حج کرنا ہے۔[57]

3 حضرت عائشہ کبریٰ بنتِ سعد بن ابی وقاص

آپ صحابیہ ہیں۔ فتحِ مکہ یا حجۃ الوداع میں آپ اپنے والد محترم کی اکیلی اولاد تھیں، جس کا ذکر صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے۔ آپ کی چھوٹی بہن حضرت عائشہ صغریٰ بنتِ سعد تابعیہ اور محدثہ ہیں۔ آپ کی والدہ زین بنتِ حارث بن نعمان ہیں۔ آپ نے اپنے والدِ محترم اور امہات المومنین سے احادیث روایت کی ہیں۔[58]

حضور کی ازواجِ مطہرات

1 اُمُّ المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ بنتِ خویلد بن اسد

آپ کی ولادت واقعہ عامُ الفیل سے 15 سال پہلے ہوئی اور وصال اعلانِ نبوّت کے دسویں سال 10 رمضان المبارک میں ہوا۔ تدفین مکّہ معظّمہ کے مشہور قبرستان جنّتُ المعلیٰ میں کی گئی۔ آپ کا پہلا نکاح ابو ہالہ ہند بن نباش تمیمی سے ہوا اور ہند اور ہالہ نامی دو بیٹوں کی پیدائش ہوئی۔ اس کے بعد آپ عتیق بن عابد مخزومی کے نکاح میں آئیں جن سے ہند بنتِ عتیق پیدا ہوئیں (جن کا نکاح صیفی بن ابو امیہ بن عابد مخزومی سے ہوا اور محمد بن صیفی مخزومی کی ولادت ہوئی)۔ پھر آپ کو حضور کی زوجیت کا شرف حاصل ہوا۔[59] آپ خاندانِ قریش کی معزّز، باہمت، عقلمند، صاحبِ ثروت اور پاک دامن خاتون تھیں۔ آپ نے عورتوں میں سب سے پہلے دینِ اسلام قبول کیا۔ آپ نے ابتدائے اسلام میں تبلیغِ دین کی خاطر اپنا مال وقف کر دیا، دل، زبان، جان اور مال کے ساتھ حضور کی معاونت اور حوصلہ افزائی کی اور بہت زیادہ تعاون کیا۔ حضور نے آپ کی زندگی اور بعدِ وصال بھی ان باتوں کا بار بار اِقرار و تذکرہ فرمایا اور اُن کی تحسین و تعریف فرمائی۔ ایک بار آپ کی بہن حضرت ہالہ بنتِ خویلد نے حضور کی بارگاہ میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کی تو حضور کو آپ کا اجازت طلب کرنا یاد آگیا اور رِقّت طاری ہو گئی۔[60]

2 اُمُّ المومنین حضرت عائشہ صدّیقہ بنتِ ابو بکر صدّیق

آپ کی ولادت مکّہ شریف میں اعلانِ نبوّت کے چوتھے سال ہوئی اور وصال 17 رمضان 57ھ کو ہوا، تدفین جنّتُ البقیع میں کی گئی۔ آپ کا نکاح حضور سے نبوت کے دسویں سال مکّہ مکرّمہ میں ہوا لیکن رخصتی شوال 2ھ میں ہوئی، آپ کے علاوہ کسی کنواری لڑکی سے حضور نے نکاح نہیں کیا۔ حضور نے سیدہ فاطمۃ الزّہرا سے فرمایا: اے فاطمہ! جس سے میں محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو گی؟ سیّدہ فاطمہ نے عرض کی: ضرور یارسولَ اللہ! میں محبت کروں گی، اس پر آقا کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: تو عائشہ سے محبت رکھو۔ آپ عالمہ، محدّثہ، مفتیہ، اشعارِ عرب و علمِ انساب میں ماہر تھیں۔ صحابہ و تابعین کی جماعتِ کثیرہ نے آپ سے 2 ہزار 210 احادیث روایت کی ہیں۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ ہم صحابہ کو کسی بات میں مشکل پیش آتی تو اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدّیقہ کی بارگاہ میں سوال کرتے اور آپ سے ہی اس بات کا علم پاتے۔ ایسا کیوں نہ ہوتا کہ خود حضور نے فرمایا: اِس اُمّت کی تمام عورتوں بشمول ازواجِ مطہّرات کے علم کو اگر جمع کر لیا جائے تو عائشہ کا علم اِن سب کے علم سے زیادہ ہو گا۔[61]

3 اُمُّ المومنین حضرت حفصہ بنتِ عمر بن خطاب

آپ کی ولادت اعلانِ نبوت سے 5 سال قبل مکّے شریف

میں ہوئی اور وصال شعبان 45ھ میں مدینہ منوّرہ میں فرمایا جبکہ تدفین جنّتُ البقیع میں ہوئی۔ آپ کا پہلا نکاح بدری صحابی حضرت خُنیس بن حذافہ سے ہوا،ان کی وفات کے بعد حضور سے نکاح کا شرف حاصل ہوا۔ آپ کثرت سے روزے رکھنے والی، بہت عبادت کرنے والی، غریبوں و محتاجوں کی مدد و معاون، علمِ حدیث وفقہ سے شغف رکھنے والی، بلند ہمت اور حق گو خاتون تھیں۔ آپ سے مروی احادیث کی تعداد 60 ہے۔ آپ سے راویت کرنے والوں میں حضرت عبدُ اللہ بن عمر، حضرت صفیہ بنتِ ابو عبید اور حضرت حمزہ بن عبدُ اللہ وغیرہ شامل ہیں۔(62)

4 اُمُّ المومنین حضرتِ زینب بنتِ جحش الاسدیہ

آپ کی والدہ حضرت امیمہ بنتِ عبدُ المطلب ہاشمیہ حضور کی پھوپھی ہیں۔ آپ کا نام برہ تھا، حضور نے بدل کر زینب رکھا۔ آپ حُسنِ ظاہری و باطنی سے مالا مال تھیں۔ آپ نیک و پرہیز گار، نرم مزاج، روزہ دار و قیام کرنے والی تھیں۔ اپنے کام اپنے ہاتھ سے کرتی اور مسکینوں پر خرچ کیا کرتی تھیں۔ آپ کا پہلا نکاح حضرت زید بن حارثہ سے ہوا، ان کے طلاق دینے کے بعد حضور نے اللہ پاک کے حکم سے 3ھ یا 5ھ میں آپ سے نکاح فرمایا، اس وقت آپ کی عمر 35 سال تھی۔ آپ سے کئی احادیث مروی ہیں۔ آپ سے روایت کرنے والوں میں آپ کے بھتیجے حضرت محمد بن عبدُ اللہ بن جحش، اُمِّ حبیبہ بنتِ ابو سفیان اور حضرت زینب بنتِ ابو سلمہ شامل ہیں۔ آپ کا وصال دورِ فاروقی میں 20ھ میں ہوا۔ حضرت عمر نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ تدفین جنّتُ البقیع میں کی گئی۔(63)

5 اُمُّ المومنین حضرتِ زینب بنتِ خزیمہ بن عبدُ اللہ قرشیہ

آپ کو بارگاہِ نبوی میں خاص مقام حاصل تھا۔ ایک قول کے مطابق آپ کا پہلا نکاح حضرت عبدُ اللہ بن جحش سے ہوا۔ یہ غزوۂ اُحد میں شہید ہو گئے تو حضور نے آپ سے نکاح فرمایا۔ آپ بہت ہی سخی، فیاض، غربا و مساکین سے ہمدردی کرنے والی اور کھانا کھلانے والی تھیں، اسی لئے آپ کو اُمُّ المساکین کہا جاتا ہے۔ آپ کا وصال حضور کی حیاتِ ظاہری میں 30 سال کی عمر میں ربیع الاول یا ربیع الآخر 4ھ میں مدینہ طیبہ میں ہوا اور تدفین جنّتُ البقیع میں کی گئی۔(64)

6 اُمُّ المومنین حضرت اُمِّ حبیبہ رملہ بنتِ ابو سفیان قرشیہ

آپ کی پیدائش مکہ مکرمہ میں اعلانِ نبوت سے 17 سال قبل ہوئی۔ آپ کے والدِ گرامی حضرت ابو سفیان صخر بن حرب قرشی اور والدہ صفیہ بنتِ ابو العاص بن امیہ قرشیہ ہیں۔ آپ ابتدائے اسلام میں ایمان لائیں اور حبشہ ہجرت کی۔ آپ کی پہلی شادی حضرت زینب بنتِ جحش کے بھائی عبیدُ اللہ سے ہوئی، وہ حبشہ میں مرتد ہو گیا تو اس سے جدائی اختیار کرلی۔ حضور نے 7ھ میں نجاشی بادشاہ کے ذریعے آپ کو نکاح کا پیغام بھیجا؛ بادشاہ نے بعدِ خطبہ نکاح پڑھایا، آپ نے حضرت خالد بن سعید کو اپنا وکیلِ نکاح بنایا۔ اس وقت حضرت ابو سفیان مسلمان نہیں ہوئے تھے، اس کے باوجود جب اس نکاح کی خبر پہنچی تو تعریف کرتے ہوئے کہنے لگے: محمد ایسے شرف و عزت والے بلند رتبہ کفو ہیں جن کا پیغامِ نکاح ٹھکرایا نہیں جاتا۔ حضرت اُمِّ حبیبہ کثیر العبادت، غیرتِ ایمانی سے مالا مال اور حقوق العباد کے معاملے میں بہت حساس تھیں۔ آپ کا وصال 44 سنِ ہجری میں ہوا اور تدفین جنّتُ البقیع میں کی گئی۔(65)

7 اُمُّ المومنین حضرت سودہ بنتِ زمعہ عامریہ قرشیہ

آپ کی والدہ شموس بنتِ قیس انصاریہ نجاریہ ہیں۔ آپ کا پہلا نکاح حضرت سکران بن عمرو سے ہوا۔ آپ اور آپ کے شوہر مکہ مکرمہ میں آغازِ اسلام میں مسلمان ہوئے اور حبشہ ہجرت کی۔ آپ کے شوہر کی وفات کے بعد حضور نے اعلانِ نبوت کے دسویں سال آپ سے نکاح فرمایا۔ آپ سلیقہ شِعار، حسنِ ظاہری و باطنی سے مالا مال اور معاملہ فہم تھیں۔ بعض اوقات آپ ایسی گفتگو کرتیں کہ حضور کے چہرۂ مبارک پر مسکراہٹ آجاتی۔ آپ کی خصوصیات کی وجہ سے حضرت عائشہ آپ پر رشک کیا کرتی تھیں۔ آپ نے حبشہ اور مدینہ دونوں

جانب ہجرت کی سعادت پائی۔ ایک قول کے مطابق شوال 54ھ میں وصال فرمایا اور تدفین جنتُ البقیع میں کی گئی۔ (66)

8 اُمُّ المومنین حضرت اُمِّ سَلَمہ ہند بنتِ ابو اُمیہ قرشیہ

آپ عرب کے معزز قبیلے قریش میں پیدا ہوئیں۔ آپ کے والد ابو امیہ حذیفہ قرشی مخزومی بہت سخی تھے۔ آپ کی والدہ عاتکہ بنتِ عامر تھیں۔ آپ کا پہلا نکاح حضرت ابو سلمہ بن عبدُ الاسد سے ہوا، ان کے ساتھ آپ نے حبشہ ہجرت کی، پھر مدینے ہجرت کا شرف پایا۔ شوہر کے انتقال کے بعد شوّال 4 ہجری کو حضور کے نکاح میں آئیں اور وصال شوال یا ذیقعدہ 59 یا 61ھ کو مدینہ منوّرہ میں ہوا اور تدفین جنّتُ البقیع میں کی گئی۔ آپ حُسنِ ظاہری و باطنی سے مالا مال، فَہم و فراست کی مالکہ، معاملہ فَہم اور عبادت گزار تھیں۔ آپ کا شمار شرعی احکام و قوانین کی ماہر فقہا صحابیات میں ہوتا ہے۔ آپ کی رائے ہمیشہ درست ثابت ہوتی تھی۔ آپ سے کثیر احادیث مروی ہیں۔ (67)

9 اُمُّ المومنین حضرت میمونہ بنتِ حارث ہلالیہ قرشیہ

آپ کا سلسلہ نسب 18 ویں پشت میں حضور سے مل جاتا ہے۔ آپ اُمُّ المومنین حضرتِ زینب بنتِ خزیمہ اور حضرت ام فضل لبابہ کبریٰ (زوجہ حضرت عباس) کی اخیافی (ماں شریک) بہن ہیں۔ پہلے آپ کا نکاح ابو رہم سے ہوا، اس کے انتقال کے بعد حضور نے 7ھ میں آپ سے نکاح فرمایا۔ آپ کا نام برہ تھا جسے حضور نے تبدیل کر کے میمونہ رکھا۔ مکّہ مکرمہ سے 6 میل کے فاصلے پر سَرِف (موجودہ نواریہ) کے مقام پر 49 یا 51ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

آپ 76 احادیثِ کریمہ روایت کرنے والی، بہت زیادہ خوفِ خدا رکھنے والی اور صلہ رحمی کرنے والی خاتون تھیں۔

آپ لوگوں کو شریعت کی پاسداری سکھانے والی ہستی تھیں اور اُمّتِ مسلمہ کو متعدّد مسائل کا حل آپ کے ذریعے سے ملا، خصوصاً حالتِ احرام میں نکاح کے جائز ہونے کا مسئلہ آپ کی برکت سے ظاہر ہوا۔ (68)

10 اُمُّ المومنین حضرت جُویرِیہ بنتِ حارث خزاعیہ

آپ سردارِ قبیلہ بنو مصطلق کی شہزادی، حُسنِ ظاہری و باطنی کی جامع اور کثرت سے ذکر و عبادت کرنے والی تھیں۔ آپ کا نام پہلے برّہ تھا، حضور نے تبدیل کر کے جُویریہ رکھا۔ آپ کی بدولت آپ کے قبیلے کے تقریباً 700 افراد نے غلامی سے آزادی پائی۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں: حضرت جُویریہ سے بڑھ کر اپنی قوم پر خیر و برکت لانے والی کوئی اور عورت ہم نے نہیں دیکھی۔ آپ سے کئی احادیث مروی ہیں۔ آپ سے روایت کرنے والوں میں حضرت عبدُ اللہ بن عباس، حضرت عبدُ اللہ بن عُمر اور حضرت جابر بن عبدُ اللہ جیسے اکابر صحابہ شامل ہیں۔ آپ نے ربیعُ الاوّل 50ھ میں وصال فرمایا اور جنّتُ البقیع میں دفن کی گئیں۔ (69)

11 اُمُّ المومنین حضرت صفیہ بنتِ حُیَیّ بن اخطب

آپ کی ولادت اعلانِ نبوت کے دو سال بعد مدینے شریف کے ایک یہودی قبیلے بنی نضیر (خاندانِ حضرت ہارون علیہ السلام) میں ہوئی۔ آپ سردارِ قبیلہ حیی بن اخطب کی بیٹی ہیں۔ آپ کا پہلا نکاح سلام بن مِشکم سے ہوا؛ اس کے بعد کنانہ کی زوجیت میں آئیں، کنانہ غزوۂ خیبر (محرم 7ھ) میں مارا گیا اور آپ گرفتار ہوئیں، حضور نے آپ کو آزاد کر کے اپنے نکاح میں لے لیا۔ اس وقت آپ کی عمر تقریباً 17 سال تھی۔ آپ عقل مند و بردبار، حُسنِ ظاہری و باطنی کی جامع، فضل و کمال سے متصف، زہد و تقویٰ اور عبادت و صلہ رحمی کی خوگر تھیں۔ آپ نے رمضان 50ھ میں وصال فرمایا اور جنّتُ البقیع میں مدفون ہوئیں۔ (70)

12 اُمُّ المومنین حضرتِ ماریہ قبطیّہ

آپ کی والدہ رومی تھیں۔ 7ھ میں اسکندریہ کے بادشاہ مقوقس نے آپ کو حضور کی خدمت میں دیگر تحائف کے ساتھ بھیجا۔ آپ حُسنِ ظاہری و باطنی سے مرصع تھیں۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ (حضور کے ہاں) حضرت ماریہ کے علاوہ کسی اور عورت کو مجھ سے زیادہ مقام نہیں ملا۔ آپ کو مدینہ منورہ کے بالائی حصے میں ٹھہرایا گیا۔ حضور آپ کے ہاں تشریف لے

جاتے۔ آپ کے ہاں ذوالحجہ 8ھ کو نورِ چشمِ رسول حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی مگر 10 ربیع الاول 10ھ کو انہوں نے وصال فرمایا جس کا حضور کو بہت رنج پہنچا۔ حضرت ماریہ قبطیہ نے دورِ فاروقی میں محرم 16ھ کو وصال فرمایا اور جنّتُ البقیع میں دفن کیا گیا۔[71]

حضور کی سسرالی رشتہ دار صحابیات

1 حضرت امیمہ بنتِ رُقیقہ قُرشیہ تیمیہ

اُمُّ المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی بہن ہیں۔ آپ کے والد کا نام بجاد بن عبدُ اللہ اور والدہ کا نام رُقیقہ بنتِ خُوَیلِد ہے۔ آپ کا نکاح حبیب بن کعب ثقفی سے ہوا۔ قدیمُ الاسلام صحابیہ حضرت حُکیمہ آپ ہی کی بیٹی ہیں۔ حضرت اُمیمہ نے مدینہ منورہ ہجرت کی، جنگِ مُوتہ میں بھی شریک ہوئیں اور حضور سے بیعت کا شرف بھی پایا۔ آپ سے کئی احادیث مروی ہیں۔ روایت کرنے والوں حضرت عبدُ اللہ بن عَمرو، محمد بن مُنْکَدِر اور آپ کی بیٹی حُکیمہ شامل ہیں۔ آپ آخری عمر میں دمشق چلی گئیں، وہاں آپ کے پاس ایک گھر اور چند غلام تھے، جو آپ کو صحابیِ رسول حضرت امیرِ معاویہ کی جانب سے پیش کئے گئے تھے۔ حضرت امیرِ معاویہ کے مرضِ وصال میں آپ وہاں موجود تھیں۔[72]

2 حضرت ہالہ بنتِ خویلد بن اسد قرشیہ اسدیہ

اُمُّ المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی بہن ہیں۔ ان کا نکاح ربیع بن عبدُ العزی بن عبدِ شمس بن عبدِ مناف سے ہوا، جن سے حضرت ابو العاص لقیط بن ربیع پیدا ہوئے جو کہ حضور کی صاحبزادی حضرت زینب کے شوہر ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت خدیجہ کے وصال کے بعد حضرت ہالہ حضور کے ہاں آئیں تو آپ کو حضرت خدیجہ یاد آگئیں اور آپ نے ان کا ذکرِ خیر فرمایا۔[73]

3 حضرت ام الخیر سلمٰی بنتِ صخر بن عامر تیمی

اُمُّ المومنین حضرت عائشہ کی دادی جان اور اولین مسلمانوں سے ہیں۔ جب آپ کے صاحبزادے حضرت ابو بکر صدیق نے بذریعہ خطبہ کفارِ مکہ کو دینِ اسلام کی دعوت دی تو کفار نے آپ کو شدید زخمی کر دیا، جس سے آپ بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش آیا تو آپ کی والدہ آپ کو لے کر حضور کے پاس لے گئیں، اس وقت صدیقِ اکبر کے عرض کرنے پر حضور نے آپ کے اسلام قبول کرنے کی دعا کی اور آپ اسلام لے آئیں۔ آپ کی وفات حضرت ابو بکر صدیق کے وصال کے بعد اور اپنے شوہر حضرت ابو قحافہ عثمان سے پہلے مدینہ منورہ میں ہوئی۔[74]

4 اُمِّ رُومان زینب یا دعد بنتِ عامر کنانیہ

آپ حضرت ابو بکر صدّیق کی زوجہ محترمہ، اُمُّ المومنین حضرت عائشہ کی والدہ ہیں۔ آپ کا پہلا نکاح عبدُ اللہ بن حارث ازدی سے ہوا، جس سے طفیل بن عبدُ اللہ کی پیدائش ہوئی۔ اس کے انتقال کے بعد حضرت ابو بکر صدیق نے نکاح کیا۔ آپ قدیمُ الاسلام صحابیہ اور صالحہ و پارسا تھیں۔ حضور نے فرمایا کہ دنیا میں اگر کسی کو حور دیکھنے کی خواہش ہو تو وہ اُمِّ رومان کو دیکھ لے۔ یہ فرمانے کی وجہ یہ تھی کہ آپ جمالِ صورت اور حُسنِ سیرت میں بالکل جنت کی حور جیسی تھیں۔ آپ نے ذو الحجہ 6ھ کو مدینہ منوّرہ میں وصال فرمایا، حضور خود قبر میں اترے، اپنے دستِ اقدس سے زمین کے سپرد کیا اور دعا فرمائی: اے اللہ! اُمِّ رومان نے تیرے اور تیرے رسول کے ساتھ بہترین سلوک کیا ہے، وہ تجھ پر پوشیدہ نہیں، لہٰذا تو ان کی مغفرت فرما۔[75]

5 ذات النطاقین حضرت اسماء بنتِ ابو بکر صدیق

آپ اُمُّ المومنین حضرت عائشہ کی بہن ہیں۔ ہجرتِ مدینہ سے 27 سال قبل مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئیں۔ 17 افراد کے بعد اسلام لائیں۔ عشرۂ مبشرہ میں سے حضرت زبیر بن عوام سے نکاح ہوا۔ نہایت صابر و شاکرہ، دلیر و نڈر اور سخی تھیں۔ حضور کے ہجرتِ مدینہ کے وقت زادِ سفر تیار کرتے ہوئے رسی نہ ملی تو اپنے نِطاق (یعنی کمر بند) کے دو ٹکڑے کر کے سامان باندھا۔ حضور نے فرمایا: اس ایک کمر بند کے بدلے جنت میں تجھے دو کمر بند عطا کیے جائیں گے۔

مشہور صحابی حضرت عبدُ اللہ بن زبیر آپ کے ہی لختِ جگر ہیں۔ آپ سے کئی احادیث مروی ہیں۔ آپ سے روایت کرنے والوں میں آپ کے دونوں بیٹے حضرت عبدُ اللہ اور حضرت عروہ کے علاوہ حضرت ابنِ عباس، حضرت وہب بن کیسان، حضرت فاطمہ بنتِ منذر، حضرت صفیہ بنتِ شیبہ اور حضرت ابنِ ابی ملیکہ وغیرہ شامل ہیں۔ ایک قول کے مطابق حضرت عبدُ اللہ بن زبیر کی شہادت کے 20 دن بعد 73ھ کو سو سال کی عمر میں مکہ مکرمہ میں وصال فرمایا۔[76]

6 حضرت زینب بنتِ ابو سفیان

اُمُّ المومنین حضرت اُمِّ حبیبہ کی بہن ہیں۔ آپ حضرت عروہ بن مسعود ثقفی کی زوجہ تھیں، جب عروہ اسلام لائے تو ان کے نکاح میں کئی عورتیں تھیں جن میں چار قرشیہ تھیں، حضور نے انہیں حکم دیا کہ تم اپنے نکاح میں چار خواتین رکھو تو انہوں نے جن چار کو اپنی زوجیت میں رکھا ان میں حضرت زینب بھی شامل تھیں۔[77]

7 حضرت عزہ بنتِ ابو سفیان

اُمُّ المومنین حضرت اُمِّ حبیبہ کی بہن ہیں۔ حضرت اُمِّ حبیبہ نے حضور کو آپ سے نکاح کرنے کی درخواست کی تو فرمایا: یہ میرے لئے حلال نہیں ہیں۔[78]

8 حضرت ام حکم بنتِ ابو سفیان

اُمُّ المومنین حضرت اُمِّ حبیبہ کی باپ شریک اور حضرت امیرِ معاویہ کی شقیقی بہن ہیں۔ آپ کا پہلا نکاح عیاض بن غنم سے ہوا، آپ مسلمان ہو گئیں مگر وہ کفر پر ڈٹا رہا۔ چنانچہ آپ اس سے جدا ہو گئیں، پھر آپ کا نکاح حضرت عبدُ اللہ بن عثمان ثقفی سے ہوا۔ آپ کے بیٹے حضرت عبد الرحمن بن ام الحکم ہیں، جن کی نسبت آپ کی جانب کی جاتی ہے۔[79]

9 حضرت ہریرہ بنتِ زمعہ قرشیہ اسدیہ

اُمُّ المومنین حضرت سودہ کی بہن اور صحابیہ ہیں۔ ان کا نکاح حضرت معبد بن وہب عبدی سے ہوا۔[80]

10 حضرت اُمِّ کلثوم بنتِ زمعہ قرشیہ عامریہ

اُمُّ المومنین حضرت سودہ کی بہن اور صحابیہ ہیں۔ ان کا نکاح حویطب بن عبدُ العزیٰ سے ہوا، جن سے حضرت ابو حکم بن حویطب پیدا ہوئے۔[81]

11 حضرت اُمِّ حفیظ ہزیلہ بنتِ حارث بن حزن ہلالیہ

اُمُّ المومنین حضرت میمونہ کی بہن اور صحابیہ ہیں۔ ان کا نکاح دیہات میں ہوا۔[82]

12 حضرت زینب بنتِ مظعون جمحیہ

اُمُّ المومنین حضرت حفصہ کی والدہ اور حضرت عمر فاروق اعظم کی زوجہ ہیں، ان سے حضرت حفصہ کے علاوہ حضرت عبدُ اللہ بن عمر کی پیدائش ہوئی۔ انہوں نے مکہ مکرمہ میں اسلام قبول کیا اور مدینہ منورہ ہجرت فرمائی۔[83]

13 حضرت رُقیہ بنتِ عمر بن خطاب

آپ کی والدہ حضرت اُمِّ کلثوم بنتِ علی بن ابو طالب ہیں۔ آپ اُمُّ المومنین حضرت حفصہ کی علاتی بہن ہیں۔ آپ کا نکاح حضرت ابراہیم بن نعیم سے ہوا اور ایک بیٹی کی پیدائش ہوئی۔ وصال کے بعد جنّتُ البقیع میں تدفین کی گئی۔[84]

14 حضرت فاطمہ بنتِ عمر بن خطاب

آپ کی والدہ حضرت اُمِّ حکیم بنتِ حارث بن ہشام ہیں۔ جو حضور کی چچا زاد بہن حضرت اروىٰ بنتِ حارث بن عبدُ المطلب کی بیٹی ہیں۔ آپ اُمُّ المومنین حضرت حفصہ کی علاتی بہن ہیں۔ آپ کا نکاح حضرت عبدُ الرحمن بن زید بن خطاب سے ہوا اور ایک بیٹے عبدُ اللہ کی پیدائش ہوئی۔[85]

15 حضرت زینب بنتِ عمر بن خطاب

آپ کی والدہ حضرت فکیہہ ہیں۔ آپ اُمُّ المومنین حضرت حفصہ کی علاتی بہن ہیں اور ان سے احادیث کی راویہ ہیں۔ آپ کا نکاح حضرت عبدُ اللہ بن عبدُ اللہ بن سراقہ عدوی سے ہوا۔[86]

16 حضرت عمرہ بنتِ حارث بن ابو ضرار خزاعیہ مصطلقیہ

اُمُّ المومنین حضرت جویریہ کی بہن ہیں۔ آپ سے چچا زاد

بھائی حضرت محمد بن عمرو بن ابو ضرار نے حدیثِ پاک روایت کی ہے۔ (87)

17 حضرت قریبہ صغریٰ بنتِ ابو امیہ مخزومیہ

اُمُ المومنین حضرت اُمِ سَلَمہ کی بہن ہیں۔ آپ کی والدہ عاتکہ بنتِ عتبہ بن ربیعہ ہیں۔ آپ صاحبہ جمال تھیں۔ آپ کا نکاح حضرت عبدُ الرحمن بن ابو بکر صدیق سے ہوا جن سے حضرت عبدُ اللہ، حفصہ اور اُمِ حکیم کی پیدائش ہوئی۔ (88)

حضور کی ربیبہ یعنی سوتیلی بیٹیاں

1 حضرت ہند بنتِ عتیق بن عائذ بن عبدُ اللہ

آپ کی والدۂ محترمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ ہیں۔ حضرت ہند اسلام لائیں۔ آپ کا نکاح اپنے چچازاد بھائی حضرت صیفی بن امیہ بن عائذ بن عبدُ اللہ سے ہوا۔ ان سے آپ کے بیٹے محمد بن صیفی کی پیدائش ہوئی۔ آپ کے خاندان کو حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی نسبت سے بنو طاہرہ کہا جاتا ہے۔ (89)

2 حضرت زینب بنتِ ابو سلمہ عبدُ اللہ بن عبدُ الاسد مخزومیہ

حضور کے پھوپھی زاد اور رضاعی بھائی حضرت ابو سلمہ اور اُمُ المومنین حضرت اُمِ سَلَمہ کی بیٹی تھیں، یوں آپ کو ربیبہ اور رضاعی بھتیجی ہونے کا شرف حاصل ہے۔ آپ نے کاشانۂ نبوی میں پرورش پائی کیونکہ حضرت ابو سلمہ کی وفات کے بعد اُمِ سَلَمہ کا نکاح حضور سے ہوا۔ آپ کی پیدائش حبشہ میں ہوئی کیونکہ آپ کے والدین نے اسلام قبول کرنے کے بعد حبشہ ہجرت فرمائی تھی۔ آپ کا نام برہ رکھا گیا، لیکن حضور نے بدل کر زینب رکھ دیا اور فرمایا: تم اور تمہاری بیٹی بھی اہلِ بیت میں سے ہیں۔ کبھی کبھار حضور شفقت سے آپ کے چہرے پر پانی چھڑکا کرتے تھے جس کی برکت یہ ظاہر ہوئی کہ بڑھاپے میں بھی آپ کے چہرے پر جوانی کا آب و رنگ تھا۔ آپ اپنے زمانے کی بڑی فقیہہ اور عالمہ خاتون تھیں۔ آپ نے کئی احادیث روایت کی ہیں۔ آپ سے احادیث روایت کرنے والوں میں آپ کے بیٹے ابو عبیدہ بن عبدُ اللہ، محمد بن عطا، عراک بن مالک، حمید بن نافع، عروہ بن زبیر، اُمِ سَلَمہ بن عبدُ الرحمن اور زین العابدین علی بن حسین شامل ہیں۔ آپ کا نکاح حضرت عبدُ اللہ بن زمعہ سے ہوا۔ آپ کی اولاد میں عبدُ الرحمن، یزید، وہب، ابو سلمہ، کبیر، ابو عبیدہ، قریبہ، اُمِ کلثوم اور اُمِ سَلَمہ شامل ہیں۔ واقعۂ حرہ میں آپ کے دو بیٹوں نے جامِ شہادت نوش کیا۔ جب آپ کے سامنے ان کی میتیں لائی گئیں تو آپ نے صبر کرتے ہوئے فقط اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ پڑھا۔ آپ کا وصال 74ھ میں واقعۂ حرہ کے بعد ہوا۔ (90)

3 حضرت دُرّہ بنتِ ابو سلمہ عبدُ اللہ بن عبدُ الاسد مخزومیہ

حضور کے پھوپھی زاد اور رضاعی بھائی حضرت ابو سلمہ اور اُمُ المومنین حضرت اُمِ سَلَمہ کی بیٹی تھیں، بعض نے ان کا نام رقیہ ذکر کیا ہے، انہوں نے اپنی والدہ حضرت اُمِ سَلَمہ سے علم و فضل حاصل کیا۔ ان کا شمار فقیہ صحابیات میں ہوتا ہے، ان کی روایات سیرت و تاریخ کی کتب میں موجود ہیں، ان کی اولاد نہ تھی۔ (91)

4 حضرت اُمِ کلثوم بنتِ ابو سلمہ بن عبد الاسد مخزومیہ

حضور کے پھوپھی زاد اور رضاعی بھائی حضرت ابو سلمہ اور اُمُ المومنین حضرت اُمِ سَلَمہ کی بیٹی تھیں۔ آپ نے حضرت اُمِ سَلَمہ اور حضرت عبدُ اللہ بن عباس سے احادیث سنیں۔ آپ سے روایت کرنے والوں میں حضرت عبدُ اللہ بن زید جرمی، حضرت موسیٰ بن عقبہ قرشی، حضرت عمر بن یحیی زہری، حضرت ابو موسیٰ بن عقبہ اور حضرت اُمِ عبیدُ اللہ بن عمر شامل ہیں۔ (92)

5 حضرت حبیبہ بنتِ عبیدُ اللہ بن جحش اسدیہ

اُمُ المومنین حضرت اُمِ حبیبہ رملہ بنتِ ابو سفیان کی بیٹی ہیں۔ آپ کی پیدائش مکہ مکرمہ یا حبشہ میں ہوئی۔ آپ کا نکاح اپنی خالہ حضرت زینب بنتِ ابو سفیان کے بیٹے حضرت داود بن عروہ بن مسعود سے ہوا۔ آپ نے اپنی والدہ سے حدیثِ پاک بھی روایت کی ہے۔ (93)

حضور کی صاحبزادیاں

حضور نے امام حسن و حسین کو جنت کے جوانوں کا سردار فرمایا اور ان کی خالاؤں (یعنی اپنی بیٹیوں) کے بارے میں بھی

جنت کی خوشخبری ارشاد فرمائی۔[94]

1 خاتونِ جنّت حضرت فاطمۃ الزہرا

آپ اعلانِ نبوت سے پانچ سال قبل مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئیں۔ وصال 3 رمضان 11 ھ کو مدینہ منورہ میں ہوا اور جنّتُ البقیع میں دفن کی گئیں۔ آپ کا نام فاطمہ، القابات سَیِّدۃُ نِساءِ اھلِ الجنّۃ، سیِّدۃُ نِساءِ العالمین اور بتول ہیں۔ آپ حضرت علی کی زوجۂ محترمہ، امام حسن و امام حسین کی والدہ مُشفِقہ اور جنت میں تمام عورتوں کی سردار ہیں۔ آپ اخلاق و عادات، گفتار و کردار میں حضور سے بہت مشابہت رکھتی تھیں۔ سیّدہ بی بی فاطمہ صبر، شکر، توکّل اور سنجیدگی کے ساتھ ساتھ کئی مبارک اوصاف بالخصوص محبتِ رسول سے سرشار تھیں؛ حضور کی ذرا سی تکلیف سے بے چین ہو جایا کرتی تھیں، نیز حضور کے وصال شریف کے بعد حضرت فاطمہ کبھی ہنستی نہ دیکھی گئیں۔ آپ روزوں اور عبادت و ریاضت کا بہت شوق رکھتی تھیں، کئی بار ایسا بھی ہوا کہ آپ نے پوری رات نماز پڑھتے ہوئے گزار دی۔[95]

2 حضرت زینب

آپ کی ولادت اعلانِ نبوت سے دس سال پہلے ہوئی۔ آپ کا نکاح اپنے خالہ زاد بھائی حضرت ابو العاص بن ربیع سے ہوا۔ بوقتِ ہجرت کسی نے آپ کو نیزے سے ڈرا کر اونٹ سے گرا دیا، جس کی وجہ سے آپ کا حمل ضائع ہو گیا۔ حضور نے فرمایا کہ زینب میری سب سے اچھی بیٹی تھی جو میری محبت میں ستائی گئی۔ جو زخم آپ کو ہجرت میں لگا وہ کئی سال رہا اور اسی سے آپ نے 8 ھ کو وصال فرمایا۔ حضرت زینب کی وفات کے بعد حضور آپ کی قبر میں اترے تو آپ مغموم و پریشان تھے، پھر جب باہر تشریف لائے تو پریشانی اور غم کے آثار زائل ہو چکے تھے، فرمایا: مجھے زینب کی کمزوری یاد آگئی تو میں نے اللہ پاک کی بارگاہ میں اس کی قبر کی تنگی اور غم میں تخفیف کا سوال کیا تو اللہ پاک نے ایسا ہی کیا اور اسے اس پر آسان فرما دیا۔ آپ کا ایک بیٹا حضرت علی بن ابو العاص اور ایک بیٹی حضرت اُمامہ تھیں۔[96]

3 حضرت اُمِّ کلثوم

آپ کی ولادت اعلانِ نبوّت سے 6 سال قبل مکۂ مکرمہ میں ہوئی۔ آپ کا پہلا نکاح عتیبہ بن ابو لہب سے ہوا، اس نے رخصتی سے پہلے طلاق دے دی۔ آپ نے حضرت فاطمہ کے ساتھ مدینہ منورہ ہجرت کی۔ حضور نے حضرت رُقیہ کے وصال کے بعد آپ کا نکاح ربیع الاول 3 ھ کو حضرت عثمانِ غنی سے فرمایا۔ آپ کا وصال شعبان 9 ھ میں ہوا۔ آپ کی اولاد نہ ہوئی۔ آپ کو حضرت اسماء بنتِ عُمیس، حضرت صفیہ بنتِ عبدُ المطلب اور حضرت اُم عطیہ نے غسل دیا۔ حضرت انس فرماتے ہیں: میں نے حضور کو حضرت اُمِّ کلثوم کی قبر پر اشک بار آنکھوں سے دیکھا۔ حضرت علی، حضرت فضل بن عباس اور حضرت اسامہ بن زید نے آپ کو قبر میں اتارا۔[97]

4 حضرت رُقیّہ

آپ کی ولادت اعلانِ نبوت سے سات سال پہلے مکہ مکرمہ میں ہوئی۔ آپ کی ولادت کے وقت حضور کی عمر مبارک 33 سال تھی۔ آپ کا پہلا نکاح بعثتِ نبوی سے قبل عتبہ بن ابو لہب سے ہوا مگر رخصتی سے قبل سورۂ لہب نازل ہوئی جس میں اپنی دائمی ذلت و رسوائی کا بیان سُن کر ابو لہب آگ بگولا ہو گیا اور اپنے بیٹے عتبہ سے آپ کو طلاق دلوا دی۔ اس کے بعد آپ کا نکاح حضرت عثمانِ غنی سے ہوا۔ اس زمانے میں کہا جاتا تھا کہ سب سے خوبصورت جوڑا جو انسانوں نے دیکھا ہے وہ حضرت رقیہ اور ان کے شوہر حضرت عثمان کا ہے۔ آپ نے حضرت عثمان کے ساتھ حبشہ ہجرت فرمائی۔ حضور نے ارشاد فرمایا: اللہ پاک ان دونوں کو اپنا قرب عطا فرمائے، حضرت لوط علیہ السلام کے بعد عثمان وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنی اہلیہ کے ساتھ ہجرت کی۔ حبشہ میں نواسۂ رسول حضرت عبدُ اللہ بن عثمان کی ولادت ہوئی جو مدینہ منورہ میں 4 ھ میں 6 سال کی عمر پا کر انتقال کر گئے۔ حضور نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت رُقیہ نے مدینہ منورہ

کی جانب ہجرت کا شرف حاصل کیا۔ جنگِ بدر کے وقت آپ سخت بیمار ہو گئیں تو حضور نے حضرت عثمان کو آپ کی تیمار داری کا حکم دیا، جنگ میں شرکت نہ کرنے کے باوجود حضور نے انہیں مجاہدینِ بدر میں شمار فرمایا، مالِ غنیمت میں سے حصہ عطا فرمایا اور شرکائے بدر کے برابر اجرِ عظیم کی خوشخبری بھی عطا فرمائی۔

حضرت رُقیہ کا وصال مدینے شریف میں یومِ بدر (17 رمضان 2ھ) کو ہوا اور آپ کو جنّتُ البقیع میں دفن کیا گیا۔(98)

حضور کی نواسیاں

1 حضرت زینب بنتِ مولیٰ علی

آپ حضرت مولیٰ علی اور حضرت فاطمۃ الزہرا کی صاحبزادی اور حضراتِ حسنینِ کریمین کی سگی بہن ہیں۔ آپ حضور کی حیاتِ ظاہری میں پیدا ہوئیں۔ آپ نہایت عقل مند، دانا، فصیح و بلیغ اور فراخ دل تھیں۔ آپ کو زینبِ کبریٰ کہا جاتا ہے۔ آپ کا نکاح حضرت عبدُ اللہ بن جعفر سے ہوا، ان سے آپ کے ہاں چار بیٹے حضرت علی، عون، عباس، محمد اور ایک بیٹی حضرت اُمِّ کلثوم رضی اللہ عنہم پیدا ہوئیں۔ واقعۂ کربلا میں آپ اپنے دو بیٹوں حضرت عون اور حضرت محمد کے ساتھ تشریف لائیں اور دونوں نے راہِ حق میں جامِ شہادت نوش فرمایا۔ حضرت زینب نہایت بہادر، نڈر اور بے مثال خطیبہ تھیں۔ جب ایک شخص نے اہلِ حق پر ہونے والی ظاہری سختیوں کو اپنی فتح سمجھ کر طنز کیا تو آپ نے اسے نہایت جلال اور وقار کے ساتھ منہ توڑ جواب دیا، پھر اللہ پاک کی بارگاہ میں یوں حمد بیان فرمائی: تمام تعریفیں اللہ پاک کے لئے ہیں جس نے ہمیں حضرت محمد کے ذریعے عزت عطا فرمائی، ہمیں گناہوں کی آلودگی سے پاک کیا اور ہمیں اہلِ بیت کی عظمت سے سرفراز فرمایا۔(99)

2 حضرت اُمِّ کلثوم بنتِ مولیٰ علی

آپ حضرت فاطمہ کی بیٹی اور حضراتِ حسنینِ کریمین کی سگی بہن تھیں۔ آپ کی پیدائش ہجرت کے چھٹے سال ہوئی اور آپ کو حضور کی زیارت کا شرف بھی حاصل ہوا۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروقِ اعظم کی درخواست پر حضرت علی المرتضیٰ نے آپ کا نکاح ان سے فرما دیا۔ اس نکاح سے آپ کے صاحبزادے حضرت زید بن عمر اور صاحبزادی حضرت رقیہ پیدا ہوئیں۔ حضرت عمر کی شہادت کے بعد آپ کا نکاح اپنے چچازاد بھائی حضرت عون بن جعفر سے ہوا۔ ان کے وصال کے بعد ان کے بھائی حضرت محمد بن جعفر سے اور پھر ان کے انتقال کے بعد حضرت عبدُ اللہ بن جعفر سے نکاح ہوا۔ ان تینوں بھائیوں سے آپ کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ آپ اور آپ کے بیٹے حضرت زید بن عمر ایک ہی دن اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ حضرت سعید بن عاص نے دونوں کی ایک ساتھ نمازِ جنازہ پڑھائی۔(100)

3 حضرت اُمامہ بنتِ ابو العاص

آپ حضرت زینب کی صاحبزادی تھیں۔ کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ حضور انہیں کندھے پر اُٹھائے نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔ جب آپ سجدے میں جاتے تو انہیں نیچے رکھ دیتے اور جب سجدے سے اُٹھتے تو دوبارہ اُٹھا لیتے تھے۔ (یاد رہے کہ اگر چھوٹے بچے کا جسم اور کپڑے پاک ہوں اور اُتارنے اور گود میں لینے میں عملِ کثیر لازم نہ آتا ہو تو چھوٹے بچے کو گود میں لے کر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ مزید دیکھیے: نُزہۃُ القاری، 2/198)

ایک مرتبہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے حضور کی خدمت میں بطورِ ہدیہ ایک جوڑا بھیجا، جس کے ساتھ سونے کی ایک انگوٹھی بھی تھی۔ حضور نے یہ انگوٹھی حضرت اُمامہ کو عطا فرمائی۔ اسی طرح حضور نے ایک قیمتی ہار اپنے دستِ مبارک سے حضرت اُمامہ کو پہنایا۔ حضرت فاطمہ کے وصال کے بعد، ان کی وصیت کے مطابق حضرت علی المرتضیٰ نے حضرت اُمامہ سے نکاح فرما لیا۔ اس نکاح سے ایک صاحبزادے، محمد اَوسط بن علی پیدا ہوئے۔ حضرت علی کی شہادت کے بعد آپ کا نکاح حضرت مغیرہ بن نوفل یا حضرت ابو الہیاج بن ابو سفیان بن حارث بن عبد المطلب سے ہوا۔ آپ کی کوئی اولاد باقی نہ رہی۔(101)

4 حضرت زینب بنتِ زید بن حارثہ

حضور کی نواسی نہیں ہیں بلکہ منہ بولے بیٹے حضرت زید کی صاحبزادی اور محبِّ رسول حضرت اسامہ بن زید کی بہن ہیں۔ جب حضرت زید بن حارثہ شہید ہوئے تو حضور ان کے گھر تشریف لائے تو یہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں، انہیں دیکھ کر پیارے آقا کی آنکھیں بھی نم ہو گئیں۔ (102)

حضور کی رضاعی مائیں

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ امام ابو بکر ابنِ عربی کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں: لَمْ تُرْضِعْهُ مُرْضِعَةٌ اِلَّا اَسْلَمَتْ حضور کو جتنی بیبیوں نے دودھ پلایا سب اسلام لائیں۔ (103)

1 حضرت بی بی ثُوَیبَہ اسلمیہ

آپ ابولہب کی لونڈی تھیں، جس نے حضور کی پیدائش کی خوشی میں آپ کو آزاد کر دیا۔ آپ نے حضرت حلیمہ سعدیہ سے پہلے حضور کو چار ماہ دودھ پلایا۔ حضرت حمزہ بن عبدُ المطلب اور حضرت ابو سلمہ مخزومی نے بھی آپ سے دودھ پیا تھا۔ آپ دولتِ ایمان سے مشرَّف ہوئیں۔ حضرت خدیجہ آپ کی تعظیم فرماتیں، حضور آپ کا اکرام فرماتے اور مدینے شریف سے کپڑے وغیرہ بطورِ تحائف بھیجتے۔ آپ کا وصال 7ھ غزوۂ خیبر کے بعد (غالباً صفر المظفر) میں ہوا۔ (104)

2 حضرت اُمِّ ایمن برکۃ بنتِ ثعلبہ حبشیہ

آپ حضور کی رضاعی والدہ تھیں۔ آپ نے حضور سے بے پناہ محبت کی اور آپ کی خدمت کی عظیم سعادت حاصل کی۔ آپ حضرت زید بن حارثہ کی زوجہ، حضرت اُسامہ بن زید کی والدہ اور قدیم الاسلام صحابیہ تھیں۔ حضور فرمایا کرتے تھے: اُمُّ اَیْمَنَ اُمِّیْ بَعْدَ اُمِّیْ یعنی اُمِّ ایمن میری ماں کے بعد میری ماں ہیں۔ آپ کا پہلا نکاح عبید بن زید سے ہوا، جن سے حضرت ایمن پیدا ہوئے۔ بعد ازاں حضور نے فرمایا: جو کسی جنّتی عورت سے نکاح کرنا چاہے، وہ اُمِّ ایمن سے نکاح کرے۔ چنانچہ حضرت زید بن حارثہ نے آپ سے نکاح کیا اور اس نکاح سے محبوبِ رسول حضرت اُسامہ بن زید پیدا ہوئے۔ آپ نے حبشہ اور مدینہ دونوں کی طرف ہجرت فرمائی۔ ہجرتِ مدینہ کے دوران آپ کے پاس پانی نہ تھا، شدتِ پیاس سے آپ وصال کے قریب پہنچ گئیں۔ آپ خود بیان فرماتی ہیں کہ جب سورج غروب ہو گیا تو میں نے دیکھا کہ سفید رسی سے بندھا ہوا پانی کا ایک ڈول آسمان سے لٹکا ہوا ہے۔ جب وہ میرے قریب آیا تو میں نے اسے پکڑ کر خوب سیر ہو کر پانی پیا۔ آپ فرماتی تھیں کہ اس واقعے کے بعد میں سخت گرمی کے دنوں میں دھوپ میں پھرتی تھی تاکہ پیاس لگے، مگر اس کے باوجود مجھے پیاس محسوس نہ ہوتی تھی۔ آپ جہاد کے مواقع پر زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی اور مجاہدین کی خدمت انجام دیتی تھیں۔ آپ کثرت سے روزے رکھنے والی، نہایت عبادت گزار اور اللہ پاک کے خوف سے گریہ وزاری کرنے والی عظیم خاتون تھیں۔ آپ کا وصال شعبان یا رمضان المبارک 10ھ میں یا بعض روایات کے مطابق محرم الحرام 23ھ میں ہوا۔ (105)

3 حضرت حلیمہ سعدیہ بنتِ ابو ذویب عبدُ اللہ بن حارث

آپ کا تعلق مضافاتِ طائف کے قبیلہ بنو سعد بن بکر سے ہے۔ یہ قبیلہ اپنی زبان کی شیرینی، فصاحت و بلاغت کے باعث پورے عرب میں ضربُ المثل تھا۔ آپ حسب و نسب، حلم و وقار، شرافت اور سعادت میں ممتاز تھیں اور اپنی قوم میں معزز و محترم مقام رکھتی تھیں۔ آپ کے شوہر کا نام حضرت حارث بن عبدُ العزّٰی بن رفاعہ ہے۔ حضور سے عرض کی گئی کہ آپ سے بڑھ کر کوئی فصیح نہیں دیکھا گیا، تو آپ نے فرمایا: ایسا کیوں نہ ہو، میں قبیلہ قریش کا فرزند ہوں اور رضاعت کا زمانہ قبیلہ بنو سعد میں گزارا ہے۔ جب حضرت حلیمہ سعدیہ اپنے علاقے سے اپنے شوہر اور ایک بچے کے ہمراہ مکہ مکرمہ روانہ ہوئیں تو اس وقت سخت قحط کا زمانہ تھا۔ فاقہ کشی کے باعث آپ کی چھاتی میں اتنا دودھ نہ تھا جو آپ کے بچے کے لئے کافی ہو۔ آپ کے پاس ایک کمزور خاکستری گدھی اور ایک بوڑھی اونٹنی تھی۔ بچہ بھوک کی وجہ سے ساری رات روتا رہتا تھا۔ جب آپ مکہ مکرمہ پہنچیں اور

حضور کو دیکھا تو آپ بے حد متاثر ہوئیں اور آپ کو اپنی گود میں لے لیا۔ قافلے میں واپس آکر جب حضور کو دودھ پلانے کے لئے اپنی گود میں لٹایا تو آپ نے پہلے دائیں چھاتی سے دودھ نوش فرمایا، پھر آپ کے رضاعی بھائی حضرت عبدُ اللہ نے دودھ پیا۔ حضور کی برکت سے دونوں نے خوب سیر ہو کر دودھ پیا۔ حضور کی مزید برکت کا ظہور یہ ہوا کہ کمزور گدھی توانا ہوگئی اور اونٹنی خوب دودھ دینے لگی۔ حضور نے حضرت حلیمہ سعدیہ کے ہاں تقریباً پانچ برس قیام فرمایا اور وہاں بکریاں چرانے کی سعادت بھی حاصل کی۔ حضور کے حضرت خدیجہ سے نکاح کے بعد حضرت حلیمہ سعدیہ مکہ مکرمہ آئیں اور قحط سالی کا ذکر کیا تو حضرت خدیجہ نے آپ کو بیس بھیڑیں اور چند بکریاں عطا فرمائیں۔ اعلانِ نبوت کے بعد بھی حضرت حلیمہ سعدیہ حضور کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئیں، اپنے شوہر کے ساتھ اسلام قبول کیا اور بیعت کا شرف حاصل کیا۔ حضرت حلیمہ سعدیہ کی آمد پر حضور نے فرمایا: اُمّی، اُمّی یعنی میری ماں! میری ماں! پھر اپنی چادر بچھا کر آپ کو اس پر بٹھایا۔ جب آپ امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیق کے پاس تشریف لائیں تو انہوں نے بھی آپ کی بڑی عزت و تکریم کی اور امیر المومنین حضرت عمر فاروق نے بھی آپ کے ساتھ یہی حسنِ سلوک فرمایا۔ آپ کی تربت جنتُ البقیع مدینہ شریف میں ہے۔(106)

حضور کی رضاعی بہنیں

1 حضرت شیماء بنتِ حارث بن عبدُ العزیٰ

حضرت حلیمہ سعدیہ کی بیٹی ہیں۔ آپ کا نام شیماء کے علاوہ شیماء، خدامہ اور حذامہ بھی آیا ہے۔ آپ نے حضور کی پرورش میں حصہ لیا۔ حضور کو کندھے پر اٹھاتیں، لوریاں دیتیں اور محبت کیا کرتی تھیں۔ غزوۂ حنین کے موقع پر جب قبیلۂ ہوازن کے قیدی لائے گئے تو ان میں حضرت شیماء بھی تھیں، آپ کو پہچان کر حضور کی بچپن کی یادیں تازہ ہوگئیں اور رحمت و محبت کے آنسو آپ کی آنکھوں سے بہہ نکلے۔ پھر اپنی چادر مبارک زمین پر بچھا کر ان کو نہایت عزت و احترام سے بٹھایا۔ اس کے بعد حضور نے آپ کو اختیار دیا کہ اگر چاہیں تو میرے پاس ٹھہر جائیں، یہاں انہیں عزت و محبت ملے گی اور اگر چاہیں تو اپنی قوم کے پاس چلی جائیں۔ آپ نے اسلام قبول کر کے قوم میں واپس جانا چاہا تو حضور نے آپ کو تین غلام اور ایک باندی اور ایک یا دو اونٹ دینے کا حکم فرمایا۔ پھر ارشاد فرمایا کہ ابھی جعرانہ چلی جائیں، وہاں اپنی قوم کے پاس ٹھہریں، میں طائف جارہا ہوں، واپسی پر دوبارہ ملاقات ہوگی۔ جب حضور طائف سے واپس ہوئے تو جعرانہ میں حضرت شیماء سے دوبارہ ملاقات فرمائی۔ اس موقع پر حضور نے آپ کو بے شمار بکریاں اور بھیڑیں عطا فرمائیں اور آپ کے گھر کے دیگر افراد کو بھی انعامات و عطیات سے نوازا۔ آپ کی سفارش سے آپ کی قوم کے چھ ہزار قیدی آزاد ہو گئے۔ علامہ حلبی فرماتے ہیں: اس سے بڑھ کر شریفانہ معاملہ دنیا میں کبھی دیکھنے میں نہیں آیا اور نہ شیماء سے زیادہ کوئی عورت اپنی قوم کے لئے باعثِ برکت ثابت ہوئی۔(107)

2 حضرت آسیہ بنتِ حارث بن عبدُ العزیٰ

حضرت حلیمہ سعدیہ کی بیٹی، حضرت شیماء بنتِ حارث کی بہن اور حضور کی رضاعی بہن تھیں۔(108) مزید تفصیل معلوم نہ ہوسکی۔

3 حضرت ام الحکم یااُمِّ حکیم بنتِ زبیر بن عبدُ المطلب

حضور کی رضاعی اور چچازاد بہن ہیں۔ حضور مدینہ منورہ میں ان سے ملنے جایا کرتے تھے۔ آپ کا نکاح حضرت ربیعہ بن حارث بن عبدُ المطلب سے ہوا تھا۔(109) ان کی تفصیل حضور کی چچازاد بہنیں کے عنوان کے تحت بیان کی گئی ہے۔

---

1 نسب قریش لمصعب، ص17 2 اصابہ، 8/8، رقم:10791، طبقات کبیر، 1/73، طبقات ابنِ سعد، 8/35، استیعاب، 2/323، 4/343، اسد الغابہ، 7/10 3 اصابہ، 8/33، 34، رقم:10864 4 اصابہ، 8/229، رقم:11455 5 اصابہ، 8/213تا215، رقم:11411 6 اصابہ، 8/9، 10، رقم:10793 7 اصابہ، 8/176تا178، رقم:11296 8 اسد الغابہ، 7/78، 79 9 اصابہ، 8/373، 374، رقم:11966 10 نسب قریش لمصعب، ص19، 20 11 اصابہ، 8/373، رقم:

11962، نسب قریش لمصعب، 20 (12) اصابہ، 8/286، رقم:11649 (13) نسب قریش لمصعب، ص17، 18 (14) اصابہ، 8/268، رقم:11588، معجم اوسط، 5/165،
حدیث:6935، نسب قریش لمصعب، ص91 (15) اصابہ، 8/119، 120، رقم:11132 (16) اصابہ، 8/184، 185، رقم:11323 (17) سیر اعلام النبلاء، 3/543،
الثقات لابن حبان، 1/430، مدارج النبوۃ مترجم، 2/579 (18) اصابہ، 8/22، 23، رقم:10822، 8/41، رقم:10902، سیرۃ سید الانبیاء، ص410، 411 (19) اصابہ،
8/270، 271، رقم:11593 (20) اصابہ، 8/183، رقم:11316 (21) اصابہ، 8/373، رقم:11960 (22) اصابہ، 8/41، رقم:10899 (23) نسب قریش لمصعب، ص28
(24) نسب قریش لمصعب، ص28، اصابہ، 8/466، رقم:12238 (25) بخاری، 1/397، حدیث:1176، معجم کبیر، 3/66، حدیث:2682، اصابہ، 8/485، رقم:12289،
استیعاب، 4/517، 518، اسد الغابہ، 7/442 (26) اصابہ، 8/147، رقم:11209، 8/424، رقم:12119 (27) طبقات ابن سعد، 8/39 (28) استیعاب، 4/395،
معرفۃ الصحابہ، ص3324، اصابہ، 8/127، 128، رقم:11154، اسد الغابہ، 7/114 (29) اصابہ، 8/99، رقم:11087، طبقات ابن سعد، 8/40 (30) اصابہ، 8/239،
رقم:11478 (31) اصابہ، 8/7، رقم:10788، طبقات ابن سعد، 8/40 (32) اصابہ، 8/342، رقم:11848 (33) اصابہ، 8/10، رقم:10794 (34) اصابہ، 8/348،
رقم:11866، طبقات ابن سعد، 8/39 (35) اصابہ، 8/444، رقم:12190 (36) اصابہ، 8/220، رقم: 11429 (37) اصابہ، 8/213، رقم: 11411، 8/394،
رقم:12029، طبقات ابن سعد، 8/38 (38) اصابہ، 8/377، 378، رقم:11976 (39) نسب قریش لمصعب ص84، اصابہ 8/271 (40) اصابہ، 8/336، رقم:11819
(41) اصابہ، 8/228، رقم:11453 (42) طبقات ابن سعد، 4/37 (43) طبقات ابن سعد، 4/37 (44) اصابہ، 8/7، رقم:10789 (45) اصابہ، 8/31، رقم:10854
(46) اصابہ، 8/344، رقم:11852 (47) اصابہ، 8/480، رقم:12271 (48) اصابہ، 8/136، 137، رقم:11182، طبقات ابن سعد، 8/41 (49) بخاری، 2/355،
حدیث:3140 (50) اصابہ، 8/341، رقم:11843 (51) اصابہ، 8/99، رقم:11091 (52) اصابہ، 8/104، رقم:11094 (53) اصابہ، 8/215، رقم: 11412
(54) اصابہ، 8/148، رقم:11211 (55) اصابہ، 8/144، رقم: 11196 (56) اصابہ، 8/97، رقم:11083، 8/385، رقم:12003 (57) اصابہ، 8/180، رقم:
11304 (58) اصابہ، 8/235، رقم:11463 (59) طبقات ابنِ سعد، 1/105، 8/11 (60) بخاری، 2/565، حدیث:3821، امتاع الاسماع، 6/27 (61) مسلم، ص
1017، حدیث:2442، مجمع الزوائد، 9/389، حدیث: 15318، ترمذی، 5/471، حدیث:3909، زرقانی علی المواہب، 4/381، 392 (62) طبقات ابن سعد،
8/65 تا 69، فیضان امہات المومنین، ص94 تا 115 (63) اصابہ، 8/153 تا 155، رقم:11227 (64) شرح زرقانی، 4/416، اصابہ، 8/157، رقم:11236 (65)
مستدرک، 5/27، 29، طبقات ابن سعد، 8/76، 77، 79 (66) شرح زرقانی علی المواہب، 4/377، 380، اصابہ، 8/196، 197، رقم:11363، طبقات ابن سعد،
8/42 (67) فتح الباری، 6/294، تحت الحدیث:2733، اصابہ، 8/342، 343، رقم:11849، طبقاتِ ابن سعد، 8/69 (68) اصابہ، 8/322 تا 324، رقم:11793،
شرح زرقانی علی المواہب، 4/423، سبل الہدی و الرشاد، 11/144-207 تا 209، سیرۃ سید الانبیاء، ص408 (69) مسلم، ص911، حدیث:5606، ابو داود، 4/30،
حدیث:3931، استیعاب، 4/366، 367، شرحِ زرقانی، 4/427، 428 (70) استیعاب، 4/426، اصابہ، 8/210، رقم:11407، فیضان امہات المومنین، ص 309
(71) اصابہ، 8/310، 311، رقم:11741، البدایہ والنہایہ، 4/301 (72) طبقات ابن سعد، 8/201، شرح زرقانی، 5/550، اصابہ، 8/29، 31، 32، اسد الغابہ،
7/32 (73) اصابہ، 8/338، 339، رقم: 11832 (74) اصابہ، 8/386، رقم:12010 (75) طبقات ابن سعد، 8/216، المنتظم، 3/291، استیعاب، 4/489
(76) اصابہ، 8/12 تا 14، رقم:10804، طرح التثریب، 7/276 (77) اصابہ، 8/159، رقم:11240 (78) اصابہ، 8/239، رقم:11477 (79) اصابہ، 8/378،
رقم: 11977 (80) اصابہ، 8/339، رقم:11835 (81) اصابہ، 8/461، رقم:12227 (82) اصابہ، 8/339، 340، 377 (83) اصابہ، 8/163، رقم:11256
(84) تاریخ ابن عساکر، 19/482 (85) تاریخ ابن عساکر، 70/225 (86) اصابہ، 8/167، رقم: 11268، طبقات ابن سعد، 5/188 (87) اصابہ، 8/243، رقم:
11496 (88) طبقات ابن سعد، 8/206، اصابہ، 8/286، رقم:11649 (89) اصابہ، 8/347، رقم: 11861 (90) تاریخ ابن عساکر، 3/209، طبقات ابن سعد،
8/337، اصابہ، 8/160، رقم:11241، اسد الغابہ، 7/145 (91) اصابہ، 8/126، رقم:11153، استیعاب، 4/394، اسد الغابہ، 7/113 (92) اصابہ 8/461،
462، رقم:12228 (93) اصابہ، 8/80، 141، 142 (94) معجم کبیر، 3/66، حدیث:2682 (95) ترمذی، 5/466، حدیث:3898 ملخصاً، معجم کبیر، 22/399، حدیث:
995، شرح زرقانی علی المواہب، 4/331، 337 (96) طبقات ابن سعد، 8/28، 25، سیر اعلام النبلاء، 3/501، معرفۃ الصحابہ، ص3194 (97) اصابہ، 8/460، 461،
رقم:12226 (98) شرح زرقانی علی المواہب، 4/323، 324، استیعاب، 4/398 تا 400، طبقات ابن سعد، 8/30، 29، اسد الغابہ، 7/126، معرفۃ الصحابہ، ص3196،
3197 ماخوذاً (99) اسد الغابہ، 7/146، تاریخِ ابن عساکر، 69/174، الکامل فی التاریخ، 3/435 ماخوذاً، سوانح کربلا، ص127 (100) سیر اعلام النبلاء، 5/22، طبقات ابن
سعد، 8/338، 340، اصابہ، 8/464، 465، رقم:122371 (101) بخاری، 1/192، حدیث:516، مسند ابی یعلی، 4/86، صفۃ الصفوۃ، 1/163، شرح زرقانی علی
المواہب، 4/321 ملخصاً، اصابہ، 8/24 تا 26، رقم:10828 (102) اصابہ، 8/158، رقم:11239 (103) فتاویٰ رضویہ، 30/295 (104) بخاری، 3/432، حدیث:
5101، طبقات ابن سعد، 1/87، مدارج النبوت، 2/19 (105) حلیۃ الاولیاء، 2/80، رقم: 1531، اصابہ 8/359، شرح زرقانی علی المواہب، 1/308، فتاویٰ رضویہ،
30/296 (106) سیرۃ نبویہ لابن ہشام، ص66 تا 68، الروض الانف، 1/284 تا 294، مدارج النبوت، 2/19، 494، المنتظم، 2/270 (107) اصابہ، 8/205، 206،
رقم:11390، سبل الہدی والرشاد، 5/333، سیرتِ حلبیہ، 3/178 (108) طبقات ابن سعد، 1/89، مواہب لدنیہ، 1/427 (109) اصابہ، 8/377، 378، رقم:11976



حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیاں

محترمہ اُمِّ مصطفےٰ مدنیہ عطاریہ*

اسلام سے پہلے کا زمانہ جسے دورِ جاہلیت کہا جاتا ہے، انسانیت کے لئے ایک تاریک دور تھا۔ اس زمانے میں بیٹی کی حیثیت نہایت کمزور، ذلت آمیز اور دردناک تھی۔ عرب معاشرہ بیٹے کو طاقت، عزت اور نسل کی بقا کی علامت سمجھتا تھا، جبکہ بیٹی کو معاشی بوجھ اور شرمندگی کا باعث سمجھا جاتا تھا۔ یہی سوچ بیٹیوں پر ہونے والے بدترین مظالم کی بنیاد بنی۔

دورِ جاہلیت کا سب سے سنگ دل رواج بیٹیوں کو زندہ دفن کرنا تھا۔ کچھ لوگ غربت کے خوف سے اور کچھ اپنی نام نہاد عزت کی حفاظت کے لئے اپنی معصوم بیٹیوں کو دفن کر دیتے تھے۔ یہ وہ ظلم تھا جسے سن کر آج بھی دل کانپ اٹھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کسی کو بیٹی کی پیدائش کی خبر دی جاتی تو اس کا چہرہ غم اور غصے سے سیاہ ہو جاتا تھا۔ وہ لوگوں سے چھپتا پھرتا کہ معاشرہ اسے طعنے نہ دے۔ قرآنِ کریم نے اس کیفیت کو یوں بیان کیا ہے: وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّ هُوَ كَظِیْمٌۚ(۵۸) (پ14، النحل:58) ترجمہ: اور جب ان میں کسی کو بیٹی ہونے کی خوشخبری دی جاتی ہے تو دن بھر اس کا منہ کالا رہتا ہے اور وہ غصے سے بھرا ہوتا ہے۔

اسلام سے پہلے عورت کو ایک مالِ تجارت سمجھا جاتا تھا۔ باپ کے انتقال کے بعد بیٹی یا بیوی کو بھی وراثت میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ اسے اپنی مرضی سے زندگی گزارنے، تعلیم حاصل کرنے یا شادی کے فیصلے کرنے کا کوئی اختیار نہیں تھا۔ اس کی آواز نہ گھر میں سنی جاتی تھی اور نہ ہی معاشرے میں اس کی کوئی اہمیت تھی۔

الغرض اسلام سے پہلے عورت کی زندگی خوف، بے قدری اور ظلم کی تصویر تھی۔ مگر اسلام نے آکر اس کو عزت، وقار اور بلند مقام عطا کیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے بیٹی کو رحمت قرار دیا اور اس کی پرورش کو جنت کا ذریعہ بتایا۔ اسلام نے بیٹی کو زندگی جینے کا حق دیا، اسے وراثت میں حصہ دیا اور اس کی رضامندی کے بغیر نکاح کو ناجائز قرار دیا۔ اسلام نے لوگوں کی سوچ بدلی اور بیٹی کو بوجھ کے بجائے رحمت کہا، بیٹی کو ذلت سے نکال کر عزت کا تاج پہنایا اور اسے ایک باوقار انسان کی حیثیت دی۔ آج بھی اگر معاشرہ اسلام کی تعلیمات پر عمل کرے تو ہر بیٹی محفوظ اور باعزت زندگی گزار سکتی ہے۔ چنانچہ،

* مبلغہ ومعلمہ، ڈنمارک

حضور نے عملی طور پر اپنی بیٹیوں کے ساتھ جس محبت، احترام اور شفقت کا برتاؤ فرمایا وہ اسلامی تعلیمات کی زندہ تفسیر ہی نہیں، بلکہ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ بیٹی باعثِ عزت ہے نہ کہ باعثِ ندامت۔ حضور نے اپنی بیٹیوں کی تربیت ایمان، حیا، وقار اور صبر پر فرمائی اور ان کے نکاح میں رضا مندی، مہر اور حسنِ سلوک کا بھرپور خیال رکھا۔ تنگ دستی کے باوجود انہیں صبر، قناعت اور اللہ پاک پر توکل کا عملی نمونہ دیا اور ثابت فرما دیا کہ بیٹی رحمت، عزت اور معاشرے میں احترام کی سب سے زیادہ مستحق ہے۔ ذیل میں حضور کی بیٹیوں کا مختصر تذکرہ پیشِ خدمت ہے، تاکہ یہ واضح ہو کہ حضور نے اپنی بیٹیوں کی تربیت کیسے فرمائی:

حضور کی بیٹیوں کا تعارف

اللہ پاک نے حضور کو چار بیٹیوں سے نوازا:

1. حضرت زینب
2. حضرت رقیہ
3. حضرت اُمِ کلثوم
4. حضرت فاطمۃ الزہرا

حضرت زینب: ایمان، صبر اور وفا کی مثال

حضرت زینب حضور کی سب سے بڑی صاحبزادی تھیں۔ آپ کی پوری زندگی ایمان، صبر، وفاداری اور قربانی کی ایک روشن مثال ہے۔ آپ کا نکاح اسلام سے پہلے اپنے خالہ زاد بھائی ابو العاص بن ربیع سے ہوا تھا۔ یہ وہ دور تھا جب اسلام کی روشنی ابھی عام نہ ہوئی تھی اور حق و باطل کے درمیان سخت ٹکراؤ جاری تھا۔ جب حضور نے نبوت کا اعلان فرمایا تو حضرت زینب فوراً ایمان لے آئیں، مگر ان کے شوہر اگرچہ مسلمان نہ ہوئے، لیکن انہوں نے سیدہ زینب کا ساتھ بھی نہ چھوڑا، بلکہ کفارِ مکہ نے جب سیدہ زینب کو طلاق دینے پر زور دیا تو آپ نے انہیں منہ توڑ جواب دیا اور بتا دیا کہ وہ ایسا ہرگز نہ کریں گے۔[1] یہی وجہ ہے کہ بعد میں حضور نے ان کا شکریہ بھی ادا فرمایا۔[2]

مکے میں کفار کی طرف سے مسلمانوں پر ہونے والے مظالم کے دوران حضرت زینب نے اپنے ایمان کو مضبوطی سے تھامے رکھا۔ مگر شوہر کے اسلام نہ لانے کے باعث شدید آزمائش میں مبتلا رہیں۔ مثلاً: غزوۂ بدر کے موقع پر جب ابو العاص کفار کی طرف سے لڑنے نکلے تو وہ مسلمانوں کے ہاتھوں قیدی بن گئے۔ ان کی رہائی کے لئے حضرت زینب نے اپنا وہ ہار بطور فدیہ بھیجا جو حضرت خدیجہ نے انہیں دیا تھا۔ جب حضور نے یہ ہار دیکھا تو آپ کی آنکھیں نم ہو گئیں اور آپ نے صحابہ سے مشورے کے بعد ابو العاص کو بغیر فدیہ کے رہا کرنے کا فیصلہ فرمایا، اس شرط پر کہ وہ حضرت زینب کو مکے سے مدینے بھیج دیں گے۔[3] چنانچہ مدینے کی طرف ہجرت کے دوران حضرت زینب کو سخت تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ کفار نے راستے میں ان پر حملہ کیا، جس کے نتیجے میں وہ شدید زخمی ہو گئیں اور بعد میں یہی زخم ان کی وفات کا سبب بنا۔ اس کے باوجود انہوں نے ہجرت کا سفر صبر اور استقامت کے ساتھ پورا کیا۔ کچھ عرصے بعد ابو العاص مدینے آئے اور اسلام قبول کر لیا۔ حضور نے تجدیدِ نکاح کے بعد حضرت زینب کو ان کے شوہر کے ساتھ دوبارہ رخصت فرمایا۔[4]

یہ واقعہ ان کی وفاداری، محبت اور صبر کی خوبصورت مثال ہے کہ انہوں نے ہر حال میں دین اور رشتوں دونوں کا احترام قائم رکھا۔ حضرت زینب کی زندگی ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ ایمان صرف زبان کا اقرار نہیں بلکہ قربانی، صبر اور ثابت قدمی کا نام ہے۔ انہوں نے دکھ، جدائی، زخم اور تکلیف کے باوجود اپنے ایمان پر کبھی سمجھوتہ نہیں کیا۔ وہ ایک ایسی بہترین بیٹی، بیوی اور بے مثال مسلمان خاتون تھیں جو ہر آزمائش میں دین پر مضبوطی سے قائم رہیں۔

حضرت رقیہ: ہجرتِ حبشہ اور قربانی کا نمونہ

حضرت رقیہ حضور کی دوسری صاحبزادی تھیں۔ آپ کی زندگی بھی ایمان، صبر اور قربانی کی روشن مثال ہے۔ آپ نے نہایت نازک حالات میں اسلام قبول کیا اور اللہ اور اس کے رسول کی رضا کے لئے ایسی ایسی قربانیاں پیش کیں جو تاریخِ اسلام

میں ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ حضرت رقیہ کا نکاح پہلے ابو لہب کے بیٹے عتبہ سے ہوا تھا، ابھی رخصتی نہ ہوئی تھی[5] کہ حضور کے اعلانِ نبوت فرمانے کی وجہ سے ابو لہب اور اس کا گھرانا حضور کا دشمن بن گیا اور نتیجے میں عتبہ نے حضرت رقیہ کو طلاق دے دی۔[6] یہ حضرت رقیہ کی اسلام کی خاطر زندگی کی پہلی بڑی قربانی تھی، جسے آپ نے صبر اور استقامت کے ساتھ برداشت کیا۔ بعد میں حضرت رقیہ کا نکاح حضرت عثمان بن عفان سے ہوا جو ایمان اور شرافت میں ممتاز صحابی تھے۔

جب مکے میں مسلمانوں پر ظلم و ستم بڑھ گیا تو حضور نے صحابہ کو حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت دی۔ حضرت رقیہ اور حضرت عثمان اسلام کے پہلے مہاجر جوڑے تھے جنہوں نے اللہ پاک کے دین کی خاطر اپنا وطن، خاندان اور آرام دہ زندگی چھوڑ دی۔ اس ہجرت کو حضور نے حضرت ابراہیم اور حضرت لوط کی ہجرت کے مشابہ قرار دیا،[7] جو اس عمل کی عظمت کو ظاہر کرتا ہے۔ حبشہ میں حضرت رقیہ نے پردیس میں نہایت صبر آزما حالات گزارے۔ وطن کی جدائی، حضور سے دوری اور اجنبی سرزمین پر قیام آسان نہ تھا، مگر آپ نے ہر تکلیف کو اللہ پاک کی رضا کے لئے خوش دلی سے برداشت کیا۔ یہ ہجرت حضرت رقیہ کی قربانی، مضبوط ایمان اور بے مثال صبر کا واضح ثبوت ہے۔

بعد ازاں حضرت رقیہ اپنے شوہر کے ساتھ مدینے ہجرت فرما گئیں۔ غزوۂ بدر کے موقع پر آپ سخت بیمار ہو گئیں۔ حضور کے حکم پر حضرت عثمان جنگ میں شریک نہ ہو سکے اور آپ کی تیمارداری میں مصروف رہے، مگر حضور نے انہیں پورا اجر عطا فرمایا جو بدر کے مجاہدین کو ملا۔ اسی دوران حضرت رقیہ 2 ہجری میں وفات پا گئیں۔ یہ وہ دن تھا جب غزوۂ بدر کی فتح کی خبر مدینہ میں پہنچی۔ حضرت رقیہ کی وفات نہایت کم عمری میں ہوئی، مگر ان کی زندگی قربانیوں سے بھرپور تھی۔ آپ نے اپنی زندگی دینِ اسلام کی سربلندی کے لئے وقف رکھی جس سے ہمیں یہ سیکھنے کو ملتا ہے کہ ایمان صرف زبانی دعویٰ نہیں، بلکہ وقت آنے پر ہر قربانی پیش کرنے کا نام ہے۔

حضرت اُمِ کلثوم: وقار و وفاداری کی پیکر

حضرت اُمِّ کلثوم حضور کی تیسری صاحبزادی تھیں۔ آپ کی حیاتِ طیبہ بھی وقار، صبر، وفاداری اور اعلیٰ اخلاق کا حسین نمونہ ہے۔ اگرچہ اسلامی تاریخ میں آپ کا ذکر نسبتاً مختصر ملتا ہے، مگر جو واقعات محفوظ ہیں وہ آپ کے بلند کردار، استقامت اور اطاعتِ رسول کا واضح ثبوت ہیں۔

حضرت اُمِّ کلثوم کا نکاح ابتدا میں ابو لہب کے بیٹے عُتیبہ سے ہوا تھا۔ جب اسلام کی دعوت عام ہوئی اور حضور نے حق کا پیغام پہنچانا شروع کیا تو ابو لہب اور اس کا گھرانا دشمن بن گیا، جس کی بنا پر عُتیبہ نے حضرت اُمِّ کلثوم کو طلاق دے دی۔[8] اور حضور سے بھی اس موقع پر سخت بدکلامی کی، جس سے حضور کو بڑی ہی تکلیف ہوئی۔[9] اگرچہ اس بدبخت کا انجام بہت برا ہوا، یہ واقعہ سیدہ ام کلثوم کے لئے نہایت تکلیف دہ تھا، آپ نے اسے اللہ پاک کی رضا سمجھ کر صبر کے ساتھ برداشت کیا۔ آپ نے شکوہ کیا، نہ کمزوری دکھائی، بلکہ وقار اور استقامت کی اعلیٰ مثال قائم کی۔

ہجرتِ مدینہ کے بعد سیدہ رقیہ کی وفات کے بعد حضور نے آپ کا نکاح حضرت عثمان بن عفان سے کر دیا۔ اسی وجہ سے حضرت عثمان کو ذوالنورین یعنی دو نوروں والا کہا جاتا ہے۔

حضرت اُمِّ کلثوم کی ازدواجی زندگی نہایت باوقار، محبت بھری اور وفاداری سے بھرپور رہی۔ آپ نے حضرت عثمان کے ساتھ وفا، اطاعت اور حُسنِ اخلاق کا مکمل نمونہ پیش کیا۔ حضرت عثمان بھی آپ سے بے حد محبت کرتے تھے۔ یہ رشتہ نہ صرف ایک گھریلو تعلق تھا بلکہ ایمان، صبر اور باہمی احترام کی روشن مثال تھا۔ حضرت اُمِّ کلثوم کی حیاتِ طیبہ اختصار کے باوجود عظیم اسباق اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ آپ نے زندگی کے مشکل ترین لمحات میں بھی صبر، وقار اور اللہ پاک پر کامل توکل کا دامن نہیں چھوڑا۔ 9 ہجری میں آپ کا انتقال

ہوا۔ حضور نے خود آپ کو قبر میں اتارا جو آپ کی عظمت اور مقام کی روشن دلیل ہے۔ آپ کی وفات پر حضور بے حد رنجیدہ ہوئے، جو اس بات کا ثبوت ہے کہ حضرت اُمِ کلثوم نہایت محبوب بیٹی تھیں۔

حضرت اُمِ کلثوم کی شخصیت ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ سچی وفاداری حالات کی محتاج نہیں ہوتی۔ طلاق جیسی بڑی آزمائش ہو یا ازدواجی زندگی کی ذمہ داریاں، ہر حال میں صبر، حیا، وقار اور ایمان کو قائم رکھنا ہی اصل کامیابی ہے۔

حضرت فاطمہ: سیرتِ نبوی کا عکس

سیدہ فاطمہ حضور کی سب سے چھوٹی اور نہایت محبوب صاحبزادی تھیں۔ آپ کی شخصیت سیرتِ نبوی کا عملی عکس، عبادت، زہد، حیا، صبر اور عاجزی کی کامل تصویر تھی۔ حضور کو آپ سے بے حد محبت تھی اور آپ کو جنتی عورتوں کی سردار قرار دیا گیا۔ حضرت فاطمہ کی پوری زندگی ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ عزت، عظمت اور کامیابی دنیاوی جاہ و حشمت میں نہیں بلکہ تقویٰ، عبادت اور اخلاقِ حسنہ میں پوشیدہ ہے۔

آپ کی پرورش نہایت مشکل حالات میں ہوئی۔ بچپن ہی میں والدہ محترمہ حضرت خدیجہ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ اس کے بعد آپ نے حضور کا ہر دکھ، ہر تکلیف اور ہر آزمائش میں بھرپور ساتھ دیا۔ جب کفارِ مکہ حضور کو تکلیف دیتے تو حضرت فاطمہ دوڑ کر آتیں اور پدرانہ محبت اور بیٹی کی شفقت کی لازوال مثال پیش کرتیں۔

حضرت فاطمہ کا نکاح حضرت علی سے ہوا جو فقر، سادگی اور تقویٰ کی اعلیٰ مثال تھے۔ آپ کی ازدواجی زندگی انتہائی سادہ مگر ایمان سے لبریز تھی۔ گھر میں فقر و تنگ دستی کے باوجود حضرت فاطمہ نے کبھی شکوہ نہ کیا۔ چکی پیستے پیستے ہاتھوں پر چھالے پڑ جاتے، پانی لاتے ہوئے کندھے دکھنے لگتے، مگر زبان پر صبر، شکر اور اللہ پاک کی رضا کے سوا کچھ نہ ہوتا۔ ایک موقع پر حضور نے آپ کو دنیاوی سہولت کے بجائے وہ تسبیح سکھائی جسے تسبیحِ فاطمہ کہا جاتا ہے، جو آج بھی امت کے لئے عبادت کا عظیم تحفہ ہے۔

حضرت فاطمہ عبادت میں مشغول رہنے والی، تہجد گزار اور اللہ پاک کے حضور گڑگڑا کر دعائیں مانگنے والی خاتون تھیں۔ دعا اور تسبیح میں اس قدر مشغول ہوتیں کہ پاؤں سوج جاتے۔ حضرت حسن فرماتے ہیں: میں نے اپنی والدہ کو رات بھر عبادت کرتے دیکھا، وہ مسلسل دوسروں کے لئے دعا کرتی رہیں لیکن اپنے لئے دعا نہ کی۔ جب پوچھا تو فرمایا: بیٹا! پہلے پڑوسی، پھر اپنا گھر۔ یہ جذبہ اس بلند ایثار کی دلیل ہے جو حضرت فاطمہ کے دل میں بسا ہوا تھا۔

حیا حضرت فاطمہ کی شخصیت کا نمایاں وصف تھا۔ آپ پردے، سادگی اور وقار میں بے مثال تھیں۔ ایک مرتبہ آپ نے اس بات پر تشویش کا اظہار فرمایا کہ عورت کے جنازے کے وقت جسم کا خدوخال نمایاں ہو جاتا ہے تو حضرت اسماء بنتِ عمیس نے بتایا کہ حبشہ میں میت پر ایک ڈھانچا سا بنا دیا جاتا ہے جس سے جسم کا ابھار نظر نہیں آتا۔ یہ سن کر حضرت فاطمہ نے خوشی کا اظہار کیا اور وصیت فرمائی کہ میرے ساتھ بھی ایسا ہی کیا جائے۔ یہ واقعہ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ آپ کی حیا صرف زندگی تک محدود نہ تھی بلکہ موت کے بعد بھی آپ وقار اور پردے کو مقدم رکھنے کو پسند فرماتی تھیں۔ نیز یہ واقعہ آپ کی عظیم حیا کی اعلیٰ دلیل ہے۔

ایثار بھی آپ کی شخصیت کا سب سے روشن پہلو تھا۔ ایک موقع پر آپ، حضرت علی اور دونوں بچے تین دن کے فاقے سے تھے۔ افطار کے وقت جو تھوڑا سا کھانا موجود تھا، پہلے ایک فقیر، پھر ایک یتیم اور پھر ایک قیدی آیا۔ تینوں دن سب نے اپنا کھانا سائل کو دے دیا اور خود بھوکے رہے۔ حضرت فاطمہ کو حضور سے دلی محبت تھی اور حضور بھی آپ سے بے مثال شفقت فرماتے۔ جب آپ حضور کے پاس تشریف لاتیں تو حضور کھڑے ہو جاتے، انہیں اپنی جگہ بٹھاتے اور محبت سے پیش آتے۔ اور ایک مرتبہ ارشاد فرمایا: فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے، جس نے

اسے تکلیف دی، اس نے مجھے تکلیف دی۔[10]

سیدہ فاطمہ کی زندگی ہمیں سکھاتی ہے کہ عورت کی عظمت زیورات، عہدوں یا دولت میں نہیں، بلکہ ایمان، عبادت، صبر، حیا اور اخلاق میں ہے۔ آپ ایک عظیم بیٹی، مثالی بیوی، شفیق ماں اور کامل مسلمان خاتون تھیں۔ آپ کی ذات سیرتِ نبوی کا زندہ عکس اور اُمتِ مسلمہ کے لئے ایک کامل لائحہ عمل ہے۔

بیٹیوں کی مشترکہ خصوصیات

حضور کی چاروں بیٹیاں اسلام میں بیٹی کے مقام، عزت اور کردار کی عملی اور روشن مثالیں ہیں۔ ان کی زندگیاں اس حقیقت کو واضح کرتی ہیں کہ ایک سچی مسلمان بیٹی کس طرح ایمان، اخلاق، حیا اور والدین کی اطاعت کو اپنی زندگی کا محور بناتی ہے۔ ان مقدس ہستیوں کا ہر پہلو اُمتِ مسلمہ خصوصاً بیٹیوں کے لئے عملی راہ نمائی فراہم کرتا ہے۔

ایمان و تقویٰ

ایمان اور تقویٰ حضور کی تمام بیٹیوں کی زندگی کا بنیادی وصف تھا۔ انہوں نے اپنے والد کے لائے ہوئے دین پر کامل یقین رکھا اور ہر آزمائش میں اللہ پاک کی رضا کو مقدم جانا۔ سیدہ فاطمہ کی عبادت، تسبیح اور دعاؤں میں انہماک، حضرت زینب کی ثابت قدمی اور حضرت رقیہ واُمِّ کلثوم کی ہجرت و قربانی اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ ایمان ان کی شخصیت کا مرکز تھا۔ خصوصاً حضرت فاطمہ کی یہ عادت کہ وہ دعا میں پہلے دوسروں کو یاد رکھتیں، اخلاص اور روحانی بلندی کی اعلیٰ مثال ہے۔

صبر و قناعت

صبر اور قناعت ان بیٹیوں کے کردار کا دوسرا نمایاں پہلو ہے۔ دنیاوی آسائشیں میسر نہ ہونے کے باوجود انہوں نے شکوہ نہیں کیا بلکہ مشکلات کو خندہ پیشانی سے قبول کیا۔ حضرت فاطمہ نے گھریلو مشقت میں صبر و تحمل کا وہ نمونہ پیش کیا جو رہتی دنیا تک یاد رکھا جائے گا۔ حضرت زینب نے ازدواجی اور معاشرتی مشکلات میں استقلال دکھایا، جبکہ حضرت رقیہ اور حضرت اُمِّ کلثوم نے ہجرت جیسے کٹھن مرحلے میں صبر، وقار اور توکل کی عملی تصویر پیش کی۔

حیا و خدمت

حیا اور خدمت بھی حضور کی بیٹیوں کی نمایاں صفات تھیں۔ حضرت فاطمہ کی حیا، سادگی اور خدمت گزاری مثالی تھی۔ انہوں نے والد، شوہر اور اہلِ خانہ کی خدمت کو عبادت کا درجہ دیا۔ دیگر بیٹیوں نے بھی خاندانی ذمہ داریوں کو وقار اور اخلاص کے ساتھ نبھایا، جس سے یہ پیغام ملتا ہے کہ حیا اور خدمت عورت کے حُسنِ کردار کی بنیاد ہیں۔

والد سے محبت اور اطاعت

والد سے محبت اور اطاعت میں بھی چاروں بیٹیاں ممتاز تھیں۔ حضور سے ان کا تعلق محض نسبی نہیں بلکہ روحانی، فکری اور عملی اطاعت پر مبنی تھا۔ وہ ہر معاملے میں والد کی رضا کو مقدم رکھتیں اور ان کی راہ نمائی کو اپنی زندگی کا چراغ بناتی تھیں۔

الغرض حضور کی بیٹیاں ایمان، صبر، حیا، خدمت اور والدین کی اطاعت کا جامع نمونہ ہیں۔ ان کی زندگیاں ہر دور کی بیٹی کو یہ سکھاتی ہیں کہ عزت و عظمت کا راستہ دین سے وابستگی، اخلاقی پاکیزگی اور اللہ پاک کی رضا کو مقدم رکھنے میں ہے۔ نیز یہ بیٹیاں ہمیں یہ یاد دلاتی ہیں کہ ایمان و اخلاق کے روشن چراغ کبھی مدھم نہیں پڑتے۔ چاہے دنیا کی مشکلات کتنی ہی ہوں، صبر، خدمت اور قربانی کے راستے پر چل کر ہم بھی اپنی زندگیوں کو نورانی اور بامعنی بنا سکتی ہیں۔

---

1. سبل الہدیٰ والرشاد، 11/29
2. استیعاب، 4/264
3. ابو داود، 3/83، حدیث: 2692
4. ابن ماجہ، 2/496، حدیث: 2010
5. شرح زرقانی علی مواہب، 4/322
6. سبل الہدیٰ والرشاد، 11/33
7. مستدرک، 5/60، حدیث: 6933
8. شرح زرقانی، 4/323
9. مواہب لدنیہ، 1/393
10. بخاری، 3/471، حدیث: 5230

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسیاں

محترمہ ام انوار رضا عطاریہ*

نواسی کے لغوی معنی ہیں: بیٹی کی بیٹی، بلکہ خاص طور پر بیٹی سے پیدا ہونے والی لڑکی کو کہا جاتا ہے۔ سیرتِ نبوی کی کتب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کی 4 نواسیوں کا ذکرِ خیر ملتا ہے:

سیدہ اُمامہ

حضرت بی بی زینب کی بیٹی کا نام "اُمامہ" تھا، حضور کو اپنی سب سے بڑی نواسی بی بی اُمامہ بنتِ ابو العاص رضی اللہ عنہا سے بڑی محبت تھی۔ آپ ان کو اپنے مبارک کندھوں پر بٹھا کر مسجدِ نبوی میں تشریف لے جاتے تھے۔ جیسا کہ ایک روایت میں ہے: حضور کی خدمتِ سراپا عظمت میں ایک مرتبہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی رحمۃ اللہ علیہ نے بطورِ ہدیہ حُلّہ بھیجا جس کے ساتھ سونے کی ایک انگوٹھی بھی تھی، اُس کا نگینہ حبشی تھا۔ اللہ پاک کے پیارے و آخری نبی صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم نے یہ انگوٹھی حضرت بی بی اُمامہ کو عنایت فرمائی۔[1]

اسی طرح ایک بار کسی نے حضور کو سونے کا ایک بہت ہی خوبصورت ہار تحفے میں پیش کیا، جس کی خوبصورتی دیکھ کر تمام اَزواجِ مطہرات حیران رہ گئیں۔ حضور نے اپنی پاکیزہ بیویوں سے فرمایا کہ میں یہ ہار اس کو دوں گا جو میرے گھر والوں میں مجھے سب سے زیادہ پیارا ہے۔ تمام اَزواجِ مطہرات نے یہ خیال کرلیا کہ یقیناً یہ ہار آپ بی بی عائشہ کو عطا فرمائیں گے مگر حضور نے اپنی پیاری نواسی حضرت اُمامہ بنتِ زینب کو قریب بُلایا اور اپنے مبارک ہاتھ سے یہ ہار ان کے گلے میں ڈال دیا۔[2]

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، اللہ پاک کے محبوب صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے تو اپنی نواسی حضرت اُمامہ بنتِ ابو العاص رضی اللہ عنہا کو اپنے مبارک کندھے پر اٹھائے ہوئے تھے۔ آپ نماز پڑھانے لگے تو رکوع میں جاتے وقت انہیں اتار دیتے اور جب کھڑے ہوتے تو انہیں اٹھا لیتے۔[3]

حضور کی نواسیوں سے محبت محض خاندانی شفقت نہیں بلکہ رحمتِ نبوی کا وہ حسین اظہار تھی جو نسلوں کی تربیت کا پیغام لئے ہوئے ہے۔ حضور اپنی نواسی سیدہ اُمامہ بنتِ ابو العاص سے جس محبت، توجہ اور قربت کا برتاؤ فرماتے تھے، وہ اس بات کا عملی اعلان تھا کہ نواسی بھی اولاد ہی کا تسلسل اور دل کا ٹکڑا ہوتی ہے۔ کبھی انہیں اپنے مبارک کندھوں پر بٹھا کر مسجدِ نبوی تشریف لے جانا، کبھی نماز کے دوران بھی ان کے آرام و سکون کا خیال رکھنا اور کبھی قیمتی تحائف میں انہیں ترجیح دینا، یہ سب نواسیوں کے مقام و مرتبے کو بلند کرنے کے لئے تھا۔ حضور نے سونے کی انگوٹھی اور خوبصورت ہار وغیرہ عطاؤں کے ذریعے امت کو یہ سکھایا کہ نواسیوں سے محبت، ان کی دلجوئی اور عزت افزائی ایمان کا حصہ ہے، نہ کہ کمزوری۔ اس طرزِ عمل سے حضور نے واضح فرمادیا کہ اسلام میں

* سب کونٹینیٹ نگران ساؤدرن ایشیا سری لنکا

رشتوں کی قدر صرف ذمہ داری نہیں بلکہ رحمت ہے اور نواسیوں سے محبت ایک ایسی سنت ہے جو خاندانوں میں شفقت، توازن اور قلبی سکون کو جنم دیتی ہے۔

بی بی امامہ سے حضور ہی محبت نہیں فرماتے تھے، بلکہ وہ اپنی خالہ خاتونِ جنت کی بھی آنکھوں کا تارا تھیں، چنانچہ آپ نے اپنی وفات سے پہلے مولیٰ علی، شیرِ خدا کو یہ وصیت فرمائی کہ میری وفات کے بعد میری بھانجی اور سیدہ زینب کی بیٹی اُمامہ سے نکاح کر لیجئے گا۔ (4) خاتونِ جنت کی یہ وصیت محض گھریلو انتظام کا مشورہ نہیں تھی بلکہ ایک شفیق خالہ کے دل سے نکلی ہوئی محبت اور حکمت بھری خواہش تھی۔ آپ ایک ماں کی طرح اپنی بھانجی کے مزاج، اس کی نرمی اور اس کے دل کی کیفیت سے خوب واقف تھیں اور جانتی تھیں کہ اُمامہ گھر کے ماحول، بچوں کے مزاج اور اہلِ بیت کے حالات سے مانوس ہے، اس لئے اس کی موجودگی حسن و حسین کے لئے بھی شفقت، مانوسیت اور قلبی سکون کا سبب بنے گی۔ یہ وصیت اس بات کا ثبوت ہے کہ خالہ کا رشتہ محض نسبت کا نہیں بلکہ دل کی گہرائیوں سے جڑا ہوا ہوتا ہے اور جب خالہ اپنی بھانجی کے مستقبل کی فکر کرتی ہے تو اس میں محبت کے ساتھ ساتھ خاندان کے توازن اور بچوں کی تربیت کا درد بھی شامل ہوتا ہے۔

سیدہ زینب

سیدہ خاتونِ جنت کی بڑی شہزادی حضرتِ بی بی زینب رضی اللہ عنہا کی کُنیت "اُمُّ الحسن" تھی، مگر واقعہ کربلا کے بعد ان کی کنیت "اُمُّ المصائب" مشہور ہوگئی تھی۔ (5) آپ کا نکاح حضرتِ جعفر کے صاحبزادے حضرتِ عبدُ اللہ سے ہوا اور آپ کے چار بیٹے تھے: علی، عون، عباس اور محمد۔ جبکہ ایک بیٹی اُمِّ کلثوم بھی تھی۔ (6) انہوں نے بہت مصائب برداشت کئے، بہت صبر کیا اور مشکلات کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ یہ ایسی صابرہ تھیں کہ ان کے اپنے چھوٹے چھوٹے شہزادے محمد اور عَون نے بھی کربلا کے میدان میں تلوار پکڑی اور یزیدیوں کے مقابلے میں نکل گئے، آخر کار جامِ شہادت نوش کر لیا۔ سیدہ زینب کے کئی فصیح خطبات کا تذکرہ تاریخ و سیرت کی کتب میں مذکور ہے جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ آپ محض اہلِ بیت کی ایک مظلوم خاتون ہی نہیں تھیں بلکہ علم، بصیرت، جرأتِ اظہار اور حق گوئی میں اپنے عہد کی ایک بے مثال ترجمان تھیں، جن کی زبان سے نکلے الفاظ ظلم کے ایوانوں کو لرزا دیتے اور باطل کے غرور کو خاک میں ملا دیتے تھے۔

سیدہ اُمِّ کلثوم

سیدہ خاتونِ جنّت کی سب سے چھوٹی صاحبزادی حضرت بی بی اُمِّ کلثوم شکل و صورت میں اپنی بڑی بہن حضرتِ بی بی زینب سے ملتی جلتی تھیں۔ مسلمانوں کے دوسرے خلیفہ، حضرتِ عُمر فاروقِ اعظم نے آپ سے نکاح فرمایا۔ جیسا کہ منقول ہے کہ حضرت عمر نے مولا علی، شیرِ خدا کو نکاح کا پیغام بھیجا اور کہا: اے علی! آپ اپنی شہزادی کا نکاح مجھ سے کر دیجئے کیونکہ میں نے حضور کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کل بروزِ قیامت ہر نَسَب اور رشتہ منقطع (یعنی ختم) ہو جائے گا سوائے میرے نسب اور میرے رشتے کے۔ تو یہ فضیلت پانے کے لئے فاروقِ اعظم نے مولیٰ علی کی شہزادی بی بی اُمِّ کُلثوم سے نکاح کیا اور حق مہر میں 40 ہزار درہم دیئے۔ (7)

اس نکاح پر حضرت عمر فاروق کی خوشی دیدنی تھی۔ آپ نے فوراً مسجدِ نبوی میں اپنے قریبی دوستوں اور مشیروں کو جمع کیا اور ان سے فرمایا کہ مجھے نکاح کی مبارکباد دو۔ جب انہوں نے پوچھا کہ کس سے نکاح ہوا ہے تو آپ نے فخر اور مسرت کے ساتھ بتایا کہ یہ نکاح حضرت علی کی بیٹی سے ہوا ہے۔ پھر آپ نے سارا واقعہ بیان کرتے ہوئے اس خوشی کا سبب بھی واضح کیا کہ حضور کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن ہر نسب اور تعلق منقطع ہو جائے گا سوائے حضور کے نسب اور تعلق کے، اس لئے میں نے چاہا کہ صحبت کے ساتھ ساتھ اہلِ بیت سے رشتہ داری کی سعادت بھی حاصل ہو جائے۔ یوں حضرت عمر نے اس نکاح کی خوشی نہ صرف اپنے قریبی احباب سے شیئر کی بلکہ اسے اہلِ بیت سے محبت اور حضور سے قلبی تعلق کا اظہار بھی قرار دیا۔ (8)

ایک رات حضرت عمر گشت فرمارہے تھے کہ ایک خیمے سے تکلیف کی آواز سنائی دی۔ باہر ایک شخص بیٹھا تھا جو خلیفہ وقت سے ملنے آیا تھا، مگر اسے علم نہ تھا کہ خلیفہ خود اس کے سامنے ہیں۔ اس نے بتایا کہ اس کی زوجہ حاملہ ہے اور دردِ زہ میں مبتلا ہے۔ حضرت عمر فوراً گھر تشریف لے گئے اور اپنی زوجہ سیدہ اُمّ کلثوم سے فرمایا کہ اللہ پاک نے آپ کے لئے ثواب کا موقع بھیجا ہے، ایک اجنبی عورت تکلیف میں ہے اور اس کے پاس کوئی نہیں۔ سیدہ اُمّ کلثوم نے فوراً آمادگی ظاہر کی اور ضروری سامان لے کر ساتھ چل پڑیں۔ وہاں پہنچ کر حضرت عمر نے سیدہ اُمّ کلثوم کو خیمے کے اندر بھیج دیا، جبکہ خود اس شخص کے پاس بیٹھ گئے، آگ جلوا کر کھانا تیار کرنے لگے۔ اسی دوران بچے کی ولادت ہو گئی اور سیدہ اُمّ کلثوم نے اندر سے آواز دے کر فرمایا: اے امیر المومنین! اپنے ساتھی کو بیٹے کی خوشخبری دے دیجئے۔ یہ سن کر وہ شخص گھبرا گیا، مگر حضرت عمر نے اسے تسلی دی۔ پھر آپ نے کھانا سیدہ اُمّ کلثوم کو دیا تاکہ وہ ماں کو کھلائیں اور اس کی تیمارداری کریں اور خود اس شخص کو بھی کھلایا۔ صبح اس شخص کے آنے پر حضرت عمر نے نہ صرف اس کی مدد فرمائی بلکہ نومولود بچے کا وظیفہ بھی مقرر کر دیا۔(9)

اس واقعے میں اگر سیدہ اُمّ کلثوم بنتِ علی کے کردار کا جائزہ لیا جائے تو تصویر اور بھی زیادہ مکمل اور متاثر کن ہو جاتی ہے۔ رات کے اس خاموش لمحے میں جب مدینے کی گلیوں میں ایک اجنبی عورت دردِ زہ کی تکلیف سے کراہ رہی تھی تو سیدہ اُمّ کلثوم ایک باوقار زوجہ ہی نہیں بلکہ امت کی ماں جیسی شفقت رکھنے والی خاتون بن کر سامنے آتی ہیں۔ حضرت عمر فاروق کے یہ الفاظ کہ "اللہ پاک نے آپ کے لئے ثواب کا موقع بھیجا ہے" دراصل سیدہ اُمّ کلثوم کے مزاج، دینی شعور اور خدمتِ خلق کے جذبے پر اعتماد کا اظہار تھے۔ انہوں نے کسی تردد، خوف یا تکلف کے بغیر فوراً آمادگی ظاہر کی اور کہا کہ اگر آپ راضی ہیں تو میں چلتی ہوں، گویا ایک اجنبی عورت کی تکلیف کو اپنا ذاتی معاملہ سمجھ لیا۔

خیمے کے اندر سیدہ اُمّ کلثوم نے جس سکون، حوصلے اور مہارت کے ساتھ اس عورت کی تیمارداری کی، وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اہلِ بیت کی خواتین محض نسب کی وجہ سے نہیں بلکہ کردار اور خدمت کی وجہ سے بھی بلند مقام رکھتی تھیں۔ ولادت کے نازک لمحے میں ان کا ساتھ دینا، ماں اور نومولود کی خبر دینا اور پھر ماں کو کھانا کھلانے اور تسلی دینے کی ذمہ داری نبھانا، یہ سب ان کی عملی شفقت اور انسانی ہمدردی کی روشن مثالیں ہیں۔ یوں اس واقعے میں سیدہ اُمّ کلثوم ایک ایسی باکردار مسلمان خاتون کے طور پر سامنے آتی ہیں جو عبادت کو نماز، روزہ تک محدود نہیں رکھتیں بلکہ انسانی خدمت کو بھی قربِ الٰہی کا ذریعہ سمجھتی ہیں۔ ان کا یہ کردار ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ اسلام میں عورت کی عظمت محض نظری نہیں بلکہ عملی ہے اور اہلِ بیت کی خواتین کا اسوہ یہ سکھاتا ہے کہ خاموش خدمت، بروقت حوصلہ اور بے لوث شفقت بھی دین کی بڑی عبادات میں سے ہے۔ حضرت زید سیدہ ام کلثوم کے ایک ہی بیٹے تھے۔ منقول ہے کہ حضرت زید کو دو قبیلوں کی باہمی جنگ کے دوران اچانک پتھر لگ گیا جس کی وجہ سے وہ شہید ہو گئے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ زید اور آپ کی والدہ سیدہ ام کلثوم ایک ساتھ فوت ہوئے تھے، دونوں کی نماز جنازہ حضرت عبدُ اللہ بن عمر نے پڑھائی۔(10)

سیدہ رُقیہ

ان کا انتقال بچپن میں ہی ہو گیا تھا، اس لئے تاریخ وسیرت کی کتابوں میں ان کا تذکرہ نہ ہونے کے برابر ہے۔

---

1. ابن ماجہ، 4/177، حدیث 3644
2. شرح زرقانی، 4/321
3. بخاری، 4/100، حدیث: 5996
4. معرفۃ الصحابۃ لابی نعیم، 5/192
5. شانِ خاتونِ جنت، ص 261
6. اسد الغابہ، 7/146
7. مجمع الزوائد، 8/398، حدیث: 13827 - استیعاب، 4/509
8. طبقات ابن سعد، 8/338
9. التبصرۃ لابنِ جوزی، 1/420
10. اسد الغابہ، 7/425



حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا متفرق خواتین کے گھروں کو برکت عطا فرمانا

محترمہ بنتِ عطار باجی*

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی رحمت تمام جہانوں کے لئے عام ہے۔ آپ صرف اپنی امت ہی کے لئے نہیں بلکہ سارے جہان کے لئے رحمت بن کر تشریف لائے، یوں آپ کی ذات سراپا رحمت ہے۔ تاہم صحابہ اور صحابیات کو حضور کی رحمت و برکت سے جو خاص حصہ نصیب ہوا، وہ انہی کا امتیاز تھا۔ ان کے لئے سب سے بڑی رحمت اور سب سے عظیم سعادت یہ تھی کہ وہ اس رحمت والے آقا کا دیدار کرتے اور آپ کے وجودِ مسعود کو اپنی آنکھوں کے سامنے پاتے تھے۔ اسی کیفیت کو کسی نے خوبصورتی سے یوں بیان کیا ہے:

بھول جاتے تھے صحابہ غم و آلام اپنے
دیکھ لیتے تھے جو سرکار کو آتے جاتے

یہ شمارہ خاص طور پر خواتین سے متعلق ہے، لہٰذا اس عنوان کے تحت صحابیات سے متعلق حضور کی برکتوں کا ذکر ہو گا۔

حصولِ برکت کے مختلف انداز

صحابیات طیبات مختلف طریقوں سے حضور کی ذاتِ پاک سے برکت حاصل کرتی رہتی تھیں، مثلاً: کسی کے ہاں بچہ پیدا ہوتا یا کسی کا بچہ بیمار ہوتا تو وہ اسے لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوتیں، حضور بچے کے سر پر ہاتھ پھیرتے، اپنے منہ میں کھجور ڈال کر اس کے منہ میں ڈالتے اور اس کے لئے برکت کی دعا فرماتے، جیسا کہ حضرت سائب بن یزید بیمار ہوئے تو ان کی خالہ ان کو حضور کی خدمت میں لے گئیں۔ حضور نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعائے برکت کی۔ (1)

اسی طرح حضرت اسماء بنتِ ابو بکر کے پاس حضور کا استعمال شدہ مبارک اونی جبہ تھا جو حضرت عائشہ کے ذریعے انہیں حاصل ہوا تھا، وہ اسے دھو دھو کر مریضوں کو پلاتیں اور اس کے ذریعے شفا طلب کرتیں۔ (2) نیز حضرت اُمِّ عُمارہ کے پاس بھی حضور کے کچھ بال مبارک تھے حضور کے وصالِ ظاہری کے بعد جب کوئی بیمار ہوتا تو آپ ان بالوں کو پانی میں ڈبو کر مریض کو پلاتیں اور اللہ پاک اسے صحت یاب فرما دیتا۔ (3)

یوں ہی برکت حاصل کرنے کا ایک انداز یہ بھی تھا کہ کبھی صحابیات حضور کی بارگاہ میں حاضر ہو کر برکت حاصل کرتیں تو کبھی حضور ان کے گھروں میں جلوہ فرما ہو کر اپنی برکتوں سے نوازتے تھے۔ حضور کے متفرق صحابیات کے گھروں میں قدم رنجہ فرمانے کے کچھ واقعات درج ذیل ہیں:

متعدد بار تشریف لے جانا

بعض خوش نصیب گھر وہ تھے جن میں حضور کی معمولاً حاضری

رہتی تھی یا حضور نے متعدد بار جن گھروں کو قدم بوسی کا شرف عطا فرمایا ہے، ان کا ذکر پیشِ خدمت ہے:

حضرت فاطمۃ الزہرا

آپ حضور کی لختِ جگر اور نورِ نظر ہیں۔ حضور روزانہ یا بکثرت آپ کے گھر تشریف لاتے، آپ کے گھر میں حضور کی تشریف آوری کے چند مواقع درج ذیل ہیں:

نماز کی ترغیب: حضرت انس فرماتے ہیں: چھ مہینے تک حضور کا یہ معمول رہا کہ نمازِ فجر کے لئے جاتے ہوئے حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا کے گھر کے پاس سے گزرتے اور فرماتے: اے اہلِ بیت! نماز! اے نبی کے گھر والو! اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرمادے اور تمہیں پاک کرکے خوب صاف ستھرا کر دے۔[4]

روحانی تربیت: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ پیارے آقا صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم اپنی شہزادی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے تو آپ نے اپنی گردن میں پہنا ہوا سونے کا ہار پکڑ کر عرض کی: یہ ابو الحسن (یعنی حضرت علی المرتضی) نے مجھے تحفے میں دیا ہے۔ حضور نے اپنی شہزادی کی تربیت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اے فاطمہ! کیا لوگوں کے اس طرح کہنے سے تمہیں خوشی ہوگی کہ فاطمہ بنتِ محمد کے ہاتھ میں آگ کا ہار ہے؟ یہ کہہ کر آپ بیٹھے بغیر ہی تشریف لے گئے۔ اس کے بعد اُمُّ السّادات سیدہ خاتونِ جنت نے وہ ہار دے کر ایک غلام خریدا، پھر اسے آزاد کر دیا۔ جب حضور کو یہ معلوم ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا: سب خوبیاں اللہ پاک کو جس نے فاطمہ کو آگ سے نجات عطا فرمائی۔[5]

گھریلو مسائل میں راہ نمائی: حضرت علی فرماتے ہیں: ایک مرتبہ حضور کے پاس غلام آئے۔ سیدہ فاطمہ خادم کی درخواست لے کر حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوئیں، مگر اس وقت حضور تشریف فرما نہ تھے، چنانچہ انہوں نے اپنا پیغام سیدہ عائشہ کو دے دیا۔ بعد میں جب حضور تشریف لائے اور یہ بات سنی تو اسی رات ہمارے پاس تشریف لائے، ہم اس وقت بستر پر تھے۔ حضور ہمارے درمیان بیٹھ گئے اور نہایت شفقت سے فرمایا: کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں جو خادم سے بہتر ہو؟ پھر ارشاد فرمایا: جب تم بستر پر جاؤ تو 33 مرتبہ سبحان اللہ، 33 مرتبہ الحمدُ للہ اور 34 مرتبہ اللہُ اکبر پڑھ لیا کرو، یہ تمہارے لئے خادم سے بہتر ہے۔[6]

سفر سے قبل و بعد تشریف آوری: حضرت عبدُ اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: حضور جب سفر کا ارادہ فرماتے تو سب سے آخر میں سیدہ خاتونِ جنت کے گھر تشریف لاتے اور جب سفر سے واپس آتے تو سب سے پہلے آپ سے ملاقات فرماتے۔[7]

اظہارِ محبت و شفقت: ایک مرتبہ زمانۂ قحط میں حضرت فاطمہ نے برتن میں ایک بوٹی اور دو روٹیاں ایثار کرتے ہوئے بارگاہِ رسالت میں بھیج دیں۔ حضور اس تحفے کے ساتھ حضرت فاطمہ کے گھر تشریف لائے اور فرمایا: اے میری بیٹی! ادھر آؤ۔ حضرت فاطمہ نے جب اس برتن کو کھولا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئیں کہ وہ برتن روٹیوں اور بوٹیوں سے بھرا ہوا تھا اور آپ نے جان لیا کہ یہ کھانا اللہ پاک کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ حضور نے آپ سے پوچھا: یہ سب تمہارے لئے کہاں سے آیا؟ تو حضرت فاطمہ نے عرض کی: اللہ پاک کے پاس سے، بے شک اللہ پاک جسے چاہے دے۔ حضور نے فرمایا: تمام تعریفیں اللہ پاک کے لئے ہیں جس نے تجھے بنی اسرائیل کی سردار (یعنی بی بی مریم) کے مشابہ بنایا۔ پھر حضور نے حضرت علی، حضراتِ حسنین کریمین اور دوسرے اہلِ بیت کو جمع فرما کر سب کے ساتھ برتن میں سے کھانا تناول فرمایا اور سب سیر ہو گئے، پھر بھی کھانا اسی قدر باقی تھا کہ اس کو حضرت بی بی فاطمہ نے اپنے پڑوسیوں کو کھلایا۔[8]

ان واقعات سے معلوم ہوا کہ حضور بکثرت سیدہ فاطمہ کے ہاں تشریف لے جاتے اور ان کی تربیت و راہ نمائی اور محبت و تسلی کا سامان فرماتے۔

حضرت اُمِّ سُلیم

یہ حضور کے والد کی رضاعی خالہ ہیں۔[9] اس مناسبت سے

یہ رشتے میں حضور کی دادی لگتی ہیں۔ یہ وہ خوش نصیب خاتون ہیں جن کے گھر حضور اکثر قدم رنجہ فرماتے تھے، حتی کہ ایک روایت میں ہے: جب کبھی حضور کا ان کے گھر کے پاس سے گزر ہوتا تو آپ اندر تشریف لے جاتے اور سلام فرماتے۔(10) بلکہ ایک روایت میں تو یہاں تک آیا ہے کہ مدینے میں حضور اپنی ازواجِ مطہرات اور حضرت اُمِّ سُلیم کے علاوہ اور کسی کے گھر (کثرت سے) تشریف نہیں لے جاتے تھے۔(11)

خصوصی شفقتِ نبوی: حضرت اُمِّ سُلیم رضی اللہ عنہا کے گھر کے کنویں میں حضور نے اپنا لعابِ دہن ڈالا تو اس کا پانی اتنا میٹھا ہو گیا کہ مدینہ منورہ میں اس سے بڑھ کر کوئی کنواں میٹھا نہ تھا۔(12)

دلداری و دلجوئی: حضور سے ایک مرتبہ کثرت سے حضرت اُمِّ سُلیم کے گھر تشریف لے جانے کی وجہ پوچھی گئی تو ارشاد فرمایا: مجھے ان پر رحم آتا ہے کہ ان کے بھائی نے میرے ساتھ رہ کر شہادت پائی۔(13)

آرام و قیلولہ فرمانا: حضور بسا اوقات ان کے ہاں قیلولہ بھی فرماتے۔ یہ حضور کے لئے چمڑے کا بستر بچھا دیتیں اور حضور اس پر آرام فرماتے۔ حضور کو پسینا بہت آتا تھا، یہ حضور کا پسینا جمع کر کے اسے خوشبو میں ڈال لیتی تھیں۔(14) اسی طرح ایک دن حضور حضرت اُمِّ سُلیم کے گھر تشریف لائے اور ایک مشکیزے سے پانی پیا تو انہوں نے مشکیزے کے اُس حصّے کو کاٹ کر بطورِ تبرک اپنے پاس رکھ لیا جس حصّے سے سرکار نے پانی پیا تھا۔(15)

ان واقعات سے بی بی اُمِّ سُلیم کی حضور سے بے پایاں محبت، گہری عقیدت اور دل کی وارفتگی نمایاں ہو جاتی ہے۔ الغرض حضور سے منسوب ہر چیز ان کے نزدیک باعثِ برکت تھی، جسے وہ دل سے سنبھال کر رکھتی تھیں۔ یہ طرزِ عمل حضور کی ذات سے کامل وابستگی اور بے لوث محبت کا حسین اظہار تھا۔

دعوتِ طعام: ایک دن حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ گھر آئے اور اپنی بیوی حضرت اُمِّ سُلیم سے پوچھا: کیا کھانے کی کوئی چیز ہے؟ میں نے حضور کی کمزور آواز سے یہ محسوس کیا کہ آپ پر بھوک کا غلبہ ہے۔ اُمِّ سُلیم نے جَو کی چند روٹیاں حضرت انس کے ہاتھ حضور کی خدمت میں بھیج دیں۔ حضرت انس جب بارگاہِ نبوت میں پہنچے تو حضور مسجدِ نبوی میں صحابہ کرام میں تشریف فرما تھے۔ سرکار نے پوچھا کہ کیا ابو طلحہ نے تمہارے ہاتھ کھانا بھیجا ہے؟ انہوں نے کہا: جی ہاں۔ یہ سن کر آپ اپنے اصحاب کے ساتھ اٹھے اور حضرت ابو طلحہ کے مکان پر تشریف لائے اور حضرت اُمِّ سُلیم سے فرمایا کہ جو کچھ تمہارے پاس ہو لاؤ! انہوں نے وہی چند روٹیاں پیش کر دیں جن کو حضرت انس کے ہاتھ بارگاہِ رسالت میں بھیجا تھا۔ آپ کے حکم سے ان روٹیوں کا چورا بنا کر بی بی اُمِّ سُلیم نے اس پر بطورِ سالن گھی ڈال دیا۔ ان چند روٹیوں میں حضور کے معجزانہ تصرفات سے اس قدر برکت ہوئی کہ آپ دس دس آدمیوں کو مکان کے اندر بلا بلا کر کھلاتے رہے اور وہ لوگ خوب شکم سیر ہو کر کھاتے رہے، یہاں تک کہ 70 یا 80 آدمیوں نے خوب شکم سیر ہو کر کھا لیا۔(16)

حضرت اُمِّ حرام

یہ حضرت ام سُلیم کی بہن ہیں، اس نسبت سے ان کا بھی حضور سے رضاعی رشتہ بنتا ہے، نیز حضور کا متعدد بار ان کے گھر تشریف لے جانا ثابت ہے۔ جیسا کہ حضرت انس سے مروی ہے کہ حضور جب قباء تشریف لے جاتے تو بی بی ام حرام کے گھر قیام فرماتے تھے اور یہ حضور کی خدمت میں کھانا پیش کرتی تھیں۔ ایک بار حضور ان کے یہاں تشریف لے گئے اور آرام فرمایا۔ کچھ دیر کے بعد آپ مسکراتے ہوئے بیدار ہوئے۔ آپ کے حسین چہرۂ مبارک پر مسکراہٹ دیکھ کر حضرت ام حرام نے عرض کی: یارسول اللہ! آپ کے مسکرانے کا کیا سبب ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: میں نے ابھی ابھی اپنی امت میں سے اللہ پاک کی راہ میں لڑنے والے کچھ لوگوں کو خواب میں دیکھا ہے کہ وہ سمندر میں کشتیوں پر اس طرح بیٹھے ہوئے جہاد کے لئے جا رہے ہیں جس طرح بادشاہ اپنے تخت پر بیٹھا کرتے ہیں۔ آپ نے عرض کی: یارسول اللہ! دعا فرمایئے کہ اللہ پاک مجھے ان میں شامل فرمائے۔ حضور نے ان کے لئے دعا فرمائی اور پھر دوبارہ آپ آرام فرما ہو گئے۔ پھر اسی طرح ہنستے

ہوئے اٹھے اور یہی خواب بیان فرمایا۔ اُمِّ حَرام نے پھر وہی عرض کی: یارسول اللہ! آپ دعا فرمایئے کہ میں ان میں شامل رہوں۔ آپ نے فرمایا: تم پہلے والوں (پہلے خواب میں جو گروہ دکھایا گیا تھا ان) کی صف میں ہو گی۔ اس خواب کی تعبیر پوری ہوئی، یہ ایک بحری جنگ میں شریک ہوئیں اور اسی سفر میں جامِ شہادت نوش فرمایا۔[17]

حضرت اُمِّ ہانی بنتِ ابو طالب

یہ مولا علی کی بہن اور حسنین کریمین کی پھوپھی ہیں۔ ان کے گھر بھی ایک سے زائد بار حضور کا تشریف لے جانا ثابت ہے، مثلاً: بعض روایات کے مطابق حضور معراج پر اُمِّ ہانی کے گھر سے ہی تشریف لے گئے تھے۔[18] اسی طرح فتحِ مکہ کے دن حضور حضرت اُمِّ ہانی کے گھر تشریف لے گئے، غسل فرمایا اور آٹھ رکعت نمازِ چاشت ادا کی۔[19]

کسی خاص مقصد یا موقع پر تشریف لے جانا

بعض گھر ایسے ہیں جن میں حضور کا متعدد بار یا معمولاً تو نہیں۔ البتہ! کسی نہ کسی موقع پر وہاں تشریف لے جانا ثابت ہے۔ ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

زوجۂ جابر بن عبدُ اللہ

حضرت جابر بن عبدُ اللہ بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ خندق کے موقع پر فاقوں کی شدت سے حضور کے شکمِ مبارک پر بندھا ہوا پتھر دیکھ کر میرا دل بھر آیا۔ اجازت لے کر گھر آیا اور اپنی زوجہ سے حال بیان کیا۔ انہوں نے بتایا کہ گھر میں صرف ایک صاع جَو ہے۔ حضرت جابر نے وہ جَو پسوا کر گوندھنے کو کہا اور ایک بکری کے بچے کو ذبح کر کے گوشت تیار کر دیا۔ حضرت جابر کی زوجہ نے قلیل سامان کے باوجود اخلاص اور خاموش اعتماد کے ساتھ کھانا تیار کرنا شروع کر دیا، البتہ ادب سے یہ بھی عرض کی کہ صرف حضور اور چند اصحاب کو ہی بلایا جائے۔ حضرت جابر نے حضور سے عرض کی، مگر حضور نے سب خندق والوں کو دعوت دے دی اور فرمایا کہ میرے آنے تک روٹی نہ پکائی جائے۔ جب حضور تشریف لائے تو آٹے اور ہانڈی میں برکت کی دعا فرمائی۔ اس کے بعد حضرت جابر کی زوجہ ہانڈی سے گوشت نکال نکال کر دیتی رہیں اور روٹیاں پکتی رہیں، یہاں تک کہ ہزار افراد نے سیر ہو کر کھانا کھایا، مگر آٹے اور گوشت میں کوئی کمی نہ ہوئی۔[20] یہ واقعہ جہاں حضور کی بے مثال برکت کا مظہر ہے، وہیں حضرت جابر کی زوجہ کے اخلاص، حیا، اطاعت اور خاموش خدمت کا بھی روشن نمونہ ہے، جنہوں نے قلیل سامان کے باوجود کامل یقین اور ادب کے ساتھ اس عظیم نعمت میں حصہ پایا اور ہزار افراد کے لئے روٹیاں پکائیں لیکن ماتھے پر شکن نہ آنے دی۔

حضرت اُمِّ مَعْبد خزاعیہ

دورانِ ہجرت حضور بی بی اُمِّ مَعْبد کے مکان میں تشریف لائے اور ان سے کچھ کھانے پینے کا سامان خریدنے کا قصد فرمایا مگر ان کے پاس کچھ نہیں تھا، البتہ! ایک لاغر کمزور بکری خیمے میں موجود تھی، سرکار نے پوچھا کیا یہ دودھ دیتی ہے؟ اُمِّ مَعْبد نے کہا: نہیں۔ فرمایا: اگر اجازت ہو تو میں اس کا دودھ دوہ لوں؟ اس نے اجازت دے دی، حضور نے بسم اللہ پڑھ کر اس کے تھن کو ہاتھ لگایا تو وہ دودھ سے بھر گیا اور اتنا دودھ نکلا کہ سب لوگ سیراب ہو گئے اور اُمِّ مَعْبد کے تمام برتن دودھ سے بھر گئے۔[21] یہ بکری 18 ہجری تک زندہ رہی اور برابر دودھ دیتی رہی، حتی کہ حضرت عمر کے دورِ مبارک میں سخت قحط پڑا، سب جانوروں کے تھن خشک ہو گئے مگر یہ اس وقت بھی صبح شام دودھ دیتی رہی۔[22] حضرت اُمِّ مَعْبد کے گھر میں قدمِ مصطفےٰ کی یہ برکت ظاہر ہوئی کہ وہ خیمہ جو پہلے فقر، خاموشی اور تنہائی کی آماجگاہ تھا، حضور کی آمد سے نور، سکون اور اطمینان کا گہوارہ بن گیا۔ نیز اسی واقعے سے حضرت اُمِّ مَعْبد کے دل میں حضور کی صداقت، عظمت اور نورانیت کی گہری پہچان پیدا ہوئی، یہاں تک کہ انہوں نے اللہ پاک کے آخری نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا جو حلیہ بیان کیا وہ اسلام کی تاریخ کا ایک روشن باب بن گیا۔

تعلیماتِ مصطفےٰ کی روشنی میں برکت کے چند اصول

صحابیات طیبات کے لئے اگر حضور کی ذاتِ بابرکات سراسر

خیر، رحمت اور برکت کا سرچشمہ تھی تو آج ہمارے گھروں کے لئے حضور کی سنتیں اور تعلیمات باعثِ رحمت و برکت ہیں۔ نبوی تعلیمات میں برکت کے اسباب نہایت واضح اور جامع انداز میں مذکور ہیں۔ یہ اسباب محض ظاہری نظم و ضبط تک محدود نہیں بلکہ انسان کے ظاہر و باطن دونوں کو سنوارتے ہیں اور ان کے ذریعے گھر، رزق، زندگی اور اعمال میں اللہ پاک کی خاص رحمت نازل ہوتی ہے۔ اگر ان تعلیمات کو اخلاص کے ساتھ اپنایا جائے تو معمولی گھریلو زندگی بھی خیر و برکت کا گہوارہ بن سکتی ہے۔

گھریلو برکت کا سب سے مضبوط اور بنیادی ذریعہ رزقِ حلال ہے۔ حلال کمائی صرف مال میں اضافہ ہی نہیں کرتی بلکہ گھر میں نور، دل میں اطمینان اور اولاد میں خیر بھی پیدا کرتی ہے۔ احادیثِ مبارکہ میں حلال رزق کو برکت اور پاکیزگی کا سبب قرار دیا گیا ہے۔ جب انسان حلال کماتا ہے، خود بھی کھاتا ہے اور اپنے اہل و عیال کو بھی اسی سے کھلاتا پہناتا ہے تو یہ سب اس کے لئے باعثِ برکت بن جاتا ہے۔ اسی لئے خواتین کو چاہیے کہ وہ اپنے مردوں کی حلال کمائی پر قناعت اختیار کریں، کیونکہ جب عورت ناشکری یا حرص کا مظاہرہ کرتی ہے تو بسا اوقات مرد غلط راستوں کی طرف قدم بڑھانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ یاد رکھیے! حقیقی برکت دولت کی کثرت یا دنیاوی آسائشوں میں نہیں بلکہ ایمان کی پختگی اور نیک اعمال میں پوشیدہ ہے۔

برکت کا ایک اہم روحانی سبب ایمان کا استحکام ہے۔ جب عورت کا ایمان مضبوط ہوتا ہے تو اس کا اثر پورے گھر پر پڑتا ہے۔ ماں کی سوچ، اس کا صبر، اس کا شکر اور اس کا توکل بچوں کے دلوں میں اترتا ہے، یوں پورا گھر ایمان کی فضا میں سانس لینے لگتا ہے۔ اسی طرح گھروں میں دینی ماحول کا قیام بھی برکت لانے کا مؤثر ذریعہ ہے۔ خواتین اپنے عملی کردار، عبادات کی پابندی اور اخلاقی طرزِ عمل کے ذریعے گھر میں بہترین اسلامی ماحول قائم کر سکتی ہیں۔ پنج وقتہ نمازوں کی پابندی، نوافل کا اہتمام اور بچوں کو عبادت کی ترغیب دینا اس سلسلے کی مضبوط بنیاد ہے، کیونکہ نیک اولاد والدین کے لئے صدقۂ جاریہ ہوتی ہے۔

گھر میں برکت کے نزول کا ایک ذریعہ سنتوں کا نفاذ بھی ہے۔ اسوۂ رسول صرف عبادات تک محدود نہیں بلکہ کھانے پینے، سونے جاگنے، گفتگو، معاملات اور گھریلو حسنِ سلوک تک پھیلا ہوا ہے۔ جب گھر کا ہر عمل سنتِ نبوی سے جڑ جاتا ہے تو وہ گھر سکون، محبت اور رحمت کا مرکز بن جاتا ہے۔ جو خواتین اپنی زندگی کو حضور کی سنتوں کے مطابق ڈھال لیتی ہیں، ان پر اللہ پاک کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں، دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے اور گھروں میں آسانیاں خود چل کر آتی ہیں۔ یہی وہ حقیقی برکت ہے جو دنیا اور آخرت دونوں کی کامیابی کا ذریعہ بنتی ہے۔

---

1 بخاری، 4/204، حدیث: 6352
2 مسلم، ص884، حدیث: 5409 مفہوماً
3 مدارج النبوت، 2/217
4 ترمذی، 5/142، حدیث: 3217
5 مستدرک، 4/134، حدیث: 4778
6 بخاری، 2/536، حدیث: 3705
7 مستدرک، 4/141، حدیث: 4792
8 تفسیر روح البیان، 2/29
9 مراۃ المناجیح، 8/53
10 بخاری، 3/451، حدیث: 5163
11 بخاری، 2/267، حدیث: 2844
12 مواہب لدنیہ، 5/289
13 مسلم، ص1024، حدیث: 6319
14 بخاری، 4/182، حدیث: 6281
15 مسند امام احمد، 45/83، حدیث: 27117
16 بخاری، 2/494، حدیث: 3578
17 مسلم، ص815، حدیث: 4934
18 مراۃ المناجیح، 8/135
19 بخاری، 1/397، حدیث: 1176
20 بخاری، 3/51، حدیث: 4101 ملخصاً
21 شرح زرقانی علی المواہب، 2/130
22 شرح زرقانی علی المواہب، 2/142



حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد نکاح کیوں فرمائے؟

محترمہ ام میلاد عطاریہ*

نکاح انبیائے کرام علیہم السّلام کی سنت ہے۔ اللہ پاک نے انسانی معاشرے کی پاکیزگی، خاندان کے استحکام اور نسلِ انسانی کی بقا کے لئے نکاح کو پسند فرمایا۔ شیخ عبدُ الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السّلام کے سوا تمام انبیائے کرام علیہم السّلام نے نکاح فرمایا۔[1]

اسی سنتِ مطہرہ کی تکمیل اور دین کی نشر و اشاعت کے بلند مقاصد کے لئے اللہ پاک نے اپنے آخری نبی، محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کو نکاح میں خاص وسعت عطا فرمائی، جیسا کہ سابقہ انبیا علیہم السّلام، مثلاً: حضرت داود اور حضرت سلیمان علیہما السّلام کو بھی عام اُمتیوں سے زیادہ نکاح کی اجازت عطا کی گئی تھی۔

حضور کی ازواجِ مطہرات وہ مبارک خواتین ہیں جن کا انتخاب خود ربِّ کریم نے حضور کے شایانِ شان فرمایا۔ آپ کی ازواجِ مطہرات مجموعی طور پر گیارہ تھیں: ان میں چھ قریش سے، پانچ دیگر قبائل سے، جن میں سے حضرت صفیہ یہودی قبیلہ بنو نضیر سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان پاکیزہ ہستیوں میں سے حضرت خدیجہ اور حضرت زینب بنتِ خزیمہ نے حضور کی حیاتِ ظاہری میں ہی پردہ فرمایا، جبکہ باقی نو ازواج نے آپ کے وصال کے بعد امت کی تعلیم و تربیت کی عظیم خدمت سر انجام دی۔[2]

کثرتِ نکاح خود اس حقیقت کی دلیل ہے کہ حضور کے نکاح محض ذاتی پسند یا دنیوی مصلحت پر مبنی نہ تھے، بلکہ دعوتِ دین، تعلیم و تربیت، اصلاحِ معاشرہ، قبائل کے اتحاد اور شریعت کے عملی نمونے پیش کرنے جیسے عظیم مقاصد پر قائم تھے۔ انہی اعلیٰ حکمتوں کی بنا پر اللہ پاک نے حضور کو بھی سابقہ انبیائے کرام علیہم السّلام کی طرح خصوصی رخصت عطا فرمائی۔

نکاحِ مصطفےٰ کے لئے عورتوں کا خدائی انتخاب

سورۂ احزاب کی آیت نمبر 50 میں اللہ پاک نے حضور کے لئے چار قسم کی عورتیں بیان فرمائی ہیں جن سے نکاح حضور کے لئے خاص طور پر حلال فرمایا گیا:

1. وہ ازواج جنہیں آپ نے مہر عطا فرمایا، جیسے حضرت خدیجہ اور حضرت عائشہ۔
2. وہ عورتیں جو مالِ غنیمت میں کنیزوں کے طور پر ملیں، جیسے حضرت صفیہ اور حضرت جویریہ جنہیں حضور نے آزاد کر کے نکاح فرمایا۔
3. قرابت دار خواتین یعنی حضور کے چچا، پھوپھی، ماموں

* نگرانِ عالمی مجلسِ مشاورت دعوتِ اسلامی

اور خالہ کی بیٹیاں جنہوں نے ہجرت کی۔

4 وہ مومنہ عورت جو اپنی جان حضور کو ہبہ کر دے یعنی بغیر مہر اور شرائطِ نکاح کے اپنی ذات حضور کو پیش کر دے، ایسی صورت میں اگر حضور اسے قبول فرمالیں تو وہ آپ کے لئے حلال ہے۔(3) یقیناً یہ سب حضور کے لئے خصوصی رخصتیں ہیں تاکہ آپ پر کوئی تنگی نہ رہے۔ اس امر سے واضح ہوتا ہے کہ حضور کا کثرتِ نکاح فرمانا اپنی مرضی سے نہیں بلکہ ربِّ کریم کی منشا اور انتخاب سے تھا۔

کثرتِ نکاح پر تنقیدی جائزہ

حضور کی متعدد شادیوں پر تاریخ کے مختلف ادوار میں طرح طرح کے اعتراضات کیے گئے، مگر جب ان نکاحوں کا غیر جانبدار، علمی اور تاریخی جائزہ لیا جائے تو حقیقت بالکل مختلف نظر آتی ہے۔ ان نکاحوں کا بنیادی تعلق اخلاقی، سماجی، سیاسی، دعوتی اور معاشرتی حکمتوں سے ہے، نہ کہ کسی شخصی خواہش سے۔ تنقیدی نگاہ سے دیکھنے پر چند اہم پہلو سامنے آتے ہیں:

اگر یہ نفسانی خواہش ہوتی تو۔۔۔؟

پیارے آقا صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ میں یہ بات واضح طور پر ملتی ہے کہ کفارِ قریش نے حضور کی تبلیغی سرگرمیوں کو روکنے کی بھرپور کوشش کی، حتی کہ انہوں نے حضور کو عالی خاندان میں شادی کی پیشکش بھی کی لیکن حضور نے ان کی ہر پیشکش کو ٹھکرا دیا اور تبلیغِ دین پر ڈٹے رہے۔(4) مقامِ غور ہے کہ اگر کثرتِ نکاح حضور کی ذاتی خواہش تھی تو اس پیشکش کو ٹھکرانے کی کیا وجہ تھی؟ نیز اگر حضور کے کثرتِ نکاح میں تسکینِ نفس کا ادنیٰ سا شائبہ بھی ہوتا تو آپ کے دشمنوں کو آپ کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے کے لئے اس سے بہتر اور کوئی حربہ ہاتھ نہیں آسکتا تھا، وہ آپ پر جادوگر، شاعر، مجنون وغیرہ کے الزامات تو لگاتے رہے، لیکن کسی سخت سے سخت دشمن کو بھی ایسا حرف زبان پر لانے کی جرأت نہ ہوئی جس کا تعلق جذباتی بے راہ روی سے ہو۔

حضور نے جوانی کے 25 سال کامل عفت و پاکیزگی کے ساتھ گزارے، پھر پہلی شادی ایک ایسی بیوہ اور عمر میں 15 سال بڑی خاتون سے کی جو پہلے بعد دیگرے دو شادیاں کر چکی تھیں اور پچاس برس تک اسی ایک زوجہ پر اکتفا کیا۔ بعد میں بھی اولین نکاح حضرت سودہ جیسی عمر رسیدہ خاتون سے فرمایا۔ آپ کی ازواج میں صرف ایک کنواری خاتون تھیں، باقی سب بیوہ یا طلاق یافتہ تھیں۔ یہ تمام حقائق ثابت کرتے ہیں کہ تعددِ ازدواج کا محرک نفسانیت نہیں بلکہ وہ حکیمانہ مقاصد تھے جو کثیر نکاح کے بغیر پورے نہیں ہوسکتے تھے۔

کیا ان پر بھی اعتراض ہوگا؟

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کا ایک سے زائد شادیاں فرمانا منہاجِ نبوت کے عین مطابق تھا، کیونکہ جس طرح پچھلے انبیائے کرام علیہم السلام کو نکاح میں وسعت دی گئی، اسی طرح یہ خصوصی اجازت حضور کو بھی عطا فرمائی گئی۔ سابقہ آسمانی کتابوں بالخصوص بائبل میں واضح ذکر موجود ہے کہ کئی انبیائے کرام علیہم السلام نے متعدد نکاح فرمائے، جیسے حضرت ابراہیم، حضرت یعقوب اور حضرت سلیمان علیہم السلام۔ یہ وہی انبیا ہیں جن پر یہود و نصاریٰ ایمان رکھتے ہیں اور ان کی متعدد شادیوں کو ان کے تقدّس کے خلاف نہیں سمجھتے۔ لہٰذا جب متعدد شادیوں سے ان انبیا کی عظمت میں کوئی کمی نہیں آتی تو حضور کے کثرتِ نکاح پر اعتراض کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ آپ نے اللہ پاک کی دی ہوئی اجازت، سابقہ انبیا علیہم السلام کے طریق اور شریعت کے نظام کے عین مطابق یہ نکاح کئے تھے۔(5)

نیز اگر تنقیدی طور پر دیکھا جائے تو حضور کی زیادہ شادیوں میں شہوانی رغبت کا کوئی عنصر موجود نہ تھا، کیونکہ اگر ذاتی مقصد یا خواہش ہوتی تو جوانی میں شادیاں زیادہ فرماتے، زیادہ تر نوجوان اور کنواری خواتین سے نکاح فرماتے، بیوہ اور عمر رسیدہ خواتین سے نکاح نہ فرماتے، ازدواجی زندگی مشقت و فاقہ میں نہ گزرتی۔ لہٰذا یہ تمام باتیں ہر طرح کے اعتراضات کو باطل کرنے کے لئے

کافی ہیں۔

متعدد نکاح کی وجوہات

حضور نے جو متعدد نکاح فرمائے ان کی برکت سے حاصل ہونے والے فوائد اور ان میں پائی جانے والی چند حکمتیں یہ ہیں:

غلط تصورات کا خاتمہ

حضور نے بعض نکاح معاشرے میں رائج غلط رسوم اور صدیوں پرانے غیر شرعی تصورات کو ختم کرنے کے لئے فرمائے۔ جیسا کہ عرب میں منہ بولے بھائی کی بیٹی کو حقیقی بھتیجی سمجھ کر اس سے نکاح کو ناجائز یا ناپسندیدہ تصور کیا جاتا تھا۔ جب حضرت ابو بکر صدیق نے اسی بنیاد پر حضرت عائشہ کے نکاح سے تردد ظاہر کیا تو حضور نے وضاحت فرمائی کہ اسلامی بھائی چارہ نسبی رشتے کی طرح نکاح کی ممانعت پیدا نہیں کرتا۔ اس کے بعد حضرت عائشہ کا نکاح حضور سے طے ہوا اور اس عمل کے ذریعے اس غلط رسم کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا گیا۔[6]

اسی طرح عرب معاشرے میں منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹا سمجھ کر اس کی مطلقہ سے نکاح کو حرام تصور کیا جاتا تھا۔ اللہ پاک نے اس جاہلی رسم کو ختم کرنے کے لئے حضور کو براہِ راست حکم دیا کہ حضور زید بن حارثہ کی طلاق کے بعد سیدہ زینب سے نکاح فرمائیں۔[7] سورۂ احزاب کی آیت نمبر 38 میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ نیز حضور کا حضرت زینب سے نکاح بھی دفعِ توہمات کے قبیل سے تھا۔ کیونکہ اس نکاح کے ذریعے منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹے کی طرح سمجھنے کا جاہلی تصور باطل قرار دیا گیا اور واضح کر دیا گیا کہ منہ بولے بیٹے کی مطلقہ سے نکاح شرعاً جائز ہے، اگر کوئی حقیقی حرمت نہ ہو۔

احکامِ شریعت کی تعلیم

کثرتِ نکاح کا ایک سبب خواتینِ امت تک ان کے مخصوص مسائل پہنچانا بھی شمار کیا جاسکتا ہے، کیونکہ خواتین کے بے شمار مخصوص مسائل ایسے ہیں جن کا بیان اور سیکھنا مردوں کے لئے ممکن نہیں ہوتا۔ شرم وحیا کی وجہ سے عورتیں حیض، نفاس، ازدواجی تعلقات اور طہارت جیسے نازک مسائل براہِ راست حضور سے بیان کرنے میں جھجک محسوس کرتی تھیں اور حضور خود بھی انتہائی باحیا تھے۔ اس ضرورت کے تحت ضروری تھا کہ ایسی پاک دامن، سمجھ دار اور دین دار خواتین آپ کے گھرانے میں موجود ہوں جو عورتوں کے خصوصی مسائل کو سیکھ کر آگے پہنچا سکیں۔ پھر ہجرت کے بعد مسلمانوں کی تعداد مزید بڑھ گئی تو ایسی صورت میں ایک زوجہ تنہا یہ انتہائی اہم ذمہ داری ادا نہیں کر سکتی تھیں، اس لئے ازواجِ مطہرات کا زیادہ ہونا امت کی خواتین کی تربیت، راہ نمائی اور دینی ضروریات کی تکمیل کے لئے ناگزیر تھا۔

غلامی سے آزادی وخاتمۂ عداوت

حضور کے بعض نکاحوں سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ جس قبیلے میں حضور نے نکاح فرمایا اس قبیلے کے تمام افراد جو مسلمانوں کے پاس غلام تھے، آزاد کر دیئے گئے، ان کی دشمنی ختم ہوئی اور انہوں نے اسلام بھی قبول کیا۔ مثلاً: آپ کے حضرت جویریہ سے نکاح کے بعد ان کے قبیلے کے ہر ہر قیدی کو آزاد کر دیا گیا۔[8] نیز اس کے نتیجے میں ان کے بہت سے لوگ اسلام کی طرف مائل ہوئے اور ان کی دشمنی دوستی میں بدل گئی۔

اس کے علاوہ حضور کی حضرت عائشہ صدیقہ سے شادی کی بدولت جہاں حضرت صدیقِ اکبر کے ساتھ تعلقات مزید مضبوط ہوئے وہیں قبیلہ بنی تمیم سے بھی رشتہ داری قائم ہوئی جس کی قریش میں بہت اہمیت تھی۔ اسی طرح حضرت حفصہ سے نکاح نے جہاں حضرت عمر کو مزید آپ کے قریب کر دیا وہیں قبیلہ عدی کے ساتھ بھی رشتہ داری قائم ہوئی، ان کے پاس بھی بڑی اہم ذمہ داریاں تھیں۔

حضرت ام سلمہ کا تعلق اس خاندان سے تھا جس سے خالد بن ولید جیسے فوجی جرنیل تعلق رکھتے تھے۔ حضرت ام حبیبہ ابو سفیان کی بیٹی تھیں۔ ان سے نکاح کے بعد وہ کبھی بھی حضور کے مدِ مقابل نہیں آئے، بلکہ مدینے میں صلح کی کوششیں کرنے

رہے۔ حضرت صفیہ سے نکاح فرمایا تو یہودیوں کی طرف سے مخالفت ومزاحمت کی بھڑکتی ہوئی آگ ٹھنڈی ہوگئی۔ حضرت میمونہ سے نکاح فرمایا تو نجد کا علاقہ اسلامی ریاست اور اس کا سربراہ اسلام کا حامی، مددگار اور خیر خواہ بن گیا۔ یعنی تعددِ نکاح کے جہاں دیگر فوائد حاصل ہوئے وہیں یہ ربانی امر اسلام کے استحکام اور مضبوطی میں بھی کارگر ثابت ہوا۔

بیواؤں ومظلوم عورتوں کی کفالت

تعددِ ازدواج کی ایک ربانی حکمت اللہ پاک کے دین کی خاطر بے پناہ مصائب جھیلنے والی اور اس کی راہ میں ایثار وقربانی کا عدیمُ المثال مظاہرہ کرنے والی خواتین کو ان کی بے بسی اور بے کسی کے عالم میں سہارا دینا بھی تھی۔ چنانچہ

حضرت سودہ اسلام کے ابتدائی دور میں اسلام سے وابستہ ہوئیں، ہجرت کی سختیاں برداشت کیں اور پچاس برس کی عمر میں بیوہ ہوئیں۔ اس عمر میں ناممکن تھا کہ کوئی انہیں اپنی رفاقت میں لیتا لیکن حضور کی شانِ رحمت تھی کہ انہیں اپنے نکاح میں لے لیا۔ حضرت حفصہ سے بھی بیوگی کی حالت میں نکاح فرمایا۔ اسی طرح حضرت زینب بنتِ خزیمہ، حضرت ام سلمہ، حضرت صفیہ اور حضرت جویریہ رضی اللہ عنہن وغیرہ سے نکاح بھی محض رحم دلی، سرپرستی اور فلاحی جذبے کے تحت کیے گئے تھے۔

اسباق وہدایات

الغرض حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے جتنے نکاح فرمائے وہ سب حکمت، ذمہ داری اور ربانی ہدایت کے تحت تھے۔ ان نکاحوں کا مقصد شریعت کی تکمیل اور امت کے لئے راہ نمائی تھا۔ آج کل ہمارے معاشرے میں اس بات کو دلیل بنا کر ایک سے زائد شادیاں کی جاتی ہیں کہ سنت ہیں یا اجازت ہے! مگر یہ خاص پہلو بالائے طاق رکھا جاتا ہے کہ سب ازواج میں برابری قائم رکھی جائے، ایک جیسا سلوک کیا جائے، ہر ایک کا حق ادا کیا جائے وغیرہ۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ اگر مرد دوسری شادی کرتے ہیں تو پہلی بیوی کی کوئی خبر گیری ہی نہیں رکھتے، ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ اس دور میں دیکھا جائے تو ایک سے زیادہ شادیاں کرنا اور انہیں احسن طریقے سے نبھانا قریب بہ ناممکن ہے۔ حضور کے متعدد نکاح نہ صرف آپ کی عظمت کے ثبوت بلکہ امت کے لئے راہ نمائی کا درس بھی ہیں۔

تفسیر صراط الجنان میں ہے: یہاں حضور کی شادیوں سے متعلق جو کلام ذکر کیا اس سے مقصود کفار کی طرف سے آپ کی سیرت کے اس پہلو پر کئے جانے والے اعتراضات کو ذہنوں سے صاف کرنا تھا اور آج کے زمانے میں چونکہ فحاشی، عریانی اور بے حیائی عام ہے اور زیادہ شادیوں اور کم عمر عورت سے شادی کو معاشرے میں غلط نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، اس لئے ہر امتی کی یہ اہم ترین ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ حضور کی ازدواجی زندگی کے ان پہلوؤں پر غور وفکر نہ کرے اور اس حوالے سے دماغ میں آنے والے وسوسوں کو یہ کہہ کر جھٹک دے کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کا امتی ہوں اور میرا یہ ایمان ہے کہ آپ کا کوئی عمل اللہ پاک کے حکم اور اس کی اجازت کے بغیر نہیں ہو سکتا، لہٰذا میں شیطان کے وسوسوں پر کسی صورت کان نہیں دھر سکتا۔ اسی میں ایمان کی سلامتی ہے ورنہ اس بارے میں غور وفکر ایمان کے لئے شدید خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔(9)

شیخُ الحدیث حضرت علامہ عبدُ المصطفیٰ اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: دربارِ نبوت کا تو یہ معاملہ ہے کہ آپ کا کوئی قول فعل، کوئی اشارہ بھی ایسا نہیں ہوا جو دنیا اور دین کی بھلائی کے لئے نہ ہو، آپ نے جو کہا اور جو کیا سب دین ہی کے لئے کیا بلکہ آپ نے جو کہا اور کیا وہی دین ہے، بلکہ آپ کی ذاتِ اکرم ہی مجسمِ دین ہے۔(10)

---

(1) مدارج النبوت، 2/462 (2) مواہب لدنیہ، 1/401، 402 ملخصاً (3) تفسیر صراط الجنان، 8/65، 66 ملخصاً (4) سیرت مصطفیٰ، ص123 (5) تفسیر صراط الجنان، 8/41 تا 43 ملخصاً (6) مسند امام احمد، 42/501، 502، حدیث: 25769 ملخصاً (7) تفسیر ابن کثیر، 6/380 ملخصاً (8) ابو داود، 4/30، حدیث: 3931 (9) تفسیر صراط الجنان، 8/44 (10) جنتی زیور، ص498

ایمان، عشق اور قربانی کی مثالیں





امہات المومنین کے عشقِ رسول کے واقعات

محترمہ ام غزالی مدنیہ عطاریہ*

روئے زمین پر خواتین میں امہات المومنین نہایت پاکیزہ، معزز اور محترم ترین ہستیاں ہیں۔ یہ عظمت و شرف انہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے عقد میں شامل ہونے کی وجہ سے حاصل ہوا۔ جس طرح حضور کی ذات سراپا فضل و کمال ہے، اسی طرح ازواجِ مطہرات بھی اپنے مقام و مرتبے میں بلند اور اللہ پاک کی عطا سے عظیم شان والیاں ہیں۔ فرمان الٰہی ہے: یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ (پ22، الاحزاب: 32) ترجمہ: اے نبی کی بیبیو تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ یعنی تمہارا مرتبہ سب سے زیادہ ہے اور تمہارا اجر سب سے بڑھ کر، جہان کی عورتوں میں کوئی تمہاری ہمسر نہیں۔ (1)

امہات المومنین کو اللہ پاک نے دنیا کی تمام عورتوں میں ایک منفرد اور بلند مقام عطا فرمایا۔ ان کے دل عشقِ رسول سے لبریز اور وفاداری، اطاعت اور ایمان کے نور سے منور تھے۔ ان کی زندگیاں ایمان، ایثار، قربانی اور روحانی وابستگی کی اعلیٰ مثال تھیں۔ انہوں نے اپنی زندگی کے ہر لمحے کو حضور کی خدمت، اطاعت اور محبت کے لئے وقف کر دیا۔ ان کے گھروں میں وحی نازل ہوتی رہی اور ان کے دل حضور کی محبت سے سرشار رہے۔ ان کے اعمال، گفتار اور قربانیاں عشقِ مصطفےٰ کی جیتی جاگتی تفسیر ہیں۔

امہات المومنین نے دینِ اسلام کی نشر و اشاعت، تعلیم و تربیت اور اخلاقی اصلاح میں عظیم کردار ادا کیا۔ ان کی زندگیاں امت کے لئے مشعلِ راہ ہیں اور ہر مسلمان کو سکھاتی ہیں کہ عشقِ رسول صرف دعویٰ نہیں بلکہ عملی زندگی میں اطاعت، وفاداری اور قربانی کا تقاضا کرتا ہے۔ امہات المومنین کی حضور سے محبت پاکیزہ و بے لوث تھی اور ان کی وفاداری ایسی مضبوط تھی کہ وقت کی کوئی سختی اسے متزلزل نہ کر سکی۔ ان کی سیرت ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ عشقِ نبوی ایمان، علم، قربانی، حُسنِ اخلاق اور عملی اطاعت کے ذریعے ہی پروان چڑھتا ہے۔

زیرِ نظر مضمون میں چند ایسے ہی ایمان افروز واقعات بیان کیے جائیں گے جن میں امہات المومنین کا عشقِ رسول اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہو اور ان کے ذریعے عشقِ رسول کی عظمت، گہرائی اور عملی شان مزید واضح ہو۔

* شعبہ ذمہ دار ماہنامہ خواتین

حضرت خدیجہ اور عشقِ رسول

وفا کی تصویر، سچائی کی خوگر، مجسمۂ اخلاق، پاکیزہ سیرت و بلند کردار، گداز دل، جاں پُرسوز، فہم و فراست، عقل و دانش اور جودوسخا کی پیکر سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ناز و نعم میں پلی بڑھیں۔ آپ وہ ہیں ❁ جنہیں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل ہوا ❁ جنہیں اللہ پاک نے حضرت جبریل کے ذریعے سلام بھیجا ❁ جنہیں سب سے پہلے جنت کی بشارت دی گئی ❁ جنہیں حضور کی صحبت میں تقریباً 25 سال رہنے کی سعادت حاصل ہوئی ❁ جنہوں نے شعبِ ابی طالب میں حضور کے ساتھ محصور رہ کر رفاقت، محبت، وارفتگی اور ایثار کا مثالی کردار پیش کیا نیز ❁ جنہوں نے اپنی ساری دولت حضور کے قدموں میں ڈھیر کر دی۔

نبوت کے آغاز پر جب حضور پر پہلی وحی نازل ہوئی اور آپ غارِ حرا سے گھبراہٹ کے عالم میں گھر تشریف لائے تو فرمایا: **مجھے کمبل اوڑھا دو۔** اس نازک لمحے میں سیدہ خدیجہ نے جس محبت، اعتماد اور یقین کا مظاہرہ کیا وہ عشقِ رسول کی بے مثال تصویر ہے۔ آپ نے حضور کو تسلی دی اور عرض کی: اللہ پاک آپ کو کبھی رسوا نہیں فرمائے گا، آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، سچ بولتے ہیں، کمزوروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق کے کاموں میں مدد کرتے ہیں۔[2]

یہ الفاظ محض تسلی نہیں تھے بلکہ حضور کی ذاتِ اقدس پر کامل ایمان، غیر متزلزل یقین اور بے لوث محبت کا اظہار تھے۔ اس کے بعد سیدہ خدیجہ حضور کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں تاکہ معاملہ واضح ہو، گویا ہر قدم پر حضور کا سہارا بنیں۔

یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ سیدہ خدیجہ کا عشقِ رسول اعتماد، ایثار، حکمت اور عملاً ساتھ دینے کا نام تھا۔ نبوت کے سب سے ابتدائی اور مشکل لمحے میں جس طرح انہوں نے حضور کی تصدیق کی، وہ تاریخِ انسانیت میں وفاداری اور عشقِ رسول کی سب سے روشن مثال ہے۔

حضرت عائشہ اور عشقِ رسول

ہمدمِ رسول، جگر گوشۂ خلیفۃ المسلمین، شمعِ کاشانۂ نبوت، خزینۂ رسالت کا انمول ہیرا، مہر و وفا اور صدق و صفا کی دلکش تصویر، قرآن و علومِ قرآن اور دیگر علومِ اسلامیہ کی ماہر، محبوبۂ محبوبِ ربّ العالمین، جن کی شان میں قرآنی آیات نازل ہوئیں ❁ جن کو حرمِ نبوی میں لانے کا اہتمام آسمانوں پر کیا گیا ❁ جن کی تصویر ریشم کے غلاف میں لپیٹ کر حضرت جبریل کے ذریعے دربارِ رسالت میں پیش کی گئی ❁ جن کے گھر کو عزت و احترام کے ساتھ فرشتوں کے جھرمٹ نے اپنی لپیٹ میں لے لیا ❁ جن کی گود میں سر رکھ کر حضور نے داعیِ اجل کو لبیک کہا ❁ جنہیں دین و دانش کے اعتبار سے پوری امت میں ممتاز مقام پر فائز ہونے کا اعزاز حاصل تھا ❁ جنہیں ہمیشہ دینی مسائل کے حوالے سے مرجعِ خلائق کا درجہ حاصل رہا ❁ امت کی ایسی ہمدرد، شفیق اور غم گسار ماں جن کے پاس جو بھی آیا جھولیاں بھر کر گیا ❁ جن کی پاک دامنی کی گواہی خود رب نے دی ❁ جن کو حضرت جبریل نے بطورِ خاص سلام پیش کیا، جو فقاہت، ثقاہت اور دیانت کے اعلیٰ معیار پر فائز تھیں۔ یہ وہ عظیم شخصیت ہیں جنہیں ہم سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے نام سے یاد کرتی ہیں۔

سیدہ عائشہ کے عشقِ رسول کے کیا کہنے! آپ کی زندگی کے ہر ہر گوشے سے عشقِ مصطفیٰ کی کرنیں پھوٹتی تھیں۔ آپ کی حضور سے محبت روحانی، ایمانی اور قلبی عشق کا مظہر تھی۔ آپ حضور کی محبت میں ایسی سرشار تھیں کہ آپ حضور کے ہر عمل، ہر انداز اور ہر مسکراہٹ کو محبت کی نظر سے دیکھتی تھیں۔ چنانچہ منقول ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے حضور کے حُسن و جمال کو بیان کرتے ہوئے چند اشعار پڑھے، جن کا مفہوم یہ ہے: اگر اہلِ مصر حضور کے رخسار مبارک کے اوصاف سن لیتے تو جنابِ

یوسف کی قیمت لگانے میں سیم وزر نہ بہاتے۔ اگر زلیخا کو ملامت کرنے والی عورتیں حضور کی جبینِ انور دیکھ پاتیں تو ہاتھوں کے بجائے اپنے دل کاٹنے کو ترجیح دیتیں۔ [3]

حضرت اُمِّ سَلَمہ اور عشقِ رسول

حضرت بی بی اُمِّ سَلَمہ رضی اللہ عنہا کی زندگی صبر واستقامت، جذبہ ایمانی، جوشِ اسلامی، زہد و تقویٰ، علم و عمل، محنت و جفاکشی اور عقل و فہم کا ایک ایسا شاہکار ہے جس کی مثال مشکل ہی سے مل سکے گی۔ آپ کے کارناموں اور بہادری کی داستانوں کو تاریخ اسلام کے اوراق میں پڑھ کر یہ کہنا پڑتا ہے کہ اے آسمان بول! اے زمین بتا! کیا تم نے حضرت اُمِّ سَلَمہ جیسی شیر دل اور پیکرِ ایمان عورت کو ان سے پہلے کبھی دیکھا تھا۔ [4]

جب مکے کی گلیوں میں اسلام کے چرچے شروع ہوئے تو حضرت اُمِّ سَلَمہ اسی وقت ایمان لے آئیں۔ آپ نے اپنے شوہر حضرت ابو سلمہ کے ساتھ اللہ پاک اور اُس کے رسول کی رضا کے لئے ہجرتِ حبشہ اور پھر ہجرتِ مدینہ کی سختیاں برداشت کیں۔ یہ ہجرتیں بلاشبہ آپ کے عشقِ رسول کا مظہر تھیں کہ محبوبِ خدا کے حکم پر ہر قربانی آسان محسوس ہوتی تھی۔ چنانچہ جب حضرت ابو سَلَمہ غزوہ اُحد میں زخمی ہوئے اور پھر دنیا سے رخصت ہو گئے تو حضرت اُمِّ سَلَمہ نے شدید غم کے عالم میں یہ دعا مانگی: اے اللہ! مجھے میری مصیبت میں اجر عطا فرما اور اس سے بہتر بدلہ دے۔ [5] تو اللہ پاک نے ان کے صبر اور عشق کا بدلہ انہیں یہ دیا کہ حضور نے ان سے نکاح فرما لیا۔ نکاح کے بعد حضرت اُمِّ سَلَمہ نے اپنی زندگی کا ہر لمحہ خدمتِ رسول اور محبتِ رسول میں گزارا۔

آپ ہمیشہ حضور کی خدمت بجالانے پر تیار رہتیں، مثلاً: شادی کے پہلے ہی دن جب آپ کاشانۂ رسالت میں تشریف لائیں تو فوراً حضور کے لئے اپنے ہاتھ سے کھانا پکانے کا اہتمام کرنے لگیں۔ [6]

اس سے موجودہ دور کی خواتین کو یہ سمجھنا چاہیے کہ شوہر کی خدمت محبت، اخلاص اور حُسنِ نیت کے ساتھ کی جائے اور اسے بوجھ یا مجبوری نہ سمجھا جائے۔ گھریلو امور، بالخصوص شوہر کے لئے کھانا تیار کرنا، محض ایک ذمہ داری نہیں بلکہ رفاقت اور باہمی محبت کا خوبصورت اظہار ہے۔

سیدہ اُمِّ سلمہ نے گھریلو خدمتِ شوہر کو باعثِ شرف سمجھا، جس سے واضح ہوتا ہے کہ خدمت عورت کی قدر کو کم نہیں کرتی بلکہ ازدواجی زندگی میں سکون، محبت اور برکت کا سبب بنتی ہے۔ آج کی خواتین اگر اس سیرت کو اپنائیں تو گھریلو فضا میں خوشگواری پیدا ہو، دلوں میں قربت بڑھے اور ازدواجی تعلقات مضبوط ہوں، کیونکہ خلوص کے ساتھ کی گئی چھوٹی سی خدمت بھی اللہ پاک کے نزدیک بڑے اجر کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

سیدہ اُمِّ سلمہ جہاں خود حضور کی خدمت بجالانے میں کوئی کوتاہی نہ کرتیں وہیں آپ نے اپنے غلاموں کو بھی اس بات کا خصوصی پابند کیا ہوا تھا کہ وہ حضور کی خدمت کو اپنی حرزِ جاں بنائے رکھیں، یہی وجہ ہے کہ ایک بار آپ نے اپنے غلام حضرت سفینہ سے فرمایا: میں تمہیں اس شرط پر آزاد کرتی ہوں کہ تم پوری زندگی حضور کی خدمت کرتے رہو، انہوں نے عرض کی: اگر آپ یہ شرط نہ بھی کرتیں تب بھی میں کبھی حضور سے جدائی اختیار نہ کرتا۔ [7]

ان واقعات سے معلوم ہو رہا ہے کہ سیدہ اُمِّ سلمہ کی خدمت گزاری محض ازدواجی فریضہ نہیں بلکہ دل کی گہرائیوں سے وابستہ محبت اور وفاداری کا اظہار تھی۔ حضور کی خدمت کو آپ نے اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا تھا اور اپنے زیرِ تربیت افراد کو بھی اسی عشق اور عقیدت پر قائم رکھا۔ یہ عشق اس بات کا مظہر ہے کہ سیدہ اُمِّ سلمہ کے نزدیک حضور کی رضا دنیا کی ہر نعمت سے بڑھ کر تھی اور ان کی پوری زندگی محبتِ رسول، ایثار اور کامل وفاداری کی عملی تصویر بن گئی تھی۔

حضرت حفصہ اور عشقِ رسول

سراجِ اہلِ جنت حضرت فاروقِ اعظم کی نورِ چشم، جلیل القدر صحابی حضرت عثمان بن مظعون کی بھانجی، عظیم المرتبت حضرت

عبدُ اللہ بن عمر کی ہمشیرہ، عابدہ، زاہدہ، قاریہ، ادیبہ، فصیحۃ اللسان، فصیحۃ البیان، بلیغۃ الکلام، صاف گو، کریمہ بنتِ کریم، نبیلہ بنتِ نبیل، حق گوئی، حاضر جوابی اور فہم و فراست میں اپنے والدِ بزرگوار کا عکس، خوش اطوار، خوش خصال اور قابلِ صد احترام خاتون حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی زندگی کا تذکرہ مسلم خواتین کے لئے ایک روشن اور جگمگاتی شمع کی طرح ہے۔ آپ نہایت صالحہ، عبادت گزار اور علم دوست خاتون تھیں۔ رشتۂ ازدواج میں بندھنے کے بعد اس نسبت نے آپ کی زندگی کو عشقِ رسول سے منور کر دیا۔ آپ کا دل حضور کی محبت سے لبریز تھا۔ آپ کی پوری زندگی اطاعتِ رسول کا بے مثال نمونہ ہے۔ آپ حضور کے آرام کا بہت خیال رکھا کرتیں اور حضور کو ہر ممکن طریقے سے راحت و سکون پہنچانے کے لئے کوشاں رہتیں۔ چنانچہ

فرماتی ہیں کہ میری باری کے دن حضور ایک موٹے ٹاٹ پر سویا کرتے تھے جس کو میں دوتہ کر کے بچھایا کرتی تھی۔ ایک مرتبہ میں نے اس ٹاٹ کو چارتہ کر کے بچھا دیا تو صبح حضور نے ارشاد فرمایا: اس ٹاٹ کو تم پہلے کی طرح دہرا کر کے بچھایا کرو کیونکہ مجھے خطرہ ہے کہ اس بستر کی نرمی سے کہیں میری نمازِ تہجد میں خلل نہ پیدا ہو۔ (8)

اس واقعے سے سیدہ حفصہ کا عشقِ رسول نہایت واضح طور پر سامنے آتا ہے۔ آپ حضور کے آرام، صحت اور عبادت کا خاص خیال رکھتیں اور کوشش فرماتیں کہ آپ کا کوئی بھی عمل حضور کے آرام و روحانی مشاغل میں خلل کا سبب نہ بننے پائے، اس کی پوری فکر رکھتیں۔ بستر نرم کرنے کا مقصد محض راحت پہنچانا تھا، مگر جب حضور نے تہجد کے بارے میں اندیشہ ظاہر فرمایا تو آپ نے بلاتردد اپنی خواہش کو قربان کر دیا۔ یہ طرزِ عمل اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ کے نزدیک اپنی محبت نہیں بلکہ حضور کی عبادت، معمولات اور رضا سب سے مقدم تھی۔ یہی عشقِ رسول کی اصل علامت ہے کہ محبوب کی پسند کو اپنی پسند پر ترجیح دی جائے اور اس کے ہر پہلو کا پورا خیال رکھا جائے۔

حضرت اُمِّ حبیبہ اور عشقِ رسول

حضرت اُمِّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کے عشقِ رسول کی لو ہجرت کے صحراؤں میں بجھی نہ تنہائیوں میں کمزور ہوئی، بلکہ آزمائشوں میں بھی جھلملاتی رہی۔ وطن سے جدائی اور شوہر کے مُرتد ہونے کا صدمہ تک ان کے قدم نہ ڈگمگا سکا کیونکہ ان کے دل میں عشقِ سرکار کی شمع ایسی روشن تھی جسے کوئی ہوا نہ بجھا سکی۔ ان کا شمار ان خوش بختوں میں ہوتا ہے جو سب سے پہلے نورِ ایمان سے منور ہوئے۔ ان کا وجود عشقِ رسول کی مہک سے لبریز تھا، جو ہر گزرتے لمحے کے ساتھ مہکتا ہی چلا گیا۔

سیدہ اُمِّ حبیبہ کی زندگی عشقِ رسول اور استقامتِ ایمان کی روشن مثال ہے۔ جب زندگی کا سب سے کڑا امتحان آیا اور شوہر نے دینِ اسلام چھوڑ دیا تو انہوں نے کسی لمحے کے لئے بھی ایمان کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ اس شدید آزمائش میں بھی ان کی ثابت قدمی نے کفر کی آگ کو ان کے ایمان کے چمن تک پہنچنے نہ دیا۔ یہی وہ مقام تھا جہاں محبتِ رسول کی قوت نے انہیں سنبھالا اور اسی سہارے انہوں نے عزم و استقلال کی ایک درخشاں مثال تاریخ کے سنہرے اوراق میں رقم کی۔ پھر جب ربِّ کریم نے ان کو اپنے محبوب کے نکاح کا شرف عطا فرمایا تو گویا ان کی زندگی کے تمام غم رحمتوں میں بدل گئے اور ان کا مقام مزید بلند ہو گیا۔

عشقِ رسول کا ایک اور نمایاں مظہر اس وقت سامنے آیا جب ان کے والد ابو سفیان ان کے گھر آئے اور حضور کے بستر پر بیٹھنے لگے تو سیدہ اُمِّ حبیبہ نے فوراً وہ بستر لپیٹ دیا اور ادب و جرأت کے ساتھ فرمایا: یہ اللہ پاک کے رسول کا مبارک بستر ہے اور آپ اس وقت مشرک ہیں، اس لئے میں نے اس پاکیزہ بستر پر آپ کا بیٹھنا گوارا نہ کیا۔ (9)

یہ واقعہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ سیدہ اُمِّ حبیبہ کے نزدیک ایمان اور عشقِ رسول ہر رشتے، ہر تعلق اور ہر دنیاوی

مصلحت سے بڑھ کر تھا۔

حضرت زینب بنتِ جحش اور عشقِ رسول

یہ حضور کی پھوپھی اُمیمہ بنتِ عبدُ المطلب کی صاحبزادی تھیں۔ حضور نے اپنے آزاد کردہ غلام اور متبنّی حضرت زید بن حارثہ سے ان کا نکاح فرمایا، مگر میاں بیوی میں نباہ نہ ہو سکا اور حضرت زید نے انہیں طلاق دے دی۔ عدت پوری ہونے کے بعد اللہ پاک نے قرآنِ کریم میں یہ آیت نازل فرمائی:

فَلَمَّا قَضٰى زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا (پ22، الاحزاب:37) ترجمہ: پھر جب زید نے اس سے حاجت پوری کرلی تو ہم نے آپ کا اس کے ساتھ نکاح کر دیا۔

اس آیت کے نزول پر حضور نے مسکراتے ہوئے فرمایا: کون ہے جو زینب کو یہ خوشخبری دے کہ اللہ پاک نے میرا نکاح ان سے کر دیا ہے؟ ایک خادمہ نے یہ خبر پہنچائی تو حضرت زینب بے حد خوش ہوئیں، زیورات اتار کر انعام میں دے دیئے، سجدۂ شکر ادا کیا اور دو ماہ مسلسل شکرانے کے روزے رکھے۔ حضور نے اس نکاح پر نہایت شان دار ولیمہ فرمایا جو ازواجِ مطہرات میں نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔[10]

حضور کی ازواجِ مطہرات میں حضرت زینب بنتِ جحش کو یہ امتیازی شرف حاصل ہے کہ اللہ پاک نے خود قرآنِ کریم میں ان کے نکاح کا اعلان فرما کر انہیں اپنے حبیب کے عقد میں دیا جس پر ہمیشہ آپ کو فخر رہا اور یہ دیگر ازواجِ مطہرات سے فرمایا کرتی تھیں: تم سب کے برعکس میرا نکاح اللہ پاک نے فرمایا۔ یہ الفاظ نہیں بلکہ ایک عاشقۂ رسول کے دل کی صدا تھے۔ آپ کی پوری زندگی عشقِ مصطفےٰ، شکر، ایثار اور اخلاص کی روشن تصویر ہے۔

حضرت سودہ بنتِ زمعہ اور عشقِ رسول

حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد جب حرمِ نبوی کی فضا میں ایک خاموشی اور سنجیدگی سی چھا گئی تو اللہ پاک نے اپنے محبوب کے لئے حضرت سودہ بنتِ زمعہ کو منتخب فرمایا۔ آپ اطاعت و فرمانبرداری، ایثار و قربانی اور سخاوت و فیاضی کی مجسم تصویر تھیں۔ ابتدائی دور میں اسلام قبول کرنے والی اس عظیم خاتون کو حبشہ اور مدینہ کی دو ہجرتوں کا شرف حاصل ہوا جو آپ کے مضبوط ایمان اور ثابت قدمی کی روشن دلیل ہے۔

تقریباً تین برس تک کاشانۂ اقدس میں رہنے والی آپ ہی زوجۂ مطہرہ رہیں۔ اس دوران آپ نے نہ صرف حضور کا بھرپور ساتھ دیا بلکہ اپنی محبت، خلوص اور خدمت سے دلِ مبارک کو مسرت پہنچاتی رہیں۔ پھر جب دیگر ازواج بھی کاشانۂ اقدس میں آئیں اور آپ بھی عمر رسیدہ ہو گئیں تو آپ نے اپنی باری کا دن خوش دلی سے حضرت عائشہ کے لئے ایثار کر دیا، تاکہ حضور خوش رہیں۔[11] یہ وہ قربانی تھی جس نے آپ کے عشقِ رسول کو دوام بخشا۔

حضرت سودہ کا تعلق قریش سے تھا اور آپ ان چند خوش نصیب ازواج میں شامل تھیں جنہوں نے دنیاوی سہولتوں کو پسِ پشت ڈال کر محض رضائے رسول کو اپنا مقصود بنایا۔ آپ کی عبادت گزاری، خوفِ خدا اور حُسنِ اخلاق نے آپ کو ازواجِ مطہرات میں ممتاز کیا۔ حضرت عائشہ جیسی جلیل القدر ہستی کا یہ فرمان کہ مجھے حضرت سودہ کے طریقے پر ہونا سب سے زیادہ محبوب ہے[12] آپ کے عظیم کردار کی گواہی ہے۔

حضرت سودہ کا عشق جذباتی دعوؤں تک محدود نہ تھا بلکہ عملی وفاداری، ایثار اور عاجزی میں ڈھلا ہوا تھا۔ حضور کی خوشی آپ کے لئے سب سے بڑی نعمت تھی۔ آپ نے دنیا پر آخرت میں قربِ رسول کو ترجیح دی۔ آپ کی سیرت آج بھی یہ درس دیتی ہے کہ سچا عشقِ رسول وہی ہے جو اپنی خواہشات کو قربان کر کے محبوب کی رضا میں ڈھل جائے۔

حضرت جویریہ اور عشقِ رسول

محبت کے وہ آنگن جن میں عشقِ مصطفےٰ کے پھول کھلتے ہیں، وہاں وفا، اعتماد اور قربانی خود بخود پروان چڑھتی ہے۔ جن خوش نصیب ہستیوں کو عشقِ سرکار کی دولت نصیب ہو جائے ان کی

عظمت و رفعت میں ایسی چمک پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ آسمانِ محبت پر روشن ترین ستاروں کی طرح جگمگانے لگتی ہیں۔ امہات المومنین میں حضرت جویریہ بنتِ حارث اسی عشقِ مصطفےٰ کی درخشاں مثال ہیں، جن میں حُسنِ صورت کے ساتھ حُسنِ سیرت بھی اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر تھا۔ سیدہ عائشہ صدیقہ آپ کے حُسن کا ذکر کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ حضرت جویریہ نہایت شیریں اور ملیح تھیں، جو بھی انہیں دیکھتا متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا۔[13] مگر آپ کی اصل خوبصورتی آپ کے دل میں بسنے والا عشقِ رسول تھا جو اطاعت، حیا اور عاجزی کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا۔ نکاح سے چند روز قبل خواب میں سمتِ مدینہ سے چاند کا چل کر آنا اور آپ کی گود میں اترنا[14] اسی عظیم نسبت کی بشارت تھی جو آپ حضور سے عطا ہونی تھی۔

غزوۂ بنی مصطلق کے بعد جب آپ قید ہو کر حضور کی خدمت میں آزادی کی خواہش لے کر آئیں، مگر واپس لوٹیں تو عشقِ رسول اور دائمی عزت کے ساتھ۔ حضور نے انہیں آزاد فرما کر اپنے نکاح میں لے لیا۔ یہ نکاح محض ایک رشتہ نہ تھا بلکہ رحمت اور برکت کا سرچشمہ ثابت ہوا، کیونکہ صحابہ کرام نے ان کے قبیلے کے تمام قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ اسی لئے حضرت عائشہ فرمایا کرتی تھیں کہ میں نے حضرت جویریہ سے زیادہ اپنے قبیلے کے لئے بابرکت عورت نہیں دیکھی۔ حضرت جویریہ عبادت، ذکر اور ریاضت میں ڈوبی رہتیں۔ آپ کا عشقِ رسول جذباتی نعروں تک محدود نہ تھا بلکہ اطاعت، شکر، عبادت اور قربانی کی عملی تصویر تھا۔ حضرت جویریہ کی زندگی یہ پیغام دیتی ہے کہ سچا عشقِ سرکار وہی ہے جو دل کو بھی بدل دے اور زندگی کو بھی۔

حضرت زینب بنتِ خزیمہ اور عشقِ رسول

جب اللہ پاک کے آخری و پیارے نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے نبوت و رسالت کا اعلان فرما کر دعوتِ اسلام کا آغاز کیا تو جن پاکیزہ فطرت اور نیک سیرت ہستیوں نے سبقت کے ساتھ اس دعوت پر لبیک کہا، ان میں حضرت زینب بنت خزیمہ کا نام بھی نمایاں ہے۔ آپ نے ایمان کو محض قبول ہی نہیں کیا بلکہ اسے اپنی زندگی کا شعار بنا لیا۔ آپ کی سخی اور فیاض طبیعت، یتیموں اور مساکین پر بے لوث شفقت اور حاجت مندوں کی دل جوئی نے زمانۂ جاہلیت ہی میں آپ کو اُمُّ المساکین کے دل نشیں لقب سے مشہور کر دیا تھا۔ اسلام نے آکر آپ کی ان صفات کو مزید نکھار دیا اور آپ کی زندگی سراسر خدمتِ خلق اور رضائے الٰہی کا پیکر بن گئی۔ اگرچہ حضور کے ساتھ آپ کی رفاقت کا زمانہ بہت مختصر رہا اور نکاح کے چند ہی ماہ بعد آپ اس دنیا سے رخصت ہو گئیں، مگر اس قلیل مدت میں بھی آپ نے عشقِ رسول اور وفاداری کی ایسی مثال قائم کی جو ہمیشہ کے لئے تاریخ کا حصہ بن گئی۔

خاندانی شرف کے اعتبار سے بھی آپ کو ایک منفرد مقام حاصل ہے۔ آپ ان چار عظیم خواتین کی ماں شریک بہن تھیں جنہیں حضور نے اَلْاَخَوَاتُ الْمُؤْمِنَات کا بابرکت لقب عطا فرمایا۔ ازواجِ مطہرات میں یہ اعزاز بھی آپ کو حاصل ہے کہ آپ کی نمازِ جنازہ خود حضور نے ادا فرمائی۔ آپ ان خوش نصیب ازواج میں شامل ہیں جنہوں نے اپنی جان اور اپنی زندگی رسولِ اکرم کے لئے ہبہ کر دی تھی۔ آپ جانتی تھیں کہ نبی سے محبت محض زبان سے نہیں بلکہ خدمت، ایثار اور عمل سے ثابت ہوتی ہے۔ اسی لئے آپ ہمیشہ غریبوں، مسکینوں اور یتیموں کے لئے رحمت بن کر رہیں۔ آپ کا دل اس نور سے منور تھا جو عشقِ رسول سے جنم لیتا ہے، اور یہی نور آپ کی مختصر مگر بابرکت زندگی کو دائمی عظمت عطا کر گیا۔

حضرت صفیہ اور عشقِ رسول

جب عام سی مٹی بھی کچھ عرصے کسی خوش رنگ و خوشبودار پھول کی صحبت میں رہتی ہے تو اس کی مہک اپنے اندر جذب کر لیتی ہے تو پھر وہ خوش نصیب ہستیاں جو حضور کی صحبتِ مقدسہ سے فیض یاب ہوں، ان کا دل و دامن نور، خوشبو اور پاکیزگی سے کیوں نہ بھر جائے۔ اُمُّ المومنین حضرت صفیہ بھی انہی سعادت

مند خواتین میں سے ہیں جنہوں نے حضور کے چشمۂ علم و عمل سے سیرابی پائی اور اپنی پوری زندگی عبادت، تقویٰ اور عشقِ رسول کے رنگ میں رنگ دی۔ آپ نے دن رات اللہ پاک کی عبادت میں بسر کیے اور اپنے بعد آنے والی نسلوں کے لئے زہد و تقویٰ، صبر و شکر اور اخلاص و وفا کی ایک روشن مثال چھوڑ دی۔ یہی وجہ ہے کہ عبادت، ورع، زہد، نیکی اور صدقہ جیسے اوصافِ عالیہ میں آپ کا شمار ان ممتاز خواتین میں ہوتا ہے جنہوں نے ان صفات میں گویا سرداری کا درجہ حاصل کیا۔

حضرت صفیہ کی پاکیزہ حیات کا ہر لمحہ عشقِ رسول سے معمور تھا۔ آپ کا دل حضور کی محبت، پیار اور الفت سے لبریز تھا۔ اسلام قبول کرنے اور حضور کی زوجیت میں آنے کے بعد آپ نے جس طرح اپنی زندگی گزاری، وہ سراسر وفا، اطاعت اور محبت کا عملی نمونہ ہے۔ آپ کے حالاتِ زندگی کا ہر جملہ، ہر لفظ اور ہر عمل حضور کے ساتھ گہری محبت اور قلبی وابستگی کی گواہی دیتا ہے۔ آپ کی زندگی ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ محبوبِ خدا کی صحبت اور نسبت انسان کو کس طرح روحانی بلندیوں تک پہنچا دیتی ہے۔

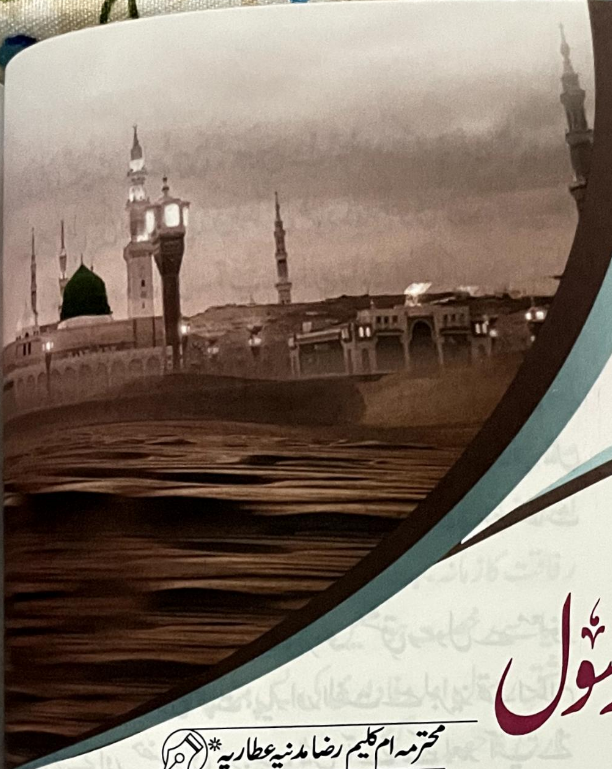
عشقِ نبوی کی تعلیمات برائے خواتین

عشقِ رسول وہ زندہ اور روشن نور ہے جو دلوں کی ویرانی کو آباد کرتا، کردار کی کجی کو سنوارتا اور انسان کی پوری زندگی کو ایک بامقصد سمت عطا کرتا ہے۔ جس دل میں محبتِ مصطفےٰ گھر کر جائے وہ دل نفرت، حسد، کینہ اور ظلم سے پاک ہو جاتا ہے اور اس کے بدلے رحمت، خیر خواہی، خدمتِ خلق اور اعلیٰ اخلاق اس کی پہچان بن جاتے ہیں۔ یہ عشق انسان کے باطن کو جگا دیتا ہے، نیتوں کو خالص کرتا ہے اور اعمال کو اللہ پاک کی رضا کے لئے سنوار دیتا ہے۔ عشقِ رسول در حقیقت وہ طاقت ہے جو انسان کو اپنے نفس پر قابو پانے، آزمائشوں میں ثابت قدم رہنے اور ہر حال میں حق کے ساتھ کھڑے ہونے کا حوصلہ عطا کرتی ہے۔ یہ محبت محض دعویٰ یا جذباتی کیفیت نہیں بلکہ صبر، اطاعت، وفا اور قربانی کا عملی نام ہے۔ امہات المومنین کی زندگیاں اس حقیقت کی زندہ تفسیر ہیں۔ انہوں نے فقر، ہجرت، اذیتوں اور مصیبتوں کے باوجود ایمان کا چراغ بجھنے نہ دیا اور ہر حال میں حضور کی رضا کو مقدم رکھا۔

عصرِ حاضر میں عشقِ مصطفےٰ امتِ مسلمہ کا سب سے قیمتی سرمایہ اور اصل قوت ہے۔ یہی محبت اتباعِ رسول کو لازم بناتی ہے، معاشرت کو پاکیزہ اور آخرت کو روشن کرتی ہے۔ خصوصاً خواتین کے لئے عشقِ رسول ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے، کیونکہ حضور نے عورت کو عزت، مقام، حقوق اور تحفظ عطا فرمایا۔ ان احسانات کا حقیقی شکر یہی ہے کہ عورت اپنی عملی زندگی میں سنتِ نبوی کو اختیار کرے، عبادت میں اخلاص، کردار میں حیا، گفتار میں نرمی اور گھر میں دین کی فضا قائم کرے اور اپنی اولاد کی تربیت سیرتِ مصطفےٰ کے مطابق کرے۔ محبتِ رسول وہ قوت ہے جو نیکیوں کی طرف کھینچتی، گناہوں سے دور رکھتی اور دل میں سنتوں کی محبت پیدا کرتی ہے۔ آج کے پُر فتن دور میں سیرتِ مصطفےٰ ہی ایمان کی حفاظت اور نجات کا واحد راستہ ہے۔ دعوتِ اسلامی کا دینی ماحول اسی عشق کو عمل میں ڈھالنے، دلوں میں سنتوں کی محبت راسخ کرنے اور قُربِ مصطفےٰ کی راہ ہموار کرنے کا مؤثر ذریعہ ہے۔ یہی وہ راستہ ہے جو انسان کو دنیا کی الجھنوں سے نکال کر رضائے الٰہی اور عشقِ رسول کی حقیقی منزل تک پہنچا دیتا ہے۔

---

1 تفسیر خزائن العرفان، ص780
2 بخاری، 1/8، حدیث:3
3 شرح زرقانی، 4/390
4 جنتی زیور، ص488
5 مسلم، ص356، حدیث:2127
6 طبقات ابن سعد، 8/73
7 ابو داود، 4/31، حدیث:3932
8 الشفاء، 1/142
9 طبقات ابن سعد، 8/79
10 شرح زرقانی، 4/409 تا 411
11 بخاری، 2/174، حدیث:2593
12 مسلم، ص592، حدیث:3629
13 الاحسان، 6/143، حدیث:4043
14 مستدرک، 5/35، حدیث:6859





مہاجرات صحابیات کا عشقِ رسول

محترمہ ام کلیم رضا مدنیہ عطاریہ*

عشقِ رسول کا مفہوم اسلامی نقطۂ نظر سے

قرآن و سنت میں محبتِ رسول کو ایمان کا لازمی جز قرار دیا گیا ہے۔ قرآنِ کریم میں ایمان کا معیار یہ بیان ہوا ہے: قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِیْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ اﰳقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَیْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖؕ (پ10، التوبہ:24) ترجمہ: تم فرماؤ: اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا خاندان اور تمہاری کمائی کے مال اور وہ تجارت جس کے نقصان سے تم ڈرتے ہو اور تمہارے پسندیدہ مکانات تمہیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے۔ اور حدیثِ پاک میں ایمان کا معیار یہ بیان ہوا ہے: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک (کامل) مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اسے اس کے والد، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔(1)

عشقِ رسول محض جذباتی وابستگی کا نام نہیں بلکہ اس کے کچھ عملی تقاضے ہیں جن کو پورا کرنا ہر عاشقِ رسول کے لئے ضروری ہے، مثلاً: محبتِ رسول کا پہلا تقاضا یہ ہے کہ دل و جان سے حضور پر ایمان لایا جائے اور آپ کی نرم خوئی، رحمت اور حسنِ اخلاق سے وابستگی رکھی جائے۔ اس محبت کا عملی تقاضا اطاعت بھی ہے یعنی زندگی کے ہر شعبے میں اللہ اور اس کے رسول کے احکامات اور سنتوں کی پیروی کی جائے۔ محبتِ رسول کا تقاضا قربانی بھی ہے کہ انسان مال، وقت اور جان سب کچھ حضور کی محبت میں نچھاور کرنے کو تیار رہے۔ اسی طرح ناموسِ رسالت کا دفاع، تعظیم و توقیر اور کسی بھی توہین پر غیرتِ ایمانی کا اظہار محبت کا لازمی جز ہے۔

صحابہ کرام کی طرح صحابیات نے بھی عشقِ رسول کے تمام تقاضوں کو پورا کیا، وہ عشقِ رسول کے تمام عملی مظاہر کا پیکرِ جمیل تھیں۔ مکہ مکرمہ میں دعوتِ اسلام کا ابتدائی دور نہایت سختیوں کا دور تھا، جہاں مسلمان مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین نے بھی ایمان، محبت اور وفاداری کی ایسی مثالیں قائم کیں جو تاریخِ اسلام کا روشن باب ہیں۔ یوں تو تمام صحابیات چاہے مکیہ ہوں یا مدنیہ، مہاجرہ ہوں یا انصاریہ، سب نے ہی حضور سے سچی محبت کی مگر وہ صحابیات جنہوں نے اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی محبت و اطاعت میں تمام تکالیف برداشت کیں، اپنا سب کچھ حضور پر قربان کیا، حتی کہ حضور

* طالبہ تخصص فی الدعوۃ سال دوم دھوراجی کراچی

ہی کے حکم پر اپنا گھر بار، مال و متاع اور شہر چھوڑ کر دیارِ غیر کو اپنا مسکن بنایا یعنی مہاجرات صحابیات، ان کی قربانیاں اور عشقِ رسول کے واقعات خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، کیونکہ یہ نہ صرف ایمان کی روشنی سے منور ہوئیں، بلکہ انہوں نے اس راہ میں آنے والی آزمائشوں کو بھی خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ ان کی ہجرت خود عشقِ رسول کا واضح اعلان اور ناقابلِ فراموش مثال تھی۔ اس مضمون کا مقصد ان مہاجرات صحابیات کے عشقِ رسول کے عملی نمونے بیان کرنا ہے، جنہوں نے اسلام کے ابتدائی دور میں نہایت صبر و عزیمت کے ساتھ حضور کا ساتھ دیا۔

اس مضمون میں چند منتخب مہاجرات صحابیات کے عشقِ رسول سے لبریز واقعات عملی تقاضوں کی روشنی میں ذکر کیے جائیں گے جن سے ہمیں اور ہمارے عشق کو بھی تقویت ملے گی۔

مہاجرات ازواجِ مطہرات

پانچ امہات المومنین کا شمار ہجرت کرنے والی صحابیات میں ہوتا ہے، ان کی حضور سے محبت کا معیار دہرا تھا؛ ایک تو بحیثیتِ امتی اپنے نبی کی محبت، پھر بحیثیتِ بیوی اپنے شوہر سے محبت۔ ازواجِ مطہرات کے عشقِ رسول کے واقعات محتاجِ بیاں نہیں، البتہ حصولِ برکت کے لئے مختصراً ہجرت کرنے والی ازواج کا ذکر درج ذیل ہے:

حضرت سودہ بنتِ زمعہ اپنے چچازاد کے نکاح میں تھیں، یہ دونوں میاں بیوی ابتدائے اسلام ہی میں مسلمان ہوئے اور ہجرتِ حبشہ میں شریک ہوئے، حبشہ سے واپس مکے آنے کے بعد ان کے شوہر وفات پاگئے اور یہ بیوہ ہو گئیں۔ چنانچہ حضور نے سیدہ خدیجۃ الکبریٰ کے وصال کے بعد ان سے نکاح فرمالیا۔ حضور سے شادی کے بعد انہوں نے مدینہ شریف بطور حضور کی زوجہ ہجرت فرمائی، پھر جب عمر رسیدہ ہو گئیں تو حضور کی رضا اور غبت کی خاطر اپنی باری کے دن حضرت عائشہ کو ہبہ کر دیئے تھے۔[2]

سیدہ عائشہ بنتِ صدیق سے ہجرت سے تین سال قبل جبکہ آپ کی عمر مبارک چھ سال تھی حضور نے نکاح فرمایا اور ہجرت کے آٹھویں مہینے نو سال کی عمر میں آپ کاشانۂ اقدس میں رخصت ہو کر آئیں۔[3] حضور کی محبت آپ کی رگ و پے میں بسی ہوئی تھی؛ آپ نے حضور کی ایک ایک ادا کو محفوظ کیا اور امت تک پہنچایا، گویا محبت کو علم و عمل کی صورت دے دی۔ حضور کی رضا آپ کی زندگی کا مقصد تھی، اسی لئے آپ کا ہر قول و عمل محبتِ مصطفیٰ کی گواہی دیتا ہے۔ مثلاً: آپ خود فرماتی ہیں: مجھ پر رمضان کے قضا روزے ہوتے تھے مگر میں حضور کی خدمت میں مشغول ہونے کی وجہ سے ماہِ شعبان کے علاوہ ان کو ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتی تھی۔[4] مفتی احمد یار خان نعیمی فرماتے ہیں: (یعنی) دس ماہ میں ہر وقت حضور انور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے تیار رہتی تھی کہ نہ معلوم آپ مجھے کس وقت شرفِ قُربت عنایت فرمائیں، اس لئے روزہ قضا نہ کرتی تھیں۔ معلوم ہو رہا ہے کہ اُمُّ المومنین ان دس ماہ میں نفلی روزے بھی نہ رکھتی تھیں۔ جب فرض قضا نہ کر سکتی تھیں تو نفل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔[5]

حضرت حفصہ فاروقِ اعظم کی شہزادی ہیں، ان کی پہلی شادی حضرت خنیس بن حذافہ سہمی سے ہوئی اور انہوں نے اپنے شوہر کے ساتھ مدینہ ہجرت کی، یہ جنگ بدر میں شہید ہو گئے تو حضور نے ان سے نکاح فرمایا۔[6] ان کے عشقِ رسول کا عالم یہ تھا کہ ان کے سامنے جب حضور کے حالاتِ زندگی بیان کئے جاتے تو حضور کو یاد کر کے پھوٹ پھوٹ کر روتیں اور غمِ نبی میں خوب آنسو بہاتیں۔[7]

حضرت ام سلمہ کا پہلا نکاح حضرت ابو سلمہ بن عبدُ الاسد سے ہوا، آپ نے اپنے شوہر کے ساتھ حبشہ، پھر مدینے ہجرت کی۔ 4 سن ہجری میں آپ کے شوہر کا وصال ہوا، اس کے بعد حضور نے آپ سے نکاح فرمایا۔[8] آپ نے ساری زندگی حضور کی خدمت کو اپنا نصب العین بنائے رکھا، یہاں تک کہ اپنے غلام

حضرت سفینہ کو اس شرط پر آزاد کیا کہ وہ ساری زندگی حضور کی خدمت گزاری کرتا رہے۔[9]

حضرت ام حبیبہ پہلے عبید اللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں، میاں بیوی دونوں نے اسلام قبول کیا اور ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے، لیکن حبشہ پہنچ کر ان کے شوہر پر بدبختی غالب ہوئی اور وہ نصرانی ہو کر اسی حالت میں مر گیا۔ جب حضور کو اس کا علم ہوا تو ان کی دلجوئی کے لئے شاہِ حبشہ نجاشی کو اپنا وکیل بنا کر ان سے نکاح فرمالیا۔[10] صلحِ حدیبیہ کے بعد ان کے والد ابو سفیان مدینہ منورہ آئے اور حضور کے بستر پر بیٹھنے لگے تو انہوں نے انہیں یہ کہتے ہوئے بیٹھنے سے منع کر دیا کہ یہ بستر طاہر و مطہر ہے اور آپ نجاستِ شرک سے آلودہ ہیں۔[11]

الغرض ان ازواجِ مطہرات نے حضور کی محبت میں وطن، آسائش اور عزیز رشتے چھوڑ کر ہجرت کی اور وفاداری کی لازوال مثال قائم کی۔ ان کا عشقِ رسول اطاعت، صبر اور قربانی کی صورت میں ظاہر ہوا، جہاں ہر مشکل کو محبوب کی رضا پر قربان کر دیا گیا۔ یہ مقدس ہستیاں ثابت کرتی ہیں کہ سچی محبتِ رسول وہی ہے جو ہر حال میں اتباع اور استقامت بن جائے۔

مہاجرات رشتہ دار صحابیات

حضرت فاطمہ بنتِ اسد

پیارے آقا کی چچی جان اور حضرت مولا علی کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنتِ اسد تاریخِ اسلام کی ایک اہم ہستی ہیں۔ آپ بھی اُن خوش نصیب شخصیات میں شامل ہیں جو ایمان کی دولت سے سرفراز ہوئیں اور مدینے شریف ہجرت کی۔ حضور کی پرورش میں ان کا اہم کردار رہا، حضور نے انہیں ماں کی حیثیت سے عزت دی اور ان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اللہ پاک آپ پر رحم فرمائے! میری والدہ محترمہ کے بعد آپ میری ماں تھیں، خود بھوکی رہتیں مجھے کھلاتیں، خود پرانے کپڑوں میں گزارا کرتیں مجھے نئے کپڑے پہناتیں، اچھے کھانے خود نہ کھاتیں بلکہ مجھے کھلاتیں، صرف اس نیت سے کہ اللہ پاک کی رضا اور آخرت کی کامیابی حاصل ہو۔[12] یہ آپ کا حضور سے پیار ہی تھا کہ آپ نے اپنے بچوں کی طرح حضور کی پرورش کی اور حضور کی خدمت میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

حضرت دُرّہ بنتِ ابو لہب

آپ اسلام کے سخت ترین دشمن ابو لہب کی بیٹی اور حضور کی چچازاد بہن ہیں۔ آپ نے قبولِ اسلام اور ہجرت کا شرف بھی پایا ہے۔[13] آپ کا باپ جتنا پکا دشمنِ رسول تھا آپ اتنی ہی باکمال عاشقۂ رسول تھیں۔ آپ کے عشقِ رسول کا اندازہ اس واقعے سے لگایئے، چنانچہ

آپ فرماتی ہیں: میں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ کے پاس موجود تھی کہ حضور تشریف لے آئے اور آپ نے وضو کے لئے پانی طلب فرمایا تو میں اور سیدہ عائشہ پانی کے برتن کی طرف لپکیں اور میں نے پانی کا برتن پکڑ لیا۔ حضور نے وضو کیا اور میری طرف نظر اٹھا کر فرمایا: تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں۔[14] محبوب کے حکم کی تعمیل میں جلدی کرنا بھی محبت کا تقاضا ہے، لہٰذا اس واقعے سے حضرت دُرّہ کا عشقِ رسول نمایاں ہوتا ہے۔

حضرت اسماء بنتِ عمیس

یہ حضور کے چچازاد بھائی حضرت جعفر بن ابو طالب کی زوجہ اور ام المومنین حضرت میمونہ بنتِ حارث کی بہن ہیں۔ ان کو اہلِ بیت سے قریبی تعلق اور خصوصی قرب تھا۔ ان کا شمار بھی دو ہجرتوں والے خوش نصیبوں میں ہوتا ہے، پہلے مکے سے حبشہ، پھر حبشہ سے مدینے ہجرت کی۔[15] حضرت فاطمہ کی شادی کے بعد حضور ان کے گھر تشریف لائے تو وہاں حضرت اسماء بنتِ عُمیس بھی موجود تھیں، پوچھا: کس چیز نے تمہیں یہاں ٹھہرایا ہے؟ انہوں نے عرض کی: یارسولَ اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! میں سیدہ فاطمہ کی خدمت اور ان کی ضروریات پوری کرنے کے لئے حاضر ہوئی تھی۔ یہ سُن کر حضور کی مبارک آنکھوں میں آنسو آگئے اور دعا فرمائی: اے اسماء! اللہ پاک تیری دنیا و آخرت کی تمام حاجات پوری فرمائے۔[16] سچی بات ہے کہ جس سے

خالص عشق ہو اس سے جڑے ہر رشتے کا بھی عشق اور احترام ہوتا ہے، حضرت اسماء کا یہ عمل حضور کے بے انتہا عشق کی دلیل ہے، وہ جانتی تھیں کہ سیدہ فاطمہ کے خوش ہونے سے حضور کو خوشی ملتی ہے۔

حضرت اسماء بنتِ ابو بکر

آپ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی شہزادی اور حضرت عائشہ صدیقہ کی بڑی بہن ہیں۔ آپ کا شمار قدیمُ الاسلام صحابیات میں ہوتا ہے۔ آپ نے دینِ اسلام کی خاطر جس قدر قربانیاں دیں انہیں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ آپ کی ذات اَن گنت خوبیوں اور فضائل و کمالات کی جامع ہے۔ انہی خوبیوں میں سے ایک خوبی آپ کا زبردست عشقِ رسول ہے۔ ہجرت کے موقع پر جب حضور اپنے عاشقِ صادق حضرت صدیقِ اکبر کے ساتھ عازمِ مدینہ ہوئے تو اس موقع پر حضرت اسماء اس راز کی امین تھیں، آپ نے حضور کی ہجرت کے راز کو کسی بھی صورت میں ظاہر نہ ہونے دیا اور اس معاملے میں آپ کو تکلیف کا سامنا بھی کرنا پڑا مگر آپ نے صبر کا دامن تھامے رکھا۔ ایک روایت میں خود بیان فرماتی ہیں کہ جب حضور اور میرے والد گھر سے روانہ ہوئے تو ابو جہل چند افراد کے ساتھ ہمارے گھر آیا اور دروازے پر دستک دی میں باہر نکلی تو اس نے پوچھا: اے بنتِ ابی بکر! تیرا باپ کہاں ہے؟ میں نے کہا: مجھے نہیں معلوم کہ میرے والد کہاں ہیں؟ ابو جہل ایک کمینہ اور برا انسان تھا، اس نے میرے چہرے پر زوردار طمانچہ مارا جس سے میرے کان کی بالی دور جا گری لیکن میں نے اسے کچھ نہ بتایا تو وہ واپس چلا گیا۔ (17)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت اسماء نے ہی زادِ سفر تیار کرنے کی خدمت سرانجام دی، جب زادِ راہ اور کھانا باندھنے کے لئے کوئی چیز نہ ملی تو وارفتگیِ شوق میں حضرت اسماء نے اپنے نطاق (کمر پر باندھنے کے کپڑے) کے 2 ٹکڑے کر کے اس سے سامانِ سفر باندھ دیا، اسی وجہ سے آپ کا لقب ذَاتُ النِّطَاقَیْن ہے۔ (18)

عام مہاجرات صحابیات

مذکورہ تمام خواتین نسب یا سسرالی رشتے سے حضور کے خاندان میں شامل تھیں اور ایمان و ہجرت دونوں سعادتوں سے سرفراز ہوئیں۔ ان عام مہاجرات صحابیات کے عشقِ رسول کی مثالیں درج ذیل ہیں:

ہمشیرہ عثمان غنی

ان کا نام ام کلثوم ہے، یہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی ماں جائی بہن ہیں، ان کا شمار ان خوش نصیبوں میں ہوتا ہے جو حضور کے ہجرتِ مدینہ سے پہلے مسلمان تو ہو گئے تھے مگر کسی وجہ سے ہجرت نہ کر سکے۔ ہجرتِ مصطفٰے کے بعد ان کی آنکھیں اور دل دیدارِ مصطفٰے کے لئے بے قرار تھے اور یہ بھی ہجرت کے لئے کسی موقع کی تلاش میں تھیں، چنانچہ انہوں نے درِ حبیب پر حاضری کے لئے ایک عجیب حیلے سے کام لیا جو کہ ان کے بے پناہ عشقِ رسول کی سند ہے، وہ حیلہ یہ تھا کہ ایک بار یہ گھر سے باہر نکلنے کا موقع پاتے ہی مکے کے قریب ہی ایک بستی میں اپنے رشتہ داروں کے گھر چلی گئیں اور تین چار دن بعد واپس لوٹیں تا کہ گھر والوں کو شک نہ ہو اور دوبارہ باہر نکلنا دشوار نہ ہو، واپسی کے بعد جب انہوں نے دیکھا کہ حالات سازگار ہیں تو انہوں نے سفر مدینہ کی تیاری کی اور اکیلی اس انداز سے نکلیں کہ گھر والوں کو یہی لگے کہ دیہات جا رہی ہیں، حالانکہ ان کو مدینے کے راستے معلوم تھے نہ ان کی مشکلات کا اندازہ تھا بس محبوب کے عشق و سرور میں ڈوب کر درِ محبوب کی طرف پیدل ہی چل پڑیں۔ راستے میں آپ کی غیبی مدد ہوئی اور یہ بحفاظت درِ رسول پر پہنچ گئیں۔ (19)

حضرت ام شریک دوسیہ

مکیہ صحابیات میں جنہوں نے گھر گھر جا کر دینِ اسلام کی تبلیغ کی اور لوگوں تک دین کی تعلیم پہنچانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ان میں ایک نام حضرت اُمِ شریک اسدیہ رضی اللہ عنہا کا بھی ہے۔ آپ بھی مہاجرات میں سے ہیں۔ آپ کا شمار نہایت

عظیم المرتبت صحابیات میں ہوتا ہے۔ اللہ پاک نے آپ کو نہایت نیک فطرت سے نوازا تھا۔ آپ نے بغیر کسی تامل کے دعوتِ حق کی پہلی آواز پر لبیک کہا۔ اہلِ قبیلہ نے راہِ حق پر چلنے کی پاداش میں آپ کو سخت اذیتیں پہنچائیں مگر آپ نے حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی محبت میں سب کچھ برداشت کیا۔

آپ کے بارے میں منقول ہے کہ آپ نے ابتدائے اسلام میں ہی خفیہ طور پر اسلام قبول کیا اور قریش کی عورتوں سے مل کر انہیں بھی دعوتِ اسلام پیش کی، حتیٰ کہ کفار کو جب اس کا علم ہوا تو قبیلے کا لحاظ کرتے ہوئے اگرچہ انہیں قتل نہ کیا لیکن سخت اذیت سے دوچار کیا، انہیں بغیر کجاوے کے اونٹ پر سوار کیا، تین دن تک کچھ کھانے پینے کو نہ دیا، کسی جگہ پڑاؤ ڈالتے تو انہیں دھوپ میں باندھ کر خود سائے میں چلے جاتے، ان اذیتوں کے باوجود وہ ایمان سے نہ ہٹیں، اس صبر و استقلال کے نتیجے میں اللہ پاک نے غیب سے پانی سے بھرا ایک ڈول ان پر اتارا جس سے انہوں نے سیر ہو کر پانی پیا اور اپنے جسم پر ڈالا، قریش نے یہ منظر دیکھا تو ان میں سے کئی لوگ ایمان لے آئے۔[20] ان کے عشقِ رسول کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے خود کو حضور کے لئے ہبہ کر دیا تھا۔[21]

حضرت سہلہ بنتِ سہیل

ہجرت کرنے والی صحابیات میں ایک نام حضرت سہلہ بنتِ سہیل رضی اللہ عنہا کا بھی ہے۔ آپ نے ابتدائے اسلام میں ہی اسلام قبول کیا اور اپنے شوہر حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہجرتِ حبشہ کا شرف حاصل کیا۔[22]

محبتِ مصطفےٰ کا تقاضا ہے کہ شریعت و سنت اور احکامِ مصطفےٰ پر پابندی سے عمل کو حرزِ جاں بنایا جائے، تمام صحابیات کی طرح حضرت سہلہ بھی شریعت و سنت پر پابندی کے ساتھ کاربند رہنے والی تھیں، جیسا کہ ایک روایت کے مطابق آپ نے بارگاہِ رسالت میں آکر پردے کے متعلق اپنا مسئلہ بیان کیا کہ ان کے شوہر کا آزاد کردہ غلام ان کے گھر میں ان کے ساتھ رہتا ہے اور وہ مرد کی حدِ بلوغت کو پہنچ چکا ہے تو حضور نے ان کے مسئلے کا حل ارشاد فرمایا۔[23] غیر محارم سے پردہ کرنا محبتِ مصطفےٰ کا تقاضا ہے اور اس پر عمل کرنا اس کی تکمیل ہے، دورِ نبوی کی تمام خواتین کی طرح حضرت سہلہ نے بھی عشقِ رسول کے تقاضوں پر عمل کیا۔

اس موضوع کے ضمن میں مزید بھی کئی نام ذکر کیے جاسکتے ہیں مگر سرِ دست مہاجرات صحابیات کے صبر و استقامت اور محبتِ رسول کے چند عشقی نمونے پیش کیے گئے ہیں جن سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ ان نفوسِ قدسیہ نے کس طرح پیارے آقا صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی محبت کے تقاضوں کو پورا کیا اور ان کی محبت فقط زبانی کلامی دعویٰ نہیں بلکہ کوشش و عمل کا مجموعہ بھی تھی۔ زمانے کے ظُلم و ستم ان نفوسِ قدسیہ سے ان کی دولتِ ایمان نہ چھین سکے۔ اس پر ام المومنین حضرت عائشہ کا یہ فرمان شاہد ہے کہ ہم نہیں جانتیں کہ کسی مہاجرہ عورت نے ایمان لانے کے بعد اسلام سے منہ پھیرا ہو۔[24]

حُبِّ رسول کا دعوے دار ہونا الگ بات ہے جبکہ حقیقت میں مُحِبِّ رسول ہونا اور بات ہے، اس بات کو یوں بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ دعویٰ درست تب ثابت ہوتا ہے کہ جب اس کے ساتھ اس کی دلیل بھی پائی جائے، یوں ہی محبِّ رسول ہونا ایک دعویٰ ہے جو کہ حقیقت میں درست تب مانا جائے گا جب اس کے تقاضوں کو بھی پورا کیا جائے، جیسا کہ صحابیات طیبات کی سیرت سے ظاہر ہوتا ہے۔

محبتِ رسول کی نشانیاں

علامہ عبدُ المصطفےٰ اعظمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: محبتِ رسول کا دعویٰ کرنے والے تو بہت لوگ ہیں۔ مگر یاد رکھئے کہ اس کی چند نشانیاں ہیں جن کو دیکھ کر اس بات کی پہچان ہوتی ہے کہ واقعی اس کے دل میں محبتِ رسول کا چراغ روشن ہے۔ ان علامتوں میں سے چند یہ ہیں:

- آپ کے اقوال و افعال کی پیروی
- آپ کی سنتوں پر

عمل ✿ آپ کے اوامر و نواہی کی فرمانبرداری ✿ غرض شریعتِ مطہرہ پر پورے طور سے عامل ہو جانا ✿ آپ کا ذکر شریف بکثرت کرنا ✿ بہت زیادہ درود شریف پڑھنا ✿ آپ کے ذکر کی مجالسِ مقدسہ، مثلاً: میلاد شریف اور دینی جلسوں کا شوق اور ان مجالسِ مبارکہ میں حاضری ✿ حضور اور تمام ان لوگوں اور ان چیزوں سے محبت اور ان کا ادب و احترام جن کو رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم سے نسبت و تعلق حاصل ہے، مثلاً: صحابہ کرام، ازواجِ مطہرات، اہلِ بیتِ اطہار، شہرِ مدینہ، قبرِ انور، مسجدِ نبوی، آپ کے آثارِ شریفہ و مشاہدِ مُقدّسہ، قرآنِ مجید و احادیثِ مبارکہ، سب کی تعظیم و توقیر اور ان کا ادب واحترام کرنا ✿ حضور کے دوستوں سے دوستی اور ان کے دشمنوں یعنی بد دینوں، بد مذہبوں سے دشمنی رکھنا ✿ دنیا سے بے رغبتی اور فقیری کو مالداری سے بہتر سمجھنا۔ اس لئے کہ حضور کا ارشاد ہے کہ مجھ سے محبت کرنے والے کی طرف فقرو فاقہ اس سے بھی زیادہ جلدی پہنچتا ہے جیسے سیلاب اپنے ٹھکانے کی طرف۔[25]

مزید چند نشانیاں یہ ہیں:

✿ حضور کی صحبت اور آپ کے دیدار کی شدید خواہش رکھنا۔ محبت کرنے والے کی سب سے بڑی آرزو اور امنگ اپنے محبوب کا دیدار اور وصال ہوتی ہے۔ حضور سے محبت کرنے والی بھی چہرۂ انور کے دیدار اور صحبت پاک سے فیض یاب ہونے کے لئے بے قرار اور بے چین رہتی ہے ✿ قرآن و احادیثِ مبارکہ کا احترام کرنا اور ان کی تعلیمات پر عمل کرنا ✿ حضور کی عزت اور ناموس کی حفاظت کرنا ✿ پیغامِ رسالت کو قبول کرنا اور آپ کے مثالی کردار کی پیروی کرنا ہے ✿ حضور کو اللہ پاک کا آخری نبی مانتے ہوئے ان کی تعظیم و توقیر کرنا وغیرہ۔

مہاجرات صحابیات کا عشقِ رسول اطاعت اور قربانی واستقامت کی درخشاں مثال تھا۔ یہ وہ باایمان خواتین تھیں جنہوں نے مکہ کے شدید ظلم، معاشرتی دباؤ اور ناقابلِ بیان آزمائشوں کے باوجود حضور سے وفاداری کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھا۔ ان کا عشق محض دعویٰ نہیں بلکہ عملی زندگی میں جھلکتا تھا؛ انہوں نے گھربار، مال ومتاع، حتی کہ اپنی جان اور اولاد تک کو اللہ پاک اور اس کے رسول کی محبت پر قربان کر دیا۔

ان کا عشق میدانِ عمل میں ظاہر ہوا؛ راہِ خدا میں قربانی، صبر اور ثابت قدمی کے ساتھ کھڑی رہیں اور کسی ملامت کی پروانہ کی۔ مہاجرات صحابیات کی سیرت آج کی مسلمان خواتین کے لئے ایک روشن مینار ہے۔ ان کی زندگیوں سے ہمیں ثابت قدمی، جرأت، سادگی، قناعت، خاندانی ذمہ داریوں اور سماجی کردار میں توازن کا درس ملتا ہے۔ وہ علم دوست، فکری طور پر بیدار اور مقصدِ حیات سے آگاہ تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مہاجرات صحابیات کا عشقِ رسول ایمان کی معراج ہے۔ ان کا کردار قیامت تک امت کے لئے مشعلِ راہ رہے گا۔ آج اگر مسلمان خواتین اور خاندان حقیقی کامیابی چاہتے ہیں تو انہیں صحابیات کی سیرت کو پڑھنا، سمجھنا اور اپنی زندگیوں کا حصہ بنانا ہوگا، کیونکہ یہی عشق اطاعت، قربانی اور سرخروئی کی راہ دکھاتا ہے۔ ان کی ساری زندگی اس شعر کا مصداق نظر آتی ہے:

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

---

(1) بخاری، 17/1، حدیث: 15 (2) بخاری، 174/2، حدیث: 2593 (3) طبقات ابن سعد، 46/8 (4) مسلم، ص445، حدیث: 2687 (5) مراۃ المناجیح، 175/3 ملخصاً (6) طبقات ابن سعد، 65/8 (7) الزہد لامام احمد، ص152، رقم: 660 (8) مدارج النبوت، 475/2 (9) ابوداود، 31/4، حدیث: 3932 مفہوماً (10) مدارج النبوت، 481/2 (11) مدارج النبوت، 481/2 (12) معجم کبیر، 351/24، حدیث: 871 (13) اسد الغابہ، 114/7 (14) مسند امام احمد، 451/40، حدیث: 24387 (15) اسد الغابہ، 17/7 (16) الروض الفائق، ص278 (17) سیرت ابن ہشام، ص194 (18) بخاری، 304/2، حدیث: 2979 (19) صفۃ الصفوۃ، 56/2 ملخصاً (20) اصابہ، 417/8 مفہوماً (21) مسند امام احمد، 594/45، حدیث: 27621 (22) اصابہ، 193/8 (23) مسلم، ص587، حدیث: 3600 مفہوماً (24) بخاری، 228/2، حدیث: 2733 (25) ترمذی، 156/4، حدیث: 2357، سیرت مصطفیٰ، ص836





بارگاہِ نبوت میں دوسروں کی ترجمانی کرنے والی صحابیات

محترمہ بنتِ اسحاق مدنیہ عطاریہ*

دینِ اسلام کی بنیاد عدل، مساوات اور باہمی خیر خواہی پر رکھی گئی ہے یہی وجہ ہے کہ عہدِ نبوی میں مردوں کی طرح عورتوں کو بھی دین کی خدمت، اصلاحِ معاشرہ اور پیغامِ حق پہنچانے میں نمایاں مقام حاصل تھا۔ بارگاہِ نبوی میں جہاں صحابہ کرام اپنے مسائل اور سوالات پیش کرتے، وہاں صحابیات بھی نہ صرف اپنے معاملات بیان کرتیں بلکہ دوسری خواتین کی نمائندگی اور ترجمانی کا عظیم فریضہ بھی سرانجام دیتی تھیں۔ یہ معزز صحابیات لوگوں کے پیغامات حضور تک پہنچاتیں، ان کے سوالات کی عقدہ کشائی کرواتیں اور پھر حاصل شدہ احکامات کو امانت و دیانت کے ساتھ امت تک پہنچاتیں۔ ان کا یہ کردار نہ صرف ان کی ذہانت، جرأت اور فہمِ دین کی دلیل ہے بلکہ اس بات کا روشن ثبوت بھی ہے کہ اسلامی معاشرہ عورت کی علم دوستی اور دینی خدمات کا معترف رہا ہے۔

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ ایک عورت پر پوری نسل کی تعلیم و تربیت کا انحصار ہوتا ہے، اس لئے حضور نے عورت کو بحیثیت ماں، بہن، بیوی اور بیٹی کے عظمت بخشی، اس کے لئے بہترین تعلیم و تربیت کا اہتمام بھی فرمایا، اسے دینی، اخلاقی اور معاشرتی معاملات میں رائے دینے اور اپنی بات پوری کرنے کا حق دیا۔ کتنی ہی جلیل القدر صحابیات نے نہ صرف اپنے ذاتی مسائل حضور کے سامنے پیش کیے بلکہ دوسری عورتوں کی بھی ترجمانی کی اور حضور نے ایسے مواقع پر صحابیات طیبات کی حوصلہ افزائی ہی نہیں فرمائی بلکہ مختلف مواقع پر انہیں دین اسلام کے متعلق علم حاصل کرنے کی ترغیب بھی دلائی، اس وقت چونکہ حصولِ علمِ دین کا واحد ذریعہ ذاتِ نبوی تھی، اس لئے ہر محفل میں آپ تربیت و اصلاح فرماتے اور قرآنی الفاظ میں لوگوں سے خطاب فرماتے تھے، جیسا کہ حضرت اُمِّ ہشام بنتِ حارثہ فرماتی ہیں: میں نے سورۂ قٓ حضور سے بکثرت سن کر یاد کی ہے، آپ ہر جمعہ کے دن جب منبر پر لوگوں سے خطاب فرماتے تو اسے پڑھا کرتے تھے۔[1] اسی طرح صحابیات کو بھی جب کوئی دینی یا دنیوی الجھن پیش آتی تو فوراً بارگاہِ نبوی میں حاضر ہو کر یا کسی کے ذریعے اس کا حل معلوم کر لیتیں اور دینی مسائل سیکھنے میں حیا محسوس نہ کرتی تھیں، جیسا کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے

* بی ایڈ، ایم اے اسلامیات، معلمہ جامعۃ المدینہ گرلز حاصل پور ناظمہ تعلیم صوبہ پنجاب

انصاری خواتین کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: انصاری خواتین کتنی اچھی ہیں کہ دینی مسائل سیکھنے میں حیا نہیں کرتیں۔[2]

بارگاہِ نبوی میں دوسروں کی ترجمانی کرنے والی صحابیات نے اُمّتِ مسلمہ کے لئے راہ نمائی کے دروازے کھولے، ان کا کردار اس بات کا مظہر ہے کہ عورت اسلام میں محض خاموش پیروکار نہیں، بلکہ امت کا ایک باشعور، ذمہ دار اور مستقل فرد ہے جسے اپنے معاملات کے لئے بولنے، آواز اٹھانے اور دوسروں کی نمائندگی کرنے کا پورا حق حاصل ہے۔ چنانچہ سیرتِ مبارکہ کی روشنی میں اس کی مثالیں پیشِ خدمت ہیں:

دینی معاملات کے متعلق

حضرت زینب ثقفیہ رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر حضرت عبدُ اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ترجمانی کرتے ہوئے بارگاہِ رسالت میں اپنے شوہر اور زیرِ کفالت یتیموں پر صدقہ کرنے سے متعلق پوچھا تو حضور نے فرمایا: اس میں دگنا اجر ہے؛ ایک رشتہ داری کا اور دوسرا صدقہ کا۔[3] اس سے واضح ہوا کہ قریبی رشتہ داروں پر کیا جانے والا صدقہ عام صدقے سے زیادہ اجر رکھتا ہے، نیز اس واقعے سے صحابیات کے دینی اعتماد، گھریلو نظم و نسق اور خیر کے کاموں میں پیش قدمی بھی واضح ہوتی ہے جو ہمارے مسلم معاشرے کے لئے ایک عملی نمونہ ہے۔

اخلاقیات سے متعلق

حضرت ام منذر سلمٰی بنتِ قیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ہم عورتوں نے حضور سے بیعت کی جب ہم بیعت سے واپس آنے لگیں تو میں نے ایک عورت سے کہا کہ جاؤ اور حضور سے پوچھو کہ شوہر کو دھوکا دینے سے کیا مراد ہے؟ اس نے عرض کی تو حضور نے ارشاد فرمایا: شوہر کا مال کسی کو (اس کی اجازت کے بغیر) تحفہ دینا دھوکا ہے۔[4]

حصولِ علم کے متعلق

ایک صحابیہ نے خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی: اے اللہ کے نبی! مردوں نے آپ کا فیضِ صحبت بہت حاصل کیا، ہر وقت آپ کی احادیث سنتے رہتے ہیں ہمیں آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع نہیں ملتا، ایک دن ہمیں بھی عطا فرمایئے کہ اس میں صرف ہمیں وعظ و نصیحت کیجئے اور آپ ہمیں وہ کچھ سکھایئے جو اللہ پاک نے آپ کو سکھایا ہے، چنانچہ حضور نے انہیں مخصوص جگہ پر مخصوص دن میں جمع ہونے کا حکم ارشاد فرمایا۔[5]

مذکورہ صحابیہ نے بارگاہِ رسالت میں دورِ نبوی کی خواتین کی ترجمانی کی اور ان کے لئے تحصیلِ علم کی راہ ہموار کی۔

اسی طرح ایک اور صحابیہ حضرت ام کثیر انصاریہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں اور میری بہن ہم دونوں بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئیں تو میں نے حضور سے عرض کی: میری بہن آپ سے کچھ پوچھنا چاہتی ہے مگر وہ پوچھنے میں حیا کرتی ہے، آپ نے ارشاد فرمایا: اسے پوچھنا چاہیے کیونکہ علم حاصل کرنا فرض ہے۔[6] اس روایت میں حضرت ام کثیر نے اپنی بہن کی طرف سے بارگاہِ رسالت میں ترجمانی کی۔

اجر و ثواب سے متعلق

حضرت اسماء بنتِ یزید رضی اللہ عنہا خواتین کی نمائندہ خطیبہ کے نام سے پہچانی جاتی ہیں۔ ان کا لقب ہی خطیبۃ النساء یعنی عورتوں کی خطیبہ ہے۔ ایک مرتبہ آپ تمام عورتوں کی نمائندہ بن کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی: یارسول اللہ! اللہ پاک نے آپ کو مردوں اور عورتوں دونوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے، ہم بھی آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی پیروی کا عہد کیا ہے مگر ہم پردہ نشین بن کر گھروں میں بیٹھی رہتی، شوہروں کی خواہش پوری کرتی اور بچوں کی پرورش، گھر، مال اور سامان کی حفاظت کرتی ہیں جبکہ ادھر مرد حضرات جنازوں اور جہاد میں شرکت کر کے اجرِ عظیم حاصل کرتے ہیں تو ان کے ثواب میں سے کچھ حصہ ہم عورتوں کو بھی ملے گا یا نہیں؟ یہ سن کر حضور نے صحابہ سے فرمایا: دیکھو! اس عورت نے اپنے دین کے بارے میں کتنا اچھا سوال کیا ہے، پھر ارشاد فرمایا: اے اسماء! تم سن لو اور

دیگر عورتوں سے بھی کہہ دو کہ عورتیں اگر اپنے شوہروں کی خدمت گزاری کرکے ان کو خوش رکھیں اور ہمیشہ اپنے شوہروں کی خوشنودی طلب کرتی رہیں اور ان کی فرمانبرداری کرتی رہیں تو مردوں کے برابر عورتوں کو بھی ثواب ملے گا۔ یہ سن کر حضرت اسماء بنتِ یزید نعرہ تکبیر لگاتی ہوئی باہر نکلیں۔ (7)

حضرت ام رِعلہ قشیریہ رضی اللہ عنہا نے بھی حضور سے اسی طرح کا سوال کیا کہ ہم گھروں میں رہتی ہیں، گھر کے کام کاج کرتی ہیں، اولاد کی پرورش کرتی ہیں، جنگوں میں ہمارا کوئی حصہ نہیں، ہمیں ایسا عمل بتائیے جس سے قربِ الٰہی نصیب ہو تو آپ نے ارشاد فرمایا: دن رات اللہ پاک کا ذکر کرو، نظریں جھکا کر رکھو اور آوازیں پست کرو۔ (8)

حضرت اسماء و ام رعلہ کا یہ کردار عورتوں کے اجتماعی شعور اور دینی آگہی کا بہترین مظہر ہے۔ ان واقعات میں دورِ نبوی اور بعد کی تمام عورتوں کی دینی ترجمانی ہے۔

اسی طرح حضرت اُمّ طلیق رضی اللہ عنہا نے عرض کی: کون سی عبادت حج کے برابر ہے؟ ارشاد فرمایا: ماہ رمضان المبارک میں عمرہ ادا کرنا۔ (9) حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے حضور کی خدمت میں عرض کی: ہمیں صدقہ کے بارے میں کچھ بتائیے! ارشاد فرمایا: جو رضائے الٰہی کے لئے صدقہ کرے یہ اس کے لئے جہنم سے رکاوٹ ہے۔ (10)

مخصوص مسائل کے متعلق

حضرت اسماء بنتِ شکل رضی اللہ عنہا نے حضور کی بارگاہ میں عورتوں کی طرف سے پاکی وطہارت کے متعلق شرعی مسائل دریافت کیے، چنانچہ عرض کی: جب ہم میں سے کوئی عورت حیض سے پاک ہو تو وہ غسل کیسے کرے؟ حضور نے ارشاد فرمایا: بیری کے پتوں والا پانی لے کر وضو کرے، پھر مَل کر سر دھوئے تاکہ پانی بالوں کی جڑوں تک پہنچ جائے، اس کے بعد تمام جسم پر پانی بہائے، پھر روئی کے ٹکڑے سے پاکی حاصل کرے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کی وضاحت میں فرمایا: پاکی حاصل کرنے سے مراد خون کے نشانات کو صاف کرنا ہے۔ (11) اسی طرح حضرت ام سُلیم رضی اللہ عنہا جو کہ حضرت انس کی والدہ ہیں انہوں نے حضور سے عورت کو احتلام ہونے پر غسل کے متعلق سوال کیا تو ارشاد فرمایا: ہاں (ایسی صورت میں غسل واجب ہے) جب وہ پانی (منی) دیکھے۔ (12)

ازدواجی حقوق کی ترجمانی

ایک خثعمیہ خاتون نے بارگاہ رسالت میں عرض کی کہ شوہر کا عورت پر کیا حق ہے؟ حضور نے شوہر کے حقوق پر راہ نمائی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: بے شک شوہر کا حق زوجہ پر یہ ہے کہ عورت کجاوے پر بیٹھی ہو اور مرد اُسی سواری پر اس سے نزدیکی چاہے تو انکار نہ کرے اور مرد کا حق عورت پر یہ ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر نفل روزہ نہ رکھے، اگر رکھے گی تو بے فائدہ بھوکی پیاسی رہی، روزہ قبول نہ ہو گا اور گھر سے بے اذن شوہر کہیں نہ جائے، اگر جائے گی تو آسمان، زمین، رحمت اور عذات کے فرشتے سب اُس پر لعنت کریں گے جب تک پلٹ کر نہ آئے۔ (13)

اسی طرح ایک صحابیہ کے عورت پر شوہر کے حقوق پوچھنے پر ارشاد فرمایا: مرد کا ادنیٰ حق یہ ہے کہ اگر اس کے دونوں نتھنے خون یا پیپ سے بہتے ہوں اور عورت اسے اپنی زبان سے چاٹے تو بھی شوہر کے حق سے بری نہ ہوئی۔ اگر انسان کا کسی دوسرے انسان کو سجدہ روا ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ جب اس کا شوہر باہر سے آئے تو اسے سجدہ کرے۔ (14)

گھریلو امور سے متعلق ترجمانی

حضرت اوس بن صامت رضی اللہ عنہ نے کسی بات پر اپنی زوجہ حضرت خولہ بنتِ ثعلبہ سے ایسا جملہ کہہ دیا جو زمانہ جاہلیت میں طلاق شمار کیا جاتا تھا، اس کے بعد وہ نادم ہوئے اور کہا کہ شاید تو مجھ پر حرام ہو گئی ہے! چنانچہ حضرت خولہ بارگاہِ رسالت میں آئیں اور اس مسئلے کا شرعی حکم دریافت کیا، چونکہ اس کے متعلق ابھی تک کوئی حکم نازل نہ ہوا تھا اس لئے حضور نے توقف فرمایا۔ حتی کہ

اللہ کریم نے اس کی وضاحت میں قرآنِ مجید کی آیت نازل فرمائی، تب حضور نے ان کو حکم سے آگاہ فرمایا۔[15] یہ مسئلہ حضرت اوس بن صامت سے متعلق تھا کیونکہ انہوں نے ہی یہ کلمات کہے تھے، مگر ان کی ترجمانی کرتے ہوئے ان کی زوجہ بارگاہِ رسالت میں آئیں اور ان کے سوال کی برکت سے اللہ پاک نے نہ صرف ان کا مسئلہ حل فرمایا بلکہ آیتِ قرآنیہ کے ذریعے قیامت تک کے لئے اس مسئلے کا حکم واضح فرمادیا۔ اسی طرح جب حضور نے عورتوں سے بیعت لی تو ایک عورت نے کھڑے ہو کر عرض کی: ہم تو اپنے باپ، اولاد اور خاوندوں پر بوجھ ہیں (یعنی یہ لوگ ہمیں ہمارے حق پورے نہیں دیتے ہم پر خرچ کرتے گھبراتے ہیں) ہمیں ان کے مالوں سے کس قدر حلال ہے؟ ارشاد فرمایا: تر کھانا جسے تم کھالو اور ہدیہ دے سکو۔[16]

متفرق مسائل کی ترجمانی

۞ حضرت ام فروہ انصاریہ اور حضرت ام رافع رضی اللہ عنہما نے بارگاہِ رسالت میں نماز کے متعلق ترجمانی کی اور نماز سے متعلق ان سے حدیث مروی ہیں۔[17] ۞ حضرت فاطمہ بنتِ قیس طلاق اور عدت کے مسائل میں خواتین کی ترجمان ہیں، چنانچہ ان کا واقعہ اس مسئلے میں سند کی حیثیت رکھتا ہے جس کی تفصیل بخاری و مسلم میں موجود ہے۔[18] ۞ حضرت اُمِّ سَلَمَہ خواتین کی طرف سے کئی اہم مسائل حضور سے پوچھتیں، کیونکہ ان کا شمار فقیہ صحابیات میں ہوتا تھا اور شرعی معاملات میں ان کی طرف رجوع کیا جاتا تھا،[19] لہٰذا آپ خواتین کے مسائل حضور سے سمجھ کر خوب حکمت سے پیش کیا کرتی تھیں۔ ۞ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے عورتوں کی طرف سے متعدد شرعی مسائل خصوصاً حیض، غسلِ میت اور جنازے کے متعلق ترجمانی کی ہے، چنانچہ ان احکام کے بارے میں ان کی مرویات آج تک کتبِ احادیث میں موجود امت کو فائدہ پہنچا رہی ہیں۔[20]

ان صحابیات کے کردار اور ان واقعات سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ عہدِ نبوی میں خواتین کو صرف ذاتی مسائل تک محدود نہ رکھا گیا بلکہ انہیں معاشرتی، خاندانی اور اجتماعی امور میں بھی اپنی اور دوسروں کی بات ادب سے پیش کرنے اور دوسروں کی طرف سے نمائندگی کرنے کا پورا حق حاصل تھا، حضور نے ان کی رائے کو اہمیت دی اور قدر کی نگاہ سے دیکھا۔

صحابیات نے بغیر کسی بے ادبی کے فہم، ادب اور دلیل کے ساتھ اپنی بات حضور کے سامنے بیان کی اور اس طرح انہوں نے نہ صرف اپنی ذات کے لئے علم حاصل کیا بلکہ قیامت تک آنے والی امت کی دیگر خواتین کے مسائل کی ترجمانی کرتے ہوئے دین کی سچی خدمت سر انجام دی، ان کی یہ خدماتِ دین عورت کے مقام، احساسِ ذمہ داری اور دینِ اسلام میں اس کے فعال کردار کا واضح ثبوت ہیں۔

بارگاہِ نبوی میں ترجمانی کرنے والی صحابیات کی زندگیاں ایمان، علم و عمل اور عشق و ادب کی روشن مثالیں ہیں، ان میں حق و سچ کی ترجمانی کے لئے جرأت، امت کی بھلائی کے لئے سوال کرنے اور شریعت سیکھنے سکھانے کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، اس سے ہمیں بھی یہ درس ملتا ہے کہ آج بھی اگر اللہ و رسول کی اطاعت کا سچا جذبہ ہو، حصولِ علمِ دین کی کڑھن اور صحابیات کے نقشِ قدم پر چلنے کا ذہن ہو تو ایک عورت کی آواز آج بھی دعوت و اصلاح کا ذریعہ بن سکتی ہے۔

---

1 مسلم، ص336، حدیث:2014 2 ابن ماجہ، 1/356، حدیث 642 3 مسلم، ص389، حدیث:2318 ماخوذاً 4 مسند امام احمد، 45/103، حدیث:27133 5 بخاری، 4/510، حدیث:7310 مفہوماً 6 اصابہ، 8/456 7 استیعاب، 4/350 8 اصابہ، 8/390 9 عمدۃ القاری، 7/415، تحت الحدیث:1782 10 معرفۃ الصحابہ لابی نعیم، ص3445، حدیث:7842 11 ابن ماجہ، 1/356، حدیث:642 12 بخاری، 1/68، حدیث:130 مفہوماً 13 مجمع الزوائد، 4/563، حدیث:7638 14 مستدرک، 2/547، حدیث:2822 15 تفسیر خازن، 4/235 ملخصاً 16 ابوداود، 2/182، حدیث:1686 17 ابوداود، 1/186، حدیث:426- عمل الیوم و اللیلۃ لابن السنی، ص50، حدیث:108 ماخوذاً 18 بخاری، 3/504، حدیث:5325، 5326 ماخوذاً 19 سیر اعلام النبلاء، 3/475 20 ابن ماجہ، 2/200، حدیث:1458، 1459 ماخوذاً



حضور ﷺ کا دفاع کرنے والی صحابیات

محترمہ ام حسین عطاریہ*

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے یہ جہان مختلف قسم کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا اور ان میں ایک نمایاں تاریکی عورتوں کے حقوق کی پامالی بھی تھی۔ اس دور میں عورت کو نہ وراثت میں واضح حق حاصل تھا، نہ معاشرتی سطح پر اسے کوئی باوقار مقام دیا جاتا تھا، بلکہ وہ متعدد ظالمانہ رسموں اور جابرانہ رویّوں کا شکار تھی۔ ایسے گھٹن زدہ ماحول میں حضور نے عورت کی عزت، حرمت اور اس کے حقوق کا بھرپور دفاع فرمایا۔ حضور نے نہ صرف عورت کو اس کے فطری اور شرعی حقوق عطا کیے بلکہ اسے معاشرتی پسماندگی سے نکال کر عزت و عظمت کے بلند مقام تک پہنچایا، حتی کہ جنت ماں کے قدموں تلے فرما کر عورت کے مقام کو ہمیشہ کے لئے واضح فرمادیا۔ اس عظیم احسان کے بدلے خواتین پر بھی یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے محسن آقا کی تعلیمات پر عمل کریں، ان کے پیغام کی قدر کریں اور ہر ممکن انداز میں حرمت و ناموسِ رسالت کا دفاع کریں۔ یہی عشقِ رسول اور غیرتِ ایمانی کا تقاضا ہے، جسے صحابیات نے اپنے عمل سے نہایت خوبصورتی کے ساتھ پورا کر کے دکھایا۔

اس مضمون میں چند ایسی خوش نصیب صحابیات کا تذکرہ کیا جائے گا جنہوں نے مختلف مواقع پر حضور کا دفاع کیا اور اس راہ میں سخت قربانیاں دیں۔ ایمان لانے کے بعد وہ ہر ہر مرحلے پر حضور کے شانہ بشانہ کھڑی رہیں اور اپنی جان، مال، اہل و عیال، الغرض ہر چیز کو حضور کے تحفظ اور دین کی سربلندی کے لئے قربان کر دیا۔

گھریلو خواتین کی جانثاریاں

حضرت خدیجۃ الکبریٰ

باہر والوں کے ایمان لانے سے پہلے حضور کے اپنے گھر والوں ہی نے سب سے پہلے آپ کا ساتھ دیا۔ چنانچہ حضور کا دفاع کرنے والی خوش نصیب خواتین کی فہرست میں سب سے پہلا نام اُمُّ المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا آتا ہے۔ یہ وہ عظیم المرتبت ہستی ہیں جو اسلام کے ابتدائی اور نہایت کٹھن دور میں ہر اعتبار سے حضور کی سب سے بڑی مددگار ثابت ہوئیں۔ انہوں نے نہ صرف اپنا سارا مال اللہ پاک کے دین کے لئے نچھاور کیا بلکہ ہر مشکل گھڑی میں حضور کے ساتھ ثابت قدم رہیں۔ سخت ترین حالات میں

* ذیلی وشارٹ کورسز ذمہ دار ماریشس

حضور کو حوصلہ، تسلی اور قلبی سکون فراہم کیا اور اپنی جان و مال کی قربانی دے کر حق و صداقت کے راستے میں حضور کا بھرپور دفاع کیا۔

زبانی دفاع

جب حضور پر پہلی وحی نازل ہوئی اور آپ غارِ حرا سے واپس تشریف لائے تو آپ پر گھبراہٹ طاری تھی۔ اس نازک لمحے میں حضرت خدیجہ نے حضور کو کمبل اوڑھایا اور تسلی آمیز کلمات کے ذریعے آپ کے قلبِ مبارک کو سکون فراہم کیا۔[1] یہ حضور کی ذات، کردار اور صداقت کا پہلا مضبوط اور باوقار دفاع تھا جس نے آپ کو اطمینان عطا کیا اور دعوتِ حق کی بنیاد کو مضبوط کر دیا۔ قرآنِ مجید میں اللہ پاک نے وحی کی شدت کے سبب اپنے محبوب کے کمبل اوڑھنے کی اس ادا کو محفوظ فرمایا، تو ذرا سوچئے کہ جو اس لمحے حضور کو سنبھال رہی تھیں اور حوصلہ دے رہی تھیں، ان کا مقام کس قدر بلند ہو گا!

عملی دفاع

وحی کے نزول کے بعد حضور پر طاری ہونے والی گھبراہٹ کے موقع پر حضرت خدیجہ نے حضور کی تصدیق کی، آپ کے ساتھ کھڑی رہیں اور ورقہ بن نوفل کے پاس لے جاکر حقانیت کی تصدیق کروا کر عملی طور پر دفاعی کردار ادا کیا۔[2]

معاشی دفاع

حضرت خدیجہ نے اپنی زندگی کے ہر وسیلے کو حضور کی نصرت اور دینِ حق کے لئے وقف کر دیا۔ اپنا مال، وسائل اور اثر و رسوخ دعوتِ اسلام کی مضبوطی اور ابتدائی مسلمانوں کو کفار کے ظلم و دباؤ سے محفوظ رکھنے کے لئے خرچ کرتیں۔[3] ان کا دفاع کسی تلوار یا ہتھیار کی شکل میں نہیں بلکہ ایمان، حکمت، مالی وسائل، کردار اور قربانی کے ذریعے تھا۔

آپ حضور کی سب سے پہلی اور سب سے مضبوط محافظ تھیں، جن کی وفاداری اور بصیرت نے نہ صرف نبوت کی حفاظت کی بلکہ دفاعِ دین کی بنیاد بھی رکھی۔ ان کی یہ شجاعت اور خلوص آج بھی اہلِ ایمان کے لئے راہ نمائی اور سبق ہے۔

حضرت فاطمۃ الزہرا

اپنی والدہ کی طرح حضرت بی بی فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے بھی ہر موقع پر حضور کا دفاع کیا۔ جب کفارِ مکہ کا ظلم عروج پر تھا تو آپ اپنے والدِ گرامی کے تحفظ کے لئے ہر وقت تیار رہتی تھیں۔ ایک بار حضور حرمِ کعبہ میں حالتِ سجدہ میں تھے کہ عقبہ نامی کافر نے حضور کی مبارک پیٹھ پر اونٹ کی اوجھڑی ڈال دی، یہ منظر دیکھ کر کفار خوشی سے ہنسنے لگے۔ حضرت فاطمہ فوراً پہنچیں، اذیت ناک چیز ہٹائی اور کفار کی طرف متوجہ ہو کر انہیں برا بھلا کہنے لگیں۔[4] اگرچہ آپ مجاہدین کی طرح دشمن سے براہِ راست نہیں لڑ سکیں، مگر ایک کمسن بیٹی کی حیثیت سے آپ نے اپنی طاقت اور موقع کے مطابق اپنے والد کا بھرپور دفاع کیا۔ ان دشمنوں اور مخالفوں کے درمیان آپ کی یہ نڈر اور دلیرانہ حرکت حضور کے لئے غیر معمولی تحفظ اور وفاداری کی روشن مثال ہے۔

اسی طرح غزوۂ اُحد کے موقع پر جب حضور کے دندانِ مبارک شہید ہوئے اور چہرۂ انور پر زخم آئے تو حضرت فاطمہ نے فوراً اپنے والد کا زخم دھو کر سنبھالا۔ جب معمولی کوشش سے خون بند نہ ہوا تو آپ نے کھجور کی چٹائی جلا کر اس کی راکھ زخم پر رکھی، جس سے خون فوراً رک گیا۔[5] یہ واقعہ سیدہ فاطمہ کی عملی وفاداری کی روشن مثال ہے، جو ہر حال میں حضور کے تحفظ اور خدمت کے لئے حاضر رہنے کا درس دیتا ہے۔

ابو طالب کی وفات کے بعد کفار بڑے جری ہو گئے اور حضور کو ایسی ایسی تکلیفیں دینے لگے جو ابو طالب کی موجودگی میں سوچنا بھی محال تھا۔ ایک مرتبہ قریش کے ایک احمق نے حضور کو سرِ راہ روکا اور آپ کے مبارک سر پر مٹی ڈال دی۔ حضور اسی حالت میں گھر تشریف لائے تو حضور کی کسی بیٹی نے فوراً آپ کے سر کو دھونا شروع کیا اور روتی رہیں۔ حضور نے اپنے پیارے کلام سے انہیں تسلی دی: اے بیٹی! نہ روؤ! بے شک اللہ پاک خود تمہارے باپ کا محافظ ہے۔[6] یہ واقعہ حضرت فاطمہ کی اپنے والد کے ساتھ محبت،

وفاداری اور حضور کے دفاع کی حساس پہچان کا عکاس ہے۔

حضرت صفیہ بنتِ عبدُ المطلب

حضور کے دفاع میں اپنی قریبی رشتہ دار خواتین میں سے ایک حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بھی ہیں، جو حضور کی پھوپھی جان اور خالہ زاد تھیں، کیونکہ ان کی والدہ حضرت آمنہ کی بہن ہالہ بنتِ وہب تھیں۔ یہ بہت شیر دل اور بہادر خاتون تھیں۔ انہوں نے غزوۂ خندق میں اپنی بہادری کے جوہر دکھائے۔ جب یہودیوں نے دیکھا کہ ساری مسلمان فوج خندق کی طرف مصروف ہے تو انہوں نے اس قلعے پر اچانک حملہ کیا جس میں مسلمان عورتیں اور بچے پناہ گزین تھے۔ ایک یہودی دروازے تک پہنچ گیا، لیکن حضرت صفیہ نے فوراً خیمے کی ایک مضبوط چوب اکھاڑ کر اس کے سر پر ماری جس سے اس کا سر پھٹ گیا۔ پھر انہوں نے اس کا سر کاٹ کر قلعے کے باہر پھینک دیا، جس سے یہودیوں کو یقین ہوا کہ قلعے کے اندر بھی فوج موجود ہے اور یوں دوبارہ حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔[7] یہ واقعہ حضرت صفیہ کی شجاعت، دفاعِ نبوت اور دشمن کے سامنے ڈٹ کر مقابلہ کرنے کی غیر معمولی ہمت کا روشن نمونہ ہے۔

اسی طرح غزوۂ اُحد میں جب مسلمانوں کا لشکر بکھر گیا تو حضرت صفیہ اکیلی حضور کے دفاع میں کفار پر نیزہ چلاتی رہیں۔ حضور ان کی بے پناہ بہادری دیکھ کر بہت متاثر ہوئے اور فرمایا: اے زبیر! اپنی ماں اور میری پھوپھی کی بہادری دیکھو کہ بڑے بڑے بہادر بھاگ گئے، مگر وہ چٹان کی طرح کفار کے نرغے میں ڈٹی ہوئی اکیلی لڑ رہی ہیں۔[8] یہ واقعہ حضرت صفیہ کی شجاعت، وفاداری اور دفاعِ نبوت کی غیر معمولی مثال ہے۔

حضور کا دفاع کرنے والی عمومی خواتین

حضور کی شخصیت ایسی تھی کہ اپنے ہوں یا بیگانے سبھی آپ کے دفاع میں جان دینے کو تیار رہتے تھے۔ اسی روحِ وفاداری اور عشقِ رسول کی عکاسی کرتی ہیں چند ایسی خواتین جن کا حضور سے نسبی تعلق نہ تھا، مگر انہوں نے ہر موقع پر حضور کے دفاع اور تحفظ میں بے مثال کردار ادا کیا۔ ان کی ہمت، قربانی اور غیرت نے دشمنوں کے سامنے ڈٹ کر خاتم النبیین کا تحفظ یقینی بنایا اور ثابت کیا کہ ایمان و محبت کے سبب انسان کس حد تک غیر معمولی بہادری دکھا سکتا ہے۔

حضرت اُمِّ عُمارہ

آپ کا اصل نام نسیبہ بنت کعب تھا جو اپنی بہادری اور دلیری میں مشہور تھیں اور اُمِّ عُمارہ کنیت سے یاد کی جاتی ہیں۔ یہ انصار کی ایک عظیم صحابیہ ہیں جو جنگوں میں حضور کے دفاع میں ہمیشہ پیش پیش رہیں۔ جنگِ احد میں جب کفار نے حضور پر وحشیانہ یلغار کی تو حضرت ام عمارہ ایک خنجر اٹھا کر دشمن کے سامنے سینہ سپر ہو گئیں اور تیر و تلوار کے ہر وار کو روکتی رہیں۔ ابنِ قمِئَہ ملعون نے جب حضور پر تلوار چلائی تو حضرت ام عمارہ آگے بڑھیں اور اپنے بدن پر اس تلوار کو روکا، جس سے ان کے کندھے پر شدید زخم آیا۔ اس جنگ میں ان کے سر اور گردن پر تیرہ زخم آئے،[9] لیکن آپ نے ڈٹ کر حضور کا دفاع جاری رکھا۔ حضور نے ان کی بہادری کا ذکر کرتے ہوئے اپنے صحابہ سے فرمایا: اُحد کے دن میں دائیں یا بائیں، جہاں بھی دیکھتا، ہر طرف ام عمارہ کو اپنے سامنے لڑتا ہوا پاتا۔[10] یہ واقعہ ان کی غیر معمولی شجاعت، وفاداری اور حضور کے دفاع کے جذبے کی روشن مثال ہے۔

حضرت اسماء بنتِ ابو بکر

یہ حضرت صدیقِ اکبر کی شہزادی اور حضرت عائشہ صدیقہ کی بڑی بہن ہیں۔ ابتدائے اسلام ہی میں مشرف بہ اسلام ہوئیں۔ ان کے خاندان میں عشقِ رسول کی روح ہر فرد کے دل میں وراثت کے طور پر موجود تھی۔

انہوں نے حضور کا دفاع اس طرح کیا کہ ہجرت کے بعد خفیہ طور پر غارِ ثور میں کھانا پہنچا کر حضور اور حضرت ابو بکر کی حفاظت کی۔[11] یہی رازِ ہجرت کی امین تھیں اور اس مقدس راز کو نہایت دیانت داری اور سمجھ داری کے ساتھ چھپائے رکھا۔ جب دشمنوں کو ہجرت کی خبر ملی تو ابو جہل چند افراد کے ساتھ ان کے پاس آیا

اور دونوں کے بارے میں پوچھ گچھ کی، مگر انہوں نے بہادری، عقل اور صبر کے ساتھ لاعلمی ظاہر کی اور حضور کا دفاع کیا۔ ابو جہل نے غصے میں ان کو طمانچہ مارا جس سے کان کی بالی دور جا گری، لیکن انہوں نے راز فاش نہ کیا اور دشمن بالآخر نامراد ہی لوٹ گئے۔[12]

یہ واقعہ ان کی شجاعت، دیانت، ہوشیاری، عشقِ رسول کا روشن اور متاثر کن نمونہ ہے، جو ثابت کرتا ہے کہ ایمان اور وفاداری کی طاقت کتنی عظیم ہو سکتی ہے۔

حضرت ام سُلیم انصاری

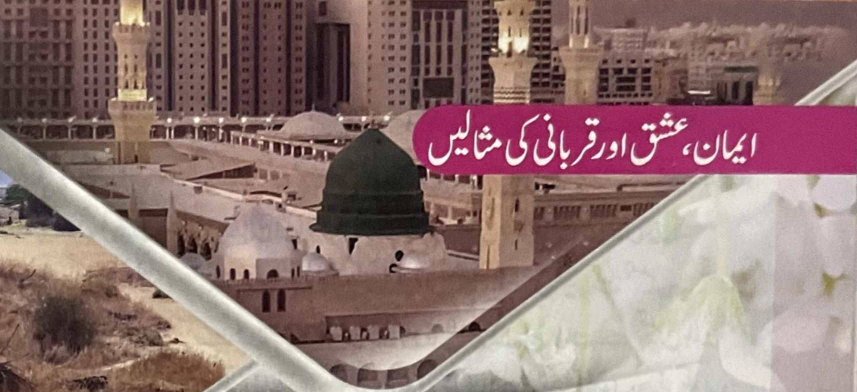
یہ حضور کے والد حضرت عبدُ اللہ کی رضاعی خالہ[13] اور خادمِ رسول حضرت انس بن مالک کی والدہ ہیں۔ ان کا تعلق انصار کے قبیلۂ خزرج کی ایک شاخ بنو نجّار سے تھا۔ انہوں نے کئی غزوات میں حضور کے ساتھ شرکت کی۔ یہ غزوات میں پانی پلانے، زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے اور مجاہدین کی خدمت پر مامور رہیں۔[14] یہ سب خدمات بالواسطہ حضور کے مشن اور سلامتی کے دفاع کا حصہ تھیں، جن میں ان کی وفاداری اور خدمتِ خلق کا عملی مظاہرہ نمایاں ہے۔ مثلاً: غزوۂ حنین میں یہ ایک خنجر ہاتھ میں لئے دشمن کے مقابل کھڑی تھیں۔ حضرت ابو طلحہ نے یہ منظر دیکھا اور حضور کو بتایا۔ حضور نے پوچھا: کیا کرنا چاہتی ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: اگر کوئی مشرک قریب آیا تو اس سے اس کا پیٹ چاک کر دوں گی۔ یہ سن کر حضور مسکرا دیئے۔ بعد میں حضرت اُمِّ سُلیم نے حضور سے عرض کی کہ جو لوگ مکے سے فرار ہو گئے ہیں ان کے قتل کا حکم دیجئے، تو ارشاد ہوا: خدا نے خود ان کا انتظام کر دیا ہے۔[15] یہ واقعہ حضرت اُمِّ سُلیم کی بہادری، دفاعی شعور اور حضور کے مشن کے لئے ہمہ وقت تیار رہنے کی روشن مثال پیش کرتا ہے۔ الغرض صحابیات طیبات حضور کا دفاع کرنے میں مردوں سے کسی طرح پیچھے نہ تھیں اور ہر ممکن طریقے سے حضور کے تحفظ کو یقینی بنایا۔ ان عظیم ہستیوں کی بدولت عورتوں کے کردار کی بلندی واضح ہوئی۔ یہ صحابیات امتِ مسلمہ کے لئے جذبۂ غیرتِ ایمانی کی روشن مثال ہیں اور تاحشر ان کی سیرت عورت ذات کے لئے مشعلِ راہ رہے گی۔ حضور کا دفاع ایمان کا سب سے بڑا امتحان اور ایک دائمی فریضہ ہے، جس پر یہ صحابیات پوری اتریں۔ ان کی قربانیاں ایمان، وفا اور محبتِ رسول کی روشن دلیلیں ہیں۔

حضور کا دفاع کرنے والی صحابیات کی سیرت ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ ناموسِ رسالت کا دفاع صرف جذبات سے نہیں بلکہ علم، اچھے اخلاق اور سمجھ داری سے کیا جاتا ہے۔ انہوں نے تلواروں سے زیادہ اپنے عمل، کردار اور رویے کے ذریعے ناموسِ رسالت کی حفاظت کی۔ آج کی مسلمان خواتین کو چاہیے کہ وہ سیرتِ نبوی کو سیکھیں، صحیح بات دلیل کے ساتھ پیش کریں، اپنے اچھے اخلاق سے اسلام کی خوبصورتی دکھائیں اور معاشرے میں پرامن و باوقار انداز اختیار کریں تاکہ اسلام کی شہزادیوں کے کسی رویے سے مخالف کو ناموسِ رسالت اور تعلیماتِ مصطفٰے پر قدغن لگانے کا موقع نہ ملے کہ یہی دفاعِ مصطفٰے کا لازمہ ہے۔ جذبات میں آکر غلط قدم اٹھانے کے بجائے حکمت اور دانائی سے کام لینا صحابیات کی سیرت سے ہمیں ملنے والا اصل درس ہے۔ اللہ پاک ہر ماں، بہن، بیٹی بلکہ ہر عورت کو ان عظیم ہستیوں کے جذبۂ ایمانی سے حصہ عطا فرمائے اور ان کے صدقے ہم سب کی بے حساب مغفرت فرمائے۔ اٰمین بِجاہِ النّبیِّ الْاَمین صلی اللہ علیہ والہ وسلم

---

1. بخاری، 1/8، حدیث: 3 مفہوماً
2. بخاری، 1/8، حدیث: 3 مفہوماً
3. شرح زرقانی علی الموہب، 4/372 ماخوذاً
4. بخاری، 1/193، حدیث: 520
5. بخاری، 3/43، حدیث: 4075
6. سیرت ابن ہشام، ص 165
7. شرح زرقانی علی المواہب، 3/37
8. جنتی زیور، ص 504
9. طبقات ابن سعد، 8/303
10. طبقات ابن سعد، 8/305 ماخوذاً
11. سیرت ابن ہشام، ص 194
12. سیرت ابن ہشام، ص 194
13. مراۃ المناجیح، 8/53
14. مسلم، ص 776، حدیث: 4682
15. مسلم، ص 776، حدیث: 4680





غزوات میں خواتین کا کردار

محترمہ بنتِ کریم بخش مدنیہ عطاریہ*

عورت ایک ایسی عظیم ہستی ہے جس کی فطرت ہی حیا، وقار اور پردے سے جڑی ہوئی ہے، اسلام نے اسی فطری تقاضے کے مطابق اسے پردے کا حکم عطا فرمایا۔ اسلام نے عورت کو بے حیائی سے محفوظ رکھ کر ایسی باوقار آزادی عطا کی ہے جو اس کی عزت، شخصیت اور فطرت کے عین مطابق ہے، جبکہ دشمنانِ اسلام جس آزادی کا نعرہ لگاتے ہیں وہ درحقیقت عورت کو اس کے اصل مقام سے گرانے کا ذریعہ ہے۔ مگر افسوس! آج ہمارے معاشرے میں اس مقدس حکم کو غلط زاویے سے پیش کیا جاتا ہے۔ بعض لوگ یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ اسلام نے عورت کو چار دیواری میں قید کر دیا ہے یا یہ کہ پردہ عورت کی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے، حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ اسلامی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ مسلم خواتین نے پردے کے ساتھ معاشرتی، سماجی حتی کہ جنگی میدانوں میں بھی بھرپور کردار ادا کیا۔ وہ فوج کے لئے پانی پہنچاتی، زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی اور ضرورت پڑنے پر دشمن کے سامنے ڈٹ جانے کا حوصلہ بھی رکھتی تھیں، مگر ہر حال میں پردے اور حیا کو اپنی شناخت بنائے رکھتیں۔

تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو ہر عظیم دور میں مسلم خواتین کا کردار نمایاں نظر آتا ہے۔ انہوں نے اگرچہ تلوار نہیں اٹھائی، مگر مجاہدوں کے دلوں میں حوصلہ، عزم اور ثابت قدمی پیدا کی۔ جب حق و باطل کی جنگ عروج پر تھی اور میدانوں میں مردجانوں کی قربانیاں دے رہے تھے، اسی وقت پسِ منظر میں خواتین صبر، ایثار، خدمت اور مسلسل جدوجہد کا ایک مضبوط محاذ سنبھالے ہوئے تھیں۔ ماں اپنے بیٹے کو، بہن اپنے بھائی کو اور بیوی اپنے شوہر کو دعاؤں اور حوصلے کے ساتھ رخصت کرتی تھی۔ یہ دعائیں اور قربانیاں بھی کسی ہتھیار سے کم نہ تھیں۔ غزوات میں خواتین کا کردار محض مدد تک محدود نہیں تھا، بلکہ وہ جہاد کی عمارت کا مضبوط ستون تھیں۔ وہ زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی اور ساتھ ہی قوم کی فکری، روحانی اور اخلاقی تربیت میں اہم کردار ادا کرتی تھیں۔ حضرت سُمَیَّہ کی شہادت نے قربانی کی بنیاد رکھی اور حضرت اُمِّ عُمارہ نے میدانِ جنگ میں شجاعت کی عظیم مثال قائم کی۔ ان خواتین کے ایثار نے آنے والی نسلوں کے لئے ایمان اور عمل کا واضح راستہ متعین کر دیا، جس پر چل کر آج بھی ہر مسلمان عورت اپنے گھر کو امن کا مرکز اور اپنی گود کو تربیت گاہ بنا سکتی ہے۔

* شعبہ ٹیچر ٹریننگ ڈیپارٹمنٹ مجلس جامعۃ المدینہ گرلز ریاست آباد واہ کینٹ

عہدِ نبوی میں خواتین کے جنگوں میں شرکت کے اسباب

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی سیرتِ طیبہ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت پوری آب و تاب کے ساتھ سامنے آتی ہے کہ اسلام کی عملی تاریخ میں عورت کا کردار کسی ایک گوشے تک محدود نہیں رہا، بلکہ زندگی کے ہر میدان میں اس کی روشن مثالیں ملتی ہیں۔ بالخصوص عہدِ نبوی میں صحابیات کی زندگیاں اس بات کی شاہد ہیں کہ انہوں نے دین کی سربلندی کے لئے ہر ممکن قربانی پیش کی۔ غزوات ہوں یا دیگر عسکری مہمات، صحابیات نے اپنی ذمہ داریوں کو نہ صرف سمجھا بلکہ انہیں غیر معمولی اخلاص اور استقامت کے ساتھ ادا بھی کیا۔

غزوات میں خواتین کی شرکت محض علامتی نہ تھی بلکہ خالصتاً خدمتِ انسانی اور دینی جذبے پر مبنی تھی۔ وہ زخمی مجاہدین کی تیمارداری کرتیں، ان کی مرہم پٹی کرتیں، پیاسوں کو پانی پلاتیں، شہدا اور زخمیوں کو محفوظ مقامات تک پہنچاتیں۔ حضرت ربیع بنتِ معوذ بیان فرماتی ہیں کہ ہم حضور کے ساتھ جہاد میں شریک ہوتیں، مجاہدین کی خدمت کرتیں، انہیں پانی پلاتیں اور زخمیوں اور شہدا کو مدینہ منورہ لے آتیں۔[(1)] اسی طرح حضرت ام عطیہ کا بیان ہے کہ وہ حضور کے ساتھ سات غزوات میں شریک ہوئیں، لشکر کے پیچھے رہ کر کھانا تیار کرتیں، زخمیوں کی دیکھ بھال کرتیں اور مریضوں کی خدمت سرانجام دیتیں۔[(2)]

ان خدمات کے ساتھ ساتھ خواتین کا ایک نہایت اہم کردار نفسیاتی اور اخلاقی سہارا فراہم کرنا بھی تھا۔ وہ اپنے حوصلہ افزا کلمات، دعاؤں اور نصیحتوں کے ذریعے مجاہدین کے دلوں میں عزم، صبر اور استقامت کی روح پھونک دیتی تھیں۔ جنگِ قادسیہ کے موقع پر حضرت خنساء کا اپنے چاروں بیٹوں کو راہِ خدا میں جان قربان کرنے کی ترغیب دینا تاریخِ اسلام کا ایک درخشاں باب ہے، جس کے نتیجے میں وہ چاروں شہزادے جامِ شہادت نوش کر گئے۔[(3)]

ان سب کے پسِ منظر میں صحابیات کا سب سے بڑا محرک ان کا مضبوط جذبۂ ایمانی تھا۔ جب کبھی دین کی عزت و ناموس کا معاملہ پیش آیا تو ان عظیم خواتین نے اپنی فطری نزاکت کو پسِ پشت ڈال کر جرأت و شجاعت کی وہ مثالیں قائم کیں جو رہتی دنیا تک ایمان کو حرارت بخشتی رہیں۔ انہوں نے عملاً یہ ثابت کر دیا کہ عظمتِ اسلام اور ناموسِ رسالت پر آنچ برداشت کرنا ممکن نہیں، خواہ اس کے لئے جان ہی کیوں نہ قربان کرنی پڑے۔

مختلف غزوات میں خواتین کے کردار کی مثالیں

غزوۂ اُحد میں خواتین کا کردار

غزوۂ اُحد میں مردوں کے ساتھ خواتین نے بھی بھرپور حصہ لیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت انس کی والدہ بی بی ام سُلَیم مشکیں بھر بھر کر لاتی اور مسلمانوں کو پانی پلانے کا عمل جاری رکھتی تھیں۔ اسی طرح حضرت ابو سعید خدری کی والدہ حضرت اُم سَلیط بھی یہی خدمت سرانجام دے رہی تھیں۔

حضرت امِ ایمن اور حَمنہ بنتِ جحش پانی پلانے اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے میں پیش پیش تھیں۔

حضرت اُمّ عُمارہ نسیبہ بنتِ کعب انصاریہ اپنے شوہر اور دونوں بیٹوں کے ساتھ مشک لے کر میدان میں آئیں۔ جب آپ نے دیکھا کہ حضور کے ساتھ صرف چند جانباز باقی ہیں تو فوراً حضور کے پاس پہنچیں اور تیر و تلوار کے حملوں کو روکنے میں مدد فراہم کی۔ ابنِ قَمِئَہ لعین حضور کی طرف بڑھا تو حضرت مُصعب بن عُمیر اور دیگر مسلمان مقابل ہوئے، ان میں حضرت اُمّ عُمارہ بھی شامل تھیں۔ ابنِ قَمِئَہ نے آپ کے کندھے پر ضرب لگائی، مگر آپ حوصلے اور بہادری کے ساتھ حضور کے سامنے ڈھال بن کر کھڑی رہیں۔ یہ تمام واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ صحابیات نہ صرف خدمتِ انسانی میں آگے رہیں بلکہ میدانِ جنگ میں بھی ایمان، حوصلے اور قربانی کی اعلیٰ مثال قائم کی۔[(4)]

غزوۂ خندق میں خواتین کا کردار

مسجدِ نبوی میں حضرت رُفَیدہ انصاریہ کا ایک خیمہ قائم تھا، جہاں وہ زخمی مجاہدین کی مرہم پٹی اور تیمارداری کرتی تھیں۔ غزوۂ خندق کے موقع پر حضرت سعد بن معاذ شدید زخمی ہو گئے تو حضور

نے ان کے علاج کے لئے اسی خیمے میں منتقل فرمایا، مگر زخموں کی تاب نہ لاکر وہ شہادت کے درجے پر فائز ہوگئے۔[5] اسی غزوے میں ایک نہایت نازک لمحہ بھی آیا، جب یہودیوں نے اس قلعے پر حملہ کیا جہاں مسلمان عورتیں اور بچے پناہ لئے ہوئے تھے۔ایک یہودی دروازے تک پہنچ گیا، جس کا سر کاٹ کر حضور کی پھوپھی حضرت صفیہ نے قلعے سے باہر پھینک دیا۔یہ منظر دیکھ کر دشمن کے حوصلے ٹوٹ گئے اور وہ دوبارہ حملے کی جرأت نہ کر سکے۔[6]

غزوۂ حنین میں خواتین کا کردار

غزوۂ حنین کے موقع پر حضرت ابو طلحہ کی حضرت ام سلیم سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے دیکھا کہ ام سلیم کے ہاتھ میں ایک خنجر ہے۔حضرت ابو طلحہ نے تعجب سے پوچھا: ام سلیم! یہ خنجر کیوں ساتھ رکھا ہے؟ انہوں نے پورے عزم و یقین کے ساتھ جواب دیا: اللہ کی قسم! اگر ان میں سے کوئی میرے قریب آیا تو میں اسی خنجر سے اس کا پیٹ پھاڑ دوں گی۔[7] اس سے معلوم ہوا کہ صحابیات نہ صرف خدمت اور تیمارداری تک محدود تھیں بلکہ ضرورت کے وقت دینِ اسلام کے دفاع کے لئے جان کی بازی لگانے کا حوصلہ بھی رکھتی تھیں۔

غزوۂ خیبر میں خواتین کا کردار

غزوۂ خیبر کے موقع پر چھ خواتین لشکر کے ساتھ روانہ ہوئیں، جب حضور کو اس کا علم ہوا تو ناراضی کا اظہار فرمایا۔اس پر ام زیاد اشجعیہ نے عرض کی کہ ہم زخمیوں کا علاج کریں گی، مجاہدین کو تیر دیں گی اور ستو گھول کر پلائیں گی۔ان کے اس خلوص اور خدمت کے جذبے کو دیکھ کر حضور نے انہیں ساتھ رہنے کی اجازت عطا فرمادی۔[8] اسی غزوے میں حضرت ام سنان اسلمیہ بھی حاضر ہوئیں اور عرض کی کہ وہ پیاسوں کو پانی پلانے، مریضوں اور زخمیوں کی خدمت اور سواریوں کی نگہبانی کے لئے شریک ہونا چاہتی ہیں۔ حضور نے ان کی درخواست بھی قبول فرمائی اور فرمایا کہ اللہ پاک کی برکت کے ساتھ نکلو، کیونکہ تمہاری دیگر ساتھی خواتین کو بھی اجازت دی جا چکی ہے۔[9] یہ واقعات اس بات کا روشن ثبوت ہیں کہ اسلام میں خواتین نے خدمت، ایثار اور دین کی نصرت میں ہمیشہ فعال کردار ادا کیا۔

دیگر اہم کردار

یہ بھی حقیقت ہے کہ خواتین کا کردار غزوات میں صرف تیمارداری تک محدود نہ تھا، بلکہ وہ ہر پہلو سے دین کی نصرت میں شریک رہیں۔ کئی صحابیات اپنے شوہروں، بیٹوں اور قریبی رشتہ داروں کے ساتھ میدانِ جنگ میں آتیں، ان کے حوصلے بلند کرتیں، دعاؤں سے ان کے دل مضبوط کرتیں اور ثابت قدمی کی تلقین کرتیں۔جیسا کہ غزوۂ اُحد میں جب حضرت اُمِّ عمارہ کے بیٹے کو ایک کافر نے زخمی کر دیا تو آپ نے فوراً کپڑا پھاڑ کر اس کا زخم باندھا اور فرمایا: بیٹا! اٹھو اور پھر سے جہاد میں مشغول ہو جاؤ۔[10] اسی طرح صحابیات نے مالی قربانی میں بھی نمایاں کردار ادا کیا۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر جب حضور نے راہِ خدا میں مال خرچ کرنے کی ترغیب دی تو عورتوں نے بھی پیچھے رہنا گوارا نہ کیا، بلکہ اپنے قیمتی زیورات بارگاہِ رسالت میں پیش کر دیئے۔[11] یہ واقعات اس بات کا روشن ثبوت ہیں کہ صحابیات کا جذبۂ ایمانی، قربانی اور استقامت اسلامی تاریخ کا درخشاں باب ہے۔

عورت میدانِ عمل میں (اسلامی تصور)

یاد رہے! غزوات میں خواتین کی شرکت اسلام کے مقرر کردہ فطری اور شرعی حدود کے اندر تھی۔اسلام نے عورت کو نہ تو بے قید آزادی دی اور نہ ہی اسے سماجی خدمت سے محروم کیا، بلکہ عصمت و حیا کے حصار میں رہتے ہوئے اسے باوقار کردار ادا کرنے کے مواقع عطا کیے۔یہی وجہ ہے کہ اسلام کی ان پاکیزہ خواتین میں جذبۂ جہاد کے ساتھ ساتھ احکامِ شریعت کی پاسداری بھی نمایاں نظر آتی ہے۔میدانِ جنگ جیسے نازک اور پُر خطر ماحول میں بھی انہوں نے پردے، حیا اور وقار کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھا۔یہ خواتین جہاں مجاہدینِ اسلام کی خدمت، زخمیوں کی مرہم پٹی، پانی کی فراہمی اور دیگر ضروری امور انجام دیتی رہیں، وہیں اگر حالات نے تقاضا کیا تو دشمن کے مقابلے میں ثابت قدمی

کی مثالیں بھی قائم کیں۔ مگر ان تمام خدمات کے باوجود ان کی اولین ترجیح اللہ پاک کے احکامات کی تعمیل اور اپنی ناموس کی حفاظت رہی۔ اسی حقیقت کی وضاحت کرتے ہوئے علّامہ قرطبی بیان فرماتے ہیں: غزوات میں شریک خواتین زخمیوں کے لئے دوا سازی کا فریضہ انجام دیتی تھیں، مگر اس دوران نامحرموں سے جسمانی اختلاط سے بچتی تھیں۔ اگر وہ عمر رسیدہ ہوتیں تو چہرہ کھولنے کی اجازت ہوتی اور اگر جوان ہوتیں تو مکمل حجاب کے ساتھ خدمات سرانجام دیتیں۔[12] اس سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ پردہ اور شرم وحیا ترقی کی راہ میں رکاوٹ نہیں بلکہ شخصیت کو وقار اور کردار کو استحکام بخشتے ہیں۔ اسلام نے عورت کو جو ترقی دی ہے وہ اخلاق، کردار اور خدمتِ دین وانسانیت کے ذریعے ہے اور یہی ترقی حقیقی اور دیرپا ہے۔

آج کی عورت کیا چاہتی ہے؟

آج کی عورت کے دل میں یہ خواہش ابھاری جارہی ہے کہ وہ اپنے فطری اور اصل دائرۂ عمل سے نکل کر مردوں کے شانہ بشانہ نہیں بلکہ مردوں کی مانند زندگی گزارے؛ اسی طرز پر کمائے، اسی دوڑ میں شامل ہو اور زیادہ سے زیادہ دولت سمیٹے۔ مگر اس راستے پر چلتے ہوئے وہ رفتہ رفتہ اُن حدود کو بھی عبور کر بیٹھتی ہے جو شریعت اور فطرت نے اس کی عزت وعصمت کی حفاظت کے لئے قائم کی تھیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وقتی فائدے کی اس چمک دمک میں وہ ایسے ناجائز اور خلافِ شرع امور میں مبتلا ہو جاتی ہے جو نہ صرف اس کے وقار کو مجروح کرتے ہیں بلکہ اس کی عزت و ناموس پر ایسے داغ چھوڑ جاتے ہیں جو آسانی سے مٹتے نہیں۔

عصرِ حاضر کے لئے اسلام کا پیغام

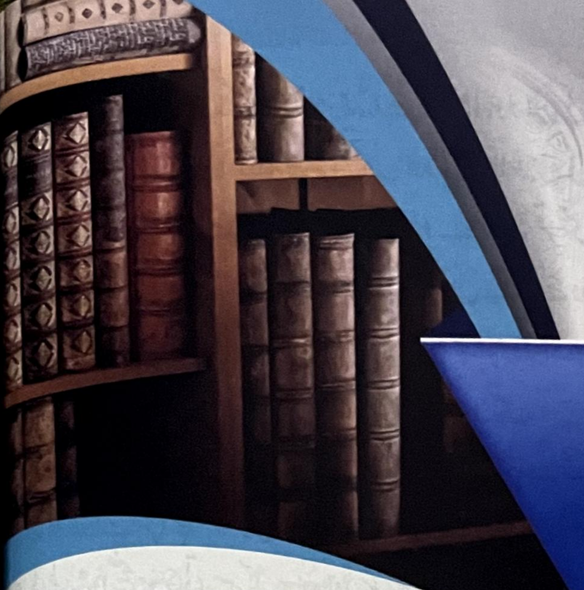
اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جو زندگی کے ہر پہلو میں راہ نمائی فراہم کرتا ہے۔ اسلام نے عورت کو ہرگز چار دیواری میں قید نہیں کیا، بلکہ اسے جائز حدود کے اندر رہتے ہوئے آگے بڑھنے کی اجازت دی ہے۔ اگر عورت تعلیم، طب، سماجی خدمت یا دیگر جائز شعبوں میں کام کرنا چاہے اور اپنے واہلِ خانہ کی حاجات پوری کرنا چاہے تو شریعت نے اس کے لئے راستے کھولے ہیں۔ البتہ! اسلام اس بات پر زور دیتا ہے کہ عورت اپنی عزت، حیا اور ناموس کی حفاظت کو مقدم رکھے۔ یوں عورت شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے ترقی بھی کرسکتی ہے اور معاشرے کے لئے مفید کردار بھی ادا کرسکتی ہے۔

شریعت کے دائرے میں رہ کر دین کی خدمت کیسے کریں؟

صحابیات نے دینِ اسلام کے لئے جو قربانیاں پیش کیں، وہ تاریخِ انسانی میں بے مثال ہیں۔ انہوں نے اپنی جان، مال، اولاد اور عزیز واقارب سب کچھ راہِ خدا میں نچھاور کر دیا۔ آج ہماری صورتِ حال اس سے بالکل مختلف ہے؛ ہمیں نہ تو جان کا نذرانہ پیش کرنا ہے، نہ میدانِ جنگ میں اترنا ہے اور نہ ہی اپنی اولاد و خاندان کی ایسی کڑی آزمائشوں سے گزرنا ہے۔ اس کے باوجود دین کی خدمت کے بے شمار مواقع ہمارے سامنے موجود ہیں۔ ہم اپنے وقت کی قربانی دے سکتی ہیں، سنتوں کے فروغ میں کردار ادا کرسکتی ہیں، نیکی کی دعوت عام کرسکتی ہیں اور اپنی ذات کے ساتھ ساتھ دیگر اسلامی بہنوں کی اصلاح کی کوشش کرسکتی ہیں۔ خلاصہ یہ کہ عہدِ نبوی کی خواتین نے یہ سکھایا کہ عورت محض حالات سے متاثر ہونے والی نہیں بلکہ معاشرے کو مثبت طور پر متاثر کرنے والی ہستی ہے اور اس کا کردار آج کی عورت کے لئے بھی روشن مینار کی طرح ہے۔

---

1 بخاری، 4/16، حدیث:5679
2 مسلم، ص778، حدیث:4690
3 اسد الغابہ، 7/100
4 سیرتِ رسولِ عربی، ص177، 178
5 سیرتِ رسولِ عربی، ص186 ملخصاً
6 سیرتِ مصطفیٰ، ص340، 341
7 ابوداود، 3/95، حدیث:2718
8 ابوداود، 3/99، حدیث:2729
9 طبقات ابن سعد، 8/227، رقم:4244
10 سیرتِ مصطفیٰ، ص279 تا 280
11 سیرۃ حلبیہ، 3/184
12 التراتیب الاداریہ، 2/147



دورِ نبوی میں صحابیات کے صبر و استقلال کی لازوال مثالیں

محترمہ نواسیِ عطار مدنیہ عطاریہ*

سیرتِ نبوی مردوں کو زندگی کے ہر شعبے میں راہ نمائی فراہم کرتی ہے تو عورتوں کے لئے بھی اس میں دینی اور دنیاوی معاملات میں اصلاح و درستگی اور تعلیم و تربیت کا نظام موجود ہے۔ اسلام کی بنیاد جن عظیم ہستیوں کی قربانیوں، ایثار اور صبرِ جمیل پر رکھی گئی، اُن میں صحابیاتِ رسول کی خدمات تاریخ انسانیت کا روشن باب ہیں۔ مشکلات، تکالیف، ہجرت، فاقہ، بیماری، رنج و غم الغرض ہر ہر مرحلے پر ان پاکیزہ خواتین نے صبر کی وہ مثالیں قائم کیں جو قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے لئے مشعلِ راہ ہیں۔ جب ایک مسلمان ان مبارک ہستیوں کی سیرت پڑھتا ہے تو اسے صدق و وفا، ایمان کی مضبوطی اور عزیمت و استقامت کی وہ تصویر نظر آتی ہے کہ اس کی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ یقیناً ان صحابیات نے جو ناقابلِ فراموش قربانیاں دی ہیں ان میں آج کی خواتین کے لئے بہت دروس ہیں۔ ذیل میں صحابیات کے صبر و استقلال اور عزم و استقامت کی لازوال مثالیں دینی و دنیاوی دو پہلوؤں کے ذیل میں پیش کی جارہی ہیں:

دینی آزمائشوں پر صبر کی مثالیں

ایمان پر ثابت قدمی

ایمان پر ثابت قدمی اور صبر و استقلال کی لازوال داستان رقم کرنے والی باہمت خواتین میں سب سے نمایاں نام حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کا ہے۔ آپ وہ شیر دل خاتون ہیں جنہیں سب سے پہلے اپنے خون کا نذرانہ پیش کرکے شجرِ اسلام کی آبیاری کرنے کا شرف ملا۔ اس کا سبب کچھ یوں ہوا کہ ایک مرتبہ ابو جہل نے نیزہ تان کر انہیں دھمکاتے ہوئے کہا کہ کلمہ نہ پڑھ، ورنہ میں تجھے یہ نیزہ مار دوں گا! اس پیکرِ ہمت و شجاعت نے سینہ تان کر زور زور سے کلمہ پڑھنا شروع کیا، ابو جہل نے غصے میں اس زور سے نیزہ مارا کہ وہ وہیں شہید ہو گئیں۔(1) یوں انہیں راہِ خدا میں جان کا نذرانہ پیش کر کے اسلام کی شہیدۂ اول ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔

اہلِ مکہ نے ایسا کون سا ستم تھا جو ان پر نہ کیا! لوہے کی زرہ پہنا کر سخت دھوپ میں انہیں کھڑا کر دیا جاتا۔ مروی ہے کہ حضور جب انہیں اپنے بیٹے حضرت عمار اور شوہر حضرت یاسر سمیت مکے کے تپتے صحرا میں مقامِ ابطح پر ایذائیں پاتے دیکھتے تو ارشاد فرماتے: اے آلِ یاسر! صبر کرو تمہارے لئے جنت کا وعدہ ہے۔(2) اس سے معلوم ہوا کہ ایمان کی قیمت جان کی قربانی تک بھی پہنچ جائے تو اہلِ یقین ہچکچاتے نہیں، اسی لئے تو عرب کی سخت ترین گرمی میں لوہے کا لباس پہنائے جانے کی تکلیف کے باوجود بھی حضرت سمیہ نے اسلام کا دامن نہیں چھوڑا، بلکہ ڈٹ کر ان مشکل حالات کا مقابلہ کیا، آپ کا یہ نڈر انداز بتاتا

*کراچی

ہے کہ عورت بھی ایمانی استقامت میں مردوں سے کم نہیں۔ آپ کی شہادت ہمیں یہ پیغام دیتی ہے کہ ایمان ایک امانت ہے جس کی حفاظت کے لئے ہر قربانی چھوٹی ہے۔

ایک حضرت سمیہ ہی نہیں بلکہ اُس دور کی بے شمار خواتین نے اسلام کی خاطر قربانیاں دیں اور ظلم کی تیز آندھیوں میں راہِ حق پر ثابت قدم رہیں۔ چند مزید کا ذکر پیشِ خدمت ہے:

حضرت خدیجۃ الکبریٰ جو کہ عرب کی مشہور تاجرہ و مالدار خاتون تھیں، حضور کی محبت اور اسلام کی حمایت میں جس طرح انہوں نے اپنا مال اور سرمایہ خرچ کیا اسی طرح یہ اسلام کی خاطر عملی قربانی سے بھی پیچھے نہ رہیں، چنانچہ تین سالہ سخت معاشی بائیکاٹ جس میں بھوک، پیاس اور مسلسل تکالیف مسلمانوں پر مسلط کی گئیں اور انہیں شعبِ ابی طالب میں محصور کر دیا، اس کٹھن مرحلے میں بھی حضرت خدیجہ نے حضور کا ساتھ نبھایا اور حضور سمیت دیگر مسلمانوں کے ساتھ انہوں نے بھی وہاں محصور رہ کر سخت تنگی اور تکالیف کو اسلام کی خاطر برداشت کیا۔[3] اسی طرح حضرت ام شریک کو بھی اسلام قبول کرنے کے جرم میں بہت ستایا گیا، آپ کے بارے میں منقول ہے کہ آپ نے ابتدائے اسلام میں ہی خفیہ طور پر اسلام قبول کیا اور قریش کی عورتوں سے مل کر انہیں بھی دعوتِ اسلام پیش کرتیں، حتی کہ کفار کو جب اس کا علم ہوا تو قبیلے کا لحاظ کرتے ہوئے اگرچہ انہیں قتل نہ کیا لیکن سخت اذیت سے دوچار کیا، چنانچہ وہ انہیں مسلمانوں کے حوالے کرنے کے لئے لے کر چلے تو بغیر کجاوے کے اونٹ پر انہیں سوار کیا، تین دن تک کچھ کھانے پینے کو نہ دیا، کسی جگہ پڑاؤ ڈالتے تو انہیں دھوپ میں باندھ کر خود سائے میں چلے جاتے، ان اذیتوں کے باوجود وہ ایمان سے نہ ہٹیں، اس صبر و استقلال کے نتیجے میں اللہ پاک نے اپنی خاص رحمت سے انہیں پانی عطا فرمایا اور پانی سے بھرا ایک ڈول ان پر اترا جس سے انہوں نے سیر ہو کر پانی پیا اور اپنے جسم پر ڈالا، قریش نے یہ منظر دیکھا تو وہ سارے ہی ایمان لے آئے۔[4]

حضرت فاروقِ اعظم کی ہمشیرہ بھی بڑی پختہ ایمان والی تھیں، ابھی حضرت عمر اسلام نہیں لائے تھے کہ انہیں اپنی بہن اور بہنوئی کے مسلمان ہونے کی خبر ملی تو وہ ان کے گھر آئے اور پہلے بہنوئی کو مارا، پھر بہن بیچ میں آئیں تو انہیں بھی اتنا مارا کہ ان کا چہرہ خون آلود ہو گیا، مگر انہوں نے بھی بڑی جرأت کے ساتھ کہا: تیرے دین میں حق نہیں، میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ پاک کے سوا کوئی لائقِ عبادت نہیں اور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ حتی کہ ان کے ایمان کی پختگی ہی حضرت عمر کے اسلام کی طرف مائل ہونے کا سبب بنی۔[5]

بلاشبہ ثابت قدمی کی یہ مثالیں خواتینِ اسلام کے لئے مشعلِ راہ ہیں، خصوصاً وہ باہمت خواتین جو باطل مذاہب چھوڑ کر اسلام قبول کرنے کے بعد اپنے گھر والوں کی طرف سے سخت آزمائشوں میں مبتلا ہوتی ہیں۔ انہیں چاہیے کہ اپنی ہمت کو آج کی وقتی تکلیف کی خاطر کمزور نہ ہونے دیں، تاکہ ہمیشہ جلنے والی اس آگ سے اپنے آپ کو بچا سکیں جسے رب نے کافروں کے لئے تیار کیا ہے۔ نیز یہ بھی سوچیں کہ ان کی موجودہ تکلیف حضرت سمیہ، حضرت اُمِّ شَریک اور دیگر مظلوم صحابیات کی اُن تکالیف کے مقابلے میں کچھ حیثیت نہیں رکھتی جو انہیں ظالموں نے دیں۔ کفر کے اندھوں نے ان پر ظلم و ستم کے ایسے پہاڑ توڑے کہ الامان و الحفیظ۔

تبلیغِ دین پر صبر

آج کی خواتین جب تبلیغِ دین میں کسی مشکل یا پریشانی سے دوچار ہوں تو انہیں صحابیات کی ہجرت یاد کرنی چاہیے کہ انہوں نے دین کی خاطر اپنا وطن تک چھوڑ دیا۔ سوچئے! ہم چند دن اپنے گھر سے تفریح کے لئے بھی دور ہو جائیں تو سکون ختم ہو جاتا ہے، لیکن ان عظیم خواتین نے اسلام کی محبت میں وہ گھر بار چھوڑا جہاں اپنے رشتے دار، عزیز اور مانوس ماحول تھا۔ وہ ایسے دیار میں گئیں جہاں نہ کوئی جاننے والا تھا نہ سہولتیں۔ یہ سفر نہ تفریح کے لئے

تھا نہ عادتاً، بلکہ خالصتاً دینِ اسلام کی سربلندی کے لئے تھا۔ جیسا کہ سورۂ نحل کی آیت نمبر 41 کے متعلق حضرت قتادہ فرماتے ہیں: یہ آیت حضور کے ان جاں نثاروں کے حق میں نازل ہوئی جن پر اہلِ مکہ نے بہت ظلم کئے اور انہیں دین کی خاطر وطن چھوڑنا ہی پڑا، بعض اُن میں سے حبشہ چلے گئے پھر وہاں سے مدینہ طیبہ آئے اور بعض مدینے شریف ہی کو ہجرت کر گئے۔ اللہ پاک نے ان کی مدح فرمائی اور ان کے اجر کو بہت بڑا اجر قرار دیا۔ (6)

چنانچہ کئی صحابیات نے ایمان کی حفاظت کے لئے حبشہ اور مدینہ طیبہ ہجرت کی تاکہ سکون سے ایک اللہ پاک کی عبادت کر سکیں۔ ان کی یہ قربانیاں آج بھی صبر، ثبات اور دین سے وفاداری کا روشن نمونہ ہیں۔

عبادات پر استقامت

عبادت کی توفیق ایک بہت بڑا انعام ہے، لیکن اس سے بھی بڑھ کر کمال اس پر استقامت ہے۔ استقامت نیک اعمال کی اصل روح ہے، کیونکہ بعض اوقات انسان جوش و جذبے میں نیک عمل شروع کر دیتا ہے، مگر چند دنوں بعد اس کا جذبہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ بغیر استقامت کے کئی اعمال کرنے سے بہتر ہے کہ عمل تھوڑا ہو مگر مستقل اور پائیدار ہو۔ ایک روایت میں ہے: اپنی طاقت کے مطابق عبادت کرو۔ اللہ پاک (نیک اعمال کا ثواب دینے سے) نہیں اُکتاتا، تم اُکتا جاؤ گے اور اللہ پاک کو وہ عمل سب سے زیادہ پسند ہے جسے کرنے والا ہمیشہ کرے۔ (7) شارحِ بخاری علامہ سید محمود احمد رضوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: آدمی خواہ کتنی ہی نیکیاں کرے، ربُّ العزت کو اس کی ان نیکیوں کے ثواب عطا فرمانے میں کوئی دقّت نہ ہو گی مگر اپنی طاقت سے زیادہ عمل کرنے والا بالآخر خود ہی گھبرا جائے گا اور اس کو جاری نہ رکھ سکے گا۔ مفہومِ حدیث یہ ہے کہ آدمی کو چاہیے کہ عبادت میں میانہ روی اختیار کرے اور اتنا ہی عمل کرے جس کو آسانی کے ساتھ ہمیشہ کر سکے کیونکہ تھوڑا عمل جو ہمیشہ کیا جائے وہ اس عمل سے بہتر ہے جو انسان ہمیشہ نہ کر سکے کیونکہ زیادہ کے لالچ میں تھوڑے کو بھی چھوڑنے پر مجبور ہو جائے گا۔ اسی کو امام غزالی نے یوں سمجھایا ہے کہ جب پتھر پر پانی قطرہ قطرہ ٹپکتا ہے تو سوراخ کر دیتا ہے بر خلاف یکدم اگر پانی گر جائے تو اثر تک بھی نہیں ہوتا۔ (8)

سیرتِ صحابیات سے چند مثالیں

صحابیات کی سیرت میں استقامت کا پہلو نمایاں نظر آتا ہے۔ احکام و عبادات میں آنے والی رکاوٹوں کو نظر انداز کر کے صحابیات انہیں کامل استقامت کے ساتھ بجالاتی تھیں۔ حضرت اُمِّ خَلّاد کی سیرت میں پردے پر ثابت قدمی کی ایسی دلنشین مثال ملتی ہے جو حیران کر دیتی ہے۔ ایک جنگ میں ان کا بیٹا شہید ہوا تو آپ پردہ کیے ہوئے بارگاہِ رسالت میں اطلاع لینے پہنچیں۔ لوگوں نے تعجب سے کہا: اس وقت بھی نقاب؟ فرمایا: میں نے بیٹا کھویا ہے، حیا نہیں کھوئی۔ (9)

سبحانَ اللہ! بیٹے کی شہادت جیسی کڑی آزمائش کے باوجود شریعت کے حکمِ پردہ کو نہ چھوڑا۔ یہی حقیقی استقامت ہے۔ آج کے دور میں تو مصیبت کے وقت اکثر خواتین اپنا آپ کھو بیٹھتی ہیں اور بے پردگی کی حدیں پار کر دیتی ہیں۔ ضرورت ہے کہ مسلمان خواتین صحابیات کی سیرت سے سیکھیں اور ہر حال میں حکمِ شریعت پر ثابت قدم رہنے کی کوشش کریں۔

اسی طرح اُمُّ المومنین حضرت سودہ بنتِ زمعہ رضی اللہ عنہا بھی پردے کی نہایت پابند تھیں۔ آیتِ حجاب کی وجہ سے آپ فرمایا کرتیں: میرے رب نے مجھے گھر میں رہنے کا حکم دیا ہے، لہٰذا خدا کی قسم! اب موت تک گھر سے باہر نہیں نکلوں گی۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ واقعی آپ گھر سے نہ نکلیں، یہاں تک کہ آپ کا جنازہ ہی گھر سے باہر لے جایا گیا۔ (10) یہ طرزِ عمل عبادت و اطاعت میں صحابیات کی استقامت اور تسلسل کی عظیم مثال ہے۔ حضرت سودہ کا اپنے آپ کو گھر میں محدود کر لینا صبر، فرمانبرداری اور شریعت کی پیروی کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عبادت صرف وقتی جذبات کا نام نہیں بلکہ مستقل

مزاجی، قربانی اور برداشت بھی اس کا حصہ ہے۔ یہ پاکیزہ خواتین ایسی خوش نصیب تھیں کہ سخت ترین حالات میں بھی اللہ پاک کے حکم کو نہیں چھوڑتی تھیں۔ ان کی زندگیوں سے آج کی مسلمان خواتین کو یہ پیغام ملتا ہے کہ عبادت، پردہ اور دینی فرائض میں مضبوطی اور پابندی ایمان کی علامت ہیں۔

یاد رکھیے! ایک روایت کے مطابق جنت کو مشقتوں سے گھیر دیا گیا ہے۔[11] چنانچہ جو عورت صبر کے ساتھ نیکی پر جم جائے وہ جنت کی راحت پا لیتی ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہئے کہ سیرتِ صحابیات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے استقامت اور صبر کو اپنا شعار بنائیں۔

حصولِ علمِ دین پر استقامت

یہ حقیقت قابلِ توجہ ہے کہ بہت سی خواتین جامعات المدینہ میں داخلہ تو لے لیتی ہیں، مگر گھریلو ذمہ داریوں، مالی مشکلات یا ذہنی دباؤ کی وجہ سے بہت کم ایسی ہوتی ہیں جو استقامت کے ساتھ درسِ نظامی مکمل کر پاتی ہیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ درجۂ اولیٰ کی کلاس میں چالیس پچاس طالبات ہوتی ہیں، لیکن دورۂ حدیث تک پہنچتے پہنچتے چند ہی باقی رہتی ہیں۔ یاد رکھیے! جو چیز ابتدا میں مشکل دکھائی دیتی ہے، وہ محنت، صبر اور مسلسل کوشش سے آخر کار آسان ہو جاتی ہے۔ اس لئے جو خواتین علمِ دین کی طلب میں کسی بھی قسم کی رکاوٹ محسوس کریں؛ چاہے وہ مالی مسئلہ ہو، فہم کی کمی ہو، یا گھریلو دباؤ، انہیں گھبرا کر راستہ چھوڑ دینے کے بجائے استقامت سے ڈٹے رہنا چاہیے۔ اس حوالے سے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی زندگی ہمارے سامنے ہے۔ آپ نے نہایت کم عمری میں گھر کے کام کاج بھی سنبھالے اور علمِ دین میں بھی ایسی استقامت دکھائی کہ بڑے بڑے صحابہ آپ کے شاگرد بنے۔ اسلام کے ابتدائی دور میں سخت آزمائشوں کے باوجود آپ نے جو علمی مقام حاصل کیا وہ تاریخ کا روشن باب ہے۔ آپ سے مروی احادیث کی تعداد 2210 ہے، جو آپ کی علمی محنت اور لگن کا واضح ثبوت ہے۔

اسی طرح دیگر صحابیات نے بھی علم کے راستے میں بے شمار مشقتیں برداشت کیں اور ایسی ثابت قدمی دکھائی کہ آنے والی نسلوں کے لئے راہ نمائی کا دائمی چراغ بن گئیں۔

دنیوی مشکلات پر صبر کی مثالیں

شوہر کی آزمائشوں پر صبر

سیرتِ نبوی سے معلوم ہوتا ہے کہ ازدواجی زندگی میں سب سے اعلیٰ اخلاق یہ ہے کہ بیوی اپنے شوہر کی تنگی اور مشکلات میں ثابت قدمی کے ساتھ اس کا ساتھ دے۔ یہی رویّہ گھروں کو مضبوط کرتا، ایمان کو جِلا بخشتا اور زندگی کو اللہ پاک کی برکتوں سے بھر دیتا ہے۔ دورِ نبوی میں ایسی کئی روشن مثالیں موجود ہیں جو آج کی خواتین کے لئے مشعلِ راہ ہیں۔

سب سے پہلی مثال اُم المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی ہے، جن کا کردار وفاداری، ایثار اور صبر کا کامل نمونہ ہے۔ حضور جب نبوت کے ابتدائی کٹھن مراحل سے گزرتے، کفار کی تکذیب اور اذیتیں بڑھ جاتیں تو آپ محبت، حکمت اور پُرسوز گفتگو سے حضور کے دل سے غم کا بوجھ ہلکا کر دیتیں۔ آپ نے اپنے مال، وقت اور جان تک حضور پر نچھاور کیں اور ہر لمحہ حمایتِ دین میں پروانے کی طرح ساتھ رہیں۔ آپ کا یہ بے مثل کردار تاریخِ انسانیت میں اپنی نظیر آپ ہے، اسی لئے اللہ پاک نے آپ کے لئے بلند مرتبہ مقرر فرمایا۔

ام المومنین کی سیرت میں اُن خواتین کے لئے خصوصی درس ہے جو میکے کی خوش حالی کو بنیاد بنا کر سسرالیوں پر برتری جتلانے لگتی ہیں۔ حضرت خدیجہ عرب کی مال دار ترین خواتین میں سے تھیں، لیکن اس کے باوجود انہوں نے کبھی دولت یا نسب کا غرور نہیں کیا، نہ ہی حضور کے مالی حالات کو طعنے کا ذریعہ بنایا۔ انہوں نے مشکل ترین حالات میں بھی وفاداری کا دامن تھامے رکھا، یہی کردار ہر مسلمان عورت کے لئے نمونہ ہے۔

اسی طرح دیگر ازواجِ مطہرات بھی فقر و فاقہ کے حالات میں غیر معمولی صبر کے ساتھ حضور کا ساتھ دیتی رہیں۔ سیدہ عائشہ فرماتی ہیں کہ کئی کئی دن گزر جاتے لیکن کاشانۂ اقدس میں

نہ چولہا جلتا نہ چراغ روشن ہوتا تھا،[12] مگر ان سختیوں کے باوجود کسی زوجہ نے شکوہ یا ناراضی کا اظہار نہ کیا۔

بد قسمتی سے آج بعض خواتین معمولی مالی پریشانی یا شوہر کی کم آمدنی کے باعث طلاق یا خلع کا مطالبہ کر دیتی ہیں۔ حالانکہ حضور نے فرمایا: جو عورت بغیر معقول وجہ کے طلاق کا مطالبہ کرے، اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔[13] ایک روایت میں خلع کا بلاوجہ مطالبہ کرنے والی عورتوں کو منافقہ قرار دیا گیا۔[14]

اسلام عورت کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ وہ شوہر کی ہر جائز معاملے میں مددگار ہو، مشکل وقت میں اس کا سہارا بنے، حکمت اور میانہ روی سے گھر کے معاملات چلائے۔ صحابیات کی زندگیاں اس طرزِ عمل کی عملی مثالوں سے بھری ہوئی ہیں، جن سے آج کی مسلمان خواتین کو راہ نمائی حاصل کرنی چاہیے۔

گھریلو کام کاج پر صبر

سیدۂ کائنات حضرت فاطمۃ الزہرا کی پاکیزہ زندگی صبر، استقامت اور عملی محنت کی بے مثال تصویر ہے۔ نبی زادی ہونے کے باوجود آپ دین پر مضبوطی سے قائم رہیں، عبادت میں کثرت اختیار کی اور گھر کے تمام کام اپنے ہاتھوں سے انجام دیتیں، یہاں تک کہ چکی پیستے پیستے آپ کے نازک ہاتھوں میں چھالے پڑ جاتے تھے۔ اسی طرح حضرت صدیقِ اکبر کی صاحبزادی حضرت اسماء نے بھی تنگی کے باوجود حیرت انگیز صبر دکھایا۔ حضرت زبیر بن عوام کے گھر میں کوئی خادمہ نہ تھی، لہٰذا وہ خود ہی پانی لاتی، اونٹ گھوڑے کو چارہ دیتی اور گھر کا کام کاج کرتی تھیں۔[15] ان عظیم خواتین کے یہ نمونے ہمیں یاد دلاتے ہیں کہ گھر کے کام کمزوری نہیں بلکہ عمل، ذمہ داری اور باوقار زندگی کی علامت ہیں۔

دورِ نبوی کی پاکیزہ صحابیات کی زندگیاں صبر، وفا، حیا اور استقلال کے روشن مینار ہیں، جن کی روشنی قیامت تک راہ نمائی فراہم کرتی رہے گی۔ یہ مبارک خواتین ہر آزمائش میں دین کی خاطر ثابت قدم رہیں؛ نہ طعنے ان کا حوصلہ توڑ سکے، نہ فقر و فاقہ نے ان کی ہمت گھٹائی، نہ رنج و تکلیف ان کے ایمان کو لرزا سکے۔ صحابیات نے دین کی راہ میں اپنی راحتیں، وقت اور مال قربان کیے، نیتوں کو عمل میں ڈھالا اور ہر قدم پر اللہ پاک سے استقامت کی دعا مانگی۔ اسی اخلاص اور صبر نے انہیں رفعتِ کردار کے اعلیٰ مقام تک پہنچایا۔

یہ عظیم خواتین یہ بھی واضح کرتی ہیں کہ عورت معاشرے کی بنیاد ہے؛ ماں ہو تو بچوں کی اولین تربیت گاہ، بیوی ہو تو گھر کی نگہبان، بیٹی ہو تو عزت و عظمت کی علامت اور معلمہ ہو تو نسلوں کی معمار۔ صحابیات کی سیرت ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ دین پر استقامت ہی اصل کامیابی ہے، چاہے حالات کتنے ہی کٹھن کیوں نہ ہوں۔ آج کی مسلمان عورت پر لازم ہے کہ وہ صحابیات کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اپنی زندگی سنوارے، اخلاق و کردار کو مضبوط کرے، ذمہ داریوں کو سمجھے اور دین کی خاطر اپنے مال، وقت اور توانائی کو خرچ کرنے کا حوصلہ پیدا کرے۔ اپنی عزت کی حفاظت کرے، پردے کی عظمت کو پہچانے، کیونکہ عورت کی بلندی اس کی حیا، وقار اور پردہ داری میں ہے۔

اگر ہر عورت اپنی زندگی کو صحابیات کی سیرت کے مطابق ڈھال لے تو گھروں سے لے کر معاشرے تک ہر سطح پر نور، خیر اور اصلاح کا ماحول قائم ہو سکتا ہے۔ اللہ پاک ہم سب کو دین پر ثابت قدم رہنے، صبر و حیا اختیار کرنے اور ایمان کے ساتھ زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اٰمین بِجاہِ النّبیِّ الْاَمین صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم

---

1 جنتی زیور، ص508- استیعاب، 4/419 2 اصابہ، 8/190 3 الروض الانف، 2/134 ماخوذاً 4 اصابہ، 8/417 مفہوماً 5 تاریخ الخلفاء، ص87 6 تفسیر خازن، 3/123 7 بخاری، 1/390، حدیث: 1151 8 فیوض الباری، 1/242 9 ابو داود، 3/9، حدیث: 2488 10 تفسیر در منثور، 6/599 11 مسلم، ص1162، حدیث: 7130 12 بخاری، 4/236، حدیث: 6459 13 ابو داود، 2/390، حدیث: 2226 14 ترمذی، 2/402، حدیث: 1190 15 بخاری، 3/470، حدیث: 5224

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خواتین سے شفقت وبرتاؤ





حضور ﷺ بحیثیتِ محسنِ نسواں

محترمہ اُمِّ عاطر عطاریہ*

انسانی تاریخ میں عورت وہ ہستی ہے جس کے وجود سے نسلِ انسانی کی بقا، خاندان کی تشکیل اور معاشرے کی تعمیر وابستہ ہے، مگر تاریخ کی یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ مختلف ادوار اور تہذیبوں میں عورت کو کمزور، کمتر اور حقوق سے محروم سمجھا گیا۔ کہیں اسے گناہ کا سرچشمہ سمجھا جاتا، کہیں وراثت سے محروم رکھا جاتا، کہیں خرید و فروخت کا مال بنا دیا جاتا اور کہیں اس کی پیدائش ہی کو عار سمجھ کر زندہ در گور کر دیا جاتا۔ عرب معاشرہ جو بعد میں اسلام کا مرکز بنا، اس ظلم میں پیش پیش تھا۔ بیٹی کا زندہ دفن کیا جانا، عورت کو وراثت اور رائے سے محروم رکھنا اور نکاح و طلاق میں اس کی مرضی کو کوئی حیثیت نہ دینا اس دور کی تلخ حقیقتیں تھیں۔

ایسے تاریک ماحول میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی بعثت عورت کے لئے رحمت، عزت اور تحفظ کا پیغام بن کر طلوع ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ حضور کو بجا طور پر محسنِ نسواں کہا جاتا ہے، کیونکہ آپ نے عورت کے مقام کو محض الفاظ سے نہیں بلکہ عملی سیرت سے بلند کیا اور عورت کو ایمان، عبادت، اخلاق، علم اور معاشرت کے کئی میدانوں میں مرد کے شانہ بشانہ کھڑا کر دیا۔

الغرض حضور عورت کے لئے ہر اعتبار سے محسن اور سراپا رحمت ہیں۔ ذیل میں اس حوالے سے ایک مختصر جائزہ پیشِ خدمت ہے:

حضور بحیثیتِ معلمِ نسواں

سیرتِ نبوی کا ایک نہایت روشن پہلو عورتوں کی تعلیم و تربیت ہے۔ حضور نے یہ تصور ختم کر دیا کہ علم صرف مردوں کا حق ہے۔ خواتین کی درخواست پر آپ نے ان کے لئے علیحدہ مجالس قائم فرمائیں، ان کے سوالات کو توجہ سے سنا اور ان کی ذہنی و دینی راہ نمائی فرمائی۔ یہ طرزِ عمل اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اسلام میں عورت کو محض تابع نہیں بلکہ صاحبِ فہم اور قابلِ تربیت فرد سمجھا گیا ہے۔

علاوہ ازیں حضرت عائشہ جیسی جلیل القدر عالمہ کی علمی حیثیت خود اس بات کا ثبوت ہے کہ حضور کی تربیت نے عورت کو علم و بصیرت کا مرکز بنایا اور عملی طور پر یہ بتایا کہ عورت علم و

* رکن عالمی مجلس مشاورت دعوتِ اسلامی (کراچی)

فہم میں مردوں کی راہ نمائی بھی کر سکتی ہے۔ یہ پہلو آج کی مسلمان عورت کے لئے بھی ایک واضح پیغام ہے کہ دینی اور اخلاقی تعلیم اس کی بنیادی ضرورت ہے، نہ کہ ثانوی شوق۔

عورت بحیثیتِ بیٹی؛ رحمت کا دروازہ

سیرتِ نبوی میں بیٹی کو رحمت، بشارت اور نجات کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ حضور نے بیٹیوں کی پرورش کو جنت سے جوڑ کر اس معاشرتی سوچ کو بدل دیا جس میں بیٹی کو بوجھ سمجھا جاتا تھا۔ آپ کا اپنی بیٹی حضرت فاطمہ کے ساتھ رویہ؛ ان کے استقبال میں کھڑا ہونا، اپنی نواسی بی بی امامہ کو گود میں اٹھانا اور ان کی دلجوئی کرنا اس بات کا عملی ثبوت ہے کہ بیٹی عزت، محبت اور توجہ کی سب سے زیادہ مستحق ہے۔ حضور کی تعلیم یہ تھی کہ بیٹی کی پرورش محض ذمہ داری نہیں بلکہ جنت کا ذریعہ ہے اور یہ محض قولی نصیحت نہیں بلکہ عمل سے بھی واضح ہے۔ بیٹیوں کے ساتھ حُسنِ سلوک معاشرتی و اخلاقی بنیاد کو مضبوط بناتا اور والدین کے لئے ایک مکمل تربیتی نمونہ فراہم کرتا ہے، جو آج بھی بچوں کی تربیت اور معاشرتی شعور کے لئے راہ نمائی کا روشن مینار ہے۔

عورت بحیثیتِ ماں؛ تربیت کا مرکز

ماں کے مقام پر نگاہ ڈالی جائے تو سیرتِ نبوی میں اس کی عظمت اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی نظر آتی ہے۔ حضور نے بارہا یہ تعلیم دی کہ ماں کا حق سب سے زیادہ ہے۔ جب ایک صحابی نے پوچھا کہ حُسنِ سلوک کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے تو آپ نے تین مرتبہ ماں کا نام لیا، پھر باپ کا ذکر فرمایا۔[1]

یہ اس بات کا واضح اعلان تھا کہ ماں کی خدمت، اطاعت اور احترام دین کا بنیادی تقاضا ہے۔ یہ تعلیم آج کے دور کے لئے خاص طور پر تربیتی اہمیت رکھتی ہے، جہاں بوڑھی ماں کو اکثر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ سیرت ہمیں یاد دلاتی ہے کہ معاشرتی اصلاح کا آغاز ماں کے ساتھ درست رویے سے ہوتا ہے۔ نیز سیرتِ نبوی عورت کو بطورِ ماں عزت دے کر اسے احساسِ ذمہ داری بھی عطا کرتی ہے کہ وہ اپنی اولاد کی دینی، اخلاقی اور فکری تربیت کا مرکز بنے۔

عورت بحیثیتِ بیوی؛ رفاقت ورحمت

بیوی کے طور پر عورت کا مقام بھی حضور کی سیرت میں غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔ آپ نے نکاح کو سکون، رحمت اور مودّت کا رشتہ قرار دیا، نہ کہ حاکم و محکوم کا تعلق۔ ازواجِ مطہرات کے ساتھ آپ کا حسنِ سلوک، مشاورت، گھریلو کاموں میں تعاون اور ان کے جذبات کا لحاظ اس بات کا عملی ثبوت ہے کہ اسلام میں شوہر کا مقام جابر نہیں بلکہ نگہبان کا ہے۔ صلحِ حدیبیہ کے موقع پر حضرت اُمِّ سَلَمہ کے مشورے کو قبول کرنا[2] اس حقیقت کو اجاگر کرتا ہے کہ حضور اپنی ازواج کی رائے کو اہمیت دیتے تھے اور انہیں فکری و عملی فیصلوں میں شریک سمجھتے تھے۔

عورت کی بہن اور دیگر رشتوں کے اعتبار سے حیثیت

بہن کے رشتے کو بھی سیرتِ نبوی نے عزت و احترام عطا کیا۔ بہن کو محض گھر کی ذمہ داری نہیں بلکہ خاندان کی امانت سمجھا گیا۔ حضور نے بہنوں اور بعض دیگر رشتہ دار خواتین کے ساتھ حُسنِ سلوک کو بھی جنت سے جوڑا۔[3] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام عورت کو محض انفرادی نہیں بلکہ خاندانی نظام کا مرکزی کردار سمجھتا ہے۔ عورت خاندان میں توازن، محبت اور تربیت کا ذریعہ ہے اور یہ پہلو سیرتِ نبوی میں بار بار نمایاں نظر آتا ہے۔

یتیم اور کمزور خواتین کی کفالت

سیرتِ نبوی میں یتیم بچیوں اور کمزور عورتوں کو بھی خاص اہمیت حاصل ہے۔ ان کی کفالت پر جنت کی بشارت سے نوازا گیا اور گویا یہ بتایا گیا کہ عورت کی عزت محض اس کے رشتوں سے نہیں بلکہ اس کی انسانیت سے وابستہ ہے۔ خواتین کے لئے بھی اس میں سیکھنے والی بات یہ ہے کہ وہ کمزور طبقات کے لئے رحم، ہمدردی اور خدمت کے جذبے کو اپنائیں اور نندیں بیوہ ہو جائیں یا انہیں طلاق ہو جائے تو ان سے اچھے طریقے سے پیش آئیں اور ان کا خیال رکھنے پر اپنے شوہر کا ساتھ دے کر اپنی اعلیٰ

ظرفی کا ثبوت دیں۔

عورت بحیثیتِ مشیر؛ فکری اعتماد کا اعتراف

صلحِ حدیبیہ کے موقع پر حضرت اُمِّ سلمہ کے مشورے کو قبول کرنا[4] اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حضور عورت کی رائے کو اہمیت دیتے تھے۔ یہ واقعہ محض ایک تاریخی واقعہ نہیں بلکہ ایک تربیتی اصول ہے کہ عورت کو فہم، بصیرت اور رائے رکھنے والا فرد تسلیم کیا جائے۔ اس سے خواتین کو بھی یہ پیغام ملتا ہے کہ وہ علم، حکمت اور معاملہ فہمی کے ذریعے معاشرتی فیصلوں میں مثبت کردار ادا کریں۔

حیا، حجاب اور تحفظ کا نظام

پردہ اور حیا کے معاملے میں حضور نے عورت کو تحفظ کی نگاہ سے دیکھا اور پردے کو قید نہیں بلکہ عزت کا حصار قرار دیا۔ نیز حضور کی سیرت ہمیں یہ سمجھاتی ہے کہ عورت کی عزت اس کی نمائش میں نہیں بلکہ اس کی عفت میں ہے۔ واقعۂ افک میں اللہ پاک کا براہِ راست وحی کے ذریعے پاک دامن عورت کی صفائی بیان کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام عورت کی عزت کا خود محافظ ہے۔ یہ پہلو عورت کو ذہنی سکون اور معاشرے کو اخلاقی استحکام فراہم کرتا ہے۔

عورت کے حقوق

عورت کے مالی حقوق کے معاملے میں بھی سیرتِ نبوی انقلابی حیثیت رکھتی ہے۔ وراثت، مہر، ملکیت اور نان و نفقہ جیسے حقوق حضور نے عورت کو عملی طور پر دلائے۔ آپ نے عورت کو مالی اعتبار سے خود مختار تسلیم کیا اور اس کے مال پر کسی جبر کو ناپسند فرمایا۔

اس کے علاوہ نکاح، رضامندی، عدت اور نان و نفقہ وغیرہ یہ سب حقوق بھی حضور کی تعلیمات کا حصہ ہیں۔ ان حقوق کو محض قانونی دفعات نہیں بلکہ اخلاقی ذمہ داریوں کے ساتھ جوڑا گیا۔ یہی سیرتِ نبوی کی انفرادیت ہے کہ اس نے قانون کو کردار سے جوڑا۔

حضور نے عورت پر ظلم، جبر اور بد سلوکی کو سختی سے روکا۔ آپ کی تعلیمات میں عورت امانت ہے، جس کے حقوق کی حفاظت مرد کی ذمہ داری ہے۔ یہ تصور آزادی کے اس ماڈل سے بالکل مختلف ہے جو بظاہر حقوق کی بات کرتا ہے مگر عملاً عورت کو استحصال کا شکار بناتا ہے۔ سیرتِ نبوی عورت کو عزت، توازن اور تحفظ کا وہ جامع نظام دیتی ہے جس میں نہ اس کی نسوانیت مجروح ہوتی ہے اور نہ اس کی ذمہ داریاں بے معنی بنتی ہیں۔

تربیتی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو حضور کی سیرت عورت کو صبر، شکر، حیا، علم، خدمت اور خودداری کا جامع کردار عطا کرتی ہے۔ یہ سیرت عورت کو محض حقوق مانگنے والا فرد نہیں بلکہ معاشرے کی اصلاح کرنے والی مربیہ بناتی ہے۔ ایک ماں کے طور پر وہ نسلوں کی معمار ہے، ایک بیوی کے طور پر گھر کی فضا سنوارنے والی ہے، ایک بیٹی اور بہن کے طور پر خاندان کی عزت ہے اور ایک فرد کے طور پر اللہ پاک کی عبادت گزار بندی ہے۔

سیرتِ نبوی کا مطالعہ یہ ثابت کرتا ہے کہ حضور نے عورت کو وہ مقام دیا جو نہ اس سے پہلے کسی نے دیا اور نہ بعد میں کوئی دے سکا۔ آپ نے عورت کو عزت، علم، رائے، تحفظ اور روحانی بلندی عطا کی۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ انسانی میں اگر کسی شخصیت کو حقیقی معنوں میں محسنِ نسواں کہا جاسکتا ہے تو وہ صرف اور صرف حضور ہیں۔

آج کی دنیا اگر عورت کے مسائل کا حقیقی حل چاہتی ہے تو اسے سیرتِ نبوی کی طرف رجوع کرنا ہوگا، کیونکہ اسی میں عورت کی عزت بھی ہے، تربیت بھی اور نجات بھی۔

---

1. بخاری، 4/93، حدیث: 5971 ماخوذاً
2. بخاری، 2/227، حدیث: 2731، 2732 ملخصاً
3. ترمذی، 3/367، حدیث: 1923، معجم کبیر، 22/385، حدیث: 959 ماخوذاً
4. بخاری، 2/227، حدیث: 2731، 2732 ملخصاً





حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خواتین کے درمیان عدل وانصاف

محترمہ ام صفا عطاریہ*

عدل وانصاف کا اسلامی تصور

عدل وانصاف انسانی معاشرت کی بنیاد اور شریعتِ اسلامی کا مرکزی ستون ہے۔ اسلام نے عدل کو محض قانونی تقاضا نہیں بلکہ ایک دینی و اخلاقی فریضہ قرار دیا۔ دنیا کا امن، پُرسکون معاشرے کا قیام، حقوق کا تحفظ، زندگیوں کی حفاظت، ظلم کا قلع قمع اور برائیوں کا خاتمہ عدل وانصاف کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ خاص طور پر خواتین کے حقوق کے حوالے سے اسلام کی تعلیمات منفرد اور انقلابی حیثیت رکھتی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی سیرتِ طیبہ میں ہمیں عدل وانصاف کی اعلیٰ ترین مثالیں ملتی ہیں، جن سے خواتین کو عزت، تحفظ اور مساوات حاصل ہوئی۔ اس مضمون میں حضور کے اسوۂ حسنہ، سماجی تبدیلی، ازدواجی اور معاشرتی سطح پر عدل کے اصول اور موجودہ دور میں ان تعلیمات کی افادیت بیان کی جائے گی۔

عورت کی معاشرتی حیثیت

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی آمد سے پہلے عورت انتہائی ذلت ورسوائی کا شکار تھی؛ اسے جہاں ظلم وستم، وراثت سے محرومی، جسمانی اذیت اور زندہ دفن کرنے جیسے مظالم کا سامنا تھا، وہیں اسے محض نوکرانی یا نفسانی خواہشات پورا کرنے والا آلہ سمجھا جاتا تھا۔ تاہم حضور کی بعثت کے بعد عورت کو عزت، مقام اور حقوق عطا ہوئے؛ بیٹی، ماں، بہن اور بیوی کے ہر کردار میں اس کی حفاظت کی گئی، اس کی پرورش اور کفالت کی فضیلت ہی نہیں بیان کی گئی، بلکہ معاشرتی و اخلاقی طور پر اسے فعال اور باعزت کردار ادا کرنے کا حق بھی دیا گیا۔ اس طرح اسلام نے عورت کو ظلم وجبر سے نجات دلا کر اس کے لئے شرافت، تحفظ اور مساوات کا ایسا معیار قائم کیا جو معاشرے کی بنیاد کو مضبوط بناتا ہے۔

سیرتِ نبوی کا مقصد: حقوق کی بحالی اور انصاف کا قیام

حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی بعثت کا ایک بہت بڑا مقصد چونکہ معاشرے میں بگڑے ہوئے توازن کو درست کرنا اور محروم طبقات کو ان کے حقوق دلانا تھا۔ لہٰذا حضور نے عورتوں کے حقوق کو بحال کر کے یہ واضح فرمایا کہ اسلام کا پیغام مرد وزن دونوں کے لئے عدل، حفاظت اور عزت ہے۔ عرب کے اُس ماحول میں جہاں عورت کو کمتر سمجھا جاتا تھا، وہاں حضور نے اس کی عزت، فیصلوں میں اس کی رائے، اس کی سماجی حیثیت اور اس کے خاندانی حقوق کو مضبوط بنیادوں پر قائم کیا۔ یوں سیرتِ نبوی ہمیں بتاتی ہے کہ اسلام عورت کے

* ذمہ دار عالمی مجلسِ مشاورت آن لائن کورسز یوکے

وقار کی بحالی کے لئے آیا ہے، نہ کہ اسے دبانے کے لئے۔

حضور کے کردار و عمل سے خواتین کے لئے عدل و انصاف کا عملی مظاہرہ

حضور کی زندگی خواتین کے حقوق اور ان کے ساتھ عدل و انصاف کی اعلیٰ ترین عملی مثالوں سے بھری ہوئی ہے۔ آپ نے نہ صرف تعلیم و تربیت کے ذریعے خواتین کو معاشرت میں مؤثر کردار ادا کرنے کا حق دیا بلکہ ہر رشتے میں ان کے حقوق کی حفاظت بھی کی۔

بیٹی کے حقوق: حضور نے بیٹی کی پرورش کو عظیم فضیلت قرار دیا اور بیٹیوں کی کفالت کرنے والے کو جنت کی خوشخبری دی۔[1] آپ نے بیٹی کو والدین کی محبت و شفقت میں شریک بنایا اور معاشرتی سطح پر اس کی عزت و وقار کو بلند کیا۔

ماں کے حقوق: حضور نے ماں کی عظمت کو واضح کیا اور فرمایا کہ ماں کے قدموں تلے جنت ہے۔[2] آپ نے والدہ کے احترام، خدمت اور شفقت کی فضیلت بیان کی اور ماں کے حقوق کی حفاظت کو دینی فریضہ قرار دیا۔

بہن کے حقوق: حضور نے بھائیوں کو بہنوں کی عزت کا محافظ بنایا اور بہنوں کے ساتھ حُسنِ سلوک کرنے والے کو جنت کا حق دار فرمایا۔[3] اس طرح حضور نے خواتین کے سماجی تحفظ اور عزت و وقار کو عملی طور پر یقینی بنایا۔

بیوی کے حقوق: حضور نے نکاح میں بیوی کے حقوق کو واضح کیا اور فرمایا کہ شوہر کا فرض ہے کہ بیوی کے ساتھ کھانے، لباس، اور حُسنِ سلوک میں برابری رکھے اور اسے کبھی ظلم یا بے ادبی کا نشانہ نہ بنائے۔ نیک بیوی کو مومن کے لئے سب سے بڑی نعمت قرار دیا۔[4]

ان تمام مثالوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور نے عدل و انصاف کو صرف نظریاتی اصول نہیں بنایا بلکہ اپنی عملی زندگی کے ہر پہلو میں خواتین کے حقوق کو یقینی بنانے کی بھرپور کوشش فرمائی۔ آپ کی زندگی خواتین کے لئے مساوات، عزت اور تحفظ کا عملی نمونہ ہے، جس سے ہر مسلمان معاشرہ اور ہر فرد راہ نمائی حاصل کر سکتا ہے۔

عدل و انصاف کا بنیادی اصول:

اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَ لَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۫ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَ اِنْ تَلْوٗۤا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۳۵﴾ (پ5، النسآء:135) ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کے لئے گواہی دیتے ہوئے انصاف پر خوب قائم ہو جاؤ چاہے تمہارے اپنے یا والدین یا رشتے داروں کے خلاف ہی (گواہی) ہو۔ جس پر گواہی دو وہ غنی ہو یا فقیر بہر حال اللہ ان کے زیادہ قریب ہے تو (نفس کی) خواہش کے پیچھے نہ چلو کہ عدل نہ کرو۔ اگر تم ہیر پھیر کرو یا منہ پھیرو تو اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔

اس آیتِ مبارکہ میں عدل و انصاف کے تقاضے پورا کرنے کا اہم حکم بیان کیا گیا اور جو چیزیں آدمی کو ناانصافی کی طرف مائل کرنے کا سبب بن سکتی ہیں ان کو وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا کہ یہ چیزیں انصاف میں آڑے نہ آئیں۔ اَقربا پروری، رشتے داروں کی طرف داری کرنا، تعلق والوں کی رعایت کرنا، کسی کی امیری کی وجہ سے اس کی حمایت کرنا یا کسی کی غریبی پر ترس کھا کر دوسرے فریق پر زیادتی کر دینا، یہ وہ تمام چیزیں ہیں جو انصاف کے تقاضے پورے کرنے میں رکاوٹ ہیں ان سب کو شمار کروا کر اللہ پاک نے حکم دیا کہ فیصلہ کرتے ہوئے اور گواہی دیتے ہوئے جو صحیح حکم ہے اس کے مطابق چلو اور کسی قسم کی تعلق داری کا لحاظ نہ کرو یہاں تک کہ اگر تمہارا فیصلہ یا تمہاری گواہی تمہارے سگے ماں باپ کے بھی خلاف ہو تو عدل سے نہ ہٹو۔[5]

غور کیجئے کہ ماں سے زیادہ محبوب و مرغوب اور قریبی رشتہ دار کون سا ہو گا! اور ماں باپ سے بڑھ کر انسان پر کس کا حق ہو گا! لیکن اس کے باوجود فرمایا کہ عدل و انصاف کے

معاملے میں یہ رشتہ بھی رکاوٹ نہ بنے۔

ہر معاملے میں عدل و انصاف کو ترجیح دینا

حضور کی پوری حیاتِ طیبہ میں عدل و انصاف کو ہمیشہ اولین مقام حاصل رہا۔ آپ نے ہمیں یہ سکھایا کہ انصاف کبھی رشتوں، محبتوں، دوستی یا دباؤ کے تابع نہیں ہوتا، بلکہ یہ ایک ایسا الٰہی اصول ہے جو ہر حال میں قائم رہنا چاہیے۔

خواتین کے لئے اس میں خاص نصیحت یہ ہے کہ وہ اپنی روزمرہ زندگی کے ہر معاملے میں عدل و انصاف کو بنیاد بنائیں؛ چاہے وہ گھر کے فیصلے ہوں، بچوں کی تربیت، رشتوں کے حقوق یا معاشرتی معاملات میں ذمہ داریاں۔

ایک بار خاندانِ مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی، قریش نے چاہا کہ وہ حد سے بچ جائے۔ انہوں نے حضور کے محبوبِ خاص حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو سفارش کے لئے بھیجا۔ جب انہوں نے سفارش کی تو حضور نے سخت ناراضی کے ساتھ فرمایا: کیا تم حد میں سفارش کرتے ہو! پھر خطبے میں ارشاد فرمایا: تم سے پہلے لوگ (بنی اسرائیل) اسی سبب سے تباہ ہوئے کہ ان میں جب کوئی عزت والا چوری کرتا تھا تو اسے چھوڑ دیتے تھے اور جب کوئی کمزور چوری کرتا تو اس پر حد جاری کرتے۔ خدا کی قسم! اگر فاطمہ بنتِ محمد بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔[6]

اس واقعے میں خواتین کے لئے اہم سبق یہ ہے کہ عدل و انصاف کو کبھی بھی رشتے، محبت یا مقام کے اثر میں نہیں آنے دینا چاہیے۔ نیز گھر میں، بچوں کی تربیت میں یا رشتوں کے فیصلوں میں چاہیے کہ حق اور انصاف کو بنیاد بنائیں اور کسی کے ساتھ تعصب یا خصوصی رعایت نہ کریں۔ یہ اصول نہ صرف ذاتی کردار کو مضبوط بناتا ہے بلکہ معاشرتی تعلقات میں بھی امن، برابری اور احترام قائم کرنے کا ذریعہ بنتا ہے۔

معاملات اور تعلقات میں عدل و توازن کی مثال: حضور نے اپنی عبادت، روزمرہ کے معاملات اور تعلقات میں عدل، توازن اور اعتدال کا کامل نمونہ قائم فرمایا۔ آپ نے نہ صرف نبی اور رسول کے فرائض، بلکہ شوہر، باپ، دوست اور قاضی کے فرائض بھی انصاف کے ساتھ انجام دیئے، جس میں کسی کا حق ضائع نہ ہوا۔ آپ کی زندگی اس بات کی تعلیم دیتی ہے کہ عبادت، کام، آرام، روزہ، نماز اور معاشرتی تعلقات میں اعتدال اختیار کیا جائے اور افراط و تفریط سے بچا جائے، کیونکہ یہی حقیقی عدل و انصاف ہے۔ جیسا کہ

بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ تین افراد حضور کی عبادت کے معمولات جان کر کہنے لگے کہ کہاں ہم اور کہاں حضور کہ جن کے اگلے پچھلے بظاہر خلافِ اولیٰ کام معاف کر دیئے گئے ہیں! چنانچہ ان میں سے ایک نے ساری رات (نفل) نماز پڑھنے، دوسرے نے ہمیشہ روزے رکھنے اور تیسرے نے کبھی نکاح نہ کرنے کا عہد کر لیا۔ اتنے میں حضور تشریف لے آئے اور انہیں دین میں اس قسم کے افراط سے منع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: جس نے میری سنت سے منہ پھیرا وہ مجھ سے نہیں۔[7] معلوم ہوا! عبادت اور زندگی میں افراط و تفریط کے بجائے توازن اور اعتدال ضروری ہے۔

بچوں میں انصاف: حضرت نعمان بن بشیر کے والد نے انہیں کچھ مال دیا، لیکن والدہ حضرت عمرہ بنتِ رواحہ بولیں: جب تک حضور کو اس پر گواہ نہ بنالیں، راضی نہ ہوں گی۔ چنانچہ پوچھنے پر حضور نے تمام بچوں میں انصاف کا حکم دیا۔[8] لہٰذا خواتین کو بھی چاہئے کہ وہ اپنی اولاد میں برابری اور انصاف کو یقینی بنائیں، کسی کو نظر انداز نہ کریں اور ہر ایک کے ساتھ محبت، شفقت اور عدل سے پیش آئیں تاکہ ان کے دلوں میں حسد یا کمتری کا احساس پیدا نہ ہو۔

معاشرتی سطح پر عام خواتین کے ساتھ عدل

خواتین کی گواہی

زمانۂ جاہلیت میں عورت نہ جائیداد کی مالک سمجھی جاتی تھی اور نہ اسے کسی قانونی معاملے میں گواہی کا حق حاصل تھا، لیکن

حضور کی بعثت کے بعد عورت کی معاشرتی حیثیت بدلی، اسے وراثت، معاشی حقوق اور گواہی جیسے اہم قانونی مقام عطا ہوئے۔

قرآنِ مجید میں مالی لین دین کے حوالے سے ارشاد ہے:

وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِن رِّجَالِكُمْ ۖ فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّن تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَن تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ (پ3، البقرۃ:282) ترجمہ: اور اپنے مردوں میں سے دو گواہ بنالو پھر اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ان گواہوں میں سے (منتخب کرلو) جنہیں تم پسند کرو تاکہ (اگر) ان میں سے ایک عورت بھولے تو دوسری اسے یاد دلادے۔

اس آیت میں عورت کی گواہی کے اصول بھی واضح کر دیئے گئے ہیں۔ شرعی احکام کے مطابق مالی معاملات میں ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی معتبر ہے، جبکہ کچھ سنگین معاملات؛ مثلاً: حدود اور قصاص میں صرف مردوں کی گواہی قبول کی جاتی ہے۔ اس کے برخلاف وہ امور جو عورتوں کے دائرۂ علم سے تعلق رکھتے ہیں، جیسے زچگی یا خواتین کے مخصوص مسائل، ان میں صرف عورت کی گواہی ہی قابلِ قبول اور کافی ہے۔

عورت کی گواہی کو بعض مقامات پر مرد سے نصف قرار دینے کی حکمت بہت واضح ہے۔ شریعت نے مالی ذمہ داریاں مرد پر رکھی ہیں، اس لئے معاشی معاملات، خرید و فروخت، لین دین اور تجارتی معاہدوں میں دلچسپی اور تجربہ زیادہ تر مرد ہی رکھتے ہیں۔ انسان کو وہی بات زیادہ یاد رہتی ہے جس سے اس کا تعلق اور تجربہ زیادہ ہو، لہٰذا یادداشت اور مشاہدے کے فرق کو ملحوظ رکھ کر عورتوں کو دو کی صورت میں گواہ بنایا گیا تاکہ ایک دوسری کی تائید کر دے۔ اسی طرح قتل یا بدکاری جیسے سخت معاملات میں عورت کی طبعی نرمی، جلد تاثر پذیری اور خوف و رقت بھی اثر انداز ہو سکتی ہے، اس لئے اس کے فطری مزاج کا لحاظ رکھتے ہوئے گواہی کے احکام بنائے گئے۔

بعض لوگ لاعلمی یا معاندانہ رویے سے کہتے ہیں کہ عورت کی گواہی آدھی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اسلام نے عورت کو آدھا انسان سمجھا ہے۔

یہ دعویٰ حقیقت کے خلاف ہے۔ اس لئے کہ اگر صرف گواہی کی بنیاد پر مقام کا تعیّن ہوتا تو بچوں کی گواہی بھی نامعتبر ہے، کیا بچے انسان نہیں؟ یقیناً انسان ہیں۔ اصل فرق ذمہ داری، مزاج اور معاملات سے واقفیت کے اعتبار سے ہے، انسانیت کے درجے کے اعتبار سے نہیں۔ اسلام عورت کو مکمل احترام، ذمہ داری اور قدر کا مقام دیتا ہے۔

خواتین کی وراثت

حضور کی تشریف آوری نے جہاں کفریہ رسومات کا خاتمہ کیا، وہیں عورتوں کے وراثتی حقوق کو بھی واضح اور محفوظ کر دیا۔ اسلام سے پہلے عورت نہ صرف وراثت سے محروم تھی بلکہ خود اسے مالِ وراثت سمجھا جاتا تھا، مگر حضور نے انصاف پر مبنی معاشرت کی بنیاد رکھتے ہوئے خواتین کو وراثت کا باقاعدہ حق عطا فرمایا۔

قرآنِ مجید میں ارشاد ہوتا ہے: لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ۚ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ۝ (پ4، النسآء:7) ترجمہ: مردوں کے لئے اس (مال) میں سے (وراثت کا) حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتے دار چھوڑ گئے اور عورتوں کے لئے اس میں سے حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتے دار چھوڑ گئے، مال وراثت تھوڑا ہو یا زیادہ۔ (اللہ نے یہ) مقرر حصہ (بنایا ہے۔)

اس آیت نے جاہلی روایت کا خاتمہ کر دیا جس میں بیٹیوں اور خواتین کو حقِ میراث نہیں دیا جاتا تھا۔ آج بھی ہمارے معاشرے میں بدقسمتی سے یہی ظلم مختلف صورتوں میں موجود ہے؛ کہیں یہ بہانہ بنایا جاتا ہے کہ لڑکی کی شادی پر بہت خرچ کر دیا گیا ہے، کہیں بیوہ کو دوسری شادی کے بعد وراثت سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ شریعت کے مطابق جو عورت شوہر کے انتقال کے وقت اس کی زوجہ ہو، وہ اس کی وارث ہے، بعد کی شادی سے اس کا حق ختم نہیں ہوتا۔(9)

بعض خاندان بیٹیوں یا بہنوں پر معاف کرنے کے نام پر

دباؤ ڈالتے ہیں، حالانکہ شرعاً حق معاف کروانے سے ذمہ داری ختم نہیں ہوتی۔ مردوں پر لازم ہے کہ خواتین کو ان کا پورا حق دیں اور خواتین خود بھی اس بات میں دیانت دارانہ کردار ادا کریں۔ حضور نے تنبیہ فرمائی کہ جو وارث کے حقِ میراث کو روکے، اللہ پاک قیامت کے دن جنت سے اس کی میراث روک دے گا۔[10]

اس لئے خواتین کو چاہیے کہ اپنے حقوق کے بارے میں باخبر رہیں اور بطور ماں یا بہن انصاف کے قیام میں مثبت کردار ادا کریں، کیونکہ یہی رویہ خاندانوں کو ٹوٹنے سے بچاتا اور اللہ پاک کی رضا کا سبب بنتا ہے۔

نکاح

نکاح انسان کی بنیادی ضرورت اور اہم سماجی فریضہ ہے۔ شرعی حکم یہ ہے کہ جو غیر شادی شدہ ہوں، خواہ مرد یا عورت، کنوارے ہوں یا بیوہ و مطلقہ، ان کا نکاح کر دینا چاہیے۔ اسلام نے نکاح کے معاملے میں عدل قائم کرتے ہوئے واضح فرمایا کہ کنواری ہو یا بیوہ؛ دونوں کی اجازت لازم ہے۔ جیسا کہ

ایک روایت میں ہے کہ لڑکی سے نکاح کے لئے اجازت ضروری ہے، اگر وہ شرم کے باعث خاموش رہے تو اس کی خاموشی اجازت شمار ہوگی۔[11] ایک اور روایت کے مطابق بیوہ کی اجازت زبانی لی جائے اور کنواری کی اجازت اس کی خاموشی سے معلوم کی جائے۔[12]

آج کئی گھروں میں لڑکی سے اجازت تو لی جاتی ہے مگر رسمی اور نکاح کے وقت، جس میں حقیقی رضا شامل نہیں ہوتی۔ والدین کے لئے ضروری ہے کہ رشتہ طے کرنے سے پہلے بیٹی کی رضامندی محبت اور حکمت کے ساتھ حاصل کریں یا اس کی پسند پر راضی ہوں، جب تک کوئی شرعی قباحت نہ ہو۔ شادی کے موقع پر حقیقی خوشی اسی وقت ہوتی ہے جب لڑکی اور لڑکا دونوں دل سے راضی ہوں اور آئندہ خوشگوار ازدواجی زندگی گزار سکیں۔

بیوہ، مطلقہ اور کمزور خواتین کے مساوی حقوق

اسلام نے عورت کے ہر مرحلے میں عدل و انصاف کو لازم قرار دیا ہے، خصوصاً اُن خواتین کے لئے جو معاشرتی طور پر کمزور سمجھی جاتی ہیں: مثلاً: مطلقہ، بیوہ اور یتیم خواتین۔ سیرتِ نبوی ہمیں سکھاتی ہے کہ ایسے وقت میں عورت کو سہارا دینا محض سماجی ذمہ داری نہیں، بلکہ عبادت اور نیکی ہے۔

یتیموں، بیواؤں اور کمزور خواتین کے بارے میں تین فرامینِ مصطفےٰ ملاحظہ فرمایئے:

- دل کی نرمی چاہتے ہو تو مسکین کو کھانا کھلاؤ اور یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرو۔[13]
- بیواؤں اور مساکین کی کفالت کرنے والا اللہ پاک کی راہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے۔[14]
- یتیم کی کفالت کرنے والے کو آپ نے جنت میں اپنے ساتھ ایسے قریب ہونے کی خوشخبری دی جیسے دو انگلیاں اکٹھی ہوتی ہیں۔[15]

سیرتِ نبوی کی روشنی میں عورتوں کے ساتھ عدل و انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ مطلقہ اور بیوہ خواتین کے شرعی حقوق؛ مہر، عدت کا خرچ، وراثت، رہائش اور معاشرتی تحفظ وغیرہ کسی صورت نظر انداز نہ کیے جائیں۔ جو قوم اپنی کمزور عورتوں کا سہارا بنتی ہے، وہی حقیقی طور پر اسلامی معاشرہ کہلانے کی مستحق ہے۔

حضور کی خواتین سے یکساں محبت کے مظاہرے

حضور کی سیرتِ طیبہ میں عورتوں کے ہر درجے؛ بیٹی، نواسی، رضاعی والدہ، رضاعی بہن اور خادماؤں کے لئے محبت، شفقت اور عزت کا ایسا جامع نمونہ ملتا ہے جو رہتی دنیا تک مسلمانوں کے لئے راہِ ہدایت ہے۔ آپ نہ صرف اپنی صلبی اولاد سے بے پناہ محبت فرماتے تھے بلکہ رضاعی رشتوں کو بھی حقیقی خاندانی رشتوں جیسی حرمت اور تکریم عطا کرتے تھے۔ اسلام نے بیٹی کو رحمت قرار دیا ہے۔ اسی رحمتِ نبوی کا

ایک روشن مظہر یہ تھا کہ حضور اپنی بیٹی خاتونِ جنت فاطمۃ الزہرا کے آنے پر کھڑے ہو جاتے، ان کا ہاتھ چومتے اور اپنی مسند پر بٹھاتے۔(16)

حضور کی دیگر بیٹیوں سیدہ رقیہ، سیدہ زینب اور سیدہ ام کلثوم سے بھی آپ کا یہی محبت بھرا معاملہ تھا اور نواسیوں سے بھی خصوصی شفقت فرماتے، یہاں تک کہ خطبے کے دوران بھی انہیں اٹھائے رکھتے۔ یہ سب اس بات کی دلیل ہے کہ حضور بیٹی کے رتبے کو عزت، رحمت اور برکت سمجھتے تھے۔

حضور کا دِل رضاعی رشتوں کے لئے بھی اسی طرح شفقت سے لبریز تھا۔ آپ کی رضاعی مائیں صرف حضرت حلیمہ سعدیہ ہی نہ تھیں، بلکہ دیگر عورتوں نے بھی آپ کو رضاعت دی اور آپ سب کو عزت و احترام دیتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت حلیمہ سعدیہ حاضر ہوئیں تو حضور نے احترام کے ساتھ اپنی مبارک چادر بچھا دی اور انہیں اس پر بٹھایا۔(17) یہ طرزِ عمل اس بات کا اعلان تھا کہ اسلام میں رضاعی رشتے بھی محبت اور شرف کے مستحق ہیں۔

حضور کے اپنے گھر میں بھی باندیاں تھیں، مگر آپ نے کبھی انہیں حقیر یا کمتر نہیں سمجھا۔ اسلام نے غلاموں اور باندیوں کے حقوق کا خاص تحفظ کیا ہے۔ حضور نے فرمایا: تمہارے غلاموں میں جو تمہارے موافق ہوں، انہیں وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو، اور وہی پہناؤ جو خود پہنتے ہو اور خُدا کی مخلوق کو عذاب نہ دو۔(18)

یہ تعلیم اس بات کا ثبوت ہے کہ حضور نے خدمت گزار عورتوں کو بھی عزت، انسانیت اور خیر خواہی کے وہی اصول عطا کیے جو آزاد لوگوں کے لئے تھے۔

آج کے معاشرے میں خواتین کے حقوق کا نفاذ

آج کے معاشرے میں خواتین کے حقوق کا عملی نفاذ نہ صرف ایک دینی ذمہ داری ہے بلکہ سماجی استحکام، خاندانی خوشحالی اور آئندہ نسلوں کی کامیابی کے لئے بھی ناگزیر ہے۔ اسلام نے حضور کے ذریعے خواتین کو جو عزت، مقام اور حقوق دیئے، وہ ان کی حفاظت، اعتماد اور وقار کی ضمانت ہیں۔ ان حقوق کا صحیح نفاذ تب ہی ممکن ہے جب دینی اداروں، اسکولوں، مدرسوں اور اصلاحی اجتماعات میں خواتین کے حقوق کو بنیادی نصاب کا حصہ بنایا جائے اور قرآن وحدیث کے ذریعے عورت کے مقام کو واضح کیا جائے۔ نکاح، وراثت، تعلیم، فیصلے کے اختیار، عزت اور معاشی تحفظ جیسے معاملات میں شریعت کے اصول نافذ کیے جائیں، بیٹیوں کو بوجھ نہیں بلکہ اللہ پاک کی رحمت سمجھا جائے، نیز بیوہ، مطلقہ یا غیر شادی شدہ خواتین کو معاشرے میں عزت دی جائے، نہ کہ انہیں طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا جائے۔ خواتین کو وراثت میں ان کا حق دیا جائے اور شریعت کے دائرے میں رہ کر انہیں تعلیم، طب، تدریس اور فلاحی خدمات میں کردار ادا کرنے کا موقع فراہم کیا جائے۔ خلع، طلاق، وراثت، تشدد اور ہراسانی جیسے مسائل میں خواتین کی اسلامی اصولوں کے مطابق راہ نمائی کی جائے۔

والدین اپنی بیٹیوں کو عزت، اعتماد اور دینی شعور دیں اور خود خواتین کو بھی چاہیے کہ اپنے حقوق کے ساتھ اپنے فرائض پہچانیں، دینی تعلیم، صبر، عزتِ نفس اور حیا کو اپنی زندگی کا لازمی حصہ بنائیں۔ یہ سب اقدامات اس بات کی ضمانت ہیں کہ معاشرے میں عورت اپنے مقام پر باوقار، محفوظ اور بااختیار زندگی گزار سکے گی۔

موجودہ معاشرتی بگاڑ اور سیرتِ مصطفےٰ کی اصلاحی طاقت

آج کے دور میں گلوبلائزیشن، تیز رفتار ایجادات، مادیت کے فروغ اور روایتی خاندانی نظام کے بکھرنے نے ہمارے معاشرتی کردار اور اخلاقی بنیادوں کو شدید متاثر کیا ہے۔ اخوت، محبت، وفاداری، بہن بھائی کا احترام، والدین کی خدمت اور خاندان کا تحفظ؛ یہ سب اقدار کمزور ہوتی جا رہی ہیں۔ معاشرے میں جاہلیتِ اوّل کی جھلک دوبارہ نظر آنے لگی ہے: حقوق العباد کی پامالی، خواتین پر ظلم، بہنوں اور بیٹیوں کی حق تلفی، طلاق و خلع کے معاملات میں بے اعتدالی، اخلاقی بگاڑ، ذہنی بے چینی،

رشتوں کا عدم احترام یہ سب اسی زوال کا نتیجہ ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اس گمراہی کی سب سے بڑی وجہ سیرتِ مصطفےٰ سے دوری اور غیر اسلامی تہذیبوں کی اندھی تقلید ہے۔ ہم نے دنیاوی نصاب تو بارہا پڑھ لیا، مگر حضور کی پاکیزہ زندگی کو مکمل طور پر نہیں پڑھا۔ یہی وہ سیرت ہے جو گمراہی میں ڈوبے انسان کو امید کا چراغ دکھاتی ہے اور اندھیروں میں راستہ دکھانے والی روشن مشعل کا کام کرتی ہے۔

سیرتِ مصطفےٰ ایک ایسا کامل اور قابلِ عمل نظامِ زندگی ہے جس میں فرد کی اصلاح، خاندان کی بہتری اور معاشرے کی تعمیر کا واضح نقشہ موجود ہے۔ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کا فرمان ہے کہ حضور کا اخلاق قرآن تھا۔(19) یعنی آپ کی زندگی کتابُ اللہ کا عملی مظہر تھی۔

اگر آج کی عورت اپنی ذات، خاندان اور معاشرے میں حقیقی اصلاح چاہتی ہے تو اسے بھی حضور کی سیرت کو اپنی زندگی کا آئین بنانا ہوگا۔ یہی سیرت وہ نسخہ ہے جس سے گھروں کی ٹوٹ پھوٹ رک سکتی ہے، خواتین پر ظلم کا خاتمہ ہو سکتا ہے اور معاشرے میں دینی اور اخلاقی توازن قائم ہو سکتا ہے۔

خلاصہ: خواتین کے حقوق کے نفاذ کا حقیقی راستہ

خواتین کے حقوق کا اصل اور پائیدار نفاذ اسی وقت ممکن ہے جب تعلیماتِ مصطفےٰ کو عملی زندگی میں اختیار کیا جائے۔ اسلام نے جو توازن، حفاظت اور عزت عورت کو دی ہے وہ انسانی تاریخ میں بے مثال ہے۔

عورت پر ظلم کا خاتمہ اس وقت ہو گا جب خواتین خود بھی قرآن کو صرف تلاوت کی کتاب نہیں بلکہ زندگی کی راہ نمائی سمجھ کر اس کے احکام اور حضور کی سیرت کو اختیار کریں۔

آج بہت سی خواتین اپنی ماں، بہن، بیٹی، بہو یا کسی نادار عورت کے حق میں ظلم کرتی ہیں، صرف اس لئے کہ دینی فہم کمزور ہے اور قرآن و سیرت سے عملی تعلق نہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ خواتین اور مرد دونوں کو عورت کے حقوق کے بارے میں تعلیم دی جائے، خطبات، جامعات، اسکول اور مدارس میں یہ پیغام عام کیا جائے، اور گھر گھر یہ شعور پیدا کیا جائے کہ اسلام نے عورت کو عزت دی ہے تو یہ عزت معاشرے کو بھی دینی ہوگی۔

خاندان کا مثبت کردار

✍ خواتین اپنے گھروں میں یہ شعور پیدا کریں کہ بیٹی، بہن، ماں یا بیوی کی عزت کرنا جنت کا راستہ ہے۔

✍ مصطفوی اصولوں کے مطابق ایسی قانون سازی ہونی چاہیے جس میں خواتین پر ظلم کرنے والے افراد کو سخت اور مؤثر سزائیں ملیں۔

✍ خواتین اپنی بیٹیوں اور بہنوں میں یہ اعتماد پیدا کریں کہ وہ باعزت، باصلاحیت اور اللہ پاک کی امانت ہیں۔ انہیں کبھی بوجھ سمجھنے نہ دیا جائے۔

✍ حضور نے حضرت خدیجہ، حضرت فاطمہ، حضرت عائشہ اور دیگر خواتین کو عزت، مشورے میں شراکت اور عملی اہمیت دی۔ جب مسلمان گھرانے اسی سیرت کو اپنائیں گے تو خاندانوں میں ظلم اور بے عدالتی کا خاتمہ خود بخود ممکن ہو گا۔

اللہ پاک ہم سب کو حضور کی سیرت اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ اٰمِین بِجاہِ النَّبِیِّ الْاَمِین صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم

---

(1) مستدرک، 5/248، حدیث: 7428 (2) مسند الشہاب، 1/102، حدیث: 119 (3) ترمذی، 3/367، حدیث: 1923 (4) ابن ماجہ، 2/414، حدیث: 1857 (5) تفسیر صراط الجنان، 2/327 (6) بخاری، 2/468، حدیث: 3475 (7) بخاری، 3/421، حدیث: 5063 (8) بخاری، 2/172، حدیث: 2587 (9) فتاویٰ فیض الرسول، 2/728 (10) مشکاۃ المصابیح، 1/567، حدیث: 3078 (11) مسلم، ص 567، حدیث: 3475 (12) مسلم، ص 566، حدیث: 3473 (13) مسند امام احمد، 13/21، حدیث: 7576 (14) مشکاۃ المصابیح، 2/210، حدیث: 4951 (15) مشکاۃ المصابیح، 2/213، حدیث: 4974 (16) ابو داود، 4/454، حدیث: 5217 (17) ابو داود، 4/434، حدیث: 5144 (18) مشکاۃ المصابیح، 1/617، حدیث: 3369 (19) مسند امام احمد، 41/148، حدیث: 24601

ازدواجی تعلقات میں خوش طبعی کی اہمیت
(سیرتِ نبوی کی روشنی میں)

محترمہ بنتِ محمد رشید*

خوش طبعی کا مفہوم اور اسلامی نقطۂ نظر

خوش طبعی ایک ایسا اخلاقی وصف ہے جو انسان کی نرمی، کشادہ دلی اور گفتار و کردار کے حسن کو ظاہر کرتا ہے۔ اردو لغت میں اس کا مطلب یہ ہے: وہ قول یا عمل جس سے مزاح مقصود ہو۔ ظرافت، دل لگی اور ہنسی مذاق اس کے مترادفات ہیں۔[1] جبکہ عربی زبان میں اسی مفہوم کے لئے مختلف الفاظ استعمال ہوتے ہیں، جیسے البَشَاشَة (خوش روئی)، طِيبُ النَّفس (دل کی وسعت) اور طَلَاقَةُ الوَجْهِ (چہرے کی مسکراہٹ)۔ مفتی احمد یار خان نعیمی فرماتے ہیں: مزاح میم کے پیش سے بھی آتا ہے میم کے کسرہ سے بھی۔ میم کے پیش سے ہو تو خوش دلی کی بات مراد ہوتی ہے، میم کے کسرہ سے دل خوش بات کرنا۔ ایسی بات جس سے اپنا اور سننے والے کا دل خوش ہو جائے مزاح ہے اور جس سے دوسرے کو تکلیف پہنچے جیسے کسی کا مذاق اڑانا سخریہ ہے۔ مزاح اچھی چیز ہے سخریہ بری بات ہے۔[2] چنانچہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ خوش طبعی وہ کیفیت ہے جس میں انسان دوسروں کے دلوں کو نرمی، تبسم اور خوشگوئی کے ذریعے راحت بخشتا ہے، ان کے ساتھ ایسے انداز میں پیش آتا ہے کہ محبت، اعتماد اور امن کی فضا قائم ہو۔

خوش طبعی کی شرعی حیثیت

اسلام نے خوش طبعی کو محض ایک اخلاقی خوبی نہیں بلکہ عبادت کا درجہ دیا ہے۔ جیسا کہ حضور نے ارشاد فرمایا: تَبَسُّمُكَ فِي وَجْهِ أَخِيكَ لَكَ صَدَقَةٌ تمہارا اپنے بھائی کے سامنے مسکرانا صدقہ ہے۔[3] یعنی اس طرح مسکرانا جو دوسروں کے دل میں خوشی پیدا کرے نہ کہ ان کے لئے تکلیف کا باعث ہو، کیونکہ تمسخر میں بھی مسکراہٹ ہوتی ہے مگر وہ گناہ ہے۔[4]

اسی طرح ایک روایت میں ہے: اِنَّكُمْ لَنْ تَسَعُوا النَّاسَ بِأَمْوَالِكُمْ وَلٰكِنْ يَسَعُهُمْ مِنْكُمْ طَلَاقَةُ الْوَجْهِ وَحُسْنُ الْبِشْرِ۔ تم اپنے مال سے لوگوں کو خوش نہیں کر سکتے، البتہ! خوش طبعی اور چہرے کی مسکراہٹ سے ان کے دل جیت سکتے ہو۔[5]

معلوم ہوا! اسلام میں خوش طبعی اور مسکراہٹ کو محض ایک اخلاقی خوبی نہیں بلکہ عبادت اور صدقہ کا درجہ حاصل ہے، کیونکہ یہ عمل دلوں میں محبت، الفت اور سکون پیدا کرتا ہے۔ حضور نے واضح فرمایا کہ تم اپنے مال سے سب کو خوش نہیں کر سکتے، لیکن خندہ پیشانی، خوش اخلاقی اور چہرے کی بشاشت سے لوگوں کے دل جیت سکتے ہو۔ مومن کی مسکراہٹ خیر و برکت کا ذریعہ ہے، بشرطیکہ وہ خلوصِ نیت

* ذمہ دار جامعۃ المدینہ گرلز نندپور سیالکوٹ

سے ہو اور دوسروں کے لئے راحت و خوشی کا سبب بنے، نہ کہ تمسخر اور دل آزاری کا۔

خوش طبعی اور مزاح میں فرق

خوش طبعی اور مزاح میں ظاہری مشابہت ضرور ہے، مگر حقیقت میں دونوں الگ مفاہیم رکھتے ہیں۔ خوش طبعی میں نرمی، محبت، وقار اور سچائی شامل ہوتی ہے۔ جبکہ مزاح اگر حد سے بڑھے یا جھوٹ پر مبنی ہو تو لغو شمار ہوتا ہے۔

حضور کا ارشاد ہے: اِنِّی لَأَمْزَحُ وَلَا أَقُوْلُ اِلَّا حَقًّا میں بھی مزاح کرتا ہوں، مگر سچ کے سوا کچھ نہیں کہتا۔[6]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور کی خوش طبعی میں وقار اور صداقت کا حسین امتزاج تھا، جو کبھی تمسخر، دل آزاری یا لایعنی گفتگو پر مبنی نہ ہوتا۔

خوش طبعی کا مقصد

اسلام میں خوش طبعی کا مقصد دلوں کو قریب کرنا، باہمی محبت پیدا کرنا اور غم و رنج کو کم کرنا ہے۔ حضور کے چہرۂ مبارک پر ہمیشہ تبسم رہتا، جیسا کہ حضرت جریر بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ جب سے اسلام لایا ہوں حضور نے جب بھی مجھے دیکھا، تبسم ہی فرمایا۔[7]

یہ عمل در اصل ایک تربیت ہے کہ مسکراہٹ صرف ایک جسمانی کیفیت نہیں بلکہ روحانی اثر رکھنے والا اخلاقی عمل ہے جو محبت اور قربت پیدا کرتا ہے۔ خوش طبعی کا یہی پہلو جب ازدواجی زندگی میں داخل ہوتا ہے تو وہ محبت، سکون اور باہمی اعتماد کا سرچشمہ بن جاتا ہے۔

سیرتِ طیبہ کی روشنی میں خوش طبعی کا مقام

حضور کی حیاتِ مبارکہ کا ہر گوشہ نرمی، وقار اور حسنِ اخلاق سے منور ہے۔ آپ کبھی سخت لہجہ اختیار فرماتے تھے نہ کسی کی دل آزاری کرتے۔ حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں: میں نے حضور کی دس سال خدمت کی، آپ نے کبھی اُف تک نہ کہا۔[8] یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ حضور کی خوش طبعی صرف چہرے کی مسکراہٹ نہیں تھی، بلکہ بردباری اور وسعتِ قلب پر مبنی ایک دائمی خُلق تھا، جو اہلِ خانہ، صحابہ اور ہر انسان کو اپنی محبت میں سمیٹے رکھتا تھا۔

الغرض خوش طبعی دلوں کی نرمی اور تعلقات میں مضبوطی کا سبب ہے۔ نیز یہ محض ہنسی یا مذاق نہیں، بلکہ دلوں کی دلجوئی اور تعلقات میں توازن کا نام ہے۔ یہی وصف جب میاں بیوی کے باہمی تعلق میں رچ بس جائے تو زندگی تکرار سے سکون اور تلخی سے شیرینی میں بدل جاتی ہے۔

ازدواجی زندگی میں خوش طبعی کا کردار

گزشتہ سطور میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ خوش طبعی انسانی زندگی میں سکون و محبت کے فروغ کا ذریعہ ہے۔ اب یہ جائزہ پیشِ خدمت ہے کہ ازدواجی زندگی میں یہ خوبی کس قدر گہرا اثر رکھتی ہے اور کس طرح میاں بیوی کے رشتے کو مضبوط اور خوشگوار بنا سکتی ہے۔

میاں بیوی کا رشتہ در اصل دو مختلف مزاجوں، عادات اور جذبات کا حسین امتزاج ہے، جسے کامیاب بنانے کے لیے صرف محبت کافی نہیں ہوتی بلکہ خوش مزاجی، نرمی، بردباری اور ایک دوسرے کی بات سمجھنے کا سلیقہ بھی بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ خوش طبعی انسان کے رویّے میں دلکشی، قربت، سکون اور اعتماد پیدا کرتی ہے۔ جب میاں بیوی مسکراہٹ، ہلکے مزاح اور خندہ پیشانی کے ساتھ ایک دوسرے سے پیش آتے ہیں تو وہ دلوں میں ایسی گرم جوشی پیدا کرتے ہیں جو بڑے اختلافات اور غلط فہمیوں کو بھی آسانی سے مٹا دیتی ہے۔

ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کی ازدواجی زندگی میں ہم آہنگی، اطمینان اور محبت کا دور دورہ ہو۔ خوش طبعی اسی ہم آہنگی کی چابی ہے۔ یہ نہ صرف تعلقات کو مضبوط بناتی ہے بلکہ تنازعات کو کم کرنے میں بھی مؤثر کردار ادا کرتی ہے۔ ایک نرم مسکراہٹ، ایک خوشدل جملہ یا ایک ہلکا سا مزاح کبھی کبھار وہ اثر پیدا کر دیتا ہے جو لمبی گفتگو بھی نہیں کر سکتی۔

خوش طبعی کے چند نمایاں فوائد

ازدواجی زندگی میں خوش طبعی کو شامل کرنے کے کثیر فوائد ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

تنازعات میں کمی

زندگی کے نشیب و فراز میں اختلافات فطری ہیں، لیکن ہلکی سی خوش طبعی اور مسکراہٹ اکثر بڑے تنازعات کو ختم کر دیتی ہے۔ یہ رویّہ غصے کو ٹھنڈا اور دلوں کو قریب کرتا ہے۔

ازدواجی تعلق کی مضبوطی

خوش طبع میاں بیوی ایک دوسرے کو بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں۔ نرمی اور مزاح کی فضا میں خیالات کا اظہار آسان ہو جاتا ہے، جس سے اعتماد بڑھتا اور رشتہ مضبوط ہوتا ہے۔

مشکل حالات کا مقابلہ

زندگی میں بسا اوقات مشکلات کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اگر ازدواجی تعلقات مضبوط ہوں تو میاں بیوی مسکرا کر زندگی کے ان چیلنجز کو فیس کر لیتے ہیں۔

نفسیاتی سکون

خوش مزاجی انسان کے دل سے غصہ، حسد اور بے چینی کو دور کرتی ہے۔ نرم لہجہ، مسکراتی گفتگو اور دلجوئی کا انداز نہ صرف دوسروں کو خوش کرتا ہے بلکہ خود انسان کے دل کو بھی مطمئن رکھتا ہے۔

الغرض خوش طبعی محض ایک اخلاقی خوبی نہیں بلکہ ازدواجی زندگی کا روحانی اور نفسیاتی سہارا ہے۔ یہ رشتے میں محبت کے رنگ بھرتی اور گھروں میں سکون پیدا کرتی ہے، یہ دلوں کو جوڑنے کا وہ نبوی طریقہ ہے جس سے زندگی میں حقیقی خوشی جنم لیتی ہے۔

خوش طبعی کے نفسیاتی اور معاشرتی اثرات

ازدواجی تعلقات میں الفت و محبت کا فروغ

ازدواجی تعلقات کی بنیاد محبت پر ہوتی ہے۔ اسلام میاں بیوی کے درمیان محبت و شفقت، احترام و ہمدردی اور ایثار و اعتماد کا رشتہ قائم کرتا ہے۔ اللہ پاک نے میاں بیوی کے درمیان پیار، محبت و الفت کا بڑا پیارا رشتہ پیدا فرمایا ہے۔ یہ اللہ پاک کی بہت بڑی نعمت ہے جس کی بقا کے لئے ایک دوسرے کے حقوق کا لحاظ کرنا اور باہمی الفت و محبت کو قائم رکھنا لازمی اور ضروری ہے۔ میاں بیوی کا ایک دوسرے سے اچھا سلوک اور پیار و محبت شریعت کے نہایت تاکیدی احکامات میں سے ہے اور اس ازدواجی تعلقات میں پیار و محبت کا فروغ تب ہی ہو سکتا ہے کہ جب میاں بیوی ایک دوسرے کا خیال رکھیں، ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی بر وقت کریں اور گھر کے دیگر معاملات میں ایک دوسرے کی مدد کریں۔

گھر کو امن کا گہوارہ بنانے کا عمدہ طریقہ

اسلامی معاشرے میں خاندانی نظام قائم کرنے اور اسے بر قرار رکھنے کو خاص اہمیت دی گئی ہے۔ اس نظام کی عمارت چونکہ مرد اور عورت کے درمیان شوہر اور بیوی کے رشتے کی بنیاد پر ہی کھڑی ہو سکتی ہے، اس لئے اسلامی معاشرے میں اس بنیاد کو مضبوط تر بنانے کے لئے خصوصی توجہ دلائی گئی ہے۔ چنانچہ اس حوالے سے یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے کہ گھر کا سکون صرف ظاہری آسائش سے نہیں، بلکہ صبر، حکمت اور مثبت سوچ سے حاصل ہوتا ہے۔ اگر کبھی ازدواجی زندگی میں ناگواری پیش آ جائے، شوہر کا رویہ یا حالات پسند نہ آئیں تو عورت کو چاہیے کہ برداشت اور صبر سے کام لے۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ پاک انہی حالات سے خیر اور برکت کے دروازے کھول دے۔ بعض اوقات ناپسندیدہ باتوں میں بھی نیک اولاد، عزت، یا آخرت کی کامیابی چھپی ہوتی ہے۔

اسلام عورت کو یہ سکھاتا ہے کہ وہ زندگی کے ہر پہلو میں مثبت ذہنی سوچ اپنائے۔ اگر کسی بات میں کمی یا دکھ محسوس ہو تو اس کے اچھے پہلو پر غور کرے، شکر ادا کرے اور امید کے ساتھ زندگی گزارے۔ یہی مثبت رویہ ازدواجی زندگی میں محبت، اعتماد اور سکون کا سبب بنتا ہے۔ مثبت سوچ رکھنے والی

عورت گھر کے ماحول کو بدل دیتی ہے۔ وہ شکایت کے بجائے شکر کو اپناتی ہے، چھوٹی باتوں پر الجھنے کے بجائے بڑے مقاصد کو دیکھتی ہے اور یوں گھر امن و محبت کا گہوارہ بن جاتا ہے۔

یاد رکھئے! عورت کے چہرے کی مسکراہٹ، زبان کی نرمی، اور دل کی وسعت ہی وہ روشنی ہے جو پورے گھر کو منور کرتی ہے۔ جب عورت اپنی سوچ کو روشن رکھتی ہے تو اس کے گھر میں رحمت، محبت اور خوشیوں کی بہار آجاتی ہے۔

ذہنی دباؤ میں کمی اور طبیعت میں نرمی

اسلام نے عورت اور مرد کے ازدواجی رشتے کو محض ظاہری تعلق نہیں بلکہ دلوں کے اطمینان اور ذہنی سکون کا ذریعہ قرار دیا ہے اور یہ باہمی تعلق اس وقت مضبوط ہوتا ہے جب دونوں ایک دوسرے کے جذبات، احساسات اور ذمہ داریوں کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ اگر شوہر اپنی بیوی سے محبت، نرمی اور احترام کا برتاؤ کرے تو یہ طرزِ عمل گھر کے ماحول کو خوشگوار بنا دیتا ہے۔ اسی طرح اگر عورت بھی نرم خوئی، برداشت اور خوش طبعی کو اپنائے تو شوہر کا دل سکون پاتا ہے اور ان کی باہمی زندگی راحت و اطمینان کا پیکر بن جاتی ہے۔

ازدواجی زندگی میں ہلکا پھلکا مزاح، مسکراہٹ اور خلوص بھرے لمحات ذہنی دباؤ کو کم کر دیتے ہیں۔ یہ چھوٹی چھوٹی خوشیاں نہ صرف میاں بیوی کے تعلق کو مضبوط کرتی ہیں بلکہ ان کے بچوں اور پورے خاندان کے لئے بھی محبت اور اعتماد کا ماحول پیدا کرتی ہیں۔ ایک پر سکون گھر دراصل ایک پر سکون معاشرے کی بنیاد ہے۔

رشتوں میں اعتماد اور مضبوطی

اس پُر فتن دور میں اگر کسی رشتے کو قائم و دائم رکھنا ہو تو اس کی بنیاد اعتماد پر ہی رکھنی چاہیے۔ گھر ہو یا ازدواجی زندگی، اعتماد وہ انمول خزانہ ہے جس کے بغیر محبت کے رشتے کمزور ہو جاتے ہیں۔ آج بہت سے گھروں میں ٹوٹ پھوٹ، بد گمانی، بے اعتمادی اور فاصلوں کی ایک بڑی وجہ یہی ہے کہ دلوں سے یقین اور بھروسا ختم ہوتا جا رہا ہے۔ شکوک و شبہات، بد گمانی، لاپرواہی اور معمولی باتوں پر دل برداشتہ ہو جانا وہ عادات ہیں جو محبت بھرے رشتوں میں زہر گھول دیتی ہیں۔ جب شوہر یا بیوی ایک دوسرے پر بھروسا نہیں کرتے، یا ایک دوسرے کو وضاحت دینے کا موقع نہیں دیتے تو باتوں کا وہ گہرا مطلب نکلنے لگتا ہے جو دراصل ہوتا ہی نہیں۔ یوں معمولی باتیں بڑے فتنوں میں بدل جاتی ہیں اور رشتوں میں ایسی دراڑیں پڑ جاتی ہیں جنہیں بھرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

اعتماد بڑھانے کے لئے ضروری ہے کہ میاں بیوی ایک دوسرے سے میل جول، بات چیت اور حال احوال کا سلسلہ جاری رکھیں۔ ایک دوسرے کے دل کی بات سنیں، احساسات کا احترام کریں اور غلط فہمی پیدا ہونے سے پہلے ہی بات کو پیار سے سلجھا لیں۔ افسوس کہ آج کے دور میں ہمارے تعلقات موبائل فون کی اسکرین تک محدود ہو گئے ہیں۔ چند لمحوں کی فون کال یا ایک سرسری پیغام سے اگرچہ بظاہر رابطہ قائم ہو جاتا ہے، مگر دلوں کی قربت، احساسِ تعلق اور باہمی سمجھ بوجھ پیدا نہیں ہوتی۔ اس لئے عورت کو چاہیے کہ وہ گھر کی فضا میں اعتماد، نرمی اور بات چیت کا دروازہ کھلا رکھے۔ ایک مسکراہٹ، ایک ہمدرد جملہ یا تھوڑا سا صبر کبھی کبھار وہ کرامت دکھا جاتا ہے جو بڑے بڑے مشورے نہیں کر سکتے۔ جب عورت اعتماد اور برداشت کا پیکر بن جاتی ہے تو گھر سکون، محبت اور اطمینان کا گہوارہ بن جاتا ہے۔

حضور کی ازدواجی زندگی: ایک کامل نمونہ

حضور کی ازدواجی زندگی انسانیت کے لئے کامل اور روشن مثال ہے۔ آپ اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ نہایت حسنِ سلوک فرماتے، ان سے مسکرا کر گفتگو کرتے اور گھر کے ماحول کو خوشگوار رکھتے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضور لوگوں میں سب سے بڑھ کر اپنی ازواج کے ساتھ خوش طبع تھے۔ (9)

یہ روایت صرف محبت و الفت کی علامت نہیں، بلکہ خوش طبعی کے مصطفوی اسلوب کا حسین مظہر بھی ہے۔ حضور کی ازدواجی زندگی اُمّت کے لئے کامل راہِ ہدایت ہے؛ ایک ایسا چراغ جس کی روشنی میں عورت و مرد دونوں اپنی زندگیوں کو سنوار سکتے ہیں۔ حضور نے فرمایا: تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لئے بہتر ہو اور میں اپنے گھر والوں کے لئے سب سے بہتر ہوں۔[10]

یہ فرمان دراصل اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ ایک مرد کی اصل خوبی اس کے گھریلو رویے میں پوشیدہ ہے اور ایک عورت کی کامیابی اس بات میں ہے کہ وہ اپنے شوہر کی نرمی، مسکراہٹ اور محبت سے گھر کے سکون کو سنبھالے رکھے۔

خوش طبعی کا مصطفوی اسلوب

نبی اکرم کی خوش طبعی کی نوعیت

حضور کی خوش طبعی ہمیشہ وقار، نرمی اور حکمت سے آراستہ ہوتی تھی۔ آپ کا تبسم دلوں کو تسکین دیتا، غمزدہ چہروں پر روشنی بکھیر دیتا اور تھکے ہوئے دلوں کو راحت عطا کرتا۔ آپ کا ہر اندازِ خوش طبعی و میانہ روی پر مبنی ہوتا؛ اس میں تکلف ہوتا نہ ہنسی مذاق کی بے اعتدالی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بعض صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ! کیا آپ ہمارے ساتھ مزاح بھی فرما لیتے ہیں؟ فرمایا: (ہاں۔) مگر میں حق کے سوا کچھ نہیں کہتا۔[11]

یہ جواب ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ خوش طبعی جھوٹ، مبالغے یا دل آزاری سے پاک ہونی چاہیے۔

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے حضور کو کبھی اس طرح قہقہہ لگاتے نہیں دیکھا کہ حلق کا اندرونی حصہ دکھائی دے، (آپ کے تبسم میں ہمیشہ وقار ہوتا)۔[12]

یہی وہ اسلوب ہے جو نہ صرف ازواج کے دلوں میں محبت جگاتا ہے، بلکہ گھر کے ہر فرد کے لئے ایک امن و سکون کا پیغام بن جاتا ہے۔

دل موہ لینے والی خوش طبعی کی مثالیں

حضور کی روزمرہ زندگی میں ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں جہاں آپ نے محبت بھری خوش طبعی سے ماحول کو مسرور فرمایا۔ مثلاً: حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ ایک موقع پر آپ نے مجھ سے فرمایا: یَاذَا الْاُذُنَیْنِ یعنی اے دو کانوں والے![13] مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت انس رضی اللہ عنہ کے دونوں کان کسی قدر بڑے تھے اس لئے انہیں دو کان والے فرمایا جیسے خرباق ابنِ ساریہ رضی اللہ عنہ کو ذو الیدین (دو ہاتھوں والے) فرمایا کرتے تھے یا حضرت انس رضی اللہ عنہ کی قوتِ سماعت بہت قوی تھی یا آپ بہت ذکی و ذہین تھے۔ بہر حال اس فرمانِ عالی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی تعریف بھی ہے اور خوش طبعی بھی۔[14]

حضور کا حضرت انس کو دو کانوں والے فرمانا بظاہر مزاح پر مبنی لگتا ہے، مگر حقیقت میں محبت، توجہ اور قربت کا مظہر ہے۔ اسی طرح آپ کبھی حضرت انس کے چھوٹے بھائی سے فرماتے: یَا اَبَا عُمَیْر، مَافَعَلَ النُّغَیْر؟ یعنی اے ابو عمیر! چڑیا نے کیا کیا؟ نُغیر ایک چھوٹی سی چڑیا تھی جس سے وہ کھیلتے تھے۔[15] یہاں عُمیر اور نُغیر جیسے ہم قافیہ الفاظ کے ساتھ خوش طبعی فرمائی گئی ہے۔ بلاشبہ یہ بات ایک ننھے بچے کے دل میں خوشی بھرنے کے لئے کہی گئی تھی، محبت، شفقت اور خوش طبعی کا ایسا انداز جو انسان کے دل میں ہمیشہ نقش رہ جائے۔

اسی طرح ایک شخص نے حضور سے سواری طلب کی تو آپ نے فرمایا: ہم تمہیں اونٹنی کے بچے پر سوار کریں گے۔ وہ شخص حیران ہوا تو آپ نے فرمایا: ہر اونٹ کسی اونٹنی ہی کا بچہ ہوتا ہے![16] یہ اندازِ خوش طبعی اس بات کی علامت ہے کہ مسکراہٹ اور ذہانت کے امتزاج سے کس طرح ایک عام بات بھی دلکش، بامعنی اور تربیت آمیز ہو جاتی ہے۔

یہی طرزِ عمل حضور کے گھریلو معاملات میں بھی نمایاں نظر آتا ہے۔ آپ نے اپنی ازواج کے ساتھ نہ صرف محبت و

احترام کا برتاؤ فرمایا بلکہ گھر کے ماحول کو نرمی، تبسم اور خوش طبعی سے معطر رکھا۔ یوں کہا جاسکتا ہے کہ حضور کی مسکراہٹ نے نہ صرف امت کے سینوں میں ایمان کی روشنی بھری بلکہ گھر کے دائرے میں خوشی اور اطمینان کا سرچشمہ بھی بنی۔

ازدواجی زندگی میں خوش طبعی کی اہمیت

ازدواجی زندگی کے دائرے میں خوش طبعی کا حقیقی مفہوم تب سمجھ میں آتا ہے جب ہم دیکھیں کہ حضور ایک شوہر کی حیثیت سے اپنی ازواج کے ساتھ کیسا برتاؤ فرماتے تھے۔ اللہ پاک کے آخری نبی صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی ذات میں ایک عظیم شوہر کی وہ تمام خوبیاں جمع تھیں جن کی بدولت گھر سکون، الفت اور محبت کا گہوارہ بن جاتا ہے۔ آپ نے اپنی ازواج کے ساتھ شفقت، انصاف اور دلجوئی کا ایسا طرزِ عمل اپنایا جو ہمیشہ کے لئے اُمت کے لئے نمونہ ہے۔ کیونکہ اسلام سے پہلے عورت کو ہمیشہ نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا اور اس کی کوئی قدر و اہمیت نہ تھی۔ اسلام نے عورت کو اس کا حقیقی مقام دے کر عزت و عظمت سے نوازا اور اس کی قدر و منزلت میں اضافہ کرتے ہوئے اسے بہترین متاع قرار دیا ہے۔[17] اور اس کی بہترین عملی تفسیر ہمیں حضور کی گھریلو زندگی میں نظر آتی ہے۔ حضور نے اپنے طرزِ عمل سے یہ واضح فرمایا کہ عورت محض گھر کا بوجھ نہیں بلکہ زندگی کی شریک، سکونِ قلب کا باعث اور محبت و رحمت کا سرچشمہ ہے۔ یوں حضور کی ازدواجی زندگی در اصل اسلام کے نظریۂ عورت کی عملی تصویر تھی۔

اسلام نے میاں بیوی کے تعلق کو صرف ضرورت یا ذمہ داری نہیں بلکہ محبت، سکون اور باہمی اعتماد کی بنیاد پر قائم رشتہ قرار دیا ہے۔ قرآنِ کریم نے اس رشتے کی روح کو ان الفاظ میں بیان فرمایا: وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَیْهَا وَجَعَلَ بَیْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً (پ21، الروم: 21) ترجمہ: اور اس کی نشانیوں سے ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس سے جوڑے بنائے تاکہ تم ان کی طرف آرام پاؤ اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت رکھی۔ یہ آیتِ مبارکہ واضح کرتی ہے کہ ازدواجی محبت محض طبعی میل نہیں بلکہ ایک روحانی بندھن ہے، جو محبت، رحمت، احساس اور قربانی کے امتزاج سے پروان چڑھتا ہے۔ اسلام نے میاں بیوی دونوں کو اس تعلق کے تحفظ اور حسنِ سلوک کا ذمہ دار بنایا تاکہ گھر کا ماحول سکون، خلوص اور خوش طبعی کا گہوارہ بنے۔ اسی تعلق کی سب سے حسین عملی مثال حضور کی اپنی ازواج کے ساتھ زندگی ہے، جہاں محبت، نرمی، مسکراہٹ اور دلجوئی ایک دوسرے سے اس طرح جڑی ہوئی تھی کہ آپ کی گھریلو زندگی اُمت کے لئے کامل نمونہ بن گئی۔

حضور کی اپنی ازواج سے محبت کی مثالیں

حضور اپنی ازواج سے نہ صرف محبت فرماتے بلکہ اس کا اظہار بھی فرماتے تھے۔ چنانچہ ام المومنین حضرت خدیجہ کے بارے میں فرمایا: مجھے ان کی محبت عطا فرمائی گئی ہے۔[18]

حضور کا اپنی ازواج سے محبت و الفت کا یہ عالم تھا کہ آپ ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے اور کسی بھی حال میں انہیں احساسِ کمتری کا شکار نہ ہونے دیتے تھے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں: مخصوص دنوں میں، میں پانی پیتی، پھر حضور کو دے دیتی تو جس جگہ میرا منہ لگا تھا حضور وہیں منہ مبارک رکھ کر پیتے اور میں مخصوص دنوں میں ہڈی سے گوشت نوچ کر کھاتی، پھر آپ کو دے دیتی تو آپ اپنا منہ مبارک اس جگہ رکھتے جہاں میرا منہ لگا تھا۔[19]

یہ طرزِ عمل حضور کی نرمی، الفت اور بے ساختہ خوش مزاجی کا جیتا جاگتا نمونہ ہے، جس نے ازدواجی تعلقات میں محبت، اعتماد اور روحانی قربت کی فضا پیدا کی۔ اسی محبت آمیز ماحول نے خوش طبعی کو پروان چڑھنے کے مواقع فراہم کیے، کیونکہ جہاں دلوں میں محبت اور عزت ہو، وہاں تبسم اور راحت خود بخود جنم لیتے ہیں۔

حضور بطورِ شوہر: حسنِ سلوک کی کامل تصویر

فرمانِ مصطفےٰ ہے: مسلمانوں میں کامل ایمان والا وہ ہے جو اخلاق میں سب سے اچھا ہو اور تم میں سب سے زیادہ بہتر وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے لئے بہتر ہوں۔ [20] یہ ارشادِ گرامی دراصل خوش طبعی کے اخلاقی دائرے کو متعین کرتا ہے کہ شوہر کا اچھا برتاؤ صرف نرمی اور مسکراہٹ ہی نہیں بلکہ اخلاق، خرچ، محبت اور مشاورت میں بھی ظاہر ہوتا ہے۔ چنانچہ حضور کی حیاتِ طیبہ سے بطورِ شوہر حسنِ سلوک کی ایسی ہی مثالوں کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہمارے پیارے آقا صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم اللہ پاک کی ذات پر کامل بھروسا رکھنے کے اعلیٰ ترین مرتبے پر فائز تھے۔ آپ اپنی ذات کے لئے کچھ بچا کر رکھنا پسند نہ فرماتے تھے مگر اپنے گھر والوں کے معاملے میں آپ کا طرزِ عمل یہ تھا کہ آپ ان کے لئے سال بھر کا غلہ جمع فرما دیتے تھے۔ یہ طرزِ عمل حضور کے خوش مزاج اور متوازن طبع کی عکاسی کرتا ہے کہ آپ صرف روحانی و اخلاقی راہ نمائی ہی نہ تھے بلکہ گھریلو سکون کے ضامن بھی تھے اور آپ نے یہی تربیت اپنی امت کو بھی دی کہ اپنی بیوی پر خرچ کرنا اور اسے کھلانا پلانا جہاں شوہر کی ذمہ داری ہے وہیں شوہر کو اس پر اجر و ثواب بھی ملتا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: تم اللہ پاک کی رضا کے لئے جو بھی خرچ کرو گے اس پر اجر پاؤ گے یہاں تک کہ جو لقمہ اپنی بیوی کے منہ میں رکھو گے اس میں بھی اجر ہے۔ [21] ایک اور روایت میں ہے: کوئی اپنی بیوی کو پانی پلائے تو اس میں بھی اجر ہے۔ [22] اپنے گھر والوں پر خرچ کئے گئے دینار کو حدیثِ پاک میں اللہ پاک کی راہ میں خرچ کرنے، غلام کو آزادی دلانے کے لئے خرچ کرنے اور مسکین پر خرچ کرنے سے زیادہ اجر و ثواب والا فرمایا گیا ہے۔ [23]

یہ خوش طبعی کی وہ عملی جھلک ہے جس میں محبت، شفقت اور نرمی کے ساتھ زندگی کے بوجھ کو سہل بنانے کا جذبہ شامل ہے۔ حضور اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ نہ صرف مسکراہٹ سے پیش آتے بلکہ ان کی ضروریات اور راحت کا پورا خیال رکھتے، یہی وہ خندہ پیشانی اور حسنِ سلوک ہے جو ازدواجی زندگی کو جنت کا نمونہ بنا دیتا ہے۔

اسی طرح زمانۂ جاہلیت میں عورتوں پر ظلم کے جو پہاڑ توڑے جاتے تھے، ان کا تصور آج بھی دل دہلا دیتا ہے۔ افسوس! ہمارے معاشرے میں بھی کہیں کہیں وہی روش مختلف صورتوں میں نظر آتی ہے، کبھی حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی، کبھی دل آزاری کے انداز میں۔ مگر وہ لوگ جو اسلام کی تعلیمات کو خلوص سے اپناتے ہیں، ان کے گھروں میں سکون، محبت اور احترام کی فضا قائم رہتی ہے۔ ہمارا رب ارشاد فرماتا ہے: وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (پ4، النسآء: 19) ترجمہ: اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے گزر بسر کرو۔ حضور کا اس حکمِ ربانی پر عمل کر کے دکھانا اور اپنی ازواجِ مطہرات کے ساتھ نہایت محبت، شفقت اور خوش اخلاقی کا برتاؤ فرمانا گویا ازدواجی زندگی میں حسنِ سلوک اور خوش طبعی کی کامل مثال ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے دنیا کو سکھایا کہ ازدواجی زندگی کا حسن صرف الفاظ میں نہیں بلکہ عمل میں ہے۔ بیوی کے ساتھ مسکراہٹ سے پیش آنا، اس کے حقوق ادا کرنا، گھریلو ماحول کو سکون اور اطمینان کا گہوارہ بنانا یہی ایمان کا کمال ہے۔

حضور اپنی ازواجِ مطہرات کے درمیان ہمیشہ انصاف فرماتے۔ ہر ایک کے ساتھ وقت، توجہ اور محبت میں برابری قائم رکھتے۔ [24] سفر کا ارادہ فرماتے تو قرعہ اندازی کے ذریعے فیصلہ کرتے [25] کہ کون سی زوجہ ساتھ جائے تاکہ کسی کے دل میں محرومی کا احساس نہ رہے۔ یہ عدل و مساوات ہی دراصل حضور کے اخلاقِ عظیمہ کی جھلک تھی۔ گھر کے اندر حضور کی زندگی سادگی، محبت اور تعاون سے بھرپور تھی۔ حضور گھر میں اپنے کام خود کرتے، کپڑا سی لیتے، جوتا بھی مرمت فرما لیتے۔ یہ منظر کتنا حسین ہوگا کہ خالقِ کائنات کا محبوب اپنی بیوی کے ساتھ گھریلو کاموں میں ہاتھ بٹا رہا ہو۔ یہ دراصل امت

کے مردوں کے لئے ایک عملی درس تھا کہ گھر کے کام میں شرکت کمزوری نہیں، بلکہ محبت اور سنت کا اظہار ہے۔

حضور جب بھی گھر آتے تو اپنی ازواج کو سلام فرماتے، ان کے لئے دعائے خیر کرتے،(26) مسکراتے اور محبت بھری گفتگو سے گھر کے ماحول کو خوشگوار بنا دیتے۔ یہی وہ طرزِ عمل تھا جس سے گھروں میں سکون، اپنائیت اور اعتماد کی فضا قائم ہوتی۔ نیز حضور اپنی ازواج کی رائے کو بھی قدر کی نگاہ سے دیکھتے۔ پہلی وحی کے موقع پر حضرت خدیجہ کے اطمینان بخش کلمات ہوں یا صلحِ حدیبیہ کے موقع پر حضرت اُمِّ سلمہ کا حکیمانہ مشورہ؛ حضور نے ہمیشہ مشاورت کو ازدواجی زندگی کا حصہ بنایا۔ یہی وہ سنت ہے جو آج کے دور میں میاں بیوی کے تعلقات کو مضبوط کرنے کی سب سے بڑی کنجی ہے۔

ازواج کے ساتھ خوش طبعی کی مثالیں

سیدہ عائشہ صدیقہ کے ساتھ دوڑ کا واقعہ

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ ایک سفر کے دوران میں نے حضور کے ساتھ دوڑ لگائی۔ اُس وقت میں ہلکی پھلکی تھی، اس لئے حضور سے آگے نکل گئی۔ کچھ عرصے بعد جب میرا جسم بھاری ہو گیا تو دوبارہ دوڑ لگائی مگر اس بار حضور مجھ سے آگے نکل گئے اور مسکرا کر فرمانے لگے: یہ اُس دن کے آگے نکلنے کا بدلہ ہے۔(27)

یہ حدیثِ پاک حضور کی اپنی ازواج کے ساتھ حد درجہ خوش خلقی، اچھے سلوک اور بے تکلفی کی خوبصورت مثال ہے، نیز اس میں امت کے لئے اپنے اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا عظیم درس بھی موجود ہے۔ یہ بھی پتا چلا کہ اپنی ازواج کو جائز تفریح کے مناسب مواقع فراہم کرنے چاہئیں تاکہ ازدواجی زندگی میں خوشحالی کے مواقع پیدا ہوں۔

حضور کا سیدہ عائشہ کو حمیرا کہہ کر پکارنا

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کئی القابات ہیں، ان میں سے ایک لقب جو حضور کی طرف سے نوازا گیا وہ حُمیرا ہے جس کا معنی ہے: گوری چٹی سرخ مائل رنگت والی۔ حضور محبت کے ساتھ انہیں حمیرا کہا کرتے تھے۔ حضور نے بہت سے مقامات پر آپ کو اسی لقب سے یاد فرمایا ہے۔ مثلاً: ایک مرتبہ صحابہ کرام سے ارشاد فرمایا: تم اپنا دو تہائی دین اس حُمیرا (یعنی سیدہ عائشہ) سے حاصل کرو۔(28)

حضور کی دیگر ازواج کے ساتھ خوش طبعی

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ایک بار میں حضور کے لئے خزیرہ پکا کر لائی، وہاں ام المومنین حضرت سَودہ رضی اللہ عنہا بھی موجود تھیں۔ میں نے ان سے کھانے کے لئے کہا تو انہوں نے انکار کر دیا۔ میں نے دوبارہ کہا: اسے کھایئے، ورنہ میں اسے آپ کے چہرے پر مل دوں گی۔ انہوں نے پھر انکار کیا تو میں نے مذاق میں تھوڑا سا کھانا ان کے چہرے پر لگا دیا۔ یہ دیکھ کر حضور ہنسنے لگے، پھر آپ نے خود حضرت سودہ کو تھوڑا خزیرہ دیا اور فرمایا: اب تم بھی عائشہ کے چہرے پر لگا دو!(29) چنانچہ انہوں نے بھی ویسا ہی کیا اور حضور خوش طبعی کے ساتھ مسکراتے رہے۔

سفر میں ازواج کے ساتھ لطیف مزاح

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: حضور کا ایک حدی خواں تھا جو دورانِ سفر حضور کی ازواج کے اونٹوں کے سامنے حدی خوانی کرتا تھا۔ ایک مرتبہ حضور نے اس سے فرمایا: اے انجشہ! آہستہ چلو! کانچ کی نازک شیشیوں کے ساتھ نرمی کرو (یعنی اونٹوں کو آہستہ چلنے دو کہیں ازواج کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔)(30) ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو کانچ کی نازک شیشیاں کہنا یہ بھی حضور کی خوش طبعی اور شانِ ظرافت کا ایک نمونہ ہے۔(31)

حضور کی خوش طبعی سے حاصل ہونے والے دروس

حضور کی پوری حیاتِ طیبہ اُمت کے لئے سبق آموز اور راہ نمائی سے بھرپور ہے۔ آپ کی خوش طبعی بھی ایسا ہی پہلو ہے جس سے ہمیں زندگی گزارنے کے حسین اصول ملتے ہیں۔

حضور نے ہمیشہ خوش طبعی کے ذریعے حق بات بیان فرمائی، آپ کی مسکراہٹ میں بھی حکمت تھی۔ آپ کبھی کسی کی دل آزاری نہ فرماتے اور نہ ہی آپ کی خوش مزاجی سے کسی کو نقصان پہنچتا۔

ازواجِ مطہرات کے ساتھ آپ کی خوش طبعی کی مثالیں یہ واضح کرتی ہیں کہ گھریلو زندگی میں محبت، مسکراہٹ اور نرم رویّہ سنتِ نبوی کا حصہ ہیں۔ خوش طبعی انسان کے رویے کو نرم بناتی ہے، دلوں کو قریب کرتی ہے اور رشتوں میں اعتماد و محبت بڑھاتی ہے۔ یہی وصف انسان کو ہر محفل میں محبوب بناتا ہے۔

پس ہمیں چاہیے کہ ہم بھی اپنی زندگیوں میں مسکراہٹ، نرمی اور حسنِ اخلاق کو جگہ دیں، تاکہ ہماری گھریلو اور معاشرتی زندگیوں میں وہی سکون و محبت پیدا ہو جو حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے اسوۂ حسنہ میں جھلکتی ہے۔

عصری زندگی میں اسوۂ نبی کا اطلاق

گھریلو زندگی در اصل انسان کی عملی اور اخلاقی شخصیت کا سب سے نمایاں آئینہ ہے۔ انسان چاہے جتنا بھی کامیاب ہو جائے، مگر اس کی اصل پہچان اُس کے گھر کے ماحول اور اہلِ خانہ سے برتاؤ سے ظاہر ہوتی ہے۔ اکثر لوگ اس پہلو کو پوشیدہ رکھنا چاہتے ہیں، کیونکہ یہ وہ میدان ہے جہاں حقیقی اخلاق کا امتحان ہوتا ہے۔ البتہ حضور کی ذاتِ اقدس ایسی ہے جن کی گھریلو زندگی بھی سب پر روشن، بے مثال اور لائقِ تقلید ہے۔

آپ نے اپنے گھر میں محبت، عدل، برداشت اور مسکراہٹ کے ذریعے ایسا نظامِ حیات قائم فرمایا جو آج کی خواتین کے لئے بہترین نمونہ ہے۔ اگر ہم حضور کی سیرتِ طیبہ کو اپنی گھریلو زندگی میں اختیار کرلیں تو یقیناً ہمارے گھروں میں محبت، سکون اور باہمی احترام کا چراغ روشن ہو سکتا ہے۔

ایک خوشگوار اور معتدل ازدواجی زندگی کی اہمیت:

ایک کامیاب ازدواجی زندگی کے لئے میاں بیوی دونوں کا کردار برابر اہمیت رکھتا ہے۔ اللہ پاک نے انسان کو خوبیوں اور کمزوریوں کے ساتھ پیدا فرمایا ہے، لہٰذا کسی میں کوئی کمی نظر آئے تو اسے عیب نہیں بلکہ اصلاح کا موقع سمجھنا چاہیے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر ضد یا ناراضی اختیار کرنا نہ صرف ماحول کو متاثر کرتا ہے بلکہ محبت کے رشتے کو بھی کمزور کرتا ہے۔

اختلافات فطری ہیں، مگر شریعتِ مطہرہ نے ہمیں سکھایا ہے کہ ان کا حل افہام و تفہیم، نرمی اور حسنِ سلوک سے نکالا جائے۔ قرآن و حدیث میں شوہروں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنی بیویوں کے ساتھ حسنِ سلوک کریں اور بیویوں کو نصیحت کی گئی ہے کہ وہ جائز حدود میں رہتے ہوئے شوہر کی اطاعت کریں۔ اگر میاں بیوی معمولی اختلافات کو در گزر کرتے ہوئے، حضور کی سیرت کو اپنا راہ نما بنائیں تو ان کی زندگی نہ صرف پُر سکون بلکہ باوقار بھی ہو سکتی ہے۔

اللہ پاک ہمیں اپنے گھروں کو محبت، احترام اور نرمی کا گہوارہ بنانے کی توفیق عطا فرمائے اور حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر عمل کی سعادت بخشے۔

اٰمین بِجاہِ النّبیِّ الْاَمین صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم

---

1 مختصرار دولغت، ص797 2 مراۃ المناجیح، 6/493 3 ترمذی، 3/384، حدیث: 1963 4 مراۃ المناجیح، 3/104 مفہوماً 5 اصطناع المعروف لابن ابی الدنیا، ص46 6 معجم اوسط، 1/283، حدیث: 995 7 بخاری، 2/320، حدیث: 3035 8 مسلم، ص972، حدیث: 6011 9 فیض القدیر، 5/229، تحت الحدیث: 6865 ملتقطاً 10 ابن ماجہ، 2/478، حدیث: 1977 11 ترمذی، 3/399، حدیث: 1997 12 وسائل الوصول، ص93، 94 13 ترمذی، 3/399، حدیث: 1998 14 مراۃ المناجیح، 6/495 15 بخاری، 4/155، حدیث: 6203 16 ترمذی، 3/399، حدیث: 1999 17 مسلم، ص595، حدیث: 3643 ماخوذاً 18 مسلم، ص1016، حدیث: 6278 19 مسلم، ص138، حدیث: 692 20 ترمذی، 2/387، حدیث: 1165 21 بخاری، 1/439، حدیث: 1295 22 مسند امام احمد، 28/386، حدیث: 17155 23 مسلم، ص388، حدیث: 2311 ملخصاً 24 ترمذی، 2/375، حدیث: 1143 25 بخاری، 2/173، حدیث: 2593 26 مسلم، ص572، حدیث: 3500 ملخصاً 27 ابوداود، 3/42، حدیث: 2578 28 تفسیر کبیر، 11/232 29 سنن کبریٰ للنسائی، 5/291، حدیث: 8917 30 بخاری، 4/158، حدیث: 6210 31 سرکارِ دوعالم کی خوش طبعی، ص8



خواتین کی دلجوئی فرمانے والے نبی صلی اللہ علیہ وسلم

محترمہ بنتِ منصور مدنیہ عطاریہ*

اللہ پاک کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم حسنِ اخلاق کے پیکرِ اکمل تھے۔ آپ کی ذاتِ اقدس میں اخلاقِ حمیدہ کے تمام اوصاف بدرجہ اتم جمع تھے۔ نرمی، بردباری، صبر و تحمل، صدق و دیانت، عفو و درگزر، جود و سخاوت؛ یہ سب حسنِ اخلاق کی شاخیں ہیں اور انہی میں سے ایک نہایت لطیف اور دل آویز شاخ دل جوئی ہے جو دو الفاظ یعنی دل اور جوئی سے مل کر بنا ہے۔ دل سے مراد انسان کا مرکزِ احساس و جذبات ہے اور جوئی بمعنی طلب کرنا یا حاصل کرنا ہے۔ یوں دل جوئی کے معنی ہوں گے: کسی کے دل کو خوش کرنا، تسلی دینا، دکھ بانٹنا، یا غم کم کرنا۔ اس مفہوم کے قریب الفاظ دلداری، غم خواری، ہمدردی، تسکینِ خاطر اور خوشنودی بھی آتے ہیں۔ لہٰذا انسان اپنے قول، عمل یا رویّے سے کسی دوسرے کے دل میں راحت، اطمینان اور مسرت پیدا کرے، خواہ وہ کسی مصیبت، دکھ یا محرومی کا شکار ہو، تو اسے دل جوئی کہیں گے۔

اخلاقیات میں یہ وصف عبادت کا درجہ رکھتا ہے، کیونکہ اس سے مخلوقِ خدا کے ساتھ محبت و رحمت کا مظاہرہ ہوتا ہے، جو رضائے الٰہی کا سبب ہے جس کی اصل بنیاد حضور کی جامع اخلاقی تعلیمات میں مضمر ہے۔ جیسا کہ ایک روایت میں ہے: تمہارا اپنے بھائی کے سامنے مسکرانا بھی تمہارے لیے صدقہ ہے۔[1] اگر صرف ایک مسکراہٹ کو صدقہ قرار دیا گیا، تو کسی غمگین عورت، بیوہ یا مظلوم کی دل جوئی، اس سے کہیں زیادہ اجر و فضیلت رکھتی ہو گی۔

اسی طرح حضور کا فرمان: مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ یعنی جو کسی مومن کے دنیاوی غم کو دور کرے، اللہ اس کے قیامت کے دن کے غموں کو دور فرمائے گا۔[2] یہ حدیثِ مبارکہ اس بات کا اعلان ہے کہ دل جوئی صرف اخلاق نہیں، نجات کا وسیلہ ہے۔

حضور میں یہ وصف اپنی انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔ آپ نہ صرف مردوں، بچوں، بوڑھوں اور غلاموں کی دل جوئی فرمایا کرتے بلکہ عہدِ جاہلیت میں جب عورت کی تذلیل عام تھی اور اسے باعثِ عار سمجھا جاتا تھا، حضور نے مظلوم، غم زدہ اور بے سہارا خواتین کے دلوں کو تسلی بخشی۔ آپ نے انہیں عزت، مقام، احترام اور حقوق عطا فرما کر انسانیت کے اعلیٰ مرتبے پر فائز کیا۔ دل جوئی محض ایک اخلاقی خوبی نہیں بلکہ حضور کی سنتِ عملی ہے۔ آپ کی حیاتِ طیبہ ایسے بے شمار واقعات سے مزین ہے جن میں خواتین کے جذبات، ان کے دکھ اور ان کی عزتِ نفس کا غیر معمولی خیال رکھا گیا۔

* معلمہ جامعۃ المدینہ گرلز ای ون جوہر ٹاؤن لاہور

ازواجِ مطہرات، بناتِ طاہرات اور عام خواتین، سب آپ کے حسنِ سلوک اور دل جوئی سے فیض یاب ہوئیں۔ چنانچہ پیارے آقا صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے اس پہلو کی چند جھلکیاں پیشِ خدمت ہیں:

ازواجِ مطہرات کے ساتھ دلجوئی

حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے اپنی ازواجِ مطہرات کے ساتھ حسنِ سلوک، نرمی، محبت اور دل جوئی کے بے شمار واقعات کتبِ سیرت وحدیث میں منقول ہیں۔ یہ تمام واقعات اس بات کے واضح ثبوت ہیں کہ حضور نے گھریلو زندگی میں بھی اخلاقِ نبوی کی وہ اعلیٰ مثال قائم فرمائی جس سے ہر شوہر کو راہ نمائی ملتی ہے۔

حضرت عائشہ کے ساتھ دل جوئی

جب واقعۂ اِفک پیش آیا اور منافقین نے حضرت عائشہ پر بہتان تراشی کی تو اس وقت مدینے کے ماحول میں اضطراب کی کیفیت تھی۔ معاملہ نہایت نازک تھا، مگر حضور نے پورے اطمینان، سکون اور ضبط کے ساتھ اس کا سامنا فرمایا۔ آپ نے جلد بازی یا عوامی دباؤ میں کوئی قدم نہ اٹھایا، بلکہ وحیِ الٰہی کا انتظار فرمایا۔ بالآخر سورۂ نور کی وہ آیات نازل ہوئیں جن میں حضرت عائشہ کی پاک دامنی کی قطعی تصدیق فرمائی گئی۔ اس سارے عرصے میں حضور نے اپنی زوجہ کی دل جوئی اور اخلاقی حمایت جاری رکھی۔ بر سرِ منبر آپ نے ارشاد فرمایا: میں اپنے اہل کے متعلق سوائے خیر کے کچھ نہیں جانتا۔[3] بلاشبہ یہ جملہ صرف دفاع نہیں بلکہ اعتماد کی ضمانت تھا۔ حضور نے افواہوں کے مقابلے میں اپنی شریکِ حیات کا وقار بحال رکھا اور یہ سیرتِ طیبہ میں دل جوئی کی روشن مثال ہے۔

دل جوئی چونکہ صرف غم کے موقع پر نہیں، بلکہ خوشی کے مواقع پر بھی کی جاتی ہے اور حضور اپنی ازواج کے جذبات و دلچسپیوں کا بھی پورا خیال فرماتے تھے۔ چنانچہ،

حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں: ایک روز میں نے حبشیوں کو نیزہ بازی کرتے دیکھا۔ حضور نے فرمایا: اے عائشہ! کیا تم ان کا کھیل دیکھنا چاہتی ہو؟ میں نے عرض کی: جی ہاں! تو آپ نے مجھے اپنی پشتِ مبارک کے پیچھے کھڑا کر لیا۔ میں اپنی ٹھوڑی آپ کے کندھے پر رکھے اُن کا کھیل دیکھتی رہی۔ آپ بار بار پوچھتے: کافی ہے؟ اور میں عرض کرتی: ابھی نہیں۔ یہاں تک کہ میں خود ہی واپس ہو گئی۔[4] یہ واقعہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ حضور نے اپنی زوجہ کی دلچسپی اور جذبات کا کتنا احترام فرمایا۔ گھر کے اندر اس طرح کی نرم دلی اور رفاقت در اصل دل جوئی کا اعلیٰ ترین اسلوب ہے، جس سے ازدواجی زندگی میں محبت، اعتماد اور روحانی سکون پیدا ہوتا ہے۔

حضرت صفیہ کے ساتھ دل جوئی

ایک مرتبہ حضرت صفیہ کو معلوم ہوا کہ حضرت حفصہ نے انہیں یہودی کی بیٹی کہا ہے، یہ سن کر ان کے دل کو صدمہ پہنچا اور وہ رونے لگیں۔ اتنے میں حضور تشریف لے آئے اور نہایت شفقت کے ساتھ رونے کی وجہ دریافت فرمائی تو انہوں نے عرض کی: مجھے حفصہ نے یہودی کی بیٹی کہا ہے۔ تو حضور نے ان کی دلجوئی کرتے ہوئے فرمایا کہ تم نبی کی بیٹی ہو، تمہارے چچا نبی ہیں اور تم نبی کی بیوی ہو، تو تم پر حفصہ کیسے فخر کرتی ہے؟ پھر فرمایا: اے حفصہ! اللہ پاک سے ڈرو۔[5]

یہ واقعہ اس بات کا روشن ثبوت ہے کہ حضور دل جوئی کے موقع پر صرف تسلی ہی نہیں دیتے تھے بلکہ متاثرہ فرد کے مقام و مرتبے کو اجاگر کر کے اس کے دل میں وقار، اعتماد اور مسرت پیدا کرتے تھے۔ یہ طرزِ عمل صرف دل جوئی نہیں بلکہ تکریمِ نسواں کا عملی نمونہ ہے۔ یہ اسوۂ حسنہ آج بھی اس بات کی راہ نمائی کرتا ہے کہ کسی رنجیدہ عورت کے دل کو تسلی دینا دراصل سنتِ نبوی کا احیاء ہے۔

حضرت جویریہ کے ساتھ دل جوئی

حضرت جویریہ بنو مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار کی بیٹی تھیں۔ غزوۂ بنی مصطلق میں جب ان کا قبیلہ مسلمانوں

کے ہاتھوں مغلوب ہوا تو وہ قیدیوں میں شامل ہو گئیں اور حضرت ثابت بن قیس کے حصے میں آئیں۔ انہوں نے حضرت ثابت بن قیس سے مکاتبت (یعنی طے شدہ رقم دے کر آزادی کا معاہدہ) کر لیا جو نو اوقیہ سونا تھی، لیکن یہ رقم ان کے لیے ادا کرنا ممکن نہ تھا۔ چنانچہ وہ اپنی فریاد لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اپنا معاملہ عرض کیا، ساتھ ہی اپنے ایمان لانے کا اظہار بھی کیا۔ حضور نے نہایت شفقت اور کرم کے ساتھ ان کی دلجوئی فرمائی اور بدلِ کتابت کی ادائیگی کے عوض نکاح کی پیشکش کی جسے انہوں نے بخوشی قبول کر لیا، ان کی رضامندی کے بعد حضور نے ان کا بدلِ کتابت ادا فرما کر آزاد کیا پھر انہیں اپنے نکاح میں لے لیا۔[6] اس کی خبر جب صحابہ کرام کو ہوئی تو انہوں نے یہ کہہ کر کہ یہ تو ہمارے آقا کے سسرالی رشتے دار ہو گئے ہیں! چنانچہ ان کے قبیلے کے جتنے غلام مسلمانوں کے قبضے میں تھے، سب نے محبتِ رسول کے اثر سے انہیں آزاد کر دیا۔[7]

یوں ام المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کی دلجوئی کا یہ واقعہ محض ایک خاتون کی تسلی نہیں، بلکہ پورے قبیلے کی آزادی اور عزتِ انسانی کی بحالی کا سبب بن گیا۔ نیز حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے واقعے سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضور کے نزدیک کسی کی دلجوئی صرف وقتی تسلی نہیں بلکہ زندگی بدل دینے والا احسان تھی۔ آپ نے ایک مغلوب، قیدی عورت کو محبت، عزت اور اختیار عطا فرما کر یہ واضح کر دیا کہ اسلام میں عورت کی عزت اس کے ماضی سے نہیں بلکہ اس کے ایمان اور کردار سے پہچانی جاتی ہے۔

ازواجِ مطہرات کے ساتھ عمومی دلجوئی کا انداز

حضور اپنی ازواجِ مطہرات کے ساتھ نہایت عدل، محبت، نرمی اور دلجوئی کا برتاؤ فرمایا کرتے تھے۔ آپ کا معمول یہ تھا کہ جس زوجۂ مطہرہ کے گھر رات کا قیام ہوتا، بقیہ ازواجِ مطہرات بھی وہاں جمع ہو جاتیں۔ بعض اوقات سب ایک ساتھ کھانا تناول فرماتیں اور خوشگوار ماحول میں محفلِ انسیت قائم ہوتی، پھر وہ ازواج اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جاتیں۔

اسی طرح حضور نمازِ عشا کے بعد سونے سے پہلے اپنے اہلِ خانہ سے کچھ دیر پُر محبت اور انسیت بھری گفتگو فرمایا کرتے، تاکہ ہر ایک کو آپ کی قربت، شفقت اور توجہ کا احساس حاصل ہو۔[8]

یہ معمول اس بات کی روشن دلیل ہے کہ دلجوئی صرف کسی غم یا دکھ کے وقت تسلی دینے کا نام نہیں بلکہ روزمرہ زندگی میں اپنائیت، مسکراہٹ اور حسنِ برتاؤ کے ذریعے دوسروں کے دلوں کو خوش رکھنا بھی سنتِ نبوی ہے۔

بیٹیوں کے ساتھ دلجوئی

ازواجِ مطہرات کے ساتھ حضور کی دلجوئی کے انداز سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ حضور نہ صرف ایک مثالی شوہر تھے بلکہ خواتین کے جذبات اور احساسات کو گہرائی سے سمجھنے والے نبی تھے۔ یہی لطافت، نرمی اور شفقت کا وہ رنگ ہے جو حضور کے خاندانی تعلقات کے تمام پہلوؤں میں جھلکتا ہے۔ ازواجِ مطہرات کے ساتھ حسنِ سلوک کے بعد حضور کا اپنی بیٹیوں کے ساتھ دلجوئی اور محبت کا انداز بھی اُسی شفقتِ نبوی کی جھلک پیش کرتا ہے جو دلوں کو سکون اور اطمینان بخشتی ہے۔ چنانچہ حضور نے اپنی بیٹیوں کے ساتھ نہ صرف باپ کی حیثیت سے محبت فرمائی بلکہ بطورِ نبی، عزت، حوصلہ، اعتماد اور دلجوئی کے بے مثال نمونے قائم فرمائے۔

حضرت فاطمۃ الزہرا کی دلجوئی

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اپنی شہزادی، خاتونِ جنت حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے ساتھ تعلق محبت، شفقت اور دلجوئی کا ایسا حسین امتزاج تھا جو باپ بیٹی کے رشتے کے لیے قیامت تک ایک کامل نمونہ ہے۔ جب بھی حضور سیدہ فاطمہ کو آتے دیکھتے تو خوشی سے کھڑے ہو جاتے، ان کی پیشانی اور ہاتھ کو بوسہ دیتے اور اپنی جگہ پر بٹھا لیتے۔[9]

ایک موقع پر ان کے متعلق فرمایا کہ فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔ جو اسے ناگوار ہو وہ مجھے ناگوار، جو اسے پسند وہ مجھے پسند۔[10] ایک مرتبہ فرمایا کہ ان کی پریشانی میری پریشانی ہے اور ان کی تکلیف میری تکلیف۔[11]

یہ ارشادات اس محبت کا مظہر ہیں کہ حضور اپنی بیٹی کی خوشی کو اپنی خوشی اور اس کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھتے تھے۔

حضرت زینب

سیدہ زینب حضور کی سب سے بڑی صاحبزادی تھیں۔ ان کی شادی ابو العاص بن ربیع سے ہوئی تھی۔ جب غزوۂ بدر کے موقع پر ابو العاص قید ہو گئے تو حضرت زینب نے اپنے شوہر کی رہائی کے لیے اپنی والدہ حضرت خدیجہ کا دیا ہوا ہار بطور فدیہ بھیجا۔ حضور نے جب وہ ہار دیکھا تو آنکھوں میں آنسو آ گئے اور صحابہ سے فرمایا: اگر تم چاہو تو قیدی کو آزاد کر دو اور اسے اس کا ہار بھی لوٹا دو۔[12] یقیناً حضور کا یہ عمل اپنی محبوب ترین زوجہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی محبت اور اپنی پیاری بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی دلجوئی پر مبنی تھا۔

یہاں اگرچہ حضور کی صرف دو بیٹیوں کا تذکرۂ خیر ہوا ہے، مگر اپنی بیٹیوں کے ساتھ حضور کی دلجوئی کے انداز سے یہ سبق ملتا ہے کہ اسلام نے بیٹی کو کمزوری نہیں بلکہ رحمت قرار دیا۔ حضور نے اپنی حیاتِ طیبہ میں باپ کی حیثیت سے جس شفقت، احترام اور دلجوئی کا مظاہرہ فرمایا وہ قیامت تک ہر باپ کے لیے اسوہ ہے۔

رشتہ دار و واقف کار خواتین

حضور کی شفقت و دلجوئی صرف ازواجِ مطہرات اور بیٹیوں تک محدود نہ تھی، بلکہ آپ نے معاشرے کی عام خواتین کے ساتھ بھی ایسا برتاؤ فرمایا جس سے ان کے دلوں میں اعتماد، عزت اور اطمینان پیدا ہوا۔ جہاں عورت کو کمتر سمجھا جاتا تھا، وہاں آپ نے ان کے دکھ سکھ میں شریک ہو کر ان کے مسائل توجہ سے سن کر اور ان کی حاجات پوری کر کے ایک ایسی مثال قائم فرمائی جو انسانی تاریخ میں بے نظیر ہے۔ حضور کے اسی طرزِ عمل نے اُن خواتین کو جو پہلے محرومی، خوف یا بے وقعتی کا شکار تھیں، وقار، اعتماد اور حوصلے سے نوازا۔

حضرت حلیمہ سعدیہ کی دلجوئی

حضور نبیِ کریم کی دلجوئی کا سب سے حسین منظر اُس وقت سامنے آتا ہے جب آپ نے اپنی رضاعی ماں سیدہ حلیمہ سعدیہ کو دیکھا۔ زمانہ گزر چکا تھا، لیکن آپ کے دل میں اُن کی محبت اور احسان مندی کی کیفیت ہمیشہ قائم رہی۔

ایک مرتبہ سیدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا مکے شریف میں حضور کے پاس تشریف لائیں اور قحط سالی و مویشیوں کے ہلاک ہونے کی شکایت کی۔ اس وقت سرکار عالی وقار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی ہو چکی تھی، آپ نے اس سلسلے میں سیدہ خدیجہ سے حضرت حلیمہ سعدیہ کی خیر خواہی کے لیے بات کی تو انہوں نے حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کو 40 بکریاں اور ایک اونٹ تحفۃً پیش کیے۔[13]

حضور نے اپنی رضاعی والدہ کے ساتھ جس محبت و احترام کا مظاہرہ فرمایا، وہ آج بھی ہر ایک کے لیے احسان مندی اور صلہ رحمی کا عملی درس ہے۔

حضرت ام ایمن کے ساتھ دل جوئی

حضرت اُمِّ ایمن وہ عظیم خاتون ہیں جنہوں نے حضور کی بچپن ہی سے خدمت کی اور حضور انہیں اُمِّي بَعْدَ أُمِّي۔ یعنی میری ماں کے بعد میری ماں، فرمایا کرتے تھے۔[14]

جب حضور کو نبوت عطا ہوئی تو اُمِّ ایمن بھی ایمان لے آئیں اور ہجرت میں شامل ہوئیں۔ حضور اُن سے نہایت محبت و احترام کے ساتھ پیش آتے، ہمیشہ ان کے حال کا خیال رکھتے، ایک موقع پر حضور نے حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کی دلجوئی کرتے ہوئے آپ کو بڑی خوبصورت بشارت سے نوازا، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ جو کسی جنتی خاتون سے نکاح کرنا چاہتا ہے وہ امِ ایمن سے نکاح کر لے۔[15] یہ جملہ نہ صرف سیدہ اُمِّ ایمن کے

مرتبے اور قربتِ نبوی کو ظاہر کرتا ہے بلکہ اس بات کا عملی درس بھی دیتا ہے کہ حضور نے خدمت گزار اور نیک خواتین کے مقام و وقار کو ہمیشہ بلند رکھا۔

حضرت دُرّہ بنتِ ابولہب کے ساتھ دل جوئی

سیرتِ مصطفیٰ میں ایسے بھی واقعات ملتے ہیں کہ حضور سے کسی خاتون نے شکایت کی تو حضور نے اس کو تسلی دی اور اس کی مدد فرمائی، جیسا کہ علامہ ابنِ اثیر جزری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت دُرّہ بنتِ ابو لہب رضی اللہ عنہا ہجرت کر کے مدینے حاضر ہوئیں تو انہوں نے حضرت رافع بن مُعلّٰی کے گھر میں قیام فرمایا، وہاں قبیلہ بنی زُرَیق کی کچھ عورتوں نے ان سے کہا: تم تو اسی ابولہب کی بیٹی ہو جس کے متعلق اللہ نے ارشاد فرمایا: تَبَّتْ یَدَاۤ اَبِیْ لَهَبٍ وَّ تَبَّؕ(۱) (پ30، اللھب:1) ترجمہ: ابولہب کے دونوں ہاتھ تباہ ہو جائیں اور وہ تباہ ہو ہی گیا۔ تو تمہاری ہجرت کا تمہیں کیا ثواب ملے گا؟ حضرت دُرّہ کو اس بات کا بہت صدمہ ہوا اور انہوں نے بارگاہِ رسالت میں ان کی شکایت کی تو حضور نے انہیں تسلی دی اور فرمایا: بیٹھ جاؤ! پھر آپ نے نمازِ ظہر پڑھائی، اس کے بعد کچھ دیر کے لیے منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور فرمایا: اے لوگو! کیا بات ہے مجھے میرے خاندان کے معاملے میں تکلیف دی جا رہی ہے! خدا کی قسم! میری شفاعت میرے قرابت داروں کو ضرور پہنچے گی۔(16)

حضرت دُرّہ باوجود اس کے کہ وہ ابو لہب کی بیٹی تھیں جو حضور کے سب سے بڑے دشمنوں میں سے تھا، اپنی محبت اور عشقِ رسول میں پکی ثابت ہوئیں اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے ان کے اس ایمان و وفا کی دلجوئی کی۔

مزاح کے ذریعے دل جوئی

مزاح اگر دل آزاری، تحقیر، طعن و تشنیع سے پاک اور شریعت کے دائرے میں ہو تو اس کے ذریعے بھی سامنے والے کی دلجوئی کا سامان ہوتا ہے، حضور کی سیرت مبارکہ میں اس کی مثال بھی موجود ہے۔ مروی ہے کہ حضور نے ایک بوڑھی عورت سے مزاح فرمایا: جنت میں کوئی بوڑھی عورت نہ جائے گی۔ یہ سن کر وہ رونے لگی تو ارشاد فرمایا: تم اس دن بوڑھی نہیں ہو گی، فرمانِ الٰہی ہے: اِنَّاۤ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءًۙ(۳۵) فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًاۙ(۳۶) (پ27، الواقعۃ:35،36) ترجمہ: بیشک ہم نے ان جنتی عورتوں کو ایک خاص انداز سے پیدا کیا تو ہم نے انہیں کنواریاں بنایا۔(17)

یہ واقعہ واضح کرتا ہے کہ حضور نے مزاح کو بھی دلجوئی اور تسلی کا ذریعہ بنایا، تاکہ امتیوں کو سکون اور خوشی ملے۔ مزاح کے اس انداز میں محبت، نفاست اور شائستگی شامل ہوتی ہے اور یہ حضور کے حسنِ اخلاق اور لطافتِ طبع کی ایک اور جھلک پیش کرتا ہے۔

دکھی ماؤں کے لیے دلجوئی اور جہنم سے آزادی کی بشارت

حضور کی حیاتِ طیبہ میں خواتین کے ساتھ دلجوئی کے متعدد مظاہر ملتے ہیں، جن میں خاص طور پر دکھی ماؤں کی تسلی و دلجوئی قابلِ ذکر ہے۔ خاص طور پر وہ مائیں جو اپنی اولاد کے نابالغی میں فوت ہونے پر دل گرفتہ تھیں، حضور نے ان کے دکھ اور غم کو سمجھا اور انہیں اللہ پاک کی بشارتوں اور سکون سے نوازا۔ چنانچہ،

بخاری شریف میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک عورت حضور اکرم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئی اور عرض کی: یارسول اللہ! مرد حضرات آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر آپ کے ارشادات سن لیتے ہیں، آپ ہمیں بھی ایک دن عطا فرما دیں جس میں ہم آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوں اور آپ ہمیں اللہ کے احکام سکھائیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا: تم فلاں دن فلاں مقام پر جمع ہو جایا کرو۔ چنانچہ وہ عورتیں جمع ہو گئیں۔ حضور نے انہیں اللہ کے احکامات میں سے کچھ سکھایا اور اسی موقع پر دکھی ماؤں کے لیے خوشخبری دی اور فرمایا: تم میں سے جس عورت نے بھی تین بچے آگے بھیجے (یعنی جس کے تین نابالغ بچے فوت ہو گئے) تو وہ اُس عورت کے لیے جہنم سے آڑ بن جائیں گے۔ ایک عورت نے عرض کی: اور

دو؟ فرمایا: اور دو بھی (یعنی دو بچے بھی اس عورت کے لیے جہنم سے آڑ بن جائیں گے)۔[18]

یہ فرمانِ عالی دکھی ماؤں کے لیے بے حد اطمینان، تسلی اور دلجوئی کا سبب ہے۔ یہ واقعہ نہ صرف حضور کے ہمدردرویے کا مظہر ہے بلکہ خواتین کے غم کو سنجیدگی سے سننے، ان کے دکھ کا ازالہ کرنے اور انہیں اللہ پاک کی رحمت و بشارت سے دلجوئی کا تحفہ دینے کی بہترین مثال بھی ہے۔

تحفہ قبول فرما کر دل جوئی کرنا

حضور کی دلجوئی کا ایک لطیف اور مؤثر طریقہ یہ بھی تھا کہ اہلِ محبت کا خلوصِ دل سے دیا ہوا تحفہ قبول فرماتے۔ تحفہ قبول کرنا نہ صرف محبت کے اظہار کو سراہنے کا عمل ہے بلکہ دینے والے کے دل میں بھی خوشی اور اطمینان پیدا کرتا ہے۔ روایت میں آتا ہے کہ ایک عورت حضور کی خدمت میں ایک خوبصورت چادر لائی اور عرض کی کہ آپ کو پہننے کے لیے پیش کر رہی ہوں، حضور اس کو تہبند کی صورت میں پہن کر باہر تشریف لائے اور اسے اپنے لیے پسند فرمایا۔[19]

حضور نہ صرف تحفہ قبول فرماتے بلکہ بعض دفعہ تحفہ دینے والی کی دلجوئی کی خاطر اسے اضافے سمیت واپس بھی لوٹاتے تھے، چنانچہ،

مروی ہے کہ حضرت اُمِ سُلیم رضی اللہ عنہا کے پاس ایک بکری تھی، آپ نے اس کے دودھ سے گھی نکال کر ایک مشکیزے میں جمع کرنا شروع کیا۔ جب وہ بھر گیا تو اسے حضور کی بارگاہ میں بطورِ تحفہ بھیج دیا۔ پیارے آقا نے اسے شرفِ قبولیت سے نوازا اور گھی نکلوا کر مشکیزہ واپس بھجوا دیا۔ لانے والے نے اسے گھر میں رکھ دیا۔ جب حضرت اُمِ سُلیم نے دیکھا تو وہ لبالب بھرا ہوا تھا اور گھی باہر ٹپک رہا تھا۔ آپ نے پیارے آقا صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر سارا واقعہ عرض کیا تو حضور نے ارشاد فرمایا: جیسے تم اللہ کے نبی کو کھانے پیش کرتی ہو اللہ بھی تمہیں کھلاتا ہے، اسے خود بھی کھاؤ اور دوسروں کو بھی کھلاؤ۔[20]

معلوم ہوا کہ حضور نے تحفہ قبول کرنا اور شکرانہ پیش کرنا بھی خواتین کی دلجوئی کا ذریعہ بنایا اور انہیں اپنی محبت و شفقت کا عملی احساس دلایا۔

دعا سے نوازنا

اسی طرح حضور کی ایک عادتِ کریمہ یہ بھی تھی کہ کوئی دعا کی التجا کرتا تو اس کے لیے دعا فرماتے، جیسا کہ حضرت بی بی اُمِ سُلیم رضی اللہ عنہا جو کہ ایک قول کے مطابق حضور کے والد حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی رضاعی خالہ ہیں۔[21]

ایک مرتبہ پیارے آقا صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم ان کے گھر تشریف لائے اور گھر کے ایک کونے میں نفل نماز پڑھی، پھر حضرت اُمِ سلیم اور ان کے گھر والوں کے لیے دعا فرمائی۔ انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ! میرا ایک خاص بچہ ہے (اس کے لئے خصوصی دعا فرما دیجئے!) فرمایا: وہ خاص بچہ کون ہے؟ عرض کی: آپ کا خادم انس (بن مالک)۔ چنانچہ حضور نے حضرت انس کے لئے دعا فرمائی: اے اللہ پاک! انس کو مال اور اولاد دے اور اسے برکت عطا فرما۔[22]

یہ واقعہ واضح طور پر بتاتا ہے کہ حضور نے دعا کے ذریعے بھی خواتین اور اہلِ محبت کی دلجوئی فرمائی اور انہیں اللہ پاک کی رحمت و برکت کی خوشخبری سے نوازا۔

دلجوئی کے عمومی پہلو

بہر حال سرکارِ دو عالَم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا عمومی انداز یہی تھا کہ آپ مختلف طریقوں سے خواتین کی دلجوئی فرمایا کرتے تھے۔ کبھی آپ نے بیواؤں کے حقوق کا اعلان فرمایا، کبھی ان کی مالی مدد کر کے ان کے دکھوں کو کم کیا اور کبھی نکاح کے ذریعے انہیں سہارا دیا۔ حضور نے صرف قول و عمل ہی سے نہیں بلکہ احکامِ شرعیہ کے ذریعے بھی خواتین کی دلجوئی فرمائی۔ آپ نے خواتین کے حقوق کی پاسداری اور ان کی مکمل ادائیگی پر نہ صرف زور دیا بلکہ اس کی خلاف ورزی کرنے

والوں کے لیے سخت وعید بھی ارشاد فرمائی۔ سیرتِ طیبہ میں اس طرح کے بے شمار واقعات ملتے ہیں جو عورتوں کی عزت، ان کے احترام اور دلجوئی کا حسین مظہر ہیں۔

خواتین کا وراثت میں حصہ

اسلام سے قبل عورتوں کو وراثت کا کوئی حق حاصل نہ تھا، انہیں معاشی اعتبار سے کمزور اور محتاج سمجھا جاتا تھا، مگر حضور نے اللہ پاک کے حکم سے اس تصور کو جڑ سے بدل دیا۔ آپ نے نہ صرف عورتوں کو وراثت میں ان کا مقررہ حصہ عطا فرمایا بلکہ سخت تاکید بھی فرمائی کہ کسی وارث کو اس کے شرعی حق سے محروم نہ کیا جائے۔ چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا: جو اپنے وارث کو میراث سے محروم کرے، اللہ پاک قیامت کے دن اسے جنت میں اس کے حصے سے محروم کر دے گا۔[23]

یہ ارشادِ مبارک واضح اعلان ہے کہ شریعت میں عورت کا مالی حق بھی اتنا ہی محترم ہے جتنا کسی مرد کا، اور اس میں کمی یا بے انصافی کرنا اللہ پاک کے حضور سنگین جرم ہے۔ یہ تعلیم دراصل عورت کی عزتِ نفس کے احترام، اس کی معاشی خودمختاری کے تحفظ اور خاندان کے اندر اس کے معتبر مقام کے اعتراف کی عملی صورت ہے۔ وراثت میں عورت کو حق دینا محض قانونی حکم نہیں بلکہ دلجوئی، حسنِ سلوک اور انصاف کا وہ اعلیٰ ترین درجہ ہے جس سے اسلام نے عورت کو وہ مقام عطا کیا جو تاریخِ انسانیت میں پہلے کبھی میسر نہ تھا۔

نکاح میں زبردستی کی ممانعت

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے عورتوں کی دلجوئی، احترام اور ان کے شخصی وقار کے تحفظ کے لیے نکاح کے معاملے میں ان کی رضامندی کو بنیادی شرط قرار دیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ بیوہ عورت کا نکاح اس کے مشورے کے بغیر اور کنواری لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے۔[24]

یہ فرمانِ مبارک اس بات کا کھلا اعلان ہے کہ عورت کا ارادہ، رائے اور پسند شریعت میں معتبر ہے۔ عملی زندگی میں بھی حضور نے اسی اصول پر عمل فرمایا۔ چنانچہ،

حضرت خنساء بنتِ خِذام رضی اللہ عنہا کے والد گرامی نے ان کا نکاح ان کی رضامندی کے بغیر کر دیا، جسے انہوں نے ناپسند کیا۔ لہٰذا وہ حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوئیں اور اپنا معاملہ عرض کیا تو حضور نے فوراً ان کی مرضی کے مطابق وہ نکاح منسوخ فرما دیا۔[25] اس فیصلے نے واضح کر دیا کہ اسلام میں نکاح کسی دباؤ، جبر یا وقتی سماجی رواج کے نتیجے میں نہیں بلکہ عورت کی مکمل رضامندی کے ساتھ ہی قائم ہو سکتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شریعت عورت کے جذبات، عزتِ نفس اور بنیادی انسانی حق کے طور پر اس کی رائے کو محترم سمجھتی ہے اور نکاح جیسے اہم اور زندگی ساز معاملے میں عورت کے اطمینان اور دلجوئی کو مرکزی حیثیت عطا کرتی ہے۔

معمولی تحفہ بھی قبول کرنے کا حکم

حضور کی سیرتِ طیبہ میں دلجوئی کا ایک نہایت خوبصورت پہلو یہ بھی ملتا ہے کہ آپ معمولی سے معمولی تحفہ بھی خندہ پیشانی اور قدردانی کے ساتھ قبول فرما لیتے تھے۔ آپ کسی کے خلوص کو کبھی حقیر نہیں جانتے تھے، کیونکہ آپ کے نزدیک تحفے کی ظاہری قیمت نہیں بلکہ دینے والے کا جذبہ اور محبت اصل اہمیت رکھتی تھی۔ اسی عملی تربیت کے تحت آپ نے امت کو بھی یہی تعلیم عطا فرمائی کہ کسی مسلمان کی محبت بھری پیشکش کو اس کے قلیل ہونے کی بنیاد پر رد نہ کیا جائے۔ قبولیتِ خاطر ہی دراصل دلجوئی کی حقیقی روح ہے، جو دلوں کو قریب کرتی اور دل آزاری سے بچاتی ہے۔ چنانچہ حضور نے ارشاد فرمایا: اے مسلمان عورتو! کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کی دی ہوئی چیز کو حقیر نہ سمجھے، اگرچہ وہ بکری کا کُھر ہی کیوں نہ ہو۔[26]

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کا یہ فرمان معاشرتی سطح پر باہمی محبت، عزتِ نفس کے احترام، پڑوس کے حقوق اور دلوں کی الفت کا جامع درس دیتا ہے۔ اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہوتی ہے کہ دلجوئی کے لیے تحفے کی قیمت نہیں بلکہ نیت،

محبت اور خلوص ہی اصل معیار ہیں۔

خواتین سے بدزبانی اور مار پیٹ سے ممانعت:

حضور نے عورتوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور نرمی کو ایمان کی علامت قرار دیا اور گھر کے معاملات میں ان کے جذبات و وقار کا پورا لحاظ رکھنے کی تلقین فرمائی۔ آپ نے سختی، بدزبانی اور مار پیٹ سے نہ صرف منع فرمایا بلکہ عورتوں کے ساتھ بہتر اخلاق اور نرم روی کو کامل ایمان کی نشانی بتایا۔ ارشاد فرمایا: تم میں سب سے زیادہ کامل ایمان والا وہ ہے جو اپنے اخلاق میں بہترین ہو، اور تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ بہتر سلوک کرنے والا ہو۔[27]

اسی طرح آپ نے شوہروں کو تاکید فرمائی کہ وہ اپنی بیویوں کے ساتھ مہربانی اور عزت کا برتاؤ کریں۔ فرمایا: جب وہ (مرد) خود کھائے تو اپنی بیوی کو بھی کھلائے، جب خود لباس پہنے تو اسے بھی پہنائے، اس کے چہرے پر ہرگز نہ مارے، اسے برا بھلا نہ کہے اور اگر کسی وقت علیحدگی ناگزیر ہو تو گھر ہی میں علیحدگی اختیار کرے۔[28] یہ تعلیماتِ نبوی دراصل اس حقیقت کا اعلان ہیں کہ عورت کی عزت، سکونِ دل اور تحفظِ جذبات ہی گھر کی حقیقی بنیاد ہیں اور انہی کے ذریعے معاشرہ امن و محبت سے پروان چڑھتا ہے۔

سیرتِ نبوی سے حاصل ہونے والے مدنی پھول

حضور نبیِ رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی پوری زندگی دلجوئی، احترامِ انسانیت اور عدل و احسان کی درخشاں مثال ہے۔ آپ کے طرزِ عمل سے ہمیں یہ درس ملتا ہے:

- اگر کوئی غمگین ہو تو اس کے دل کو تسلی دیں۔
- اگر کوئی پریشان ہو تو اس کی مشکل آسان کریں۔
- مسلمان بہنوں، پڑوسنوں اور ضرورت مندوں کے ساتھ خیر خواہی کا برتاؤ کریں۔
- دوسروں کے دل میں خوشی داخل کریں۔
- نرمی و شفقت کو شعار بنائیں۔
- مالی تنگی میں مدد کریں۔
- خوشی و غمی کے مواقع پر ساتھ دیں۔
- بیماروں کی عیادت کو اپنا معمول بنائیں۔

احادیثِ طیبہ میں ایسے طرزِ عمل کے بے شمار فضائل بیان ہوئے ہیں۔ ایک روایت میں فرمایا گیا: جو شخص کسی مسلمان کا دل خوش کرتا ہے، اللہ پاک اُس خوشی سے ایک فرشتہ پیدا فرماتا ہے جو اللہ پاک کی عبادت اور اس کی وحدانیت کا ذکر کرتا رہتا ہے۔ جب وہ بندہ اپنی قبر میں پہنچتا ہے تو وہ فرشتہ کہتا ہے: میں وہ خوشی ہوں جو تو نے فلاں مسلمان کے دل میں داخل کی تھی، آج میں تیرا دل بہلاؤں گا، تجھے نکیرین کے جواب میں ثابت قدم رکھوں گا، قیامت کے دن تیری شفاعت کروں گا اور تجھے جنت میں تیرا مقام دکھاؤں گا۔[29]

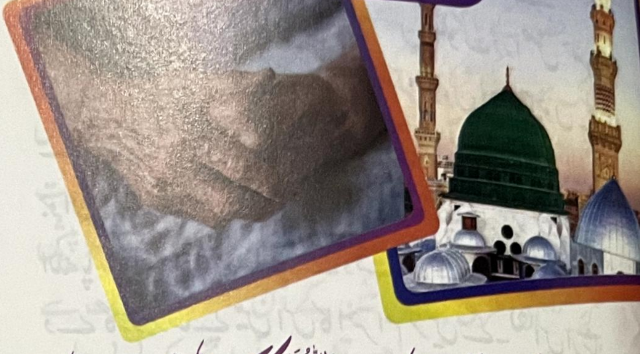
یقیناً آج کے دورِ خود غرضی اور بے حسی میں ہمیں از سرِ نو سیرتِ نبوی سے دلجوئی، ہمدردی اور نرم مزاجی کے اس عظیم سبق کو اپنانے کی ضرورت ہے، تاکہ ہمارے معاشرے میں محبت، سکون اور بھائی چارے کی خوشبو دوبارہ پھیل جائے۔

اللہ پاک ہمیں مسلمانوں کی دلجوئی کی توفیق عطا فرمائے۔

اٰمین بِجاہِ النّبیِّ الْاَمین صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم

---

(1) ترمذی، 3/384، حدیث:1963 (2) مسلم، ص1110، حدیث:6853 (3) بخاری، 3/64، حدیث:4141 (4) موطا امام محمد، ص321، حدیث:906 (5) ترمذی، 5/474، حدیث:3920 (6) سیرت حلبیہ، 2/379 (7) ابوداود، 4/30، حدیث:3931 (8) تفسیر ابن کثیر، 2/212 (9) مشکاۃ المصابیح، 2/171، حدیث:4689 (10) مستدرک، 4/144، حدیث:4801 (11) بخاری، 3/471، حدیث:5230 ملخصاً (12) سیرت ابنِ ہشام، ص270 (13) طبقات ابن سعد، 1/92 (14) اصابہ، 8/359 (15) اصابہ، 8/359 (16) اسد الغابۃ، 7/114 (17) شمائل ترمذی، ص143، حدیث:230 (18) بخاری، 4/510، حدیث:7310 (19) بخاری، 1/431، حدیث:1277 ملخصاً (20) مسند ابی یعلیٰ، 3/430، حدیث:4198 ملخصاً (21) مراۃ المناجیح، 8/53 (22) بخاری، 1/652، حدیث:1982 (23) ابن ماجہ، 3/304، حدیث:2803 (24) بخاری، 3/444، حدیث:5136 (25) بخاری، 3/444، حدیث:5138 (26) بخاری، 2/165، حدیث:2566 (27) ترمذی، 4/278، حدیث:2621 (28) ابن ماجہ، 2/409، حدیث:1850 (29) موسوعۃ لابن ابی الدنیا، 4/213، حدیث:115



بوڑھی خواتین پر حضور ﷺ کی کرم نوازیاں

محترمہ ام سلمہ مدنیہ عطاریہ*

بڑھاپا انسان کی زندگی کا وہ مرحلہ ہے جو ہر شخص کے حصے میں آتا ہے، عمر کے ساتھ جسمانی اور ذہنی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں، جن میں کمزوری، بیماریوں کا بڑھ جانا اور یادداشت میں کمی شامل ہیں۔ بدقسمتی سے آج کے دور میں بزرگوں کی دیکھ بھال کی اہمیت کو اکثر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ دنیا کے کئی ممالک میں آبادی تیزی سے بوڑھی ہو رہی ہے، لیکن وسائل کی کمی کی وجہ سے ان کی ضروریات پوری نہیں ہو پاتیں۔

اسلامی تعلیمات کے مطابق والدین اور بزرگوں کی خدمت ایمان کا تقاضا ہے اور زیرِ نظر تحریر کا مقصود بھی یہی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی سیرت کی روشنی میں بزرگوں بالخصوص بوڑھی خواتین کے حقوق اور ان کے احترام کے احساس کو عام کیا جاسکے۔

موجودہ دور کی صورتِ حال پر ایک نظر

اقوامِ متحدہ (2019) کے مطابق جو 60 سال یا اس سے زائد عمر کو پہنچ جائے، بزرگ کہلاتا ہے۔ یہ عمر انسانی زندگی کے آخری حصے کی علامت ہے۔ دنیا بھر میں جیسے جیسے اوسط عمر بڑھ رہی ہے، بزرگوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ مگر افسوس! آج کے دور میں بہت سے لوگ ترقی کی دوڑ میں اتنے مصروف ہیں کہ وہ اپنے والدین یا بزرگوں کی خدمت کو بوجھ سمجھنے لگے ہیں۔ بعض اوقات انہیں نظر انداز کیا یا گھروں سے نکال دیا جاتا ہے یا پھر نرسنگ ہومز میں بھیج دیا جاتا ہے جہاں وہ تنہائی، بیماری اور بے توجہی کا شکار ہو جاتے ہیں، بالخصوص وہ بزرگ خواتین جنہوں نے اپنی جوانی اولاد کی بہتری کے لئے قربان کر دی ہو، ان کی حالت اور کیفیت کو بیان کرنا ممکن نہیں، اگرچہ آئے دن کوئی نہ کوئی ایسی کہانی ہمارے ضمیروں کو جھنجھوڑنے کے لئے منظرِ عام پر آتی رہتی ہے مگر اس کے اثرات عارضی ہوتے ہیں۔ مثلاً: انگلینڈ کے ایک میگزین میں کچھ اِس طرح کا سنسنی خیز قصّہ لکھا تھا، جس کا خلاصہ کچھ یوں ہے کہ ایک ماں کی اکلوتی بیٹی مَیری نے ایک خوشحال نوجوان سے شادی کی اور ماں بھی ان کے ساتھ رہنے لگی۔ مَیری کے ہاں ایک بیٹی الیزبتھ پیدا ہوئی، جو اپنی نانی سے بہت محبت کرتی تھی۔ وقت گزرتا گیا، نانی بوڑھی ہو گئی تو مَیری نے سوچا کہ وہ گھر میں جچتی نہیں، اس لئے اُسے اولڈ ہاؤس میں داخل کروا دیا۔ نانی نے بہت اصرار کیا کہ وہ نواسی کی پرورش میں مددگار ہے، مگر کسی نے بات نہ سنی۔ ابتدا میں مَیری کبھی کبھار ملنے جاتی رہی، پھر یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔ نانی محبت بھرے خطوط لکھتی رہتی مگر جواب کم ملتا۔ ایک دن بیٹی نے وعدہ کیا کہ کرسمس کی رات وہ لینے آئے گی۔ نانی خوشی سے اپنی نواسی کے لئے سویٹر بناتی رہی اور برف باری کی رات میں انتظار کرتی رہی، لیکن مَیری نہ آئی۔ شدید سردی میں ساری رات انتظار کرتے ہوئے نانی کو نمونیا ہو گیا اور وہ چل بسی۔ کچھ دن بعد مَیری ماں کا سامان لینے آئی تو وہاں کی خدمت گزار لڑکی نینسی کا شکریہ ادا کیا اور اُسے اپنے گھر کام کی پیشکش کی۔ نینسی نے درد بھرا جواب دیا: میں ضرور آؤں گی، مگر اُس دن جب آپ کی بیٹی الیزبتھ آپ کو یہاں چھوڑ جائے گی۔

یہ کوئی ایک واقعہ نہیں، بلکہ ایسے بیسیوں واقعات آئے دن سننے کو ملتے ہیں، جن پر ہم کفِ افسوس تو ملتے ہیں، مگر ان کے تدارک کی کوئی کوشش نہیں کرتیں، حالانکہ دینِ اسلام نے سینکڑوں سال پہلے اس کا حل ہمیں بڑے واضح انداز میں

*ملیر کراچی

بتا دیا ہے۔ مگر افسوس! آج کی نوجوان نسل اسلامی تعلیمات سے کماحقہ آگاہی نہ رکھنے کی وجہ سے اپنے بزرگوں بالخصوص ماں اور نانی کی شفقتوں اور برکتوں سے محروم ہو رہی ہے۔ حالانکہ انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ

سیرتِ نبوی کی روشنی میں بزرگ خواتین کا مقام و مرتبہ

حضور نبی کریم صلی اللہُ علیہ والہٖ وسلم کو اللہ پاک نے تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ آپ کی تشریف آوری یوں تو تمام ہی مخلوقات کے لئے باعثِ رحمت ثابت ہوئی۔ البتہ ظلم و جاہلیت اور اخلاقی پستی کا شکار معاشرے میں جس طرح آپ نے انسانیت کے حقوق کا تحفظ فرمایا، اس کو مکمل طور پر بیان کرنا یقیناً ناممکن ہے، خصوصاً کمزور طبقات نے آپ کے دریائے رحمت سے کثیر حصہ حاصل کیا۔ وہ عورتیں جن کی زمانہ جاہلیت میں کوئی حیثیت نہ تھی، ان کو آپ نے اتنی عزتوں اور مرتبوں سے نوازا جس کی مثال نہیں ملتی۔ یہاں تک کہ عورت جب بڑھاپے کو پہنچ جائے، مرد کے لئے اس میں کوئی کشش باقی نہ رہے، تب بھی اس کو مرنے کے لئے سسکتا چھوڑ دینے کے بجائے اس کی عزت کرنے، اس کے ساتھ مہربانی سے پیش آنے اور اس کے حقوق پورے کرنے کا آپ نے صرف درس ہی نہیں دیا بلکہ اپنے کردار و عمل سے اس کا عملی ثبوت بھی دیا۔ ہمیں چاہیے کہ بزرگ خواتین کے حقوق اور عزت افزائی، نیز ان کے ساتھ اچھے سلوک سے متعلق نبی کریم صلی اللہُ علیہ والہٖ وسلم کے طرزِ عمل اور تعلیمات کا مطالعہ کر کے انہیں عملی طور پر اپنی زندگی میں لائیں۔

بزرگ خواتین کے حوالے سے حضور کی تعلیمات

ایک صحابی نے بارگاہِ نبوی میں عرض کی: ایک راہ میں ایسے گرم پتھر تھے کہ اگر گوشت کا ٹکڑا ان پر ڈالا جاتا تو کباب ہو جاتا! میں اپنی ماں کو گردن پر سوار کر کے چھ میل تک لے گیا ہوں، کیا میں ماں کے حقوق سے فارغ ہو گیا ہوں؟ حضور نے فرمایا: تیرے پیدا ہونے میں درد کے جس قدر جھٹکے اس نے اٹھائے ہیں شاید یہ ان میں سے ایک جھٹکے کا بدلہ ہو سکے۔[1]

معلوم ہوا! بوڑھی خواتین سے حسنِ سلوک دراصل حضور کی اُس رحمتِ عامہ کی جھلک ہے جو کمزوروں اور محتاجوں کے لئے سایۂ شفقت بن کر نازل ہوئی۔ جیسا کہ حضور نے فرمایا: جو جوان کسی بوڑھے کی تعظیم اس کے بڑھاپے کی بنا پر کرے گا تو اللہ پاک اس کے بڑھاپے کے وقت کچھ ایسے لوگوں کو تیار فرما دے گا جو بڑھاپے میں اس کا احترام کریں گے۔[2] اس ارشادِ نبوی سے معلوم ہوتا ہے کہ بوڑھی اور بزرگ خواتین کا اکرام نہ صرف انسانی اخلاق کا تقاضا ہے بلکہ یہ اپنے مستقبل کے احترام کا بیج بونا بھی ہے۔ بوڑھی عورت کی خدمت شکرِ نعمت ہے، اس کی مسکراہٹ دعا ہے اور اس کی جھریوں میں قربانیوں کی پوری تاریخ چھپی ہوتی ہے، جو معاشرہ اپنی بوڑھی عورتوں کو بوجھ نہیں بلکہ برکت سمجھتا ہے، وہی دراصل سیرتِ نبوی کا آئینہ دار معاشرہ ہے۔ ذیل میں بوڑھی اور بزرگ عورتوں پر شفقت و کرم نوازیوں سے متعلق رحمتِ عالم صلی اللہُ علیہ والہٖ وسلم کی سیرتِ طیبہ سے کچھ جھلکیاں ملاحظہ کیجئے:

بوڑھی ماں کی عزت افزائی

حضور نے بوڑھی ماں کے ساتھ اچھے سلوک کی زبردست تاکید فرمائی اور ان کی خدمت سے منہ موڑنے اور نافرمانی کرنے پر وعید بیان فرمائی۔ جیسا کہ ایک روایت میں ہے: اس کی ناک خاک آلود ہو، پھر اس کی ناک خاک آلود ہو، پھر اس کی ناک خاک آلود ہو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: یارسولَ اللہ صلی اللہُ علیہ والہٖ وسلم! کس کی ناک خاک آلود ہو؟ ارشاد فرمایا: جس نے اپنے ماں باپ دونوں یا ان میں سے کسی ایک کو بڑھاپے کی حالت میں پایا، پھر وہ جنت میں نہ جا سکے۔[3]

عملی طور پر حضور کی سیرت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ حضور کی اپنی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا تو حضور کے بچپن میں ہی وصال فرما گئی تھیں، لہٰذا حضور اپنی رضاعی ماؤں کی حد درجہ تعظیم و تکریم فرمایا کرتے، مثلاً: ایک بار حضور

کی رضاعی والدہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا مکے شریف میں حضور کے پاس تشریف لائیں اور قحط سالی و مویشیوں کے ہلاک ہونے کی شکایت کی، اس وقت حضور کی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی ہو چکی تھی، آپ نے اس سلسلے میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بات کی تو انہوں نے حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کو 40 بکریاں اور ایک اُونٹ تحفۃً پیش کیے۔[4] اسی طرح جنگِ حُنَیْن کے دن حضور اس جنگ سے فارغ ہو کر جماعتِ صحابہ میں تشریف فرما تھے کہ بی بی حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا تشریف لے آئیں، حضور ان کے لئے کھڑے ہو گئے اور جو چادر شریف اوڑھے ہوئے تھے ان کے لئے بچھادی، جب تک آپ تشریف فرما رہیں کسی اور سے کلام نہ فرمایا، ان ہی کی طرف متوجہ رہے، جب آپ واپس ہوئیں تو بہت تحفے عطا فرمائے اور انہیں کچھ دور رخصت کرنے کے لئے چند قدم تک تشریف لے گئے۔[5] حضور کی بچپن سے دیکھ بھال اور پرورش میں جو کردار حضرت اُمِّ اَیمن رضی اللہ عنہا نے ادا کیا اسے خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے حضور ارشاد فرمایا کرتے: اُمُّ اَیمَن اُمِّی بَعدَ اُمِّی یعنی اُمِّ ایمن میری (سگی) ماں کے بعد میری ماں ہیں۔[6] اسی طرح منقول ہے کہ آپ اپنی ایک اور رضاعی والدہ حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کا بھی بہت احترام فرماتے تھے۔[7] اور مدینے شریف سے ان کے لئے تحائف وغیرہ بھی بھیجا کرتے تھے۔[8]

بوڑھی ازواج کے ساتھ محبت بھرا سلوک

حضور کی سیرتِ طیبہ میں یہ پہلو نہایت نمایاں ہے کہ آپ نے اپنی ازواجِ مطہرات کے ساتھ ہمیشہ احترام، محبت اور وفاداری کا ایسا عملی نمونہ پیش فرمایا جو امت کے لئے رہتی دنیا تک معیارِ حسنِ سلوک بن گیا۔ خصوصاً جب بیوی بڑھاپے کی منزل میں داخل ہو جائے، تب بھی حضور کا طرزِ عمل محبت، شفقت اور عزت پر قائم رہا اور عملی طور پر ثابت فرمایا کہ بیوی کا بڑھاپا یا کمزوری محبت میں کمی کا سبب نہیں بلکہ وفا کے عروج کا مقام ہے۔ چنانچہ حضور نے حضرت خدیجہ سے نکاح کے بعد ان کی زندگی میں کسی دوسری عورت سے نکاح نہ فرمایا۔ جب وہ بڑھاپے کو پہنچیں، تب بھی حضور نے ان کی خدمت و محبت میں کمی نہ کی، بلکہ ان کے وصال کے بعد بھی ان کا ذکرِ خیر، احترام اور احسان مندی ہمیشہ برقرار رکھی، یہاں تک کہ اکثر ان کی سہیلیوں کے پاس تحائف بھیجتے۔[9]

اسی طرح منقول ہے کہ حضرت سَودہ بنتِ زمعہ رضی اللہ عنہا جب عمر کی اس حد تک پہنچ گئیں جہاں عموماً خواتین کو مردوں کی حاجت نہیں رہتی تو حضور نے انہیں طلاق دینے کا ارادہ فرما لیا، مگر بعد میں ان کی درخواست پر ان کو طلاق دینے سے رجوع فرما لیا، تاکہ روزِ قیامت ان کا حشر آپ کی دیگر مقدس بیویوں کے ساتھ ہو۔[10] واضح رہے کہ آپ کے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دینے سے مراد یہ نہیں تھی کہ آپ ان کو بالکل علیحدہ کر دیں لیکن آپ چونکہ کتابِ الٰہی کے شارح تھے اور احکامِ الٰہیہ پر عمل کا نمونہ آپ کے اُسوۂ حسنہ سے وابستہ تھا، اس لئے آپ کا حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دینا اور اس سے رجوع کرنا اس لئے تھا کہ مسلمانوں کے عمل کے لئے نمونہ ہو اور طلاق اور رجوع کے باب میں بھی مسلمانوں کو آپ کی اقتدا کا شرف اور آپ کی سنت پر عمل کرنے کا ثواب مل جائے۔[11] چنانچہ سیدہ سودہ حضور کی ان 9 بیویوں میں شامل رہیں جو حضور کے انتقال کے وقت آپ کے پاس موجود تھیں۔ ہاں البتہ! آپ نے حضور کی رضا حاصل کرنے کے لئے[12] یا حضور کی محبت میں[13] اپنے دن اور رات کی باری اُمُّ المومنین سیدہ عائشہ کو ہبہ کر دی تھی۔

بوڑھی خواتین کے حقوق کا تحفظ

حضور صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے ہر طبقۂ انسانیت کے حقوق مقرر فرمائے تو یہ کیسے ممکن تھا کہ بوڑھی خواتین اپنا حصہ پانے میں ناکام رہتیں! چنانچہ بوڑھی خواتین کے حقوق بھی آپ نے بیان فرمائے تاکہ وہ بھی اس معاشرے میں بغیر کسی پریشانی

کے باعزت طریقے سے اپنی زندگی گزار سکیں۔ چنانچہ اسلامی تعلیمات میں سے ہے کہ بوڑھی خواتین اگر محتاج ہوں (یعنی مال نہ رکھتی ہوں) تو ذو رحم اہلِ قرابت پر ان کا نفقہ واجب ہے۔ (تفصیل کے لئے کتبِ فقہ کا مطالعہ کیجئے)

نیز حضور کی سیرت میں بھی بوڑھی اور بزرگ خواتین کے نان و نفقہ، وراثت اور مالی کفالت کے واضح عملی نمونے موجود ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ضعیف عورت محض ہمدردی کی نہیں بلکہ شرعی و معاشرتی حق دار ہے، جیسا کہ ایک روایت میں حضور صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: آدمی کے گنہگار ہونے کے لئے اتنا کافی ہے کہ جس کا کھانا اس کے ذمہ ہو، اسے کھانے کو نہ دے۔[14] بلاشبہ اس حدیثِ پاک میں ایک عام اصولِ شریعت بیان کیا گیا ہے جس میں بوڑھی والدہ، ضعیف بیوی، بیوہ یا عمر رسیدہ بہن سب شامل ہیں۔

یاد رکھئے! بیوی کے حقوق عمر یا حسن و جمال کے تابع نہیں؛ بڑھاپے میں بھی اس کا نان و نفقہ شوہر کے ذمہ برقرار رہتا ہے اور حضور کے طرزِ عمل سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے اپنی زندگی کے آخری ایام تک ازواجِ مطہرات کی کفالت، عزت اور حسنِ سلوک میں کوئی کمی نہیں آنے دی۔ مثلاً: سیدہ سودہ کو عمر رسیدہ ہونے کے باوجود دیگر بیبیوں کی طرح حضور برابر اخراجات عطا فرمایا کرتے۔ جیسا کہ ایک مرتبہ آپ نے خیبر میں ان کو 80 وسق کھجور اور 20 وسق جَو عطا کئے۔[15]

عہدِ جاہلیت میں عورتوں کو اور بالخصوص نانی یا دادی وغیرہ کو عام طور پر وراثت سے محروم رکھا جاتا تھا، مگر اسلام نے ہر عورت، خواہ جوان ہو یا بوڑھی، وراثت کی مستحق قرار دی، بلکہ بڑھاپے کو محرومی کے بجائے استحقاق کی ضمانت ٹھہرایا۔ جیسا کہ مروی ہے: مسلمانوں کے پہلے خلیفہ حضرت ابو بکر صدیق سے دادی کے وراثت میں حق کے متعلق سوال کیا ہوا تو آپ نے صحابہ کرام سے تحقیق کی، جس پر حضرت مغیرہ بن شعبہ نے گواہی دی کہ حضور نے دادی کو چھٹا حصہ عطا فرمایا تھا۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق نے بھی یہی فیصلہ کیا اور ان کے بعد حضرت عمر فاروق نے بھی اسی فیصلے پر عمل کیا۔[16]

بوڑھی خواتین سے نکاح

نکاح صرف جوانی یا جنسی تقاضے سے وابستہ نہیں، بلکہ یہ محبت، سکون اور باہمی تعاون کا ذریعہ ہے۔ جیسا کہ قرآنِ کریم میں ہے: وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَیْهَا وَجَعَلَ بَیْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً (پ21، الروم:21) ترجمہ: اور اس کی نشانیوں سے ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس سے جوڑے بنائے تا کہ تم ان کی طرف آرام پاؤ اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت رکھی۔ معلوم ہوا! نکاح کے معاملے میں عمر کی کوئی قید نہیں؛ لہٰذا عورت اگر بڑھاپے میں بھی نکاح کرے تو وہ عین فطرت و شریعت کے مطابق عمل کرتی ہے۔ فقہا کے نزدیک نکاح کی مشروعیت عمر کے کسی مخصوص درجے سے محدود نہیں، بلکہ حالات و ضرورت کے لحاظ سے ہر عمر میں جائز بلکہ مستحسن ہے۔ کیونکہ نکاح ایک بنیادی انسانی ضرورت ہے اور بڑھاپے کی عورت اگر اکیلی ہو جائے مثلاً: شوہر کا انتقال ہو جائے یا طلاق ہو تو شریعت اسے ازدواجی زندگی سے محروم رہنے پر مجبور نہیں کرتی۔ بلکہ اگر اس کے لئے نکاح باعثِ سہارا، تحفظ یا عزت ہو تو یہ عمل مستحسن شمار ہوتا ہے۔ خود حضور نے اپنے عملِ مبارک سے بوڑھی خواتین سے نکاح کرنے کی حوصلہ افزائی کی۔ مثلاً: آپ نے 25 سال کی عمر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا حالانکہ سیدہ خدیجہ کی عمر اس وقت 40 برس تھی۔[17] اسی طرح آپ نے اُمِّ ہانی رضی اللہ عنہا کو ان کے بڑھاپے کے باوجود نکاح کا پیغام دیا۔ چنانچہ مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے حضرت اُمِّ ہانی بنتِ ابی طالب رضی اللہ عنہا کو نکاح کا پیغام بھجوایا، انہوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اب میں بوڑھی ہو گئی ہوں اور میرے بہت سے بچے ہیں۔[18]

بدقسمتی سے بعض معاشروں میں بڑھاپے میں نکاح کو

معیوب سمجھا جاتا ہے، خصوصاً اگر عورت شادی کرے۔ جبکہ سیرتِ نبوی نے عورت کے لئے عزت کے ساتھ نئی ازدواجی زندگی شروع کرنے کو جائز بلکہ مستحسن قرار دیا ہے۔ خود ازواجِ مطہرات میں کئی ایسی تھیں جو پہلے کسی کے نکاح میں رہ چکی تھیں اور بڑھاپے میں بھی حضور نے ان سے نکاح فرمایا جیسے سیدہ سودہ اور سیدہ اُمّ سلمہ وغیرہ بیوہ اور عمر رسیدہ بھی تھیں مگر حضور نے ان سے نکاح فرمایا تاکہ انہیں اور ان کے بچوں کو سہارا ملے۔

بوڑھی خواتین کی عزت افزائی اور دلجوئی

بوڑھی خواتین کے ساتھ عزت واحترام سے پیش آنے کی ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: بوڑھے مسلمان کی عزت کرنا اللہ پاک کی تعظیم میں سے ہے۔(19) چنانچہ بوڑھی خواتین کو سلام میں پہل کی جائے کہ حضور نے ارشاد فرمایا: چھوٹا بڑے کو سلام کرے۔(20) یہ تعلیم ادب وانکسار کا عملی مظہر ہے جو معاشرے میں محبت، احترام اور باہمی قرب کو فروغ دینے کا سبب ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ بوڑھی خواتین کو سلام میں پہل کریں، ان کے لئے جگہ خالی کریں، گفتگو میں نرمی برتیں اور ان کی دلجوئی کریں، کیونکہ یہی سیرتِ نبوی کا عکس اور اسلامی تہذیب کی اصل روح ہے۔ مثلاً: ایک مرتبہ ایک بوڑھی خاتون بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئیں تو حضور نے مسکرا کر فرمایا: جنت میں کوئی بوڑھی عورت داخل نہیں ہو گی۔ یہ سن کر وہ خاتون کچھ پریشان ہوئیں تو حضور نے محبت بھرا انداز اختیار کرتے ہوئے وضاحت فرمائی، کیا تم نے قرآن میں یہ نہیں پڑھا: اِنَّاۤ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ﴿۳۵﴾ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ﴿۳۶﴾ (پ27، الواقعۃ:35، 36) ترجمہ: بیشک ہم نے ان جنتی عورتوں کو ایک خاص انداز سے پیدا کیا تو ہم نے انہیں کنواریاں بنایا۔(21) یوں حضور نے لطیف مزاح کے ذریعے نہ صرف ان کے دل میں خوشی پیدا کی بلکہ قرآن کے ذریعے جنت کی نعمتوں کا بشارت بھرا تصور بھی اجاگر کیا۔ جو اس بات کی واضح مثال ہے کہ حضور بوڑھی خواتین کے ساتھ ہمیشہ عزت، نرمی اور محبت سے پیش آتے تھے۔

بوڑھی خواتین کی حاجت روائی

عام طور پر لوگوں کو بوڑھوں کی باتوں اور ان کو درپیش مسائل کے حل میں اتنی دلچسپی نہیں ہوتی بلکہ زیادہ تر انہیں نظر انداز کر دیا جاتا ہے لیکن حضور نہ صرف بوڑھی خواتین کی گفتگو سنتے بلکہ ان کی حاجت روائی بھی فرماتے تھے۔ چنانچہ اُمّ ہانی رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں رسولِ پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی: اے اللہ پاک کے رسول! مجھے کوئی عمل بتلایئے، میں بوڑھی، کمزور اور بھاری بدن والی ہو گئی ہوں، آپ نے فرمایا: سو بار اللہُ اکبر، سو بار الحمدُللہ اور سو بار سبحان اللہ کہو، یہ ان سو گھوڑوں سے بہتر ہے جو جہاد فی سبیل اللہ میں مع زِین ولگام کے کس دیئے جائیں اور سو جانور قربان کرنے اور سو غلام آزاد کرنے سے بہتر ہیں۔(22)

ایک بار حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم اپنے گھر تشریف لے جا رہے تھے کہ اچانک ایک مسکین بڑھیا کسی حاجت کے لئے حاضر ہوئی اور کہنے لگی: ٹھہریئے! آپ ٹھہر گئے اور وہ دیر تک کچھ عرض کرتی رہی۔(23)

صحابہ کرام اور بوڑھی خواتین کا احترام

حضور کی صحبتِ بابرکت سے مشرف ہونے والے صحابہ کرام کا بوڑھی خواتین کے ساتھ سلوک بھی مثالی تھا۔ چنانچہ حضرت عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ رات کے وقت مدینے شریف کے کسی محلے میں رہنے والی ایک نابینا بوڑھی عورت کے گھریلو کام کاج کر دیا کرتے تھے، آپ اس کے لئے پانی بھر لاتے اور اس کے تمام کام سر انجام دیتے، ایک مرتبہ آپ معمول کے مطابق بڑھیا کے گھر آئے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ سارے کام ان سے پہلے ہی کوئی کر گیا تھا۔ جب اگلے کچھ دن ایسا ہی ہوا تو ایک روز آپ دن میں ہی آ کر کہیں چھپ گئے۔ جب رات ہوئی تو دیکھا کہ خلیفۂ وقت امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور اس نابینا بڑھیا کے سارے کام کر دیے۔ حالانکہ صدیقِ اکبر اس وقت

مسلمانوں کے خلیفہ تھے۔[24] نیز حضرت فاروقِ اعظم اپنے دورِ خلافت میں بھی ایک بوڑھی، پاؤں سے معذور اور اندھی خاتون کے گھریلو کام کاج کر دیا کرتے تھے۔[25]

فاروقِ اعظم کی سیرت بوڑھی خواتین کے ساتھ اچھے سلوک کے واقعات سے بھری ہوئی ہے۔ آپ حضرت خنساء رضی اللہ عنہا کے بیٹوں کی شہادت کے بعد ان کی تنخواہیں ان کی والدہ کو دیا کرتے۔[26] آپ نے ایک بوڑھی خاتون سے اپنے لئے جنت میں حضور کی رفاقت پانے کی دعا کروائی۔[27] ایک بار آپ حضرت خَولہ بنتِ ثعلبہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے گزرے، اس وقت آپ دراز گوش پر سوار تھے اور لوگوں کا ایک ہجوم ساتھ تھا۔ حضرت خَولہ بنتِ ثعلبہ رضی اللہ عنہا آپ کو روک کر نصیحت کرنے لگیں۔ آپ نیچے کھڑے ہو کر ان کی نصیحت کو سنتے رہے یہاں تک کہ جب کافی وقت گزر گیا تو لوگوں نے حیرت سے عرض کی: اے امیر المومنین! اس بڑھیا کے لئے آپ اتنی دیر کھڑے رہیں گے![28]

حضور کی تعلیمات کا دورِ حاضر پر اثر

آپ کے مبارک طرزِ عمل اور عمدہ تعلیمات ہی کا نتیجہ ہے کہ آج مسلم معاشرے میں ایک تعداد بوڑھی خواتین کے ساتھ عزت و احترام سے پیش آتی ہے، ان کی سخت باتوں کو خاموشی سے ٹال دیتی ہے، ان سے مشورے لیتی اور ان کی خدمت کرتی نظر آتی ہے۔ بوڑھی خواتین کو اولڈ ایج ہومز میں ڈال دینے کے بجائے گھر رکھ کر ان کی دعائیں لینے اور ان کے سایۂ شفقت میں غمِ جہان بھلانے کی کوشش کرتی ہے۔ بیمار بوڑھیوں کے علاج معالجے اور تیمار داری میں اپنی حیثیت کے مطابق اپنا وقت، پیسہ اور توجہ صرف کرنے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتی۔

بوڑھی خواتین اگر ماں، ساس یا دیگر رشتہ دار ہوں تب تو ان کا خیال رکھنے کا خصوصی اہتمام کیا ہی جاتا ہے، لیکن اگر محلے میں یا باہر کسی مقام پر کمزور خواتین کی ذات کو مدد کی ضرورت ہو تو بھی اپنی خدمات پیش کرنے سے گریز نہیں کیا جاتا، خواہ وہ بھاری سامان اٹھانے کا کام ہو یا بس میں سیٹ دینے کی بات ہو یا پھر اس کے علاوہ کوئی معاملہ ہو۔ جبکہ اسلامی تعلیمات سے دور معاشروں میں یہ احساس مفقود ہے۔ وہاں صرف حکومتی سطح پر اس عمر رسیدہ طبقے کے لئے کچھ سہولیات فراہم کی جاتی ہیں یا پھر مختلف ادارے بھاری رقم وصول کر کے ایسی خواتین کی دیکھ بھال کرتے ہیں، ایسے ماحول میں بوڑھی خواتین احساسِ تنہائی کا شکار اور اپنے قریبی رشتے داروں کی محبت و شفقت سے محروم ہوتی ہیں۔ گو کہ ہمارے ہاں بھی ایسے نادان پائے جاتے ہیں جو بوڑھی خواتین کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتے، لیکن ابھی دنیا ایسے عاشقان و عاشقاتِ رسول سے خالی نہیں ہوئی، جو صرف رضائے الٰہی کے لئے بوڑھی خواتین کے ساتھ نیک برتاؤ کرتے ہیں اور اس میں ان کا کوئی دنیاوی مفاد نہیں ہوتا۔ اللہ پاک ہمیں بھی اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے اُسوۂ حَسنہ کی پیروی کرتے ہوئے بوڑھی خواتین کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی سعادت نصیب فرمائے۔

اٰمین بِجاہِ النّبیِّ الْاَمین صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم

---

(1) معجم صغیر، جزء1، 92/ (2) ترمذی، 3/411، رقم:2029 (3) مسلم، ص1060، حدیث:6510 (4) طبقات ابن سعد، 1/92 (5) مراۃ المناجیح، 5/51 (6) مواہب لدنیہ، 1/428 (7) الکامل فی التاریخ، 1/356 (8) الکامل فی التاریخ، 1/356 (9) بخاری، 2/565، حدیث:3818 (10) طبقات ابن سعد، 8/43 (11) شرح صحیح مسلم، 3/961، 962 (12) بخاری، 2/174، حدیث:2593 (13) اصابہ، 8/196، رقم:11363 (14) مسلم، ص388، حدیث:2312 (15) طبقات ابن سعد، 8/45 (16) ابو داود، 3/168، حدیث:2894 (17) طبقات ابن سعد، 8/13 (18) مسلم، ص1050، حدیث:6459 (19) ابو داود، 4/344، حدیث:4843 (20) بخاری، 4/167، حدیث:6234 (21) مشکاۃ المصابیح، 2/200، حدیث:4888 (22) ابن ماجہ، 4/254، حدیث:3810 (23) سیرۃ ابن ہشام، ص544 (24) کنز العمال، 6/221، جزء:12، حدیث:35602 (25) حلیۃ الاولیاء، 1/84، رقم:113 ملخصاً (26) استیعاب، 4/389، رقم:3351 (27) الزہد لابن مبارک، ص363، رقم:1024 (28) تفسیر قرطبی، 9/197، الجزء:17



چھوٹی بچیوں پر حضور صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی شفقتیں

محترمہ بنتِ منصور مدنیہ عطاریہ*

آقا کریم صلَّی اللہ علیہ والہٖ وسلَّم ہمارے لیے رحمت بن کر اس دنیا میں تشریف لائے ہیں، آپ کی تشریف آوری سے دورِ جاہلیت کے کثیر غلط رواج آپ کے صدقے ختم ہو گئے۔ آقا کریم صلَّی اللہ علیہ والہٖ وسلَّم کے دریائے رحمت سے نا صرف بڑوں نے حصہ پایا بلکہ بچیوں کو بھی حصہ ملا۔ آپ اپنی شہزادیوں کی طرح خاندان کی اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی بچیوں سے بھی بہت محبت فرماتے، وقتاً فوقتاً بچیوں کو تحفے عطا فرماتے اور ان کو دعاؤں سے بھی نوازتے جیسا کہ حضرت اُمِّ خالد رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسولُ اللہ صلَّی اللہ علیہ والہٖ وسلَّم کے پاس کپڑے آئے جن میں ایک سیاہ چادر تھی، آپ نے فرمایا: تمہاری کیا رائے ہے، یہ چادر ہم کس کو پہنائیں؟ پس صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم خاموش رہے، آپ صلَّی اللہ علیہ والہٖ وسلَّم نے فرمایا: میرے پاس اُمِّ خالد کو لاؤ، پس مجھے نبی کریم صلَّی اللہ علیہ والہٖ وسلَّم کے پاس لایا گیا تو آپ نے اپنے مبارک ہاتھ سے مجھے وہ چادر پہنائی اور دو مرتبہ فرمایا: تم اس کو بوسیدہ کرو اور پرانا کرو، پھر آپ اس چادر کے نقش و نگار کی طرف دیکھنے لگے اور ہاتھ سے میری طرف اشارہ کرکے فرمارہے تھے: اُمِّ خالد یہ بہت عمدہ ہے۔(1) یاد رہے کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب حضرت اُمِّ خالد چھوٹی بچی تھیں۔(2) نیز یتیم بچیوں کی دل جوئی فرماتے اور ان کو بھی تحائف عطا فرماتے اور ان کی پرورش بھی فرمایا کرتے جیسے حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد ان کی یتیم بچیوں کی شفقت و محبت سے پرورش فرمائی، آپ صلَّی اللہ علیہ والہٖ وسلَّم نے ان بچیوں کو سونے کی خوبصورت بالیاں پہنائیں جن میں قیمتی موتی لگے ہوئے تھے(3) اسی طرح حضور صلَّی اللہ علیہ والہٖ وسلَّم اپنی ننھی نواسی حضرت اُمامہ رضی اللہ عنہا سے بھی بے حد پیار فرماتے آپ صلَّی اللہ علیہ والہٖ وسلَّم نے ہی ان کی پرورش فرمائی۔ ایک مرتبہ بارگاہِ رسالت صلَّی اللہ علیہ والہٖ وسلَّم میں ہدیہ پیش کیا گیا جس میں ایک قیمتی ہار بھی تھا آپ صلَّی اللہ علیہ والہٖ وسلَّم نے فرمایا: یہ میں اسے دوں گا جو مجھے بہت پیارا ہے۔ پھر آپ نے حضرت اُمامہ رضی اللہ عنہا کے گلے میں پہنا دیا۔(4) اسی طرح بچیوں کو محبت سے پکارتے تھے حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا جب حضورِ اقدس صلَّی اللہ علیہ والہٖ وسلَّم کے نکاح مبارک میں آئیں تو ان کی ایک بیٹی زینب دودھ پیتی

*لاہور

تھیں، رسولُ اللہ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم تشریف لاتے تو بڑی محبت سے پوچھتے: زُناب کہاں ہے؟ زُناب کہاں ہے؟ (5)

حضورِ اکرم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم مکہ سے جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو بنو نجار کی چھوٹی بچیاں خوشی اور محبت کا اظہار کرتے ہوئے قصیدہ پڑھنے لگیں:

نَحْنُ جَوَارٍ مِنْ بَنِي النَّجَّارِ

يَا حَبَّذَا مُحَمَّدٌ مِنْ جَارِ

یعنی ہم بنو نجار کی لڑکیاں ہیں اور حضرت محمد صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم ہمارے کتنے ہی اچھے ہمسائے ہیں۔

آقا کریم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے فرمایا: اللہ پاک جانتا ہے میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ (6)

آقا کریم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی زندگی سے ملنے والے درس:

- بچیوں کی تربیت خوب شفقت و نرمی کے ساتھ کی جائے ان پر اپنا مال خرچ کیا جائے ان کی ضروریات کو احسن انداز سے پورا کیا جائے۔ ان کی حوصلہ افزائی کی جائے۔
- اگر کبھی کوئی بات ناگوار گزرے تو جھاڑ جھپٹ کی جگہ بہتر انداز اختیار کیا جائے، یا خاموشی اختیار کر کے احساس دلایا جائے۔
- بچیوں کو آخرت پر توجہ دلائی جائے، نماز روزے، لباس و پردے کے شرعی احکام سکھانے کا اہتمام کیا جائے۔
- بچیوں کو دنیا کی ذلت نہیں بلکہ آخرت کی عزت جانیں، ان کی شادی سے قبل بھی احسن سلوک کریں اور بعد شادی بھی احسن انداز اختیار کریں۔ ایسا نہ ہو کہ رخصت کر کے بھول گئے بلکہ ان کے پاس جائیں تو کبھی ان کو بلائیں۔ آنا جانا رکھیں، بعد شادی بھی ان کی ضرویات کا خیال رکھیں، کچھ اچھا پکائیں یا گھر لائیں تو ان کو بھی اپنی استطاعت کے مطابق بھیجیں، ان کی حاجت کا علم ہو تو پیش کریں، بیمار ہوں تو عیادت کو جائیں، نیز جب بیٹیاں ملاقات کے لیے گھر آئیں تو محبت سے خوش آمدید کہیں اور تحفے بھی ہو سکے تو پیش کریں۔
- اگر بعد شادی بھی بیٹی کے ہاں کوئی پریشانی آ جائے مثلاً بیوہ ہو جائے یا طلاق تو اس کو بوجھ نہ سمجھیں بلکہ تب بھی احسن انداز اختیار فرمائیں، طعن و تشنیع نہ فرمائیں کہ نبی کریم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے فرمایا: کیا میں تم کو بہترین صدقہ پر رہبری نہ کروں، تمہاری وہ بیٹی جو تم تک لوٹا دی جائے، تمہارے سوا اس کا کوئی کمانے والا نہ ہو۔ (7) یعنی تمہاری وہ بیٹی جس کا خاوند فوت ہو گیا یا پاگل دیوانہ ہو گیا یا گم ہو گیا یا اس نے طلاق دے دی مگر لڑکی کسی مجبوری کی وجہ سے دوسرا نکاح نہیں کر سکتی یا اسے اچھا رشتہ ملتا نہیں اس لیے مجبوراً وہ میکے میں آ گئی اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، اس کی پرورش کرنا بہترین صدقہ ہے کہ وہ اب بے آس ہو کر تمہارے سہارے پر تمہارے پاس آئی۔ (8)

الحاصل:

حضور صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی سیرت سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ بچیوں سے محبت، عزت اور شفقت نہ صرف ایک اخلاقی عمل ہے بلکہ نجات کا ذریعہ بھی ہے۔ آج کے معاشرے کو چاہیے حضور صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی سیرت کو نمونہ بنا کر بچیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کو فروغ دے۔ سیرتِ مصطفٰے میں بچیوں کے لیے محبت کی وہ روشنی ہے جو ہر دور میں مشعلِ راہ ہے۔

اللہ پاک ہمیں سمجھ بوجھ عطا فرمائے کہ ہم اپنی بچیوں کے ساتھ احسن سلوک کریں۔

اٰمِین بِجَاہِ خَاتَمِ النَّبِیّٖن صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

---

(1) بخاری، 4/63، حدیث: 5845 (2) دیکھئے: بخاری، 2/581، حدیث: 3874 (3) دیکھئے: طبقات ابن سعد، 8/349 (4) مسند احمد، 41/232، حدیث: 24704 (5) سنن کبریٰ للنسائی، 5/294، حدیث: 8926 (6) ابن ماجہ، 2/439، حدیث: 1899 (7) ابن ماجہ، 4/188، حدیث: 3667 (8) مراٰۃ المناجیح، 6/584۔



غریب اور ضرورت مند خواتین کی کفالت (سیرتِ نبوی کی روشنی میں)

محترمہ بنتِ شہزاد احمد مدنیہ عطاریہ*

سیرتِ طیبہ کی روشنی میں غریب اور ضرورت مند خواتین کی کفالت کا موضوع محض ایک سماجی بحث نہیں، بلکہ انسانی دلوں کو جھنجھوڑ دینے والی وہ حقیقت ہے جو ہر دور میں امت کے کردار کا امتحان لیتی آئی ہے۔ عرب کے تپتے ہوئے ماحول میں، جہاں محرومی اور بے سہارگی عورت کی تقدیر سمجھی جاتی تھی، وہاں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے ایسی زندہ مثالیں قائم فرمائیں جنہوں نے کمزور عورت کے دل میں آس، تحفظ اور عزتِ نفس کی نئی روشنی پیدا کر دی۔

مدینے کی گلیوں میں وہ مناظر آج بھی تاریخ کے اوراق سے جھانکتے ہیں کہ کیسے حضور ایک بیوہ کی فریاد سننے کو ٹھہرتے، کسی یتیم بچی کے گھر کا خرچ اٹھا لیتے، کسی بے سہارا خاتون کے دروازے پر خود تشریف لے جا کر اس کی ضرورت معلوم کرتے اور کیسے آپ نے صحابہ کرام کو بار بار اس امر کی طرف متوجہ فرمایا کہ معاشرے کی کمزور ترین آواز ہی تمہاری سب سے بڑی ذمہ داری ہے۔

یہی وہ روح ہے جو اس موضوع کو ایک تحقیقی بحث سے اٹھا کر زندہ، دھڑکتے ہوئے احساس میں بدل دیتی ہے۔ جب ہم سیرت کے ان نقوش کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ عورت کی کفالت در اصل ایک عبادت، ایک اخلاقی فریضہ اور ایک سماجی امانت ہے۔ حضور کی سنت ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ جن گھروں میں فقر کی دیواریں بلند ہوں، ان کے بوجھ کو بانٹنا ہی حقیقی انسانیت ہے اور یہی وہ بنیاد ہے جس پر ایک پاکیزہ، متوازن اور رحمت سے لبریز معاشرہ قائم ہو سکتا ہے۔

نبی کریم کی غریبوں اور ضرورت مندوں پر خصوصی شفقت

حضور کی زندگی نہ صرف اخلاق و کردار کا اعلیٰ نمونہ ہے بلکہ یہ معاشرتی و اقتصادی مسائل میں راہ نمائی کا مکمل ضابطہ بھی ہے۔ حضور نے ہر انسان کے لئے مساوات اور انصاف کی تعلیم دی، چاہے وہ مرد ہو یا عورت، بالغ ہو یا یتیم۔ بلکہ بیواؤں، یتیموں اور غریب خواتین کی کفالت کو نہ صرف انسانی فریضہ بلکہ عبادت قرار دیا۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا: جس عورت کا شوہر نہ ہو (یعنی وہ بیوہ ہو یا مطلقہ) اور مسکینوں پر خرچ کرنے والا اللہ پاک کی راہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے۔[1] اسی طرح ایک حدیث میں ہے: دل نرم کرنے کے لئے یتیم کے سر پر ہاتھ پھیر اور مسکین کو کھانا کھلا دے۔[2] یہ تعلیمات بتاتی ہیں کہ یتیم اور بیوہ خواتین کی کفالت نہ صرف نیکی بلکہ دل کو نرم کرنے اور اللہ پاک کی خوشنودی کا ذریعہ ہے۔

عورتوں کی کفالت کی اہمیت

اسلام میں عورتوں کی کفالت یعنی ان کے نان نفقہ اور بنیادی ضروریات کا انتظام کرنا نہایت اہم ذمہ داری ہے۔ قرآنِ کریم

*دار الحبیبیہ دھوراجی کالونی کراچی

نے اس کی تعلیم دی اور حضور نے نہ صرف خود عورتوں کی کفالت فرمائی بلکہ اس کی ترغیب بھی دی۔ چنانچہ،

ازواجِ مطہرات کی کفالت عملی سیرت کا نمونہ

حضور کی ازدواجی زندگی اس حقیقت کی روشن دلیل ہے کہ گھر کی ذمہ داری، بیوی کے حقوق اور اہلِ خانہ کی کفالت محض معاشرتی تقاضا نہیں بلکہ عبادت ہے۔ حضور بحیثیتِ شوہر جس حسنِ سلوک اور ذمہ داری کا مظاہرہ فرماتے تھے، وہ قیامت تک آنے والے ہر مسلمان کے لئے کامل راہ نمائی ہے۔ مدینہ منورہ میں تشریف لانے کے بعد حضور نے مسجدِ نبوی کے ساتھ ازواجِ مطہرات کے لئے سادہ مگر باعزت رہائش گاہیں تعمیر کروائیں۔ ابتدا میں حضرت سودہ اور حضرت عائشہ کے لئے دو حجرے بنائے گئے، پھر دیگر ازواج کی آمد پر مزید حجرے تعمیر ہوتے گئے۔ اس سے حضور کے طرزِ زندگی میں بیویوں کی عزت، آرام اور ضروریات کے اہتمام کی واضح جھلک ملتی ہے۔ اگرچہ حضور اپنی ذات کے لئے کچھ بھی محفوظ نہ رکھتے تھے، مگر اہلِ خانہ کے معاملے میں بے مثال توجہ فرماتے تھے۔ بنو نضیر کے اموال میں سے آپ اہلِ بیت کا پورے سال کا خرچ نکال لیتے اور باقی مال جہادی تیاریوں پر صرف فرما دیتے۔(3)

بیوی، بیٹی اور دیگر رشتے دار خواتین کی کفالت

بیوی، ماں، بہن، بیٹی یا کوئی بھی ضرورت مند رشتے دار عورت ہو، ہر ایک کا حق ہے کہ اس کی کفالت کی جائے۔ حضور نے بیوی کے ساتھ حسنِ سلوک اور اس کی کفالت کو خاندانی زندگی کی بنیاد قرار دیا۔ آپ نے مرد کو یہ ذمہ داری دی کہ وہ اپنی بیوی کے کھانے، لباس اور رہائش کا اہتمام کرے اور اسے اس طرح رکھے جیسے خود رہنا پسند کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جب شوہر خود کھائے تو بیوی کو بھی کھلائے، جب خود پہنے تو اسے بھی لباس مہیا کرے، اس کی دل آزاری کرے نہ اسے ظلم کا نشانہ بنائے، بلکہ اسے عزت اور تحفظ دے۔ حضرت جابر سے مروی ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا: سب سے پہلے جو چیز بندے کے ترازو میں رکھی جائے گی وہ وہ خرچ ہوگا جو اس نے اپنے گھر والوں پر کیا ہوگا۔(4)

حضور نے بیوی کو مالی طور پر بے سہارا چھوڑ دینا سخت گناہ قرار دیا اور اعلان فرمایا کہ عورت اور یتیم کا حق ضائع کرنا اللہ پاک کی بارگاہ میں سخت ناپسندیدہ ہے۔ آپ کی یہی سیرتِ رحمت تھی جس نے گھر کے اندر عورت کی عزت، وقار اور اطمینان کو مقدم رکھا اور مرد کو یہ تربیت دی کہ وہ اپنی شریکِ حیات کی ضروریات پوری کرنے میں کوتاہی نہ کرے۔ اس طرح آپ نے عورت کو عملی حفاظت، معاشی سہارا اور گھریلو امن عطا فرمایا، تاکہ وہ خوف اور بے بسی کے بجائے عزت اور اطمینان کے ساتھ زندگی گزار سکے۔

اسی طرح باپ کو حکم دیا کہ وہ بچوں کی صحیح معنوں میں کفالت کرے؛ ان کی تعلیم، تربیت، رہائش، خوراک اور دیگر ضروریاتِ زندگی کا اچھا انتظام کرنا اسی کی ذمہ داری ہے۔ چنانچہ بیٹی کی کفالت کے متعلق ارشاد فرمایا: جب کسی کے ہاں بیٹی پیدا ہوتی ہے تو اللہ پاک فرشتے بھیجتا ہے، جو آکر کہتے ہیں: جو اس کی کفالت کرے گا قیامت کے دن اس کی مدد کی جائے گی۔(5) نیز حضور نے بیٹی ہی نہیں بلکہ دوسری رشتہ دار عورتوں کی کفالت کو بھی عظیم نیکی قرار دیا اور ارشاد فرمایا: جس نے دو بیٹیوں، دو بہنوں، دو پھوپھیوں، دو خالاؤں یا نانی دادی کی کفالت کی وہ اور میں جنت میں یوں ہوں گے۔ حضور نے شہادت اور درمیانی انگلی ملا کر دکھائیں۔(6) لہٰذا معاشرے میں عدل، سکون اور خیر کو قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہر شخص عورتوں کی کفالت کے معاملے میں اپنی ذمہ داری پوری کرے۔ اس میں ذرا سی کوتاہی بھی دنیا و آخرت کے لئے نقصان دہ بن سکتی ہے۔

یتیم اور بیوہ خواتین کی کفالت

یتیم بچیوں کی سرپرستی

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی سیرت میں یتیموں، خصوصاً یتیم بچیوں کی حفاظت، کفالت اور دلجوئی کے بے شمار

روشن واقعات ملتے ہیں۔ آپ نے نہ صرف ان کی نگہداشت کا عملی اہتمام فرمایا بلکہ امت کو بھی مسلسل اِس کی ترغیب دیتے رہے۔ آپ کی مبارک زندگی کمزوروں کا سہارا بننے اور بے آسرا دلوں کو حوصلہ دینے کا کامل نمونہ ہے۔ آپ نے کئی مواقع پر یتیموں سے نرمی، شفقت اور ان کے مال و حقوق کی حفاظت کو دین کا اہم فریضہ قرار دیا۔ ایک شخص نے دل کی سختی کی شکایت کی تو آپ نے اس کے علاج کے طور پر یتیم کے ساتھ حسنِ سلوک کی جانب یوں راہ نمائی فرمائی: یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرو اور اپنے کھانے میں سے اسے کھلاؤ، تمہارا دل نرم ہو جائے گا۔[7] یتیموں کی کفالت کو حضور نے ایسی عظیم عبادت قرار دیا کہ بڑے بڑے نوافل اور جہاد جیسے اعمال پر اس کی فضیلت بیان فرمائی۔ ارشاد فرمایا: جس نے تین یتیموں کی پرورش کی، وہ قیام، روزہ اور جہاد کرنے والے کی مانند ہے، میں اور وہ جنت میں یوں ہوں گے۔[8] یتیم کی پرورش کرنے والے کو آپ نے جنت میں اپنی رفاقت کی بشارت دیتے ہوئے فرمایا: میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے۔[9] گھر میں یتیم کی موجودگی کو رحمت قرار دیتے ہوئے فرمایا: مسلمانوں کا بہترین گھر وہ ہے جس میں یتیم ہو اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔[10]

حضور جہاں یتیموں کو مالی سہارا دیتے، وہیں ان کی عزتِ نفس بحال کرتے، انہیں اعتماد دیتے اور ان کی اخلاقی تربیت کا اہتمام بھی فرماتے تھے۔ آپ کے ہاتھ سے یتیم بچیوں کے حقوق کی حفاظت کے وہ اصول جاری ہوئے جنہوں نے ظلم، محرومی اور ناانصافی سے بھری جاہلی سوچ کو بدل کر رکھ دیا۔ یوں سیرتِ نبوی یتیم نوازی کا ایسا کامل نمونہ پیش کرتی ہے کہ آج بھی اگر امت اسی سنت پر عمل کرے تو بے شمار یتیم بچیوں کے گھروں میں امن، سہارا اور سکون کی شمعیں روشن ہو سکتی ہیں۔

بیوہ خواتین کی عزت و تکریم اور ان کی کفالت

سیرتِ نبوی میں بیوہ خواتین کی عزت، حفاظت اور مالی تعاون کو بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ حضور نے ایسے کمزور طبقے کو سہارا دینا صرف معاشرتی ضرورت نہیں بلکہ عظیم عبادت قرار دیا۔ آپ نے فرمایا: بیوہ اور مسکین کی کفالت کرنے والا اللہ پاک کی راہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے۔[11] نیز علمائے حدیث نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بیوہ اور مسکین کی ضروریات پوری کرنے والا ایسا اجر پاتا ہے جیسا مسلسل روزہ رکھنے اور ساری رات عبادت کرنے والے کو ملتا ہے۔[12] حضور نے نہ صرف قول سے بلکہ عمل سے بھی بیوہ خواتین کا سہارا بننے کا نمونہ پیش فرمایا۔ آپ ان کے حالات پوچھتے، ان کی ضرورت پوری کرتے، ان کے بچوں پر شفقت فرماتے اور صحابہ کو بھی اُن کے حقوق ادا کرنے کی تلقین کرتے۔ اسلامی معاشرے میں بیوہ کا احترام، اس کی دلجوئی، اس کے بچوں کی تربیت میں ہاتھ بٹانا اور اس کی مدد کرنا یہ سب نبوی سیرت کا حصہ ہے۔ بیوہ کی کفالت اور اس کی ضروریات کا خیال رکھنے والوں کے لئے ایک بڑی بشارت یہ بھی ہے کہ اللہ پاک اسے قیامت کے دن اپنے عرش کے سائے میں جگہ عطا فرمائے گا۔[13]

الغرض سیرتِ نبوی سے یہ اصول واضح ہوتا ہے کہ بیوہ خواتین کی عزت، تکریم اور کفالت محض انسانی ہمدردی نہیں بلکہ ایسی نیکی ہے جس کے بدلے دنیا میں سکون اور آخرت میں بلند درجات نصیب ہوتے ہیں۔

محتاج اور کمزور خواتین کی امداد سیرتِ نبوی کی روشنی میں

اسلام نے غریبوں اور مسکینوں کی مدد کو جس طرح مردوں کی ذمہ داری قرار دیا ہے اسی طرح خواتین کو بھی اس نیکی میں بھرپور حصہ لینے کی ترغیب دی ہے۔ صحابیات طیبات کی سیرت اس معاملے میں نہایت روشن نمونہ ہے۔ ان کی زندگیوں میں اللہ پاک کی راہ میں خرچ کرنے، محتاجوں کا سہارا بننے اور اپنے پاس کی چیز تک صدقہ کرنے کے بے شمار واقعات ملتے ہیں۔ اس اعلیٰ اخلاق کی وجہ یہی تھی کہ حضور نے انہیں ایثار، سخاوت اور ضرورت مندوں کے احساس کی تربیت دی تھی۔ صحابیات صرف درس نہیں سنتی تھیں بلکہ عملاً غریبوں کی مدد کرتی،

ضرورت مندوں کے دکھ درد میں شریک ہوتی اور اپنے مال کو روک کر رکھنا پسند نہ کرتی تھیں۔

ایک موقع پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روزے سے تھیں، گھر میں افطار کے لئے صرف ایک روٹی موجود تھی۔ ایک سائل نے صدا لگائی تو آپ نے وہی روٹی اسے دینے کا حکم فرمایا۔ خادمہ نے عرض کی: افطار کے لئے کچھ باقی نہیں، مگر آپ نے فرمایا کہ وہ روٹی اسے دے دو۔ خادمہ نے حکم پر عمل کیا۔ شام ہوئی تو کسی نے بطور ہدیہ ایک بکری بھیج دی۔ آپ نے مسکرا کر خادمہ سے فرمایا: یہ اس روٹی سے بہتر ہے جو تم نے مسکین کو دی تھی۔[14] یہ واقعہ بتاتا ہے کہ صحابیات ضرورت مندوں کی مدد کو کس قدر مقدم رکھتی تھیں اور اللہ پاک کی راہ میں ایثار کو کتنا عظیم سمجھتی تھیں۔

امّ المومنین حضرت زینب بنتِ جحش بھی راہِ خدا میں خرچ کرنے میں ممتاز مقام رکھتی تھیں۔ سیدہ عائشہ فرماتی ہیں کہ جب ازواجِ مطہرات کو پتا چلا کہ ان میں سب سے پہلے حضور سے وہ خاتون جا ملیں گی جن کے ہاتھ سب سے لمبے ہوں گے،[15] تو بعد میں معلوم ہوا کہ اس سے مراد زیادہ صدقہ و خیرات کرنا ہے اور بالفعل سب سے پہلے آپ سے ملنے والی سیدہ زینب ہی تھیں۔ وہ اپنی ہر نعمت کو اللہ پاک کی امانت سمجھ کر فی الفور محتاجوں پر خرچ کر دیتی تھیں۔ یہی تعلیم حضور نے پوری امت کو دی کہ حقیقی مال وہی ہے جو اللہ پاک کی راہ میں خرچ ہو جائے، باقی سب فانی ہے۔ آج کی خواتین کے لئے بھی یہی عظیم سبق ہے کہ دنیا کے بجائے آخرت کے لئے خرچ کریں، غریبوں اور ضرورت مند خواتین کی مدد کو اپنی زندگی کا حصہ بنائیں اور صحابیات کے ایثار و سخاوت کو اپنے عمل کا نمونہ بنائیں۔

حضور اور ضرورت مند خواتین کی خدمت

حضور نے کمزور خواتین، یتیموں اور بیواؤں کی حفاظت اور مدد کو اپنی زندگی کا نصب العین بنایا۔ مدینے کی کوئی لونڈی اگر اپنی حاجت کے لئے آپ کا ہاتھ پکڑتی تو آپ نہ چھڑاتے، بلکہ اس کے ساتھ جا کر اس کی ضرورت پوری فرماتے۔[16] یہی نبوی ہمدردی اور انصاف کا عملی مظاہرہ تھا، جس نے عورت کو صرف معاشرے کا رکن نہیں بلکہ عزت و احترام کے حامل فرد کے طور پر پیش کیا۔ حضور نے مالی مدد کے ساتھ ساتھ ان کی دلجوئی اور ہر ممکن تعاون کو اہمیت دی۔ یہی سیرت ہمیں سکھاتی ہے کہ خواتین کے مسائل کا حل صرف قوانین سے نہیں بلکہ شرافت، انسانیت اور عملی تعاون کے ذریعے ممکن ہے۔ ہر چھوٹا عمل کسی کی حاجت پوری کرنا، عزت کا تحفظ یا فوری مدد پہنچانا، نبوی اصول کے مطابق نیکی اور اخلاقی فریضہ ہے اور آج بھی یہ ہر مسلمان کے لئے بہترین راہ نمائی ہے۔

طلاق یافتہ خواتین کی کفالت

حضور کی سیرت میں طلاق یافتہ عورت کے ساتھ برتاؤ کا یکساں اصول واضح ہے: عزت، تحفظ اور کفالت۔ حضور نے ہمیشہ طلاق کے معاملے میں ہمدردی اور شرافت کی تلقین فرمائی۔ بیوی کو نرمی سے رکھا جائے یا اگر چھوڑا جا رہا ہے تو باوقار انداز میں رخصت کیا جائے۔ حضور نے عورتوں کی ذاتی اور معاشی حفاظت کو مقدم رکھا؛ عدت کے دوران ان کی رہائش و روزمرہ ضروریات کا خیال رکھا جاتا، حمل یا دودھ پلانے کے معاملے میں ان کی کفالت برقرار رہی اور غیر مہذب حربوں سے بچانے کی تاکید فرمائی گئی۔ یہی سیرت اس بات کی دلیل ہے کہ طلاق کسی کے استحصال یا عزت ریزی کا ذریعہ نہیں بن سکتی۔ حضور نے طلاق کو سماجی بگاڑ میں بدلنے والی عداوت، بداندیشی یا درندگی کی نہ صرف مذمت فرمائی بلکہ عملی نمونوں سے امت کو راہِ انصاف دکھائی۔ بعض لوگ طلاق کے ذریعے بیوی کو تنگ کرنے کی کوشش کرتے تھے، حضور نے ایسی بہیمانہ روشوں کو ناپسندیدگی سے روک کر، بیوی کے حقوق کو مستحکم رکھا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ طلاق کے مہذب اور رحم لانہ اطوار ہی شریعت کی روح کے موافق ہیں۔ سیرتِ نبوی ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ طلاق کے بعد عورت کو معاشرتی و مالی تنہا نہ چھوڑا جائے بلکہ اس کی عزت و

کفالت کو یقینی بنایا جائے تاکہ وہ تحفظ، خودداری اور وقار کے ساتھ زندگی گزار سکے۔

عدت کے دوران خواتین کی مالی اور معاشرتی حفاظت

سیرتِ نبوی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے ایسے تمام مراحل میں خواتین کی عزت، سہارا اور وقار کو مقدم رکھا جن میں عورت فطری کمزوری اور ذہنی دباؤ کا شکار ہو سکتی ہے۔ ان مراحل میں سے ایک عدت کا زمانہ بھی ہے۔ اس دوران عورت کو جس سہارا، تحفظ اور عزت کی ضرورت ہوتی ہے، اُس کی تکمیل حضور کی سنتِ کریمہ میں نہایت واضح ملتی ہے۔ حضور نے عدت گزارنے والی خواتین کو کبھی بے سہارا نہیں چھوڑا، بلکہ ان کے لئے باوقار رہائش، ذہنی سکون، سماجی سہارا اور مالی دستگیری کو پورا حق قرار دیا۔ اگر کسی خاتون کو شوہر کی طرف سے علیحدگی کا مرحلہ پیش آجاتا تو حضور پہلے اس کی پوری کیفیت دریافت فرماتے، پھر اسے نہ صرف اپنے گھر میں باعزت طور پر رہنے کی تلقین فرماتے بلکہ قریبی رشتے داروں کو اس کی ضروریات پوری کرنے اور اس کی تنہائی و پریشانی کم کرنے کی تاکید فرماتے۔ آپ کے نزدیک یہ وقت عورت کی آزمائش کا زمانہ ہوتا ہے اور اس کا سہارا بننا اخلاقی فریضہ بھی ہے اور دینی ہدایت بھی۔ حضور ایسے مواقع پر خاندان کو یہ تعلیم دیتے کہ عورت کو گھر سے نکالا جائے نہ اس پر سختی کی جائے، اس کی رہائش کو تنگ کیا جائے نہ اس کی عزتِ نفس کو مجروح ہونے دیا جائے۔ بلکہ عدت میں عورت کی عزت، اس کا ذہنی سکون، اس کا تحفظ اور اس کے بنیادی اخراجات پورے کرنا اہلِ خانہ کی اخلاقی اور ایمانی ذمہ داری ہے۔

حضور نے عملی طور پر بھی ایسے کئی مواقع پر خواتین کے لئے ضروری راشن، لباس اور رہائش کا بندوبست کروایا اور اس دوران ان کی دلجوئی فرما کر یہ اصول واضح کیا کہ عورت کا احترام صرف نکاح تک محدود نہیں، بلکہ جدائی کی صورت میں بھی اس کا تحفظ اسی درجے کا واجب ہے۔ یوں سیرتِ طیبہ یہ بتاتی ہے کہ عدت کا زمانہ عورت کی کمزوری نہیں بلکہ اس کی تکریم کا مرحلہ ہے، جس میں اسے سہارا دینا، ذہنی و مالی بوجھ سے بچانا اور اسے باعزت ماحول فراہم کرنا عین نبوی ہدایت ہے۔

یہ بحث اس حقیقت پر ختم ہوتی ہے کہ حضور کی سیرتِ طیبہ نے ضرورت مند اور کمزور خواتین کی عزت، کفالت اور عملی مدد کا جو روشن نمونہ پیش کیا، وہ آج بھی ہر دور کی راہ نمائی کے لئے کافی ہے۔ حضور نے خواتین کے حقوق، ان کی ضروریات اور ان کے وقار کا ایسا معیار قائم فرمایا جس کی بنیاد عدل، شفقت اور ذمہ داری پر ہے۔ اسی تعلیم کی روشنی میں صحابیات نے بھی غریبوں، مسکینوں، بیوہ اور یتیم خواتین کے لئے بے لوث خدمت، مالی امداد اور ایثار کی مثالیں قائم کیں۔ سیرتِ نبوی کا یہی پیغام آج بھی ہمیں متوجہ کرتا ہے کہ ہم اپنے اردگرد ضرورت مند خواتین کی کفالت کو اپنی ذمہ داری سمجھیں، راہِ خدا میں خرچ کرنے کی عادت اپنائیں، رشتے دار خواتین کے حقوق کو مقدم رکھیں اور عدل و احسان کے ذریعے ایسا ماحول پیدا کریں جہاں ہر عورت محفوظ، باعزت اور باوقار زندگی گزار سکے۔

حقیقی فلاح اسی وقت ممکن ہے جب ہم سیرتِ مصطفےٰ کے ان اصولوں کو اپنی عملی ترجیحات کا حصہ بنائیں اور معاشرتی رویّوں میں وہی انصاف اور توازن پیدا کریں جس کی دعوت حضور نے دی۔ اللہ پاک ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

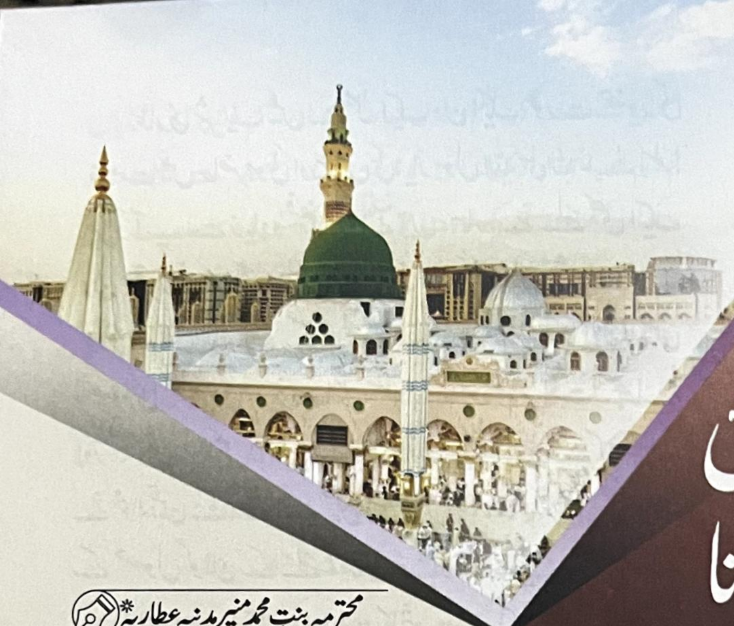
اٰمین بِجاہِ النّبیِّ الْاَمین صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم

---

1 بخاری، 3/512، حدیث:5353 2 مسند امام احمد، 3/82، حدیث:7579
3 مسلم، ص747، حدیث:4575 4 معجم اوسط، 4/328، حدیث:6135
5 معجم صغیر، 1/30 6 معجم کبیر، 22/385، حدیث:959 7 مصنف عبدالرزاق، 10/135، حدیث:20198 8 ابن ماجہ، 4/194، حدیث:3680 9 بخاری، 4/102، حدیث:6005 10 ابن ماجہ، 4/193، حدیث:3679 11 بخاری، 3/512، حدیث:5353 12 فیضان ریاض الصالحین، 3/440 13 معجم اوسط، 6/429، حدیث:9292 14 مؤطا امام مالک، 2/473، حدیث:1929 15 بخاری، 1/479، حدیث:1420 16 بخاری، 4/119، حدیث:6072

خواتین کی دینی تربیت وراہ نمائی







حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دین کو سمجھنے میں خواتین کی حوصلہ افزائی فرمانا

محترمہ بنتِ محمد منیر مدنیہ عطاریہ*

اسلام ایک ایسا دین ہے جو علم و عرفان، شعور و آگاہی اور فہم و بصیرت کی بنیاد پر قائم ہے۔ قرآنِ کریم کی پہلی وحی کا آغاز لفظ اِقْرَاْ (پ30، العلق:1) سے ہوا، جو یہ اعلان ہے کہ علم ہی انسان کی اصل فضیلت اور کامیابی کا زینہ ہے۔ اللہ پاک نے انسان کو عقل و شعور عطا فرما کر اسے غور و فکر، تدبر اور حقیقت شناسی کی دعوت دی۔ چنانچہ قرآنِ کریم میں بارہا ارشاد ہوا: اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ اور ایک مقام پر فرمایا: اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۵۰﴾ (پ7، الانعام: 50) یہ ارشادات اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں کہ انسان کی حقیقی کرامت اس کے علم، فہم اور تدبر میں پوشیدہ ہے۔ علم وہ روشنی ہے جو جہالت کے اندھیروں کو مٹا دیتی ہے، کردار کو جلا بخشتی ہے اور انسان کو اپنے خالق کے قریب کر دیتی ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: علم حاصل کرنا ہر مسلمان (مرد و عورت) پر فرض ہے۔[1]

اسلام نے علم کو محض ایک نظری یا روحانی پہلو کے طور پر پیش نہیں کیا بلکہ اسے عملی فریضہ قرار دیا تاکہ انسانی زندگی کے تمام پہلو علم کی روشنی سے منور ہوں۔ علم کی اسی عظمت کے باعث اسلام نے عورت اور مرد کے درمیان سیکھنے کے حق میں کوئی فرق نہیں رکھا؛ دونوں کو برابر مواقع فراہم کیے گئے تاکہ وہ دین کو سمجھیں، اس پر عمل کریں اور آگے منتقل کریں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور ہی سے خواتین نے دینی و علمی میدان میں نمایاں کردار ادا کیا۔ وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی صحبت میں علم حاصل کرتی رہیں، سوالات کرتیں، اپنے فہم کا اظہار کرتیں اور پھر اس علم کو اگلی نسلوں تک پہنچاتیں۔

اسلام نے اس بات کو بھی واضح کر دیا کہ علم کا تعلق صرف ظاہری احکام تک محدود نہیں بلکہ ایمان، اخلاق، معاشرت اور اصلاحِ نفس سے بھی ہے۔ علم ہی وہ بنیاد ہے جس پر ایک صالح معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ حضور کی سیرتِ طیبہ میں مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین کے لئے بھی تعلیم و تربیت کے خصوصی انتظامات اس حقیقت کی جیتی جاگتی مثال ہیں۔ یوں اسلام کی بنیاد ہی علم، فہم اور شعور پر رکھی گئی اور حضور نے اپنے ارشادات، افعال اور تربیت کے ذریعے یہ ثابت کر دیا کہ دین کو سمجھنے میں عورت مرد کی طرح برابر کی شریک ہے۔

خواتین کے لئے تعلیمی مواقع فراہم کرنا

حضور نے خواتین کی علمی تربیت کو امت کی مجموعی فکری تعمیر کا ایک لازمی حصہ قرار دیا۔ آپ نے نہ صرف مردوں بلکہ عورتوں کے لئے بھی علم کے دروازے کھولے اور ان کے لئے خصوصی تعلیمی مواقع فراہم فرمائے۔

* ڈسٹرکٹ ناظمہ سیالکوٹ (مدنی) وناروال

بخاری شریف میں ہے کہ ایک دن ایک عورت حضور کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی: یا رسولَ اللہ صلی اللہُ علیہ والہٖ وسلم! مرد آپ سے زیادہ فیض پاتے ہیں، ہمارے لئے بھی ایک دن مقرر فرما دیجیے۔[2] حضور نے ان کی یہ خواہش نہ صرف پوری فرمائی بلکہ ان کے لئے باقاعدہ دن مقرر کیا اور انہیں خصوصی تعلیم دی، دینی مسائل سکھائے، احکامِ شریعت سمجھائے اور نصیحتیں فرمائیں۔ اس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ حضور نے خواتین کے لئے الگ علمی نشستوں کا اہتمام فرما کر علمِ دین کے حصول کو ان کے لئے آسان اور باوقار بنا دیا۔

یہ اہتمام دراصل اس بات کا ثبوت ہے کہ حضور عورتوں کی دینی فہم و بصیرت کو معاشرتی اصلاح کا بنیادی ذریعہ سمجھتے تھے۔ اسی لئے آپ نے نہ صرف مسجدِ نبوی میں خواتین کے لئے الگ حصہ مقرر فرمایا بلکہ وہاں علم حاصل کرنے کے لئے ان کے آنے پر خوشی کا اظہار بھی فرمایا۔

ازواجِ مطہرات خصوصاً حضرتِ عائشہ اور حضرتِ امِّ سلمہ کے مکانات بھی تعلیم و تعلم کے مراکز بن گئے تھے۔ صحابہ اور صحابیات ان سے احکامِ دین پوچھنے کے لئے آتے اور وہ بڑی وضاحت کے ساتھ مسائل بیان کرتیں۔ یوں گھریلو ماحول میں دینی فہم کے فروغ کی ایک نئی روایت قائم ہوئی۔ خواتین کا علم حاصل کرنے کا یہ جذبہ صرف سوال و جواب تک محدود نہ تھا بلکہ وہ یادداشت، فہم اور روایت کے باب میں بھی ممتاز رہیں۔ انہوں نے نہ صرف حضور سے روایات نقل کیں بلکہ دوسروں تک علم پہنچانے میں بھی سرگرم کردار ادا کیا۔

حضور کی سیرت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ نے عورتوں کے لئے تعلیم کو ان کی عزت، عفت اور دین داری کے ساتھ جوڑ دیا۔ آپ کا یہ طرزِ عمل اس بات کی دلیل ہے کہ علم عورت کے لئے بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا مرد کے لئے، بلکہ بعض مواقع پر اس کی دینی ذمہ داریوں کی انجام دہی کے لئے اس سے بھی زیادہ اہم۔

سوال پوچھنے اور رائے کا اظہار کرنے کی حوصلہ افزائی

حضور نے خواتین میں فہمِ دین کے فروغ کے لئے صرف تعلیم دینے پر اکتفا نہیں فرمایا، بلکہ انہیں سوال کرنے، وضاحت طلب کرنے اور حتیٰ کہ اپنی رائے کے اظہار کی بھی مکمل آزادی عطا فرمائی۔ یہ طرزِ عمل اس بات کی علامت ہے کہ حضور نے خواتین کو محض سننے والی جماعت نہیں بلکہ سمجھنے اور غور و فکر کرنے والی باعمل امت کے طور پر تربیت دی۔

حضور کی مجلس میں خواتین نہایت ادب و احترام کے ساتھ شریک ہوتیں اور دینی مسائل کے متعلق براہِ راست سوالات کرتیں۔ حضرتِ اسماء بنتِ یزید، حضرتِ امِّ سلیم، حضرتِ امِّ عطیہ اور دیگر صحابیات کے متعدد سوالات کتبِ حدیث میں منقول ہیں۔ وہ احکامِ طہارت، عبادت، زکوٰۃ، جہاد اور معاشرتی ذمہ داریوں سے متعلق مسائل دریافت کرتیں اور حضور نہ صرف ان کے سوالات کو توجہ سے سنتے بلکہ تفصیل سے جواب ارشاد فرماتے۔ ایک بار حضرت اُمِّ سُلَیْم رضی اللہ عنہا نے عرض کی: یَا رَسُولَ اللّٰہِ، اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسْتَحِی مِنَ الْحَقِّ، فَهَلْ عَلَى الْمَرْأَةِ غُسْلٌ اِذَا احْتَلَمَتْ؟ اے اللہ کے رسول! اللہ پاک حق بات کے بیان میں شرم نہیں فرماتا، کیا عورت پر بھی احتلام کی صورت میں غسل لازم ہوتا ہے؟ حضور نے انتہائی وقار اور شفقت سے فرمایا: نَعَمْ، اِذَا رَأَتِ الْمَاءَ ہاں۔ جب وہ پانی دیکھے۔[3]

یہ واقعہ بتاتا ہے کہ حضور نے دین کے کسی مسئلے کو شرم یا جھجک کی بنا پر پوشیدہ نہیں رکھا، بلکہ عورتوں کو سکھایا کہ علم میں حیا مانع نہیں بلکہ راہ نما ہے۔ یہی وہ رویہ تھا جس نے خواتین کو دینی فہم میں فعال کردار ادا کرنے کے قابل بنایا۔ چنانچہ صحابیات کے سوالات سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ وہ محض سننے والیاں نہیں بلکہ غور و فکر کے ساتھ دین سمجھنے کی کوشش کرتیں۔ حضور نے اس طرزِ عمل کو سراہا اور فرمایا کہ عورتوں کا سوال کرنا ان کی دینی بصیرت اور فہمِ شرع کی علامت ہے۔ مزید برآں، بعض مواقع پر حضور نے خواتین کی رائے کو

قبول فرمایا اور اس کے مطابق عمل بھی کیا۔ غزوۂ حدیبیہ کے موقع پر حضرتِ امِّ سلمہ کا مشورہ آپ نے انتہائی بصیرت کے ساتھ تسلیم فرمایا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں عورت کی رائے نہ صرف قابلِ احترام بلکہ لائقِ عمل بھی ہے۔ یوں حضور کا یہ تربیتی اسلوب خواتین کے لئے فکری آزادی، علمی اعتماد اور دینی بصیرت کا بہترین نمونہ ہے۔ آپ نے انہیں اس مقام تک پہنچایا جہاں وہ سوال کرنے، دلیل سننے اور فہمِ دین میں اپنا کردار ادا کرنے کے قابل بن گئیں۔

خواتین کی علمی صلاحیتوں کا اعتراف

حضور نے نہ صرف خواتین کو دین سیکھنے کا موقع دیا بلکہ ان کی علمی قابلیت کا کھلے الفاظ میں اعتراف بھی فرمایا۔ آپ کے تربیتی نظام میں خواتین محض تعلیم پانے والیاں نہیں بلکہ علم کی امانت دار اور ہدایت کی شارح بن گئیں۔ سب سے نمایاں مثال حضرتِ عائشہ کی ہے، جن کا شمار صحابۂ کرام میں سب سے زیادہ احادیث روایت کرنے والوں میں ہوتا ہے۔ آپ نے ایسی ہزاروں احادیث روایت فرمائیں جن میں فہم، فقہ، تفسیر اور اجتہاد کے پہلو نمایاں ہیں۔ حضرتِ ابو موسیٰ اشعری فرماتے ہیں: ہم صحابہ کو کسی بات میں کبھی کوئی مشکل پیش آتی تو ہم حضرت عائشہ سے پوچھتے اور آپ کے پاس اس کا علم پاتے۔[4]

یہ قول حضرتِ عائشہ کے اس بلند علمی مقام کی واضح دلیل ہے جو حضور کی تربیت کا نتیجہ تھا۔ آپ صرف ایک راویہ نہیں بلکہ مفسرہ، فقیہہ اور معلمہ بھی تھیں۔ اسی طرح حضرتِ امِّ سلمہ بھی علم و فہم میں ممتاز مقام رکھتی تھیں۔ انہوں نے فقہی معاملات میں کئی بار اپنی رائے ظاہر کی اور بعض اوقات ان کی رائے کے مطابق احکام نازل ہوئے۔ مثال کے طور پر جب غزوۂ احد کے بعد خواتین نے شہدا کے لئے اجر کی مساوات کے متعلق سوال کیا، تو اللہ پاک نے سورۃ الاحزاب میں مرد و عورت کے برابر اجر کا اعلان فرمایا۔ حضرتِ حفصہ، حضرتِ امِّ عطیہ، حضرتِ اسماء بنتِ یزید، حضرتِ ربیع بنتِ معوذ اور دیگر صحابیات نے بھی علم، روایت، تعلیم اور فہمِ دین میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ ان خواتین نے حضور سے سیکھا، یاد رکھا، سمجھا اور آگے امت کو منتقل کیا۔ یہی وہ سلسلہ ہے جس کے ذریعے دین کی تعلیم نسل در نسل پہنچتی رہی۔

ازواجِ مطہرات کا کردار اس حوالے سے بہت نمایاں تھا۔ وہ نہ صرف گھریلو تربیت کا مرکز تھیں بلکہ علمِ دین کی معلمات بھی تھیں۔ مدینہ طیبہ کے گھروں سے علم و معرفت کی روشنی پھیلتی تھی۔ مرد و عورت دونوں ان سے استفادہ کرتے اور ان کے علمی فتاویٰ بعد میں فقہی ذخیرے کا حصہ بنے۔

اسلام نے خواتین کے اس کردار کو سراہا۔ سیدہ عائشہ کا یہ قول کہ انصار کی عورتیں بہترین عورتیں ہیں، انہیں دین سمجھنے میں حیا مانع نہیں ہوتی تھی؛ اس حقیقت کا مظہر ہے کہ اسلام نے عورت کی حیا کو اس کے علم کی راہ میں رکاوٹ نہیں بلکہ زینت قرار دیا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور کی سیرت نے عورت کو وہ مقام عطا کیا جہاں وہ باحیا ہو کر بھی عالمہ، فقیہہ اور معلمہ بن سکتی ہے۔ یوں خواتین کی علمی شرکت کو نہ صرف تسلیم کیا گیا بلکہ اس پر فخر بھی کیا گیا۔ حضور نے اپنے عمل سے یہ واضح فرمایا کہ امت کی فکری و دینی ترقی میں عورت کا کردار ناگزیر ہے اور وہ مردوں کی طرح علمِ دین کی وارث اور مبلغہ بن سکتی ہے۔

دین کو عملی طور پر سمجھنے کی ترغیب

حضور نے دین کی تعلیم صرف نظریات یا الفاظ کی حد تک نہیں رکھی بلکہ اس کے عملی تقاضوں کو نمایاں کیا۔ آپ کی تربیت کا محور یہ تھا کہ علم، عبادت اور عمل ایک دوسرے سے جدا نہیں بلکہ لازم و ملزوم ہیں۔ خواتین کو علمِ دین سکھانے کے ساتھ ساتھ اس پر عمل کی ترغیب دینا بھی آپ کی سنتِ مبارکہ تھی۔ حضور کے تربیتی نظام میں خواتین کی عملی شرکت کے متعدد واقعات ملتے ہیں۔ مثلاً: حضرتِ عائشہ نہ صرف دینی مسائل بیان کرتیں بلکہ خود عمل میں بھی دوسروں کے لئے نمونہ بنتیں۔ عبادت، سخاوت، صبر اور سماجی خدمت میں ان کا کردار

امت کے لئے مشعلِ راہ ہے۔ اسی طرح خاتونِ جنت کی زندگی بھی عملی نمونہ ہے۔ وہ گھر کے امور کے ساتھ عبادت و دعا میں مصروف رہتیں۔ ان کی سادگی، توکل، ایثار اور استقامت دراصل وہی تربیت ہے جو حضور نے اپنی صاحبزادی کو عطا فرمائی۔

حضرتِ امِّ عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ہم حضور کے ساتھ عید کی نماز پڑھا کرتی تھیں،[5] نیز حضور خواتین کو صدقہ دینے کا حکم بھی ارشاد فرماتے۔[6] یہ تعلیم صرف مذہبی فریضہ نہیں بلکہ عملی شعور کا مظہر تھی کہ عبادت کے ساتھ سماجی خدمت بھی ایمان کا حصہ ہے۔

اسی طرح حضور نے عورتوں کو عملی اصلاح کے مواقع بھی عطا کیے۔ مثلاً حضرت اُمِّ سُلیم رضی اللہ عنہا نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اللہ پاک حق بات بیان کرنے سے شرم نہیں فرماتا، کیا عورت پر غسل واجب ہے جب اسے احتلام ہو؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ اگر وہ پانی دیکھے۔[7] یہ سوال جواب اس حقیقت کو ظاہر کرتا ہے کہ حضور نے خواتین کو عملی دین سکھایا؛ ایسا دین جو پاکیزگی، طہارت اور عبادت کے تقاضوں پر مبنی ہے۔ مزید برآں، حضور نے خواتین کو مردوں کے ہمراہ عبادت، جہاد اور خیر کے کاموں میں شرکت کی اجازت دی، مگر اس کے آداب بھی سکھائے۔ اس طرح عورتوں کو عملی دائرے میں قدم رکھنے کی ہدایت دی، مگر حیا، وقار اور نظمِ شریعت کے ساتھ۔ دین کی اس عملی تربیت کے ذریعے خواتین میں نہ صرف دینی بصیرت پیدا ہوئی بلکہ ان کے کردار میں پختگی بھی آئی۔ وہ محض علم کی طالبات نہیں بلکہ عمل کی داعیات بن گئیں۔

حضور کی سیرت سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ آپ کی دعوت محض تعلیم نہیں بلکہ تربیتِ عمل کا ایک مکمل نظام تھی۔ خواتین کو علم دینے کے ساتھ ان کی عملی استعداد کو نکھارنا، انہیں اعتماد عطا کرنا اور دینی ذمہ داریوں میں شریک کرنا؛ یہی وہ پہلو ہے جس سے اسلام میں عورت کو حقیقی عزت و مقام ملا۔

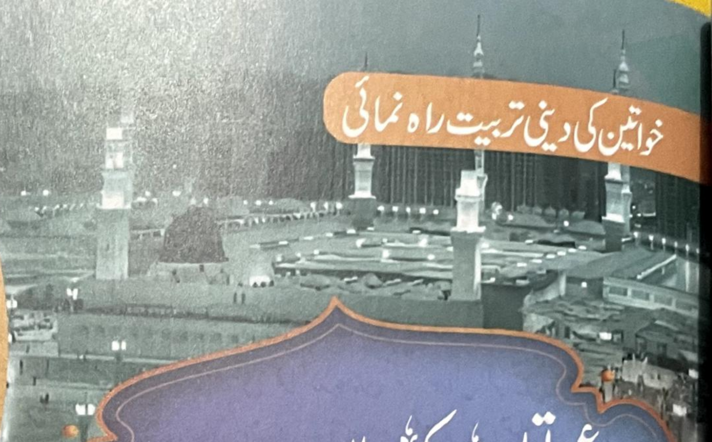
اسلام کی بنیاد علم، بصیرت اور عمل پر قائم ہے۔ حضور نے اپنی تعلیمات اور عملی نمونوں کے ذریعے واضح فرمایا کہ علم کا دروازہ ہر مسلمان کے لئے کھلا ہے؛ خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ آپ نے خواتین کو نہ صرف دینی مسائل سکھائے بلکہ انہیں سوال کرنے، رائے دینے، سمجھنے اور دوسروں تک علم پہنچانے کا حوصلہ بھی دیا۔ حضور کی حوصلہ افزائی نے عرب کی اُس معاشرت کو بدل کر رکھ دیا جہاں عورت کو علم سے محروم رکھا جاتا تھا۔ آپ نے مَردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کے لئے بھی تعلیم کو عبادت کا درجہ دیا اور یوں خواتین علم و فہمِ دین میں اس مقام تک پہنچیں کہ ان کی علمی آرا بعد کے ادوار میں فقہ، تفسیر اور حدیث کے ذخیرے میں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔ حضرت عائشہ، حضرت حفصہ اور حضرت اُمِّ سلمہ اس عہدِ نبوی کے وہ روشن مینار ہیں جن سے امت نے صدیوں تک روشنی حاصل کی۔ ان کی روایت کردہ احادیث اور فہمِ دین آج بھی امت کے لئے راہ نما ہیں۔

اسلام نے عورت کو علم حاصل کرنے کی آزادی ہی نہیں، بلکہ اسے شرعی فریضہ بھی قرار دیا ہے۔ علم عورت کے کردار کو سنوارتا، اس کے شعور کو بیدار کرتا اور اسے خاندان و معاشرے میں اصلاح کا مؤثر ذریعہ بناتا ہے۔ عصرِ حاضر میں جب مادیت اور فکری انحراف انسانیت کو زوال کی طرف لے جا رہے ہیں، تو خواتین کے لئے ضروری ہے کہ وہ حضور کی سیرت سے راہ نمائی حاصل کریں۔ دینی تعلیم کے فروغ، تربیتِ اولاد، اخلاقی کردار اور سماجی خدمت جیسے شعبوں میں خواتین کا کردار اسی وقت مضبوط ہو سکتا ہے جب وہ علمِ دین سے خوب واقف ہوں۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ حضور نے جہاں عورت کو یہ بتایا کہ دین کیا ہے، وہاں یہ بھی سکھایا کہ دین کو کیسے سمجھ کر زندگی میں نافذ کرنا ہے۔ یہی تعلیم آج بھی امتِ مسلمہ کی اصلاح، استحکام اور بقا کا واحد راستہ ہے۔

---

(1) ابن ماجہ، 1/146، حدیث:224 (2) بخاری، 4/510، حدیث:7310 ملخصاً (3) بخاری، 4/132، حدیث:6121 (4) ترمذی، 5/471، حدیث:3909 (5) بخاری، 1/142، حدیث:351 مفہوماً (6) بخاری، 1/53، حدیث: 98 (7) بخاری، 4/132، حدیث:6121





عورتوں کے سوالات اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جوابات مع تربیتی اسالیب

محترمہ اُمِّ فیضان مدنیہ عطاریہ*

دینِ اسلام میں عورت کا مقام اور اس کی علمی بیداری

اسلام وہ واحد دین ہے جس نے عورت کو ذلت اور ظلم و جاہلیت کے اندھیروں سے نکال کر عزت و وقار عطا کرنے کے ساتھ علم کے نور سے بھی آراستہ کیا۔ اسلام سے پہلے عورت کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ اُسے کمتر سمجھا جاتا تھا، ظلم وستم کا نشانہ بنایا جاتا، تعلیم سے محروم رکھا جاتا اور سمجھا جاتا کہ علم صرف مردوں کے لئے ہے۔ عورت کو بولنے، سیکھنے، فیصلہ کرنے بلکہ سوال کرنے تک کا حق حاصل نہ تھا۔ گھر، شادی، طلاق، جنگ و امن؛ کسی بھی معاملے میں اس کی رائے معتبر نہیں سمجھی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ بیٹی پیدا ہوتی تو عار سمجھتے ہوئے اُسے زندہ دفن کر دیتے تھے۔

دینِ اسلام نے عورت کو جہالت کے اندھیروں سے نکال کر عزت وشرف کے بلند مقام پر فائز کیا۔ اس کے لئے عبادات و معاملات، میراث و نکاح، تعلیم و معاشرت، یہاں تک کہ ریاست وعدالت کے دائرے میں بھی حقوق مقرر کیے۔ اسلام نے واضح کیا کہ عورت بھی مرد کی طرح انسان ہے، مکلف ہے اور شریعت کی شریک ہے۔

اسلام میں آزادی کا تصور

اسلام نے عورت کو جو آزادی دی، وہ مغرب کی بے لگام آزادی نہیں، جو عورت کو بازار کی زینت یا ہوس کا شکار بناتی ہے؛ بلکہ وہ آزادی ہے جو عورت کی فطرت، عزت، معاشرتی کردار اور دینی ذمہ داریوں سے ہم آہنگ ہے۔ اسلامی آزادی کے دائرے میں عورت کو

- عبادت کی آزادی،
- علم حاصل کرنے کی آزادی،
- ملکیت وتجارت کی آزادی،
- اظہارِ رائے ومشورے کی آزادی،
- ازدواجی وخاندانی زندگی میں شرکت کی آزادی،
- اور عزت وتحفظ کی آزادی دی گئی۔

یہ ایسی آزادی ہے جو عورت کو باوقار، باشعور اور معاشرے کا مؤثر فرد بناتی ہے۔

سیرتِ نبوی میں خواتین کی علمی جستجو

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی سیرتِ مبارکہ میں عورتوں کی علمی و تربیتی حیثیت واضح طور پر نمایاں نظر آتی

*ذمہ دار شعبہ ماہنامہ خواتین (کراچی سطح)

ہے۔ حضور نے عورتوں کو سیکھنے، سمجھنے، سوال کرنے اور اپنی دینی و اخلاقی تربیت کے لئے کوشش کرنے کی ترغیب دی۔ صحابیات نہ صرف حضور سے سوالات کرتیں بلکہ مختلف مواقع پر اپنی آراء بھی پیش کرتی تھیں اور حضور ان کی باتوں کو غور سے سنتے اور ان کے سوالات کا تسلی بخش جواب دیتے۔

یہ وہ علمی فضا تھی جس میں عورت کو پہلی مرتبہ یہ شعور حاصل ہوا کہ وہ دین کی مخاطب، تعلیم کی مستحق اور فکر و شعور کی حامل ہے۔ یہی وہ تبدیلی تھی جس نے عورت کے مقام کو گھریلو محدودیت سے نکال کر علم و فہم اور دعوت و تربیت کے میدان تک پہنچا دیا۔

علم و سوال کا نبوی منہج اور خواتین کی شمولیت

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی تعلیمات میں جس پہلو کو سب سے زیادہ مرکزیت حاصل ہے، وہ ہے علم کی جستجو اور حقیقت تک پہنچنے کا جذبہ۔ آپ نے فرمایا: علم حاصل کرنا ہر مسلمان (مرد و عورت) پر فرض ہے۔ (1)

یہ ارشادِ نبوی دراصل اُس فکری انقلاب کا اعلان تھا جس نے عورت کو بھی مرد کے برابر سیکھنے اور سمجھنے کا حق عطا کیا۔ مدینہ منورہ میں جب اسلامی معاشرہ تشکیل پا رہا تھا تو اس معاشرے کی بنیاد علم، عدل اور تقویٰ پر رکھی گئی۔ اس علمی فضا میں خواتین نے بھی خود کو پیچھے نہ رکھا بلکہ دینی فہم، شرعی بصیرت اور عملی تربیت میں نمایاں کردار ادا کیا۔

خواتین کے سوالات کا محرک: تقویٰ اور اصلاح

ان صحابیات کا علم و فہم صرف دنیاوی ضرورتوں تک محدود نہ تھا، بلکہ اس کی بنیاد خوفِ خدا، تقویٰ اور اصلاحِ نسواں پر تھی۔ یہ خواتین صرف اپنی ذاتی سہولت کے لئے سوال نہیں کرتی تھیں، بلکہ ان کے سوالات کے پسِ پشت دو بنیادی محرکات کارفرما ہوتے تھے:

ذاتی اصلاح اور آخرت کی فکر

وہ اپنے ہر عمل کو شریعت کے ترازو میں تولنا چاہتی تھیں، اس اندیشے سے کہ کہیں کوئی لغزش انہیں اللہ پاک کی ناراضی میں مبتلا نہ کر دے۔ یہی خوفِ خدا انہیں ہر چھوٹے بڑے معاملے میں وضاحت طلب کرنے پر آمادہ کرتا تھا۔

اصلاحِ نسواں کا شعور

بعض صحابیات صرف اپنی ذات کے لئے نہیں بلکہ تمام خواتینِ اسلام کی نمائندہ بن کر سوال کرتیں۔ مثلاً: حضرت اسماء بنتِ یزید انصاریہ ایک موقع پر خواتین کی جماعت کی ترجمان بن کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عورتوں کے مخصوص مسائل پر سوالات کیے۔ ان کے اس عمل میں اجتماعی ذمہ داری اور دینی شعور کی گہری جھلک نظر آتی ہے۔

سوالات میں حیا اور ادب کا پہلو

یہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ خواتین کے سوالات میں ادب، حیا اور فہمِ شریعت کے تمام تقاضے ملحوظ رہتے۔ وہ نکاح، طلاق، عدت، حیض، عبادات اور گھریلو ذمہ داریوں جیسے نازک فقہی موضوعات پر بھی حضور سے استفسار کرتیں، مگر ان کے سوالات میں وقار، نزاکت اور شرعی آداب نمایاں ہوتے۔ حضور نے بھی ان کی حیا اور سادگی کو سراہا اور ہمیشہ ان کے سوالات کو سنجیدگی سے لیا۔

نبوی تربیت کا اثر

یہی وہ علمی و تربیتی فضا تھی جس نے مسلمان خواتین کو وہ بصیرت دی کہ وہ نہ صرف اپنے دینی فرائض سمجھیں بلکہ آنے والی نسلوں کو بھی ان تعلیمات سے روشناس کرائیں۔ ان سوالات اور جوابات کے نتیجے میں جو علمی ورثہ امت کو ملا، وہ آج تک فقہ النساء، علمِ طہارت، عبادات اور معاملات کے ابواب میں بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔

دین سیکھنے سمجھنے کی آزادی

اسلام نے عورت کو نہ صرف عزت و وقار عطا کیا بلکہ علم و شعور کے حصول کا مکمل حق بھی دیا۔ دینِ اسلام میں مرد و عورت دونوں کو یکساں اجازت ہے کہ وہ حق و باطل میں تمیز

کریں، دینی و معاشرتی امور میں رائے دیں، سوال کریں، سیکھیں اور دوسروں کو سکھائیں۔ یہی وہ انقلابی تصور تھا جس نے انسانی تاریخ میں پہلی بار عورت کو فکری و دینی بیداری عطا کی۔ بلکہ ابھی ایک روایت میں بیان ہوا جس کے مطابق علم حاصل کرنا کسی ایک جنس تک محدود نہیں بلکہ امت کے ہر فرد کی ذمہ داری ہے۔

اسلام میں علم سے مراد وہ معرفت ہے جو انسان کو اللہ پاک کی پہچان، صحیح عقیدۂ توحید، قرآن و سنت کی سمجھ، حلال و حرام کا ادراک، عبادات و معاملات کی راہ نمائی اور اخلاقی و معاشرتی ذمہ داریوں کا شعور عطا کرے۔ یہی علم انسان کو ہدایت، تقویٰ اور صالح کردار کی طرف لے جاتا ہے اور اسی کے ذریعے دین پر درست عمل ممکن ہوتا ہے، کیونکہ حقیقی دینی زندگی علم کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی۔

عورت کے لئے علم کی اہمیت

عورت کے لئے علم حاصل کرنا محض ایک سماجی ضرورت نہیں بلکہ ایک واضح شرعی فریضہ ہے۔ علم وہ عظیم دولت ہے جو عورت کو ایمان کی پختگی، درست عقیدہ، صحیح طرزِ زندگی اور اصلاحِ نسلِ نو کی ذمہ داریاں سمجھنے کی قدرت عطا کرتی ہے۔ ایک باعلم عورت نہ صرف اپنے اعمال میں تقویٰ اور صالح کردار اختیار کرتی ہے بلکہ اپنی اولاد کی تربیت، خاندان کی مضبوطی اور پورے معاشرے کی فکری و اخلاقی تعمیر میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ اسلام نے عورت کو ماں، بیٹی، بہن اور بیوی کے طور پر ایک فعال، مؤثر اور باوقار مقام عطا کیا ہے۔ اس لیے اس کی علمی تربیت صرف اس کی ذاتی کامیابی تک محدود نہیں رہتی، بلکہ یہ ایک اجتماعی ذمہ داری اور معاشرتی ضرورت بھی بن جاتی ہے۔

وحی کے آغاز ہی میں قرآنِ کریم نے تعلیم کا حکم دیا: اِقْرَاْ (پ30، العلق: 1) ترجمہ: پڑھو۔ یہ پہلی وحی اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ اسلام کا سفر ہی علم کے پیغام سے شروع ہوا اور یہ پیغام مرد و عورت دونوں کے لئے یکساں ہے۔ اگر عورتیں علم سے محروم رہیں گی تو وہ اپنی دینی و دنیاوی ذمہ داریوں کو نہ صحیح طور پر سمجھ سکیں گی اور نہ انہیں ادا کر پائیں گی، نتیجتاً وہ خود بھی نقصان اٹھائیں گی اور پورا معاشرہ فکری، اخلاقی اور تربیتی زوال کا شکار ہو جائے گا۔ لہٰذا عورت کی تعلیم فرد، خاندان اور امتِ مسلمہ کی اصلاح کا بنیادی ذریعہ ہے۔

اسلامی تاریخ میں خواتین کی علمی خدمات

ابتدائے اسلام ہی سے خواتین نے علمِ دین میں حصہ لیا۔ انہوں نے قرآن، حدیث، تفسیر، فقہ اور تعلیم و تبلیغ کے میدانوں میں نمایاں کردار ادا کیا۔ بے شمار خواتین نے درس و تدریس، دعوت و اصلاح کے میدان میں وہ مقام حاصل کیا جو کئی مردوں سے بلند تھا۔ آج کی عورت کے لئے لازم ہے کہ وہ ان روشن مثالوں کو سامنے رکھ کر علمِ دین کے حصول اور عمل میں پیش قدمی کرے، کیونکہ علم ہی عورت کو وقار، بصیرت اور تربیتِ نسل کی اہلیت عطا کرتا ہے۔

مسلمان خواتین کے علمی کارنامے

اسلامی معاشرے کی بنیاد ہی علم، تقویٰ اور شعور پر رکھی گئی اور اس علمی میدان میں خواتین نے ہمیشہ نمایاں خدمات انجام دیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کا علمی فیضان پانے والی ازواجِ مطہرات، صحابیات اور بعد کی بزرگ خواتین نے قرآن، حدیث، فقہ اور تفسیر کے علوم میں وہ درجہ حاصل کیا جو کئی علما سے بلند ہے۔

اُمُّ المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ

اُمُّ المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ کا شمار ان جلیل القدر خواتین میں ہوتا ہے جنہوں نے علمِ دین میں غیر معمولی مقام حاصل کیا۔ اگرچہ حضور کی تمام ازواجِ مطہرات علم و فضل میں ممتاز ہیں، مگر حضرت عائشہ کو ان سب پر علمی برتری حاصل ہے۔ آپ کا شمار اُن صحابہ و صحابیات میں ہوتا ہے جو فقہ و حدیث کے ماہر تھے۔ آپ سے 2210 احادیثِ مبارکہ مروی

ہیں[2] اور کبار صحابہ بھی شرعی مسائل میں آپ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ آپ کے فتاویٰ، فقہی استنباط اور احادیث کی تشریح آج تک علمائے امت کے لئے راہ نما ہیں۔

اُمّ المومنین حضرت اُمِّ سلمہ

اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہ بھی علمِ فقہ اور دینی بصیرت میں ممتاز تھیں۔[3] شرعی مسائل میں آپ کی رائے کو صحابہ کرام تسلیم کرتے اور بعض مواقع پر آپ سے استفتا بھی کیا جاتا۔[4] آپ کے کئی اقوال فقہ و تفسیر کی کتب میں محفوظ ہیں، جو مسلمان خواتین کے لئے فہمِ شریعت کا عملی نمونہ ہیں۔

تابعیات کی علمی خدمات

صحابیات کے بعد آنے والی تابعیات نے بھی علومِ قرآن و حدیث کی خدمت میں نمایاں کردار ادا کیا۔ مثلاً: حضرتِ حفصہ بنتِ سیرین مشہور تابِعِیّہ ہیں جنہوں نے علمِ حدیث کی روایت و اشاعت میں نمایاں مقام حاصل کیا۔ آپ نے کبار صحابہ اور تابعین سے احادیث روایت کیں،[5] یہاں تک کہ آپ کی فہم وبصارت کو بعد کے ائمہ نے بھی سراہا۔

اسی طرح فاطمہ بنتِ محمد بن احمد سمرقندیہ فقہِ اسلامی کی ایک عظیم خاتون ہیں جنہوں نے علمی بصیرت اور فقہی مہارت میں ایک منفرد مقام پایا۔ آپ کے شوہر علامہ علاء الدین ابو بکر بن مسعود الکاسانی مصنف بدائع الصنائع، علمی مسائل میں جب کسی مشکل سے دوچار ہوتے تو حضرت فاطمہ اس کا حل پیش کر دیتیں۔[6]

فقہی استنباط میں آپ کی صلاحیت اس بات کا ثبوت ہے کہ اسلام میں عورت صرف مُتَعَلِّمَہ نہیں بلکہ مُجْتَہِدَہ بھی ہو سکتی ہے۔

حضرت نفیسہ بنتِ حسن جو حضرت امام حسن مجتبیٰ کی اولاد میں سے ہیں، قرآنِ کریم کی حافظہ، مفسرہ اور محدّثہ تھیں۔ آپ کی علمی شہرت کے باعث بڑے بڑے علما و زاہدین آپ سے علم حاصل کرتے۔[7] آپ کی علمی مجلسیں نہ صرف عورتوں بلکہ مردوں کے لئے بھی فیض و راہ نمائی کا ذریعہ تھیں۔

دورِ نبوی میں عورتوں کی تعلیم و تربیت کے اسالیب

تعلیمِ دین کا بنیادی منبع: ذاتِ نبوی

دورِ نبوی میں علم حاصل کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ خود حضور کی ذاتِ بابرکت تھی۔ آپ مختلف مواقع پر عورتوں کی تعلیم و تربیت فرماتے، ان کے سوالات کے جوابات دیتے، عملی نمونہ بن کر دکھاتے اور ان کی راہ نمائی فرماتے۔ اسی سے عورتوں میں دینی فہم، فکری شعور اور روحانی بالیدگی پیدا ہوئی۔

قرآن و سنت کی تعلیم: حضور نے خواتین کو قرآن و سنت کی تعلیم دی، ان کی کردار سازی فرمائی اور ان کے علم میں اضافہ کیا۔ آپ نے انہیں نہ صرف دینی احکام سکھائے بلکہ ان کی اخلاقی، روحانی اور سماجی تربیت پر بھی خصوصی توجہ دی۔

اخلاقی تربیت: حضور نے صحابیات کو سچائی، امانت داری، صبر، شکر اور حسنِ سلوک جیسی اعلیٰ اخلاقی اقدار سکھائیں۔

روحانی تربیت: حضور نے انہیں نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور دیگر عبادات کی تعلیم دی تاکہ وہ عبادت و بندگی کے روحانی ذوق سے بہرہ مند ہوں۔

سماجی تربیت: حضور نے خواتین کو سماجی زندگی کے اصول سکھائے؛ مثلاً: دوسروں کے حقوق کا لحاظ رکھنا، بڑوں کی عزت کرنا، چھوٹوں پر شفقت کرنا اور باہمی تعاون و خیر خواہی کے جذبات کو فروغ دینا۔

عملی تربیت کے مظاہر

دورِ نبوی میں عورتوں کی تعلیم و تربیت صرف نظری پہلو تک محدود نہ تھی، بلکہ حضور نے عملی طور پر بھی خواتین کو راہ نمائی دی۔ آپ کی تربیت کے یہ مختلف مظاہر ہمیں احادیثِ مبارکہ میں واضح طور پر نظر آتے ہیں۔

عورتوں کی اجتماعی تربیت

کبھی عورتیں باپردہ ہو کر اجتماعی مجالس میں شامل ہوتیں۔

جیسا کہ حضرت اُمِّ عطیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: حضور نے ہم نو عمر لڑکیوں، حیض والیوں اور پردے والیوں کو حکم دیا کہ عیدین پر نماز کے لئے گھر سے نکلیں مگر حیض والیاں نماز میں شامل نہ ہوں بلکہ بھلائی کے کاموں اور مسلمانوں کی دعا میں شریک ہوں۔ میں نے عرض کی: یارسولَ اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم! ہم میں سے بعض کے پاس تو جلباب (برقع یا بڑی چادر) نہیں۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا: اس کی بہن اسے اپنی جلباب (بڑی چادر کا کچھ حصہ) اوڑھائے۔[8] یہ روایت عورتوں کی اجتماعی تربیت اور عملی شرکت کے حق کو واضح کرتی ہے جو اس دور میں حضور کے تربیتی اہتمام کا حصہ تھا۔

گھروں میں انفرادی تربیت

حضور خواتین کے گھروں میں تشریف لے جاکر ان کے حالات کے مطابق بھی تربیت فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ اللہ پاک کے آخری نبی صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم حضرت اُمِّ سائب یا اُمِّ مُسَیَّب رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے گئے اور دیکھا کہ وہ کپکپا رہی ہیں۔ پوچھا: اے اُمِّ سائب! تمہیں کیا ہوا؟ عرض کی: بخار کی وجہ سے، اللہ پاک اس میں برکت نہ دے۔ تو حضور نے ارشاد فرمایا: بخار کو برا مت کہو، یہ تو ابنِ آدم کی خطاؤں کو یوں دور کرتا ہے جیسے بھٹی لوہے کے میل کو دور کرتی ہے۔[9]

اسی طرح حضرت ابو سلمہ کی وفات کے بعد حضور حضرت اُمِّ سلمہ کے ہاں تعزیت کے لئے تشریف لائے تو دیکھا کہ اُن کے چہرے پر صَبِر (ایلوا) لگا ہوا ہے۔ پوچھا: یہ کیا ہے؟ عرض کی: یہ ایلوا ہے جس میں خوشبو نہیں۔ ارشاد فرمایا: یہ چہرے میں تازگی پیدا کرتا ہے، اگر لگانا ہو تو رات کو لگاؤ اور دن میں صاف کر دو۔ خوشبو اور مہندی سے بھی بال نہ سنوارو۔ (یعنی زمانہ عدّت میں خوشبو دار تیل بدن کے کسی حصے خصوصاً سر میں استعمال نہ کرو اور ہاتھ پاؤں اور سر میں مہندی نہ لگاؤ کہ مہندی میں بھینی خوشبو بھی ہے رنگت بھی۔) عرض کی: کنگھا کرنے کے لئے کیا چیز سر پر لگاؤں؟ (یعنی عورت کو سر دھونے کنگھی کرنے کی ضرورت ہوتی ہے جب یہ چیزیں ممنوع ہو گئیں تو یہ ضرورت کیسے پوری کروں؟) فرمایا: بیری کے پتے سر پر تھوپ لیا کرو۔[10]

یہ دونوں واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ حضور عورتوں کی انفرادی اصلاح کے لئے ان کے گھروں میں تشریف لے جاتے اور ان کے حالات کے مطابق راہ نمائی فرماتے۔

تعلیم و تربیت کے لئے خصوصی دن و جگہ کا تعین

ایک صحابیہ نے بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ ہم کو مردوں کی طرح آپ کی خدمت میں حاضری کا اتنا موقع نہیں ملتا، لہٰذا ایک دن ہم کو بھی عطا فرمائیں۔ چنانچہ حضور نے ایک مخصوص دن اور جگہ مقرر فرمائی جہاں عورتیں جمع ہوتیں اور آپ انہیں خصوصی طور پر تعلیم و تربیت عطا فرماتے۔[11] یہ واقعہ خواتین کے لئے مستقل دینی تعلیم کے انتظام کی بنیاد ہے، جس سے ان کے علمی شعور اور دینی بصیرت میں نمایاں اضافہ ہوا۔

گھریلو سطح پر علم کی ترسیل

حضور نے مرد صحابہ کو حکم دیا کہ وہ جو دینی علم حاصل کریں، وہ اپنے گھر کی عورتوں کو ضرور سکھائیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: اپنے بیوی بچوں کی جانب لوٹ جاؤ، ان کو دین کی باتیں سکھاؤ اور انہیں (ان پر عمل کا) حکم دو۔[12] اسی طرح یہ بھی ارشاد فرمایا کہ عورتوں کو چرخہ کاتنا سکھاؤ اور انہیں سورۂ نور کی تعلیم دو۔[13] اور ایک مرتبہ یہ ارشاد فرمایا: اللہ پاک نے سورۂ بقرہ کو دو ایسی آیات پر ختم فرمایا ہے جو مجھے اس کے عرشی خزانے سے عطا ہوئی ہیں، لہٰذا انہیں خود سیکھو اور اپنی عورتوں اور بچوں کو بھی سکھاؤ کہ یہ دونوں نماز، قرآن اور دعا (کا حصہ) ہیں۔[14] یوں حضور نے عورتوں کی تعلیم و تربیت کے لئے انفرادی، اجتماعی، اخلاقی، روحانی اور علمی تمام پہلوؤں سے جامع نظام قائم فرمایا۔ اسی تربیت کے اثرات بعد کے ادوار میں نمایاں نظر آتے ہیں، جب عورتیں نہ صرف علمِ دین میں ماہر

بنیں بلکہ تعلیم و تبلیغ، افتا و روایتِ حدیث میں بھی علما کے شانہ بشانہ دکھائی دیں۔

عورتوں کو سوال کرنے کی اجازت دینا ایک انقلابی قدم

تاریخِ اسلام میں عورتوں کو سوال کرنے اور اپنے مسائل دریافت کرنے کا حق دینا، بلاشبہ ایک انقلابی اور اصلاحی اقدام تھا۔ حضور نے عورتوں کو جہالت کے اندھیروں سے نکال کر علم کی روشنی عطا فرمائی، انہیں فکری آزادی دی اور ان کے دینی و دنیاوی سوالات کو احترام کے ساتھ سنا اور ان کے جوابات عطا فرمائے۔ یہ تعلیم صرف انفرادی اصلاح تک محدود نہ تھی بلکہ دینی تربیت، معاشرتی اصلاح اور آئندہ نسلوں کی درست تربیت کی بنیاد بھی بن گئی۔ عورت کو سوال کرنے کا حق دراصل اسے دین کی سمجھ، اخلاقی شعور اور فکری بیداری کی طرف گامزن کرتا ہے۔

حضور کے عہدِ مبارک میں صحابیات علم کی پیاسی، دین کی سمجھ رکھنے والی اور عمل کی پیکر خواتین تھیں۔ وہ پاکی و ناپاکی، عبادات، حیض و نفاس، پردہ، نکاح وطلاق اور آخرت کے بارے میں سوالات کرتی تھیں اور حضور نہایت حکمت، محبت اور انفرادی حالات کے مطابق ان کے جوابات مرحمت فرماتے تھے۔ آپ کا طرزِ عمل عورتوں کے لئے نرمی، شفقت اور عزت واحترام کا مظہر تھا۔ آپ نہ صرف ان کے سوالات کو سنجیدگی سے سنتے بلکہ بعض اوقات خود انہیں اپنے ذاتی مسائل میں سوال کرنے کی ترغیب بھی دیتے تھے۔ جیسا کہ مروی ہے کہ حضرت اُمِّ کثیر انصاریہ رضی اللہ عنہا اپنی بہن کے ساتھ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی: میری بہن آپ سے کچھ پوچھنا چاہتی ہے مگر پوچھنے میں ان کو حیا آتی ہے تو آپ نے فرمایا: اسے پوچھنا چاہیے کیونکہ علم حاصل کرنا فرض ہے۔ (15) یہی وجہ ہے کہ اس دور کی خواتین نے دین کے اکثر عملی اور اخلاقی مسائل بلا جھجک پوچھے۔ وہ پاکی، عبادات، اخلاقیات اور معاشرتی آداب سے متعلق سوالات میں کسی قسم کی حیا محسوس نہ کرتیں۔ جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انصار کی عورتوں کے بارے میں فرمایا: انصاری عورتیں کتنی اچھی ہیں کہ شرم و حیا انہیں دین کی سمجھ حاصل کرنے سے نہیں روکتی۔ (16) یہ جملہ اس حقیقت کا گواہ ہے کہ حضور کے تربیتی نظام میں سوال کرنا تعلیم و تربیت کا بنیادی حصہ تھا اور عورتوں کو اس میدان میں برابر کا حق دیا گیا تھا۔

آیئے! اب صحابیات و نیک خواتین کے مختلف اوقات میں پوچھے گئے چند سوالات اور اللہ پاک کے آخری نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے حکمت بھرے جوابات ملاحظہ کیجئے۔ چنانچہ

سوالات کی نوعیت

حیض واستحاضہ سے متعلق سوالات

اسلام نے عورتوں کو نہ صرف عبادات میں شرکت کا حق دیا بلکہ ان کے انفرادی مسائل میں راہ نمائی کے لئے خود حضور نے براہِ راست تربیت فرمائی۔ خواتین نے طہارت، حیض، استحاضہ اور عبادات کے احکام سے متعلق سوالات کھلے دل سے کیے اور حضور نے نہایت حکمت اور وضاحت کے ساتھ ان کے جوابات عطا فرمائے۔

حضرت حمنہ بنتِ جحش رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: مجھے بہت سخت استحاضہ آتا تھا، میں حضور کی خدمت میں مسئلہ پوچھنے حاضر ہوئی اور عرض کی: یارسولَ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم! مجھے بہت سخت استحاضہ آتا ہے، آپ اس بارے میں مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ مجھے تو اس نے روزہ و نماز سے روک دیا ہے! فرمایا: یہ بیماری ایک شیطانی دھوکا ہے۔ تم چھ یا سات دن حیض کے شمار کر لیا کرو، پھر غسل کر لیا کرو، پھر جب یہ سمجھو کہ تم خوب پاک وصاف ہو گئیں تو 23 یا 24 دن رات نمازیں پڑھو اور روزے رکھو کہ یہ تمہیں کافی ہو گا، ہر مہینے یوں ہی کر لیا کرو جیسے عموماً عورتیں اپنے پاکی ناپاکی کے اوقات میں پاک وناپاک رہتی ہیں۔ اگر تم اس پر طاقت رکھو کہ ظہر دیر سے اور عصر جلدی پڑھو تو ایک غسل کرو اور دو نمازیں ظہر و عصر جمع کر لیا

کرو اور مغرب دیر سے عشا جلدی پڑھو تو غسل کرو اور دو نمازیں جمع کر لو تو ایسا کرو اور فجر کے ساتھ غسل کرو اور نماز پڑھو تو ایسا کر لیا کرو اور روزے رکھو اگر اس پر قادر ہو۔[17]

اسی طرح حضرت فاطمہ بنتِ ابو حُبیش رضی اللہ عنہا نے حضور سے عرض کی: یا رسولَ اللہ صلی اللہُ علیہ والہٖ وسلم! میں استحاضے والی عورت ہوں کہ پاک ہی نہیں ہوتی تو کیا نماز چھوڑ دوں؟ فرمایا: نہیں۔ یہ تو رگ ہے، حیض نہیں۔ جب حیض آیا کرے تو نماز چھوڑ دیا کرو اور جب چلا جائے تو خون دھو کر نماز پڑھ لیا کرو۔[18] ایک روایت کے مطابق حضور نے انہیں ارشاد فرمایا: جب حیض کا خون ہو تو وہ کالا خون ہوتا ہے جو پہچان لیا جاتا ہے، جب یہ ہو تو نماز سے رک جاؤ اور جب دوسرا ہو تو وضو کرو کہ وہ تو رگ ہے۔[19]

حضرت اسماء بنتِ ابی بکر رضی اللہ عنہما فرماتی ہیں: ایک عورت نے حضور سے پوچھا: یا رسولَ اللہ! اگر ہم میں سے کسی کے کپڑے پر حیض کا خون لگ جائے تو کیا کرے؟ ارشاد فرمایا: اسے چٹکی سے مل کر کھرچ دے، پھر پانی سے دھو ڈالے، پھر اسی میں نماز پڑھ لے۔[20] اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ حیض کا خون نجاستِ غلیظہ ہے، اس لئے اس کے دھونے میں مبالغہ کرنا چاہیے اسی لئے سرکار نے دھونے سے پہلے مَلنے کا حکم دیا۔ دوسرے یہ کہ ناپاک کپڑا دھلتے ہی پاک ہو جاتا ہے اس لئے سوکھنا شرط نہیں۔ تیسرے یہ کہ نَضَح کے معنٰی چھڑکنا یا چھینٹا دینا نہیں بلکہ دھونا ہیں کیونکہ حیض کا خون پانی کے چھینٹے سے پاک نہیں ہوتا، خوب دھویا جاتا ہے، لہٰذا یہ حدیث امامِ اعظم کی دلیل ہے کہ شیر خوار لڑکے کا پیشاب چھینٹے سے پاک نہیں ہوتا اس کا دھونا ضروری ہے کیونکہ وہاں بھی لفظ نَضَح ہی آرہا ہے۔[21]

حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک عورت مسلسل خون دیکھتی تھی۔ میں نے حضور سے اس کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: وہ مہینے کے ان دنوں کی گنتی کر لے جو بیماری سے پہلے حیض کے دن ہوا کرتے تھے، ان دنوں میں نماز چھوڑ دے، پھر غسل کر کے نماز پڑھتی رہے۔[22]

حضرت اُمِّ عطیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے حضور کو یہ فرماتے سنا: جوان، پردہ نشین اور حائضہ خواتین بھی باہر (عید گاہ کی جانب) نکلیں، بھلائی اور مسلمانوں کی دعاؤں میں شریک ہوں مگر حائضہ خواتین نماز پڑھنے کی جگہ سے دور رہیں۔ حضرت حفصہ بنتِ سیرین رحمۃ اللہ علیہا نے اس پر تعجب کرتے ہوئے پوچھا: کیا حائضہ بھی شریک ہوں؟ تو امِ عطیہ نے فرمایا: کیا وہ عرفات اور فلاں فلاں جگہ حاضر نہیں ہوتیں؟[23]

حضور کے زمانے میں ماحول پاکیزہ، نیتیں صاف اور مسلمان کم تعداد میں تھے، اس لئے عیدین کے موقع پر مسلمانوں کی شوکت اور اجتماعیت کے اظہار کے لئے خواتین کو باپردہ طور پر مسجد آنے کی اجازت تھی۔ بعد میں جب حالات بدل گئے تو حضرت عمر نے اپنے عہدِ خلافت میں عورتوں کو مسجد آنے سے روکا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کے اس فیصلے کی تائید کرتے ہوئے فرمایا: اگر حضور عورتوں کے آج کے حالات دیکھتے تو انہیں مسجد جانے سے روک دیتے۔[24]

علامہ بدرُ الدین عینی حنفی رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں: اگر اُمُّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آج کے دور کی عورتوں کی زیبائش، نمائش اور غیر شرعی اختراعات دیکھ لیتیں تو ان کی سخت مذمت فرماتیں۔[25]

ان احادیث سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ عورتیں نیکی کے کاموں اور تبلیغِ دین کے لئے باپردہ نکل سکتی ہیں۔ انہیں چادر یا برقع یعنی شرعی پردے کے بغیر باہر نکلنے کی اجازت نہیں۔ حیض والی عورت ذکر و دعا کر سکتی ہے خواہ انفرادی طور پر ہو یا اجتماعی طور۔

ازدواجی و گھریلو زندگی سے متعلق سوالات

عورتوں کو صدقہ و خیرات کی ترغیب

حضرت عبدُ اللہ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی زوجہ حضرت

زینب رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: حضور نے فرمایا: اے عورتوں کی جماعت! صدقہ کرو اگرچہ اپنے زیور سے ہی ہو۔ فرماتی ہیں: میں نے اپنے شوہر حضرت عبدُ اللہ سے عرض کی: آپ کچھ تنگ دست ہیں اور حضور نے ہمیں صدقے کا حکم دیا ہے؛ آپ جا کر دریافت کریں کہ اگر آپ پر صدقہ کرنا درست ہو تو میں آپ پر خرچ کر دوں، ورنہ کہیں اور۔ تو حضرت عبدُ اللہ نے فرمایا: تم خود جا کر دریافت کر لو۔ چنانچہ میں گئی تو وہاں ایک انصاری عورت بھی یہی پوچھنے کے لئے حاضر تھی۔ ہم نے حضرت بلال سے درخواست کی کہ حضور کی خدمت میں عرض کریں: دروازے پر دو عورتیں ہیں جو یہ پوچھتی ہیں کہ اگر وہ اپنے شوہروں اور یتیم بچوں پر خرچ کریں تو کیا یہ صدقہ شمار ہو گا؟ چنانچہ حضور کی طرف سے ہمیں یہ جواب ارشاد ہوا: انہیں دوہرا اجر ملے گا؛ ایک رشتہ داری کا، اور دوسرا صدقے کا۔[26]

یہ واقعہ اس بات کا مظہر ہے کہ خواتین اپنے مالی و گھریلو معاملات میں بھی راہ نمائی کے لئے بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوتی رہتی تھیں۔ جیسا کہ اس روایت میں مذکور دونوں صحابیات کے سوال کا حضور نے خیر مقدم فرمایا اور ان کے اخلاص کو سراہا۔ ہمیں اس واقعے سے راہ نمائی کے یہ اصول حاصل ہوئے کہ صدقہ اور خیرات میں نیت کی درستی اور قرابت داری کا لحاظ اجر و ثواب میں اضافے کا باعث بنتا ہے۔

پڑوسیوں کے حقوق میں توازن

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں: میں نے عرض کی: یارسولَ اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم! میرے دو پڑوسی ہیں، ان میں سے کسے ہدیہ دیا کروں؟ فرمایا: جس کا دروازہ تم سے زیادہ قریب ہو۔[27]

اس سوال سے واضح ہوتا ہے کہ خواتین اپنے روزمرہ گھریلو معاملات میں بھی رہنمائی کو ضروری سمجھتی تھیں۔ چنانچہ حضور نے نہایت عملی انداز میں ان کی راہ نمائی فرمائی اور یہ تربیت دی کہ قرب و ضرورت کے لحاظ سے ترجیح دینا اخلاقی توازن کی علامت ہے۔ یوں اس روایت سے گھریلو روابط میں عدل، نظم اور حکمت کے اصول بھی ہمیں سیکھنے کو ملتے ہیں۔

شوہر کا مال خرچ کرنے کی اجازت

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں: میں نے حضور کو حجۃ الوداع کے سال خطبے میں فرماتے سنا کہ کوئی عورت اپنے شوہر کے گھر سے اس کی اجازت کے بغیر کچھ خرچ نہ کرے۔ عرض کی گئی: یارسولَ اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم! کھانا بھی نہیں؟ فرمایا: یہ تو ہمارا بہترین مال ہے۔[28]

یہ روایت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ حضور عورتوں کی معاشی تربیت بھی فرماتے تھے۔ آپ نے انہیں سمجھایا کہ گھریلو زندگی میں شوہر کا مال ایک امانت ہے، اس کے استعمال میں اجازت اور احتیاط لازم ہے۔ گویا حضور نے خواتین کو مالی معاملات میں امانت داری اور احساسِ ذمہ داری کا درس دیا۔

شوہر کے مال سے جائز تصرف کی حد

جب حضور نے عورتوں سے بیعت لی تو ایک خاتون غالباً (قبیلہ) مُضر سے؛ کھڑی ہوئیں اور عرض کی: اے اللہ کے نبی! ہم اپنے باپ، بیٹوں اور شوہروں پر بوجھ ہیں، تو ان کے مالوں سے ہم کس حد تک لے سکتی ہیں؟ فرمایا: اتنا تر کھانا جو تم خود کھالو اور اپنے گھر والوں کو ہدیہ کر دو۔[29]

یہ روایت بھی عورتوں کے لئے معاشی تصرف میں توازن کا عملی نمونہ ہے۔ حضور نے ان کے سوال کو سراہا اور انہیں اجازت کی حدود واضح کر کے اعتدال، کفایت شعاری اور اجازت کی پاسداری سکھائی۔ یوں خواتین کی تربیت اس پہلو سے کی گئی کہ مال کا استعمال نہ افراط میں ہو نہ تفریط میں بلکہ حکمت اور اجازت کے دائرے میں رہے۔

گھریلو ذمہ داریوں کی ادائیگی پر اجر و ثواب

ایک عورت نے حضور کی بارگاہ میں عرض کی: یارسولَ اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم! میں عورتوں کی طرف سے نمائندہ بن کر حاضر ہوئی ہوں، پھر اس نے مردوں کے لئے جہاد کے اجر

اور مالِ غنیمت کا ذکر کیا اور بولی: ہمارے لئے اس کے بدلے میں کیا ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: تجھے جو بھی عورت ملے میری طرف سے اسے یہ بات پہنچا دو کہ بے شک شوہر کی اطاعت اور اس کے حقوق کی ادائیگی کا خیال رکھنا تمہارے لئے جہاد اور مالِ غنیمت کے برابر اجر کا سبب ہے، مگر تم میں بہت کم عورتیں اس پر عمل کرتی ہیں۔ (30)

یہ روایت تربیتِ نسواں کے عملی اسلوب کو نمایاں کرتی ہے۔ عورت نے جب دینی جذبے کے تحت ثواب میں مساوات کے بارے میں دریافت کیا تو حضور نے اس کی فطری ذمہ داریوں کو قدر و وقعت عطا فرمادی اور یہ تربیت دی:

- گھریلو ذمہ داریوں کو معمولی نہ سمجھا جائے،
- شوہر کی اطاعت اور حقوق کی ادائیگی بھی اللہ پاک کی بارگاہ میں جہاد کے برابر ثواب رکھتی ہے،
- ہر طبقے کے لئے عملِ صالح کا میدان مختلف مگر اجر کے لحاظ سے متوازن ہے۔

یوں حضور نے عورتوں کے اندر ان کے گھریلو کردار کو دینی جہاد کی سطح پر فائز کر کے ان کی خود اعتمادی کو مضبوط کیا۔

عورت کی دادرسی اور ظہار کا شرعی حکم

حضرت اوس بن صامت رضی اللہ عنہ نے کسی بات پر اپنی بیوی صاحبہ حضرت خولہ بنتِ ثعلبہ رضی اللہ عنہا سے کہا: تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے۔ یہ کہنے کے بعد حضرت اَوس رضی اللہ عنہ کو شرمندگی ہوئی؛ یہ کلمہ زمانہ جاہلیت میں طلاق شمار کیا جاتا تھا، اس لئے حضرت اَوس رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی صاحبہ سے کہا: میرے خیال میں آپ مجھ پر حرام ہو گئی ہیں۔ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر تمام واقعہ ذکر کیا اور عرض کی: میرا مال ختم ہو چکا، ماں باپ وفات پا گئے، عمر زیادہ ہو گئی اور بچے چھوٹے چھوٹے ہیں۔ اگر انہیں ان کے باپ کے پاس چھوڑوں تو ہلاک ہو جائیں گے اور اپنے ساتھ رکھوں تو بھوکے مر جائیں گے، اب ایسی کیا صورت ہے کہ میرے اور میرے شوہر کے درمیان جدائی نہ ہو۔ حضور نے ارشاد فرمایا: تیرے بارے میں میرے پاس کوئی حکم نہیں یعنی ابھی تک ظہار کے متعلق کوئی نیا حکم نازل نہیں ہوا اور پرانا قانون یہی ہے کہ ظہار سے عورت حرام ہو جاتی ہے۔ حضرت خولہ نے عرض کی: یا رسولَ اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم! حضرت اَوس نے طلاق کا لفظ نہیں کہا، وہ میرے بچوں کے باپ ہیں اور مجھے بہت ہی پیارے ہیں، اسی طرح وہ بار بار عرض کرتی رہیں اور جب اپنی خواہش کے مطابق جواب نہ پایا تو آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہنے لگی: اے اللہ پاک! میں تجھ سے اپنی محتاجی، بے کسی اور پریشان حالی کی شکایت کرتی ہوں اپنے نبی پر میرے حق میں ایسا حکم نازل فرما جس سے میری مصیبت دور ہو جائے۔ حضرت خولہ نے رقتِ قلب کے ساتھ اللہ پاک سے جو دعا کی تو فوری وحی نازل ہوئی اور سورۂ مجادلہ کی آیات کے ذریعے ظہار کا شرعی حکم بیان کیا گیا: بیوی کو ماں کہنا جھوٹ اور ناپسندیدہ ہے، اس سے عورت حرام نہیں ہوتی، البتہ شوہر پر کفارہ لازم آتا ہے۔ (31)

اس واقعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور نے خواتین کو یہ تربیت دی کہ وہ گھریلو نزاعات میں شریعت کی طرف رجوع کریں، صبر و حکمت سے معاملہ پیش کریں اور اللہ پاک کی رحمت سے نااُمید نہ ہوں۔

خیال رہے کہ حضرت خولہ بنتِ ثعلبہ رضی اللہ عنہا کا حضور سے بحث و تکرار کرنا مخالفت یا مقابلے کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ کرم طلب کرنے کے لئے تھا اور اس سے اپنے دکھ درد کا اظہار مقصود تھا اور حضور کی امت چونکہ آپ کی باندی غلام ہیں، اس لئے کرم طلب کرنے کے لئے آپ سے گزارش کر سکتے ہیں۔ نیز یاد رہے کہ اللہ پاک کی بارگاہ میں ہر شکایت کرنی بری نہیں بلکہ بے صبری والی شکایت کرنا برا ہے۔ (32)

ازدواجی اختلافات کے حل میں عورت کی راہ نمائی

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی صاحبہ نے

حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی: یارسولَ اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم! ثابت بن قیس کے اخلاق و دین کے متعلق مجھے کچھ کلام نہیں (یعنی ان کے اخلاق بھی اچھے ہیں اور دین دار بھی ہیں) مگر اسلام میں کفرانِ نعمت کو میں پسند نہیں کرتی (یعنی خوبصورت نہ ہونے کی وجہ سے میری طبیعت ان کی طرف مائل نہیں ہوتی) ارشاد فرمایا: کیا اس کا باغ (جو مہر میں تجھ کو دیا ہے) تو واپس کر دے گی؟ عرض کی: ہاں۔ حضور نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: باغ لے لو اور اسے طلاق دے دو۔(33)

یہ واقعہ ظاہر کرتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے عورت کو ازدواجی معاملات میں اعتماد، عدل اور شریعت کے دائرے میں فیصلے کا شعور عطا فرمایا۔ آپ نے اس عورت کے جذبات کو کمزوری نہیں بلکہ انصاف پسندی کی علامت کے طور پر قبول فرمایا اور خلع کے اصول کو شرعی اعتدال کے ساتھ نافذ کر کے بتایا کہ عورت اپنی ازدواجی زندگی میں رضا و ناپسندیدگی کے احساسات کو چھپا کر جبر سے نہیں جیئے گی بلکہ اسے جائز شرعی راہ سے حل کرنے کا حق حاصل ہے۔

عورتوں کے مالی حقوق کی بحالی

حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی بیوی صاحبہ اپنی دو بیٹیوں کو حضور کی خدمت میں لائیں اور عرض کی: یارسولَ اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم! یہ دونوں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی بیٹیاں ہیں۔ ان کے والد آپ کے ساتھ اُحد میں شہید ہو گئے اور ان کے چچا نے ان دونوں کا مال لے لیا ہے، ان کے لئے کچھ بھی نہیں چھوڑا، اگر ان کے پاس کچھ نہ رہا تو نہ ان کی پرورش ممکن ہے نہ شادی۔ تو حضور نے فرمایا: اس بارے میں اللہ پاک فیصلہ فرمادے گا۔ چنانچہ آیتِ میراث نازل ہوئی اور حضور نے ان لڑکیوں کے چچا کے پاس یہ حکم بھیجا کہ سعد کی دونوں بیٹیوں کو دوثُلث (دو تہائی) اور لڑکیوں کی ماں کو آٹھواں حصہ دے دو اور جو باقی بچے وہ تمہارا ہے۔(34)

معلوم ہوا! حضور نے نہ صرف ایک مظلوم ماں اور یتیم بچیوں کی فریاد سنی بلکہ قرآنی قانونِ وراثت کے ذریعے عورت کے مالی حقوق کو تحفظ عطا فرمایا۔ اس کے ذریعے حضور نے امت کو یہ تعلیم بھی دی کہ عورت کا مالی و قانونی تحفظ محض سماجی بھلائی نہیں بلکہ شرعی فریضہ ہے اور مردوں کو اس کے حق کے تحفظ کے لئے الٰہی عدل کی پیروی کرنی لازم ہے۔

نکاح سے متعلق راہ نمائی

حضرت سُبَیعہ اسلمیہ رضی اللہ عنہا کے شوہر کی وفات کے چند ہی دن بعد ان کے ہاں بچے کی ولادت ہوئی۔ ولادت کے بعد آپ نے پیغامِ نکاح دینے والوں کے لئے بناؤ سنگھار کیا۔ بعض لوگوں نے ان کے اس عمل کو ناپسند کیا اور اعتراض کیا کہ وہ ابھی عدت میں ہیں۔ اس پر حضرت سُبَیعہ نے خود بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر اپنے معاملے کی حقیقت دریافت کی تو حضور نے انہیں نکاح کرنے کی اجازت ارشاد فرمائی۔(35)

یعنی حضرت سُبَیعہ نے جب شرعی مسئلے میں اختلاف دیکھ کر براہِ راست حضور سے راہ نمائی طلب کی تو آپ نے عورت کے علمی سوال کرنے کے حق کو تسلیم فرمایا، بغیر جھجک و شرمندگی کے دینی معاملات پوچھنے کی حوصلہ افزائی کی اور شرعی وضاحت کے ذریعے عورتوں میں فقہی شعور اور اعتماد پیدا فرمایا۔ یوں اس واقعے میں عورتوں کو یہ تربیت دی گئی کہ دینی معاملات میں رائے عامہ کے بجائے براہِ راست علمِ شریعت کی طرف رجوع کیا جائے۔

عورت کا پردہ اور گھریلو کردار

حضرت اُمِّ سَلَمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں اور حضرت میمونہ حضور کی خدمت میں حاضر تھیں کہ (ایک نابینا صحابی) حضرت ابنِ اُمِّ مکتوم حضور کی خدمت میں حاضر ہونے لگے تو حضور نے فرمایا: ان سے پردہ کر لو۔ فرماتی ہیں: میں نے عرض کی: یارسولَ اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم! کیا وہ نابینا نہیں ہیں؟ وہ ہمیں دیکھ سکیں گے نہ پہچان سکیں گے۔ تو آپ نے فرمایا: کیا تم دونوں بھی نابینا ہو؟ کیا تم انہیں نہیں دیکھو گی؟(36)

یہ واقعہ پردے کے اسلامی آداب کو واضح کرتا ہے اور یہ بتاتا ہے کہ پردہ صرف سیدھی نظر سے حفاظت کا معاملہ نہیں بلکہ عورت کی عزت و شرافت اور معاشرتی حدود کا ایک شعوری اظہار بھی ہے۔ حضور نے اس ہدایت کے ذریعے عورتوں کو عزت و وقار کے ساتھ معاشرتی تعلقات کے آداب سکھائے۔

مجاہدین کا مرتبہ پانے سے متعلق راہ نمائی

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: عورتیں رسولِ پاک صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئیں اور انہوں نے عرض کی: یارسولَ اللہ صلی اللہُ علیہ والہٖ وسلم! مرد اللہ پاک کی راہ میں جہاد میں شریک ہو کر فضیلت لے گئے اور ہمارا تو کوئی ایسا عمل نہیں ہے کہ ہم مجاہدین کا درجہ پاسکیں؟ حضور نے ان سے ارشاد فرمایا: تم میں سے جو اپنے گھر میں ٹھہری رہے گی وہ مجاہد کا درجہ پائے گی۔(37) اس روایت سے ہمارے معاشرے کی ان عورتوں کو سبق حاصل کرنا چاہیے جو بلاضرورتِ شرعی گھروں سے باہر نکل کر گھومتی پھرتی اور بازاروں کی رونق بنی رہتی ہیں۔ اگر یہ عورتیں گھروں میں رہیں تو انہیں اللہ پاک کی راہ میں جہاد کرنے والے مجاہدین کی طرح ثواب ملے۔(38)

ماں کی مثال کے ذریعے رحمتِ الٰہی کی تعلیم

حضرت عبدُ اللہ بنِ عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ہم ایک غزوے میں حضور کے ساتھ تھے، کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے تو حضور نے ان سے پوچھا: تم کون ہو؟ وہ بولے: ہم مسلمان ہیں۔ قریب ہی ایک عورت اپنے تنور کو جلا رہی تھی اور اس کے پاس اس کا بچہ تھا۔ جب تنور بھڑک اٹھتا تو وہ عورت جلدی سے بچے کو آگ سے ہٹا دیتی۔ پھر وہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی: کیا آپ اللہ کے رسول ہیں: فرمایا: ہاں۔ بولی: میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، کیا اللہ پاک تمام رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم فرمانے والا نہیں؟ فرمایا: ہاں کیوں نہیں۔ بولی: کیا اللہ پاک اپنے بندوں پر ماں سے زیادہ مہربان نہیں؟ فرمایا: کیوں نہیں۔ تو بولی: ماں تو اپنے بچے کو آگ میں نہیں ڈالتی! اس پر حضور نے سر جھکا لیا اور بہت روئے، پھر چہرۂ مبارک اٹھا کر فرمایا: اللہ پاک اپنے بندوں میں صرف اس کو عذاب دے گا جو سرکشی کرے اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہنے سے انکار کرے۔(39)

اس روایت میں ایک عام عورت کے فطری ماں والے جذبے کو بنیاد بنا کر رحمتِ الٰہی کے وسیع تصور کو دلوں میں نہ صرف اجاگر کیا گیا ہے، بلکہ یہ بھی واضح کیا گیا کہ اللہ پاک کی صفتِ رحمت بندوں پر ایسی محیط ہے کہ وہ بغیر جرم کے کسی کو عذاب نہیں دیتا؛ بلکہ سرکشی، انکارِ حق اور کفر ہی عذاب کا سبب بنتے ہیں۔ یہ تعلیم عورتوں اور مردوں دونوں کے لئے یقینِ رحمت اور خوفِ الٰہی کے متوازن شعور کی بہترین مثال ہے۔

خوفِ آخرت کی تعلیم

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک یہودی عورت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی، آپ سے عذابِ قبر کا ذکر کیا اور کہا: اللہ پاک آپ کو عذابِ قبر سے بچائے۔ حضرت عائشہ نے یہ بات سنی تو حضور سے عذابِ قبر کے بارے میں دریافت کیا تو حضور نے فرمایا: ہاں۔ عذابِ قبر حق ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: اس کے بعد میں نے کبھی نہ دیکھا کہ حضور نے کوئی نماز پڑھی ہو اور عذابِ قبر سے رب کی پناہ نہ مانگی۔(40)

یہ روایت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے ایمانی تربیت کے عملی انداز کو ظاہر کرتی ہے۔ جب ایک غیر مسلم عورت نے عذابِ قبر کا ذکر کیا تو حضور نے اس موقع کو عقیدۂ آخرت کی تصحیح اور مضبوطی کے لئے استعمال فرمایا اور اُمّ المومنین حضرت عائشہ کے ذریعے امتِ مسلمہ کو یہ تعلیم دی کہ خوفِ آخرت اور عذابِ قبر سے پناہ مانگنا عبادت کا لازمی حصہ ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ حضور عورتوں کی تربیت میں صرف ان کے ظاہری یا معاشرتی کردار پر نہیں بلکہ ایمان، عقیدہ اور باطنی

اصلاح پر بھی گہری توجہ فرماتے تھے، تاکہ ان کے دلوں میں اللہ پاک کا خوف اور امید دونوں یکساں قائم رہیں۔

عبادت کے اجر میں مساوات کی تربیت

حضور نے فرمایا: اے عورتوں کی جماعت! جب تم بلال کو اذان و اقامت کہتے سنو تو جس طرح وہ کہتا ہے تم بھی کہو کہ اللہ پاک تمہارے لئے ہر کلمے کے بدلے ایک لاکھ نیکیاں لکھے گا، ہزار درجے بلند فرمائے گا اور ہزار گناہ مٹائے گا۔ عورتوں نے عرض کی: یہ تو عورتوں کے لئے ہے، مردوں کے لئے کیا ہے؟ فرمایا: مردوں کے لئے اس سے دوگنا۔(41)

یہ روایت حضور کے ترغیبی اور مساواتی اسلوبِ تربیت کو واضح کرتی ہے۔ جب عورتوں نے عبادت کے اجر میں اپنے حصے کے بارے میں سوال کیا تو حضور نے نہ صرف ان کی دینی دلچسپی کو سراہا بلکہ انہیں بتایا کہ اذان واقامت کے الفاظ کا تکرار کرنا بھی عظیم اجر کا باعث ہے۔

یوں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے گویا عورتوں کو یہ تربیت دی کہ وہ دینی مواقع سے محرومی محسوس نہ کریں، بلکہ وہ گھروں میں رہتے ہوئے بھی ایمان و عبادت کے ذریعے اجرِ عظیم حاصل کر سکتی ہیں اور یہ کہ مرد و عورت دونوں کے لئے عمل کا میدان الگ ہو سکتا ہے، مگر ثواب اور روحانی ترقی میں اللہ پاک کی رحمت سب کے لئے وسیع ہے۔

ایمانی ذوقِ جمال اور تزکیۂ خانہ داری

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے ایک پردہ خریدا جس میں تصویریں تھیں، جب اسے حضور نے دیکھا تو دروازے پر ٹھہر گئے اور گھر میں داخل نہ ہوئے، میں نے آپ کے چہرہ مبارک پر ناپسندیدگی کے آثار دیکھے تو عرض کی: یا رسولَ اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم! میں اللہ و رسول کی بارگاہ میں توبہ کرتی ہوں، مجھ سے کیا خطا ہو گئی ہے؟ حضور نے فرمایا: اس پردے کا کیا معاملہ ہے؟ میں نے عرض کی: یہ میں نے آپ کے لئے خریدا تھا تاکہ آپ اس پر بیٹھیں یا تکیہ لگائیں۔ تو حضور نے فرمایا: ان تصویروں والے لوگ قیامت کے دن عذاب دیئے جائیں گے، ان سے کہا جائے گا: جو تم نے بنایا انہیں زندہ کرو اور یاد رکھو! جس گھر میں تصویر ہو، اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔(42)

یہ روایت حضور کے اصلاحی اور ایمانی ذوق پر مبنی اسلوبِ تربیت کو ظاہر کرتی ہے۔ حضور نے حضرت عائشہ کے عمل کو سختی کے بجائے نرمی اور راہ نمائی کے ساتھ درست فرمایا اور اس موقع پر عورتوں کو یہ عملی تربیت دی کہ گھر کا ماحول صرف ظاہری صفائی نہیں بلکہ ایمانی پاکیزگی کا مظہر ہونا چاہیے؛ تصویری نمائش اور لہو و لعب والی اشیا سے بچنا ملائکہ کی برکتوں کو باقی رکھتا ہے؛ اور ایمان دار عورت کی شان یہ ہے کہ وہ حضور کے ذوق و ارشاد پر فوراً رجوع اور اصلاح کی روش اختیار کرے۔ یوں اس واقعے میں حضور نے گھریلو زندگی میں تزکیہ، تربیت اور ایمانی شعور کے آداب عملاً سکھائے۔

بچوں کی روحانی سلامتی کا نظام

حضرت عُبید بن رِفاعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت اسماء بنتِ عُمیس رضی اللہ عنہا نے عرض کی: یارسولَ اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم! بے شک حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے بیٹوں کو بہت جلد نظر لگ جاتی ہے، کیا میں کچھ پڑھ کے ان پر دم کر دیا کروں؟ ارشاد فرمایا: ہاں۔ کیونکہ اگر کوئی چیز تقدیر پر غالب آسکتی تو وہ نظر ہوتی۔(43)

یہ واقعہ عورتوں کے دینی شعور اور حضور کے روحانی تربیتی اسلوب کا حسین امتزاج ہے۔ حضرت اسماء نے ماں کی فطری شفقت کے تحت اپنے بچوں کے تحفظ کے بارے میں دریافت کیا اور حضور نے انہیں یہ تعلیم دی کہ جھاڑ پھونک (دم) کرنا ایمان اور توکل کے منافی نہیں بلکہ مشروع (جائز) عمل ہے؛ روحانی علاج بھی اللہ پاک کی تقدیر کے دائرے میں رہتے ہوئے کیا جاتا ہے، اس سے عقیدۂ قضا و قدر متاثر نہیں ہوتا؛ ماں کی دعائیں، دم اور بچوں کے لئے اذکار تربیتِ نسواں کے

اہم حصے ہیں جنہیں حضور نے برقرار رکھا۔ یوں حضور نے عورتوں کو یہ تعلیم دی کہ گھریلو اور مادری کردار میں بھی دینی و روحانی شعور شامل ہونا چاہیے، تاکہ ان کی اولاد ظاہری و باطنی دونوں اعتبار سے محفوظ اور ایمان پر ثابت قدم رہے۔

اسلامی تعلیمات میں غیر مسلم والدین کے حقوق

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جس زمانے میں قریش نے حضور سے معاہدہ کیا تھا میری مشرکہ ماں میرے پاس آئی، میں نے عرض کی: یارسولَ اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم! میری ماں آئی ہے اور وہ (نہ معلوم) اسلام کی طرف مائل ہے یا اسلام سے منہ پھیرے ہوئے ہے، کیا میں اس کے ساتھ حسنِ سلوک کر سکتی ہوں؟ ارشاد فرمایا: اس کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آؤ۔[44] اس ارشادِ نبوی سے معلوم ہوا کہ اسلام نے غیر مسلم والدین کے ساتھ بھی نیکی اور حسنِ سلوک کا حکم دیا ہے۔[45] یہاں تک کہ فقہی اعتبار سے بھی یہ حکم ہے کہ کافر والدین کا نفقہ (خرچ) بھی مسلمان اولاد پر لازم ہے،[46] کیونکہ والدین کا احترام وخدمت مذہب کی بنیاد پر نہیں بلکہ انسانی اور اخلاقی رشتے کی بنیاد پر واجب ہے۔ نیز حضور کی تربیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلام صلہ رحمی، عدل اور نیکی کو عام انسانی فریضہ قرار دیتا ہے، خواہ والدین مسلمان ہوں یا نہ ہوں۔

تعلیمی وتربیتی نبوی اسلوب

الحمدُللہ! مذکورہ روایات کے مطالعے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ حضور نے خواتین کے سوالات کو محض سننے اور جواب دینے تک محدود نہیں رکھا بلکہ ان کے ذریعے عورتوں کی دینی، اخلاقی اور عملی تربیت فرمائی۔ حضور کے جوابات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے عورت کے مقام ومرتبے کو ہر پہلو سے روشن کیا؛ چاہے وہ عبادات کا معاملہ ہو، پردے کا حکم، گھریلو ذمہ داری، یا عقائد واخلاق سے متعلق سوالات۔ حضور نے عورتوں کو یہ شعور عطا فرمایا کہ دین صرف مردوں کے لئے نہیں بلکہ عورتوں کے لئے بھی برابر کی ہدایت اور عمل کا میدان ہے۔ حضور کے جوابات میں نرمی، حکمت اور اصلاح کا وہ حسین امتزاج ملتا ہے جس نے خواتین کے اندر فہمِ دین، عملِ صالح اور اخلاقی استقامت کی روح پیدا کی۔ یوں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کا یہ اسلوبِ تربیت آج کی خواتین کے لئے بھی مشعلِ راہ ہے کہ وہ اپنے سوالات، مسائل اور حالات میں دینی راہ نمائی حاصل کر کے اپنے کردار کو علم وعمل دونوں پہلوؤں سے سنواریں۔

اس کے علاوہ مسلمان خواتین کے سوالات اور حضور کے حکیمانہ جوابات پر مشتمل مذکورہ مثالیں دراصل اُس علمی وتربیتی فضا کی بھی عکاس ہیں جو عہدِ نبوی میں قائم تھی۔ خواتین کے سوالات صرف چند واقعات تک محدود نہیں، بلکہ اس نوع کے سوالات اور حضور کے حکمت وبصیرت سے بھرپور جوابات سے پوری کتبِ حدیث معمور ہیں، جن کے مطالعے سے ہمیں یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح سمجھ میں آتی ہے کہ حضور کی تعلیم وتربیت کا اسلوب سراپا حکمت، محبت اور حالات کے لحاظ سے مناسب تھا۔

حضور جب کسی سوال کا جواب ارشاد فرماتے تو صرف سوال کے ظاہر پر توجہ نہیں دیتے تھے بلکہ سوال کرنے والی کی نیت، سمجھ، حالات، وقت اور شخصیت کو بھی ملحوظ رکھتے۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی ایک ہی نوعیت کے سوال پر مختلف سائلات کو مختلف جوابات مرحمت فرمائے، کیونکہ ہر ایک کی روحانی حالت اور فکری سطح جدا تھی۔

حضور کا یہ اسلوب ہمیں یہ درس دیتا ہے کہ دین کی تعلیم صرف معلومات کی ترسیل نہیں بلکہ دلوں کی تربیت اور انسان کی کیفیت کے مطابق علم عطا کرنا اصل حکمت ہے۔ چنانچہ،

مثالوں کے ذریعے جوابات

حضور نبیِّ کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم جب خواتین کو دین کی تعلیم دیتے تو صرف الفاظ یا فقہی نکات پر اکتفا نہ فرماتے بلکہ دل نشین، فطری اور روزمرہ زندگی سے وابستہ مثالوں کے ذریعے

ان کے دل و دماغ کو منور فرماتے۔ مثلاً: جب کسی عورت نے حیض کے دوران نماز نہ پڑھنے کی حکمت دریافت کی تو حضور نے نہایت نرمی اور شفقت سے اسے فطری عمل قرار دیا اور سمجھایا کہ یہ عورت پر اللہ پاک کی طرف سے رحمت و سہولت ہے، نہ کہ کوئی عیب یا کمزوری۔ اس جواب نے عورت کے ذہن سے شرمندگی یا محرومی کا احساس مٹا دیا اور عبادت سے وقتی معذوری کو ربانی حکمت کے طور پر سمجھنے کا شعور عطا فرمایا۔ ایک اور موقع پر جب کسی عورت نے شوہر کے حقوق کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ شوہر کے حق میں سے ہے کہ اگر اس کے نتھنوں سے خون اور پیپ اور خون و پیپ ملا مادہ جاری ہو اور بیوی اپنی زبان سے چاٹ لے تو بھی اس کا حق ادا نہ ہو گا۔(47)

اس جواب سے حضور نے محض ظاہری خدمت نہیں بلکہ وفاداری، اطاعت اور خلوصِ نیت کے اس تصور کو اجاگر فرمایا جو ازدواجی زندگی کو روحانی تعلق کی صورت میں تبدیل کر دیتا ہے۔ یوں حضور کا یہ تربیتی اسلوب واضح کرتا ہے کہ تعلیمِ دین کا مقصد صرف معلومات دینا نہیں بلکہ دلوں کی اصلاح، کردار کی تعمیر اور بندگی کے جذبے کو بیدار کرنا ہے۔

سادہ، واضح اور سمجھنے میں آسان زبان

حضور نبیِّ کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے جوابات ہمیشہ نہایت واضح، جامع اور دل کو لگنے والے ہوتے تھے۔ آپ کبھی سوال کا جواب ایک مختصر قصے میں دیتے، کبھی سادہ تشبیہ سے سمجھا دیتے اور کبھی چند جملوں میں پوری زندگی کی راہ نمائی عطا فرما دیتے۔ مثلاً جب خواتین نے نیکی اور جنت کے راستے کے بارے میں پوچھا تو حضور نے نہ لمبی گفتگو فرمائی، نہ مشکل الفاظ استعمال کیے بلکہ نہایت سادہ اور جامع انداز میں فرمایا: اگر عورت اپنی نماز، روزہ، پاک دامنی اور شوہر کی اطاعت پر قائم رہے تو وہ جنت کی حق دار ہے۔

یوں حضور نے چند لفظوں میں عورت کی نجات، فضیلت اور کامیابی کا مکمل راستہ واضح فرما دیا۔

اسی طرح جب حضرت اسماء نے عرض کی کہ مرد جہاد کرتے ہیں، ہم عورتوں کے لئے کیا اجر ہے؟ تو حضور نے فرمایا: شوہر کی اطاعت اور اس کے حق کو پہچاننا جہاد اور مالِ غنیمت کے برابر ہے۔

یہ جواب نہ صرف عورت کے مقام و مرتبے کو واضح کرتا ہے بلکہ یہ بھی سکھاتا ہے کہ اسلام میں ہر فرد کے لئے نیکی اور قربِ الٰہی کا دروازہ اپنے حال اور ذمہ داری کے مطابق کھلا ہے۔ حضور کے یہ جوابات آج کی عورت کے لئے بھی روشن مثال ہیں کہ دین کی تعلیم صرف الفاظ نہیں بلکہ محبت، حکمت اور فطرت کے احترام کے ساتھ سمجھائی جانی چاہیے۔

دعا کے ذریعے جواب

حضور نبیِّ کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے جوابات کا ایک نمایاں پہلو دعا کے انداز میں تعلیم دینا بھی ہے۔ کہیں حضور نے دعا کے الفاظ سکھا کر جواب دیا، کہیں اشارے سے سمجھایا۔ یہ جوابات محض الفاظ نہیں تھے بلکہ عورتوں کے دلوں کو تسکین دینے، ان کے مقام کو بلند کرنے اور عمل کی رغبت پیدا کرنے والی حکیمانہ تشریحات تھیں۔ حضور کا یہ اسلوب تعلیم و تربیت کا بہترین ذریعہ بنا، جس سے صحابیات اور دیگر خواتین نے دین کی گہرائی کو سمجھا اور عمل میں پختگی حاصل کی۔ چنانچہ،

ام المومنین حضرت عائشہ روایت کرتی ہیں کہ حضور جب کسی جگہ تشریف رکھتے یا نماز پڑھتے تو کچھ کلمات ارشاد فرماتے۔ فرماتی ہیں کہ میں نے ان کلمات کے بارے میں دریافت کیا تو حضور نے فرمایا: اگر اچھی بات کہی گئی ہو تو ان پر قیامت تک مہر لگ جائے گی اور اگر کوئی لغزش ہو تو یہ اس کا کفارہ بن جائیں گے۔ پھر حضور نے یہ دعا ارشاد فرمائی: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ اے اللہ! تُو پاک ہے، تیری حمد ہے، میں تجھ سے بخشش مانگتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں۔(48)

گویا یہ دعا ہمارے لئے ایک دائمی پیغام ہے کہ دین کی سچائی

صرف زبان سے نہیں بلکہ دل کی حاضری، توبہ اور شکر کے احساس سے وابستہ ہے۔

قرآنِ کریم کے ذریعے جواب

بسا اوقات حضور نے صحابیات کے سوالات کا جواب قرآنِ کریم کے ذریعے عطا فرمایا۔

یہ حضور کے تربیتی اور معلمانہ اسلوب کی عظیم جھلک تھی کہ آپ صرف ذاتی رائے سے نہیں بلکہ وحیِ الٰہی کے تابع ہو کر جواب ارشاد فرماتے۔ جب کوئی سوال کیا جاتا تو حضور فوری جواب دینے کے بجائے اللہ پاک کے حکم کا انتظار فرماتے اور جب وحی نازل ہوتی تو وہ جواب قرآنِ کریم کی آیتوں کی صورت میں بیان فرماتے۔ اس کا ایک نمایاں نمونہ وہ واقعہ ہے جو ظہار سے متعلق سوال میں گزر چکا ہے، جہاں ایک عورت کے سوال پر اللہ پاک نے براہِ راست آیات نازل فرما کر نہ صرف اس کا مسئلہ واضح فرمایا بلکہ خاندانی نظام، عدل اور حقوقِ نسواں کے اصول بھی سکھائے۔

یہ اندازِ تعلیم دراصل صرف سوال کا جواب نہیں تھا، بلکہ اس میں عقیدہ، آداب، عدل اور توحید کی تعلیم بھی شامل تھی۔ یوں قرآنِ کریم کے ذریعے جواب دینا، نبوی تربیت کا وہ اسلوب تھا جس نے امت کو یہ شعور عطا کیا کہ زندگی کے ہر سوال کا جواب اللہ پاک کے کلام میں پوشیدہ ہے۔

خاموشی اور غیر لفظی انداز کے ذریعے تربیت

حضور کا تربیتی انداز صرف الفاظ تک محدود نہیں تھا، بلکہ آپ خاموشی، چہرے کے تاثرات اور عمل کے اشاروں کے ذریعے بھی تعلیم و اصلاح فرمایا کرتے تھے۔

بسا اوقات صحابیات کوئی بات عرض کرتیں تو حضور بلا کلام محض چہرے کے تاثر، خاموشی، یا ہلکی سی مسکراہٹ سے جواب دیتے اور یہی جواب ان کے لئے تعلیم و راہ نمائی بن جاتا۔ مثلاً بعض مواقع پر جب کسی عورت نے کوئی ایسا سوال کیا جس میں شرم یا نادانی کا پہلو غالب تھا، تو حضور نے نرمی اور خاموشی سے اس کی اصلاح فرمائی۔ کبھی صرف نگاہ جھکا لینا، یا چہرے سے ناگواری ظاہر کرنا؛ یہ خود حضور کی تربیت کا حصہ تھا، جیسا کہ حضرت عائشہ کی روایت میں آیا کہ جب انہوں نے تصویروں والا پردہ لٹکایا تو حضور نے اندر داخل ہونا پسند نہ فرمایا۔ یہ خاموش طرزِ عمل ہی دراصل تعلیم و تادیب کی بہترین صورت تھی۔ یوں حضور کے غیر لفظی جوابات صحابیات کے لئے دل پر اثر کرنے والے دروس بن گئے، جن سے انہوں نے یہ سبق پایا کہ عمل، خاموشی اور وقار بھی دعوت و تربیت کے مؤثر ترین طریقے ہیں۔

عصرِ حاضر کے لئے راہ نما اصولوں کا حسین گلدستہ

صحابیات کے سوالات اور حضور کے جوابات کا مطالعہ در حقیقت ایک جامع تربیتی نصاب ہے، جو عورت کی فکری، اخلاقی، دینی اور سماجی تربیت کے ہر پہلو کا احاطہ کرتا ہے۔ ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے خواتین کو نہ صرف علمِ دین سکھایا بلکہ ان کے سوالات کی حوصلہ افزائی فرمائی، انہیں غور و فکر کی دعوت دی نیز ادب، حیا اور وقار کے ساتھ سوال و جواب کے آداب سکھائے۔ یہ طرزِ تربیت صرف ایک زمانی اسلوب نہیں بلکہ ہر دور کے لئے راہ نمائی کا ایک کامل منشور ہے۔ اگر ہم ان واقعات کو موجودہ تناظر میں دیکھیں تو ان سے چند بنیادی اصول اخذ ہوتے ہیں جو آج کی خواتین کی دینی و فکری تربیت میں مشعلِ راہ بن سکتے ہیں:

- حضور نے خواتین کے سوالات کو کبھی ناگواری سے نہیں لیا بلکہ انہیں علم کے دروازے سمجھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تعلیم کا پہلا زینہ سوال کرنا اور علم کی جستجو ہے۔ آج کے تعلیمی و اصلاحی ماحول میں خواتین کے لئے کھلے دل سے سوال کرنے اور صحیح راہ نمائی حاصل کرنے کے مواقع پیدا کرنا از حد ضروری ہے۔
- جب بھی کوئی مسئلہ پیش آتا، حضور اللہ پاک کی وحی کے انتظار میں رہتے۔ یہ طرزِ عمل ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ ہر

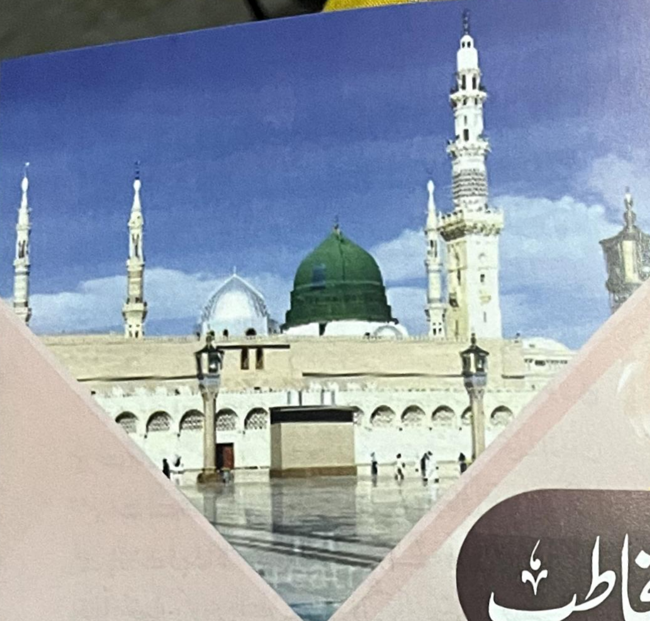
مسئلے میں قرآن وسنت کی روشنی میں جواب دینا ہی اصل راہ نمائی ہے، نہ کہ ذاتی رائے یا جذباتی موقف۔

- حضور کا اسلوب ہمیشہ نرم، تدریجی اور حالات کے مطابق ہوتا۔ صحابیات کے فہم اور ظرف کے لحاظ سے آپ نے جواب دیا۔ آج کی مبلّغات، معلمات اور والدین کے لئے یہ نہایت اہم سبق ہے کہ اصلاح و تربیت میں نرمی اور حکمت کو ہمیشہ مقدم رکھا جائے۔
- بسا اوقات اللہ پاک کے محبوب نے خاموشی، مسکراہٹ یا چہرے کے تاثر سے تعلیم دی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کردار اور عمل گفتار سے زیادہ مؤثر ہوتے ہیں۔ موجودہ دور میں خواتینِ اسلام اگر اپنے کردار کو سیرتِ نبوی کے آئینے میں ڈھالیں تو وہ خود ایک دعوت و تربیت کا پیکر بن سکتی ہیں۔
- یہ واقعات اس بات کی روشن دلیل ہیں کہ اسلام نے خواتین کو علم و فہم کے میدان میں برابر کا حق دیا۔ حضور نے نہ صرف ان کے سوالات کو سنا بلکہ ان کی علمی جستجو کی تعریف فرمائی۔ آج کے تعلیمی اداروں اور اصلاحی تحریکوں کو چاہیے کہ عورتوں کی علمی تربیت کو سیرتِ نبوی کے اس معیار پر استوار کریں۔
- حضور کے جوابات ہمیشہ علم و حیا اور ادب و وقار کے حسین امتزاج سے بھرپور ہوتے۔ آپ نے سکھایا کہ علم کے ساتھ اخلاقی تہذیب اور شرم و حیا لازم ہیں۔ یہ وہ توازن ہے جس کی آج کے معاشرے کو سب سے زیادہ ضرورت ہے۔

یوں کہا جاسکتا ہے کہ حضور نبیِّ کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے خواتین کی تربیت میں سوال کو علم کا دروازہ، قرآن کریم کو ہدایت وراہ نمائی کا روشن منبع، نرمی کو دلوں کی اصلاح کا مؤثر ذریعہ اور عمل کو خاموش مگر بھرپور دعوت کا جامع پیغام بنادیا۔ حضور کا یہ حکیمانہ اندازِ تربیت نہ صرف اُس دور کی خواتین کو باوقار، باشعور اور باعمل بناتا گیا بلکہ آنے والی نسلوں کے لئے بھی کردار سازی، روحانی بالیدگی اور فکری تربیت کا زندہ اور عملی نمونہ ثابت ہوا۔ آج اگر یہی نبوی اصول ہماری گھریلو تربیت، درس و تدریس، مدارس، جامعات اور دینی دعوت و تبلیغ میں شامل ہو جائیں تو اُمتِ مسلمہ کی خواتین علم، حیا، تقویٰ اور اعلیٰ اخلاق کی روشنی سے پورے معاشرے کو دوبارہ منور اور مضبوط بناسکتی ہیں۔

---

(1) ابن ماجہ، 1/146، حدیث:224 (2) عمدۃ القاری، 1/72، تحت الحدیث:2 (3) سیر اعلام النبلاء، 3/475 ملخصاً (4) سننِ کبریٰ للبیہقی، 1/504، حدیث:1608 مفہوماً (5) تہذیب التہذیب، 10/463 ملخصاً (6) الجوہر المضیہ، 2/278 (7) اعلام للزرکلی، 8/44 (8) مسلم، ص343، حدیث:2056 (9) مسلم، ص1068، حدیث:6570 (10) ابو داود، 2/426، حدیث:2305 (11) بخاری، 4/510، حدیث:7310 ملخصاً (12) بخاری، 1/228، حدیث:631 (13) مستدرک، 3/158، حدیث:3546 (14) مستدرک، 2/268، حدیث:2110 (15) اصابہ، 8/456، رقم:12220 (16) بخاری، 1/68 (17) ترمذی، 1/175، حدیث:128 (18) بخاری، 1/131، حدیث:325 (19) نسائی، ص42، حدیث:215 (20) بخاری، 1/125، حدیث:307 (21) مراۃ المناجیح، 1/327 (22) ابو داود، 1/127، حدیث:274 (23) بخاری، 1/337، حدیث:980 (24) بخاری، 1/300، حدیث:869 (25) عمدۃ القاری، 4/649، تحت الحدیث:869 (26) مسلم، ص389، حدیث:2318 (27) بخاری، 2/174، حدیث:2595 (28) ترمذی، 2/149، حدیث:670 (29) ابو داود، 2/182، حدیث:1686 (30) کتاب المجروحین، 1/378، حدیث:350 (31) تفسیر خازن، 4/235 ملخصاً، تفسیر نسفی، ص1215 ملخصاً (32) تفسیر صراط الجنان، 10/27 (33) بخاری، 3/487، حدیث:5273 (34) ترمذی، 4/28، حدیث:2099 (35) بخاری، 3/16، حدیث:3991 (36) ترمذی، 4/356، حدیث:2787 (37) مسند بزار، 13/339، حدیث:6962 (38) تفسیر صراط الجنان، 8/20 (39) ابن ماجہ، 4/515، حدیث:4297 (40) بخاری، 1/463، حدیث:1372 (41) کنز العمال، 4/287، جزء:7، حدیث:21005 (42) بخاری، 2/24، حدیث:2105 (43) ترمذی، 4/13، حدیث:2066 (44) بخاری، 2/371، حدیث:3183 (45) بہار شریعت، 3/552، حصہ:16 (46) عورت اور قرآن، ص402 (47) مستدرک، 2/547، حدیث:2822 (48) نسائی، ص231، حدیث:1341



حضور ﷺ کا خواتین سے طرزِ تخاطب

محترمہ ام محمد مدنیہ عطاریہ*

طرزِ تخاطب کی اہمیت

گفتگو انسان کی شخصیت کا آئینہ ہوتی ہے اور یہ ایک نفیس فن ہے جو محض الفاظ کے تبادلے تک محدود نہیں رہتا، بلکہ بولنے والے کی ذہنی پختگی، تربیت اور اخلاقی اقدار کو بھی نمایاں کر دیتا ہے۔ الفاظ کا مناسب انتخاب، لہجے کی نرمی، مخاطب کے مقام و مرتبے کا لحاظ اور کلام میں تہذیب و سلیقے کی جھلک؛ یہ سب عناصر مل کر انسان کی گفتگو کو مؤثر بناتے اور اس کی شخصیت کو باوقار مقام عطا کرتے ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی گفتگو اس فنِ مکالمہ کا کامل اور اعلیٰ ترین نمونہ ہے۔ جب کوئی شخص آپ سے ہم کلام ہوتا تو آپ اس کی طرف مکمل توجہ فرماتے، نہ صرف دل و دماغ سے بلکہ اپنے پورے جسم کے ساتھ۔ آپ محض سر ہلا کر یا چہرہ موڑ کر بات نہیں کرتے تھے، بلکہ گفتگو کے وقت پوری طرح متوجہ ہوتے، گویا مخاطب کی بات آپ کے نزدیک غیر معمولی اہمیت رکھتی ہو۔ یہ طرزِ گفتگو سامنے والے کے دل میں وقار، اعتماد اور محبت پیدا کر دیتا تھا۔

حضور کی رحمت تمام جہانوں کے لئے عام ہے، اس لئے مردوں اور بچوں کی طرح خواتین بھی آپ کی شفقت اور حسنِ گفتگو سے یکساں طور پر مستفید ہوتی تھیں۔ خواتین سے گفتگو کے وقت آپ کا انداز نہایت شائستہ، نرم اور دل آویز ہوتا، جس میں احترام، توجہ اور رحمت کی جھلک صاف محسوس کی جاسکتی تھی۔ آپ کا یہ طرزِ تخاطب خواتین کے لئے عملی تربیت بھی تھا کہ بات چیت کس طرح وقار، نرمی اور حسنِ اخلاق کے ساتھ کی جائے۔ چنانچہ خواتین سے متعلق حضور کے رحمت بھرے اندازِ گفتگو کی چند جھلکیاں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں۔

گھر کی خواتین کے ساتھ طرزِ تخاطب

ازواجِ مطہرات کے ساتھ

ازواجِ مطہرات کے ساتھ حضور کا طرزِ گفتگو سراسر محبت، شفقت اور حسنِ اخلاق کا مظہر تھا۔ آپ اپنی ازواج سے نہایت نرم و لطیف انداز اور دل نواز الفاظ میں کلام فرماتے، کبھی کنیت سے، کبھی کسی خاص نام یا پیار بھرے لقب سے مخاطب ہوتے۔ مثلاً: حضرت عائشہ کو کبھی حمیرا[1] کہہ کر پکارتے، کبھی محبت سے عائش[2] فرمایا کرتے، اور ایک موقع پر نہایت دل آویز انداز میں ارشاد فرمایا: ہائے! میری دلہن۔[3] اسی طرح آپ محبت کے اظہار میں کسی تکلف کے قائل نہ تھے؛ ایک رات حضرت عائشہ سے فرمایا کہ تم مجھے مکھن ملی کھجور سے بھی زیادہ محبوب ہو[4]، اور ایک موقع پر یہ بھی فرمایا: اے عائشہ! تم مجھ سے اتنی

* معلمہ فیضانِ غزالی نیول کالونی کراچی

خوش نہیں ہو جتنا میں تم سے خوش ہوں۔[5] یہ مبارک کلمات اس حقیقت کو آشکار کرتے ہیں کہ حضور نے ازدواجی زندگی میں محبت کے اظہار کو وقار، شفقت اور حسنِ بیان کے ساتھ جوڑ کر ایک مثالی نمونہ پیش فرمایا۔

اندازِ تفہیم

اگر کوئی بات سمجھانی ہوتی تو اس معاملے میں بھی حضور کی سیرت نہایت حکمت، نرمی اور حُسنِ تربیت کا مظہر تھی۔ ازواجِ مطہرات سے اگر کبھی کوئی لغزش سرزد ہو جاتی تو آپ سختی، غصے یا ڈانٹ ڈپٹ کا طریقہ اختیار نہ فرماتے، بلکہ اس عمل کے اخلاقی نقصان کو اس اسلوب سے واضح کرتے کہ مخاطب کے دل میں خود بخود اس برائی سے نفرت پیدا ہو جائے۔ چنانچہ حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے حضرت صفیہ کے بارے میں کوئی طنزیہ بات کہہ دی۔ اس موقع پر حضور نے ناراضی کا اظہار کرنے کے بجائے نہایت بلیغ انداز میں ارشاد فرمایا: تم نے ایسی بات کہی ہے کہ اگر اسے سمندر میں ملا دیا جائے تو وہ بھی گدلا ہو جائے۔[6] اس حکیمانہ تنبیہ سے یہ حقیقت نمایاں ہوتی ہے کہ حضور اصلاحِ باطن کو مقدم رکھتے اور دل آزاری کے بغیر اخلاقی تربیت فرماتے تھے۔

ڈھارس بندھانا

ڈھارس بندھانے میں بھی حضور کا اسلوب سراسر شفقت، حکمت اور دل نوازی سے بھرپور تھا۔ ازواجِ مطہرات میں سے اگر کوئی کسی بات پر دل برداشتہ ہو جاتیں تو آپ محض تسلی کے رسمی کلمات پر اکتفا نہ فرماتے، بلکہ ایسے دل آویز اور حوصلہ بخش الفاظ ارشاد فرماتے کہ رنج کی کیفیت خوشی اور اطمینان میں بدل جاتی۔ مثلاً: ایک مرتبہ حضرت حفصہ نے حضرت صفیہ کو یہودی کی بیٹی کہہ دیا، جس سے حضرت صفیہ کو شدید صدمہ ہوا اور وہ رونے لگیں۔ جب حضور تشریف لائے اور رونے کا سبب دریافت کیا تو انہوں نے پورا واقعہ عرض کیا۔ اس پر حضور نے نہایت محبت اور عزت افزائی کے انداز میں ان کی ڈھارس بندھاتے ہوئے فرمایا: تم نبی کی بیٹی ہو، تمہارے چچا نبی ہیں اور تم نبی کی زوجہ ہو، پھر حفصہ تم پر کس بات پر فخر کر سکتی ہے؟[7] یہ کلمات حضرت صفیہ کے دل کے زخم پر مرہم بن گئے اور حضور کے رحمت بھرے طرزِ گفتگو کی ایک روشن مثال بن کر سامنے آئے۔

دیگر رشتے دار خواتین کے ساتھ اندازِ گفتگو

دیگر رشتہ دار خواتین کے ساتھ بھی حضور کا اندازِ گفتگو سراسر نرمی، شفقت اور عزت و احترام پر مبنی تھا۔ رضاعی رشتوں کے معاملے میں حضور کی محبت اور قدر دانی خاص طور پر نمایاں نظر آتی ہے۔ جب قبیلۂ ہوازن کے ساتھ جنگ کے بعد ان کے افراد قید ہو کر لائے گئے تو ان قیدیوں میں حضور کی رضاعی بہن بھی شامل تھیں، جو اس وقت تک ایمان نہیں لائی تھیں۔ قید کی حالت میں انہوں نے بارگاہِ نبوی میں عرض کی کہ میں آپ کی رضاعی بہن ہوں۔ چونکہ حضور نے انہیں بچپن کے بعد پہلی مرتبہ دیکھا تھا، اس لئے آپ نے نہایت حکمت کے ساتھ فرمایا کہ اس کی کوئی علامت بتاؤ۔ انہوں نے ایک نشانی بیان کی جسے حضور نے فوراً پہچان لیا۔ یہ یاد آتے ہی آپ پر رقت طاری ہو گئی، آنکھیں نم ہو گئیں اور بچپن کی یادیں تازہ ہو گئیں۔ آپ نے اپنی چادر مبارک زمین پر بچھائی، انہیں نہایت عزت کے ساتھ بٹھایا اور انتہائی محبت آمیز انداز میں فرمایا: اگر تم میرے پاس رہنا چاہو تو پوری راحت اور اطمینان کے ساتھ رہو، اور اگر اپنے قبیلے میں واپس جانا چاہو تو تمہیں مکمل اختیار ہے۔ اس حسنِ سلوک اور شفقت بھرے طرزِ گفتگو کا اثر یہ ہوا کہ انہوں نے خوش دلی سے اسلام قبول کر لیا اور پھر اپنے قبیلے میں واپس جانا پسند کیا۔ حضور نے انہیں انعامات اور عطیات سے نواز کر عزت کے ساتھ رخصت فرمایا۔[8]

اسی طرح حضرت اُمِّ ایمن کے ساتھ حضور کی محبت اور قدر دانی بھی قابلِ غور ہے۔ آپ ان کے مقام و مرتبے کو نہایت احترام سے بیان فرمایا کرتے تھے اور ان کے بارے میں ارشاد فرمایا: ام ایمن میری ماں کے بعد میری ماں ہیں۔[9] یہ الفاظ محض جذباتی وابستگی کا اظہار نہیں بلکہ اس رحمت بھرے مزاج کی

علامت ہیں جس کے تحت حضور ہر اس عورت کو عزت، شفقت اور اپنائیت عطا فرماتے تھے جس کا آپ کی زندگی سے کوئی تعلق رہا ہو۔ یہ طرزِ گفتگو عورت کے دل کو اعتماد، تحفظ اور عزت کا احساس عطا کرتا ہے اور سیرتِ نبوی کے جمالی پہلو کو نمایاں کرتا ہے۔

عام خواتین سے طرزِ تخاطب

اکتاہٹ کا اظہار نہ فرمانا

حضور کا طرزِ گفتگو ہر طرح کی بیزاری اور اکتاہٹ سے پاک تھا۔ جب کوئی عورت بارگاہِ نبوی میں اپنا مسئلہ لے کر حاضر ہوتی تو حضور پوری توجہ اور دل جمعی سے اس کی بات سنتے، بعض اوقات الگ ہو کر بھی استفسار فرماتے، اور طویل گفتگو کے باوجود چہرۂ مبارک پر ناگواری کے آثار ظاہر نہ ہوتے۔ یہی حلم، توجہ اور شفقت اس اسلوب کی نمایاں خصوصیت تھی۔ اس طرزِ عمل کی ایک روشن مثال سورۂ مجادلہ کی ابتدائی آیت میں محفوظ ہے: قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَ تَشْتَكِیْۤ اِلَى اللّٰهِ ۗ (پ28، المجادلۃ:1) ترجمہ: بیشک اللہ نے اس عورت کی بات سن لی جو اپنے شوہر کے معاملے میں آپ سے بحث کر رہی ہے اور اللہ کی بارگاہ میں شکایت کرتی ہے۔ یہ حضرت خولہ بنتِ ثعلبہ کا واقعہ ہے، جو اپنے شوہر اوس بن صامت کے ظہار کے مسئلے پر حاضر ہوئیں۔ حضور نے ابتدا میں شرعی حکم کے ظاہر پر گفتگو فرمائی، مگر حضرت خولہ اپنی مجبوری، فقر، بچوں کی ذمہ داری اور تنہائی کا ذکر کرتے ہوئے مسلسل عرض گزار رہیں۔ حضور پوری توجہ سے ان کی بات سنتے رہے، حتی کہ حضرت خولہ نے اپنی فریاد اللہ پاک کے حضور پیش کر دی۔ اسی لمحے وحی نازل ہوئی اور ان کی شکایت کو قبولیت عطا ہوئی۔(10)

توجہ سے مسائل سن کر منصفانہ راہ نمائی

حضور کا مبارک انداز یہ تھا کہ جب صحابیات اپنے مسائل لے کر حاضر ہوتیں تو حضور پوری توجہ سے ان کی بات سنتے، مسئلے کی تہہ تک پہنچتے اور پھر ایسا جواب عطا فرماتے جو محض راہ نمائی نہ ہوتا بلکہ دل کو سہارا دینے والا اور روح کو قرار بخشنے والا ہوتا۔ اس محبت آمیز طرزِ گفتگو میں سننے والی یوں محسوس کرتی جیسے اس کے دل کے سارے بوجھ ہلکے ہو گئے ہوں، دکھ، پریشانیاں اور محرومیاں پسِ منظر میں چلی گئی ہوں اور ایک قلبی اطمینان اس کے وجود کو ڈھانپ لیتا ہو۔

اسی حکیمانہ اور شفیق اسلوب کی ایک روشن مثال وہ نورانی بشارت ہے جو حضور نے امت کو عطا فرمائی۔ آپ نے فرمایا کہ وہ ماں جس کے دو یا تین بچے کم عمری میں دنیا سے رخصت ہو جائیں، اس کے لئے یہ جدائی محض غم نہیں بلکہ مغفرت اور رحمت کا ذریعہ بن جاتی ہے۔(11) یہ کلمات محض خبر نہیں تھے بلکہ ٹوٹے ہوئے دلوں کے لئے تسلی اور بے قرار روحوں کے لئے قرار تھے۔ آج بھی جب کوئی غم زدہ ماں اس بشارت کو سنتی ہے تو اس کے زخموں پر گویا ایک الٰہی مرہم رکھ دیا جاتا ہے اور اس کا دل صبر اور سکون کی چادر اوڑھ لیتا ہے۔ یہی اندازِ نبوت ہے جو ہمیں سکھاتا ہے کہ مسائل کا حل محض الفاظ سے نہیں، بلکہ رحم، شفقت، تسلی اور دل جوئی سے نکلتا ہے، اور یہی اخلاقی سرمائے گھروں، رشتوں اور معاشروں کو جوڑ کر رکھتے ہیں۔

گھریلو مسائل میں عدل اور راہ نمائی

حضور گھریلو معاملات میں کامل عدل اور حکیمانہ راہ نمائی کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ خواتین کے حقوق کے معاملے میں بھی آپ پوری دیانت اور توازن کے ساتھ فیصلہ فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ہند بنتِ عتبہ، جو ابوسفیان کی زوجہ تھیں، بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئیں اور اپنے شوہر کے بخل کی شکایت کی۔ انہوں نے عرض کی کہ ابوسفیان گھر کے اخراجات پوری طرح فراہم نہیں کرتے، تو کیا وہ ان کی اطلاع کے بغیر ان کے مال میں سے اتنا لے سکتی ہیں جو ان کے اور ان کے بچوں کے لئے کافی ہو؟ اس پر حضور نے نہایت واضح اور منصفانہ راہ نمائی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: دستور کے مطابق لے لیا کرو۔(12)

یہ واقعہ گھریلو زندگی میں عدل، انصاف اور اعتدال کی اہمیت کو نمایاں کرتا ہے۔ حضور نے اس معاملے میں نہ تو فریقین میں سے کسی کی حق تلفی کی اور نہ ہی حدودِ شریعت سے تجاوز کی اجازت

دی، بلکہ عورت کے حقِ کفالت کو بھی محفوظ رکھا اور ناحق تصرف سے بھی روکا۔ یہی وہ اسلوبِ نبوت ہے جس میں عورتوں کی شکایات کو نہ صرف سنا گیا بلکہ انہیں سنجیدگی، احترام اور انصاف کے ساتھ حل بھی کیا گیا۔ حضور امت کی خواتین کے مسائل کو نظر انداز نہیں فرماتے تھے، بلکہ ان کی دادرسی کو اپنی ذمہ داری سمجھتے تھے اور یہی عدل و شفقت پر مبنی طرزِ عمل گھریلو نظام کے استحکام کی بنیاد ہے۔

حاجت بر آری

حضور تمام خواتین کے ساتھ عزت، شفقت اور احترام کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ حتی کہ وہ خواتین بھی جن کی عقل میں کچھ کمزوری ہوتی، آپ ان کے ساتھ بھی مکمل وقار اور توجہ سے پیش آتے تھے۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ ایسی ہی ایک خاتون نے عرض کی: یارسول اللہ! مجھے آپ سے ایک کام ہے۔ تو آپ نے نہایت شفقت سے فرمایا: اے فلاں کی ماں! سوچ لو! کون سی گلی تمہیں پسند ہے، میں وہیں تمہارا کام سن لوں گا۔ پھر آپ اس کے ساتھ ایک راستے میں کھڑے رہے، یہاں تک کہ وہ اپنی بات مکمل کر کے فارغ ہو گئی۔[13]

یہ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ حضور نے نہ صرف اس خاتون کا مان رکھا بلکہ اس کی حاجت کو بھی پوری توجہ سے سنا۔ آپ خواتین کی عزت کا اس قدر خیال فرماتے تھے کہ آزاد عورتوں ہی نہیں، بلکہ مدینہ کی لونڈی بھی اگر کسی ضرورت کے لئے آپ کا ہاتھ تھام لیتی تو آپ اسے جھڑکنے کے بجائے اس کی حاجت پوری فرماتے، خواہ وہ اپنے گھر لے جاتی یا کسی اور جگہ۔[14] اسی طرح بیوگان اور مساکین کے ساتھ ان کی ضرورت پوری کرنے کے لئے چلنے میں بھی آپ نے کبھی عار محسوس نہ فرمائی۔[15] یہی وہ اسوۂ رحمت ہے جس نے معاشرے کے کمزور طبقات کو عزت، اعتماد اور سہارا عطا کیا۔

باحیا انداز

حضور خواتین کی تربیت بھی فرماتے تھے اور دربارِ نبوی میں خواتین کا اپنے مسائل کے ساتھ حاضر ہونا ایک معروف اور معمول کا عمل تھا، مگر اس کے باوجود آپ کا طرزِ عمل نہایت باحیا اور باوقار ہوتا۔ آپ مردوں سے ہاتھ ملا کر بیعت لیتے تھے، لیکن خواتین سے کبھی مصافحہ نہیں فرمایا، بلکہ صرف کلام کے ذریعے بیعت لیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت اُمیمہ بنتِ رُقیقہ بیان فرماتی ہیں کہ جب وہ چند صحابیات کے ساتھ بیعت کے لئے حاضر ہوئیں تو حضور نے ہم میں سے کسی سے بھی ہاتھ ملا کر بیعت نہیں لی۔[16] یہ انداز نہ صرف اعلیٰ درجے کی حیا کی علامت تھا بلکہ امت کے لئے ایک واضح عملی راہ نمائی بھی۔ تاہم یہ حیا کبھی شریعت کے تقاضوں اور دینی راہ نمائی میں رکاوٹ نہیں بنی۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت اُمِّ سِنان نے بارگاہِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی: یارسول اللہ! مجھے آپ کی خدمت میں آتے ہوئے حیا محسوس ہوتی ہے، کیونکہ میں کسی حاجت کے سبب ہی حاضر ہوتی ہوں۔ اس پر حضور نے نہایت حکیمانہ انداز میں فرمایا کہ اگر تم سوال کرنے میں جھجک نہ رکھو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔[17] یوں حضور نے سکھایا کہ حیا ایمان کا زیور ہے، مگر دینی مسائل اور ضروریات کے بیان میں جھجک اختیار کرنا مناسب نہیں، بلکہ حق بات کا پوچھنا ہی خیر اور بھلائی کا ذریعہ ہے۔

بات کا بھرم رکھنا

حضرت اُمِّ ہانی بنت ابی طالب نے ایک مشرک کو امان دی اور حضور نے اس عمل کی حفاظت کرتے ہوئے فرمایا: اے اُمِّ ہانی! جس کو تم نے امان دی، ہم نے بھی اسے امان دی۔[18] یوں حضور نے واضح فرمایا کہ وعدہ اور امان کا احترام سب پر مقدم ہے، اور خواتین کی نیک نیتی اور ذمہ داری کی حفاظت بھی آپ کے اصولِ عدل و احسان کا حصہ ہے۔

پر دلیل جواب

ایک مرتبہ حضرت اُمِّ سلیم نے حضور سے سوال کیا: یارسول اللہ! کیا عورتوں کو بھی احتلام ہوتا ہے؟ حضور نے بڑے تحمل اور حکمت کے ساتھ فرمایا: ورنہ بچہ ماں کے ہم شکل کیسے ہوتا؟[19]

یوں آپ نے نہ صرف حقیقت کو آسان انداز میں بیان فرمایا بلکہ خواتین کے فطری اور حیاتیاتی مسائل کو بھی شرعی روشنی میں سمجھانے کا اعلیٰ نمونہ دکھایا۔ اس جواب میں حضور کی رحمت، حکمت اور خواتین کی فطرت کے احترام کی جھلک واضح ہے۔

اندازِ مزاح

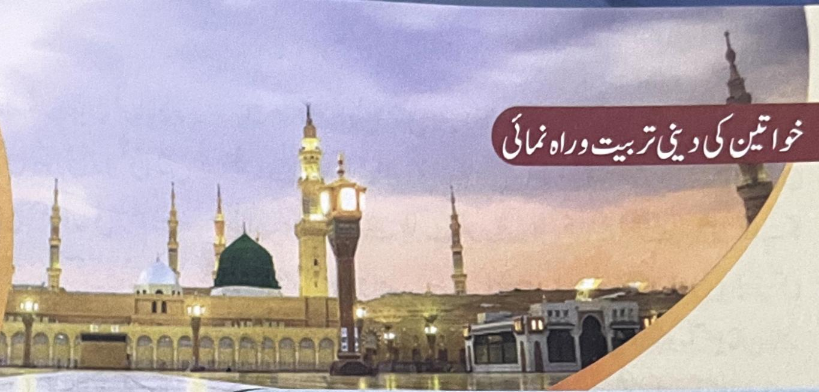
امام غزالی حضور کے خواتین سے پر مزاح انداز کو بیان کرتے ہوئے نقل فرماتے ہیں: ایک بوڑھی عورت بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئی، حضور نے اس سے فرمایا: جنت میں کوئی بوڑھی داخل نہیں ہوگی۔ یہ سن کر وہ رونے لگی تو آپ نے ارشاد فرمایا: تم اس دن بوڑھی نہیں ہوگی۔ اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے: اِنَّاۤ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءًۙ(۳۵) فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًاۙ(۳۶) (پ27، الواقعۃ: 35، 36) ترجمہ: بیشک ہم نے ان جنتی عورتوں کو ایک خاص انداز سے پیدا کیا تو ہم نے انہیں کنواریاں بنایا۔ ایک اور موقع پر حضرت اُمّ ایمن بارگاہِ رسالت میں آئیں اور عرض کی کہ میرے خاوند آپ کو یاد کر رہے ہیں۔ حضور نے مزاحیہ انداز میں پوچھا: کون؟ وہی جس کی آنکھ میں سفیدی ہے؟ حضرت اُم ایمن نے عرض کی: اللہ کی قسم! ان کی آنکھ میں کوئی سفیدی نہیں ہے۔ تو حضور نے فرمایا: ہاں، اس کی آنکھ میں سفیدی ہے۔ اس سے آپ کی مراد آنکھ کے سیاہ حلقے کے گرد موجود سفید حصہ تھی۔ اسی طرح ایک عورت بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئی اور عرض کی: یارسولَ اللہ! مجھے سواری کے لئے اونٹ عطا فرمائیں؟ ارشاد فرمایا: ہم تمہیں اونٹ کے بچے پر سوار کریں گے۔ اس نے عرض کی: میں اس کا کیا کروں گی وہ تو مجھے نہیں اٹھا سکے گا، تو آپ نے ارشاد فرمایا: ہر اونٹ، اونٹ ہی کا تو بچہ ہوتا ہے۔[20]

ان واقعات سے معلوم ہوا کہ حضور کا اندازِ گفتگو نرمی، شفقت، حکمت اور لطیف مزاح کا حسین امتزاج تھا۔ آپ نہ صرف خواتین کی بات بغور سنتے بلکہ ان کے جذبات، حیا اور وقار کا بھرپور لحاظ رکھتے اور ہر جواب میں دل کو اطمینان اور روح کو سکون پہنچاتے۔ آپ کے مزاح میں کبھی دل آزاری یا طنز نہ ہوتا بلکہ لطافت، دل نشینی اور اخلاقی حکمت کے ساتھ حقیقت بیان فرماتے، جیسا کہ اونٹنی کے بچے یا آنکھ کی سفیدی کی مثال میں ظاہر ہوا۔ حاجت طلب کرنے والی خواتین کے ساتھ آپ کا رویہ احترام اور صبر سے بھرا ہوتا، چاہے وہ جوان ہوں، بوڑھی ہوں یا غلام، آپ کی باتیں ان کے دل میں اعتماد، اطمینان اور خوشی پیدا کرتیں اور اللہ پاک کی نعمتوں پر شکر کرنے کا احساس جگاتیں۔ اس طرح آپ کے اندازِ گفتگو سے ماحول نرم، پرامن اور رحمت بھرا رہتا اور ہر خاتون کو محسوس ہوتا کہ اس کے جذبات اور حقوق کی حفاظت نبوی اصولوں کے مطابق کی جا رہی ہے۔ یہ سلیقہ وشفقت، نرمی اور حکمت کی کامل مثال ہے، جو ہمیں خواتین کے ساتھ محبت، احترام اور عدل کے ساتھ پیش آنے کی راہ نمائی فراہم کرتی ہے۔ بلاشبہ سیرت کا یہ پہلو ہمیں سکھاتا ہے کہ گفتگو صرف لفظ نہیں، بلکہ دلوں کو جوڑنے اور رشتے مضبوط کرنے کا ذریعہ ہے۔ نرمی، خلوص اور مکمل توجہ دلوں میں اثر ڈالتی اور شخصیت کو دلکش وباثروت بناتی ہے۔

---

1. مدارج النبوت، 2/469
2. بخاری، 2/551، حدیث: 3768
3. مسند امام احمد، 43/216، حدیث: 26112
4. طبقات ابن سعد، 8/63
5. سنن کبریٰ للبیہقی، 7/694، حدیث: 15427
6. ابوداود، 4/353، حدیث: 4875 مفہوماً
7. ترمذی، 5/475، حدیث: 3920
8. استیعاب، 4/425، رقم: 3437 ملخصاً
9. مواہب لدنیہ، 1/428
10. تفسیر خازن، 4/235
11. بخاری، 4/510، حدیث: 7310
12. بخاری، 3/516، حدیث: 5364
13. مسلم، ص977، حدیث: 6044
14. بخاری، 4/119، حدیث: 6072 مفہوماً
15. نسائی، ص243، حدیث: 1411
16. مستدرک، 5/96، حدیث: 7030
17. معجم کبیر، 25/173، حدیث: 424
18. ابوداود، 3/111، حدیث: 2763
19. بخاری، 1/68، حدیث: 130
20. احیاء علوم الدین، 3/159، 160





حضور ﷺ کا خواتین کے مخصوص مسائل میں ان کی تربیت فرمانا

محترمہ بنتِ محمد عدنان مدنیہ عطاریہ*

اسلامی تاریخ میں عورت کا مقام محض معاشرتی وجود تک محدود نہیں بلکہ وہ دینی شعور، اخلاقی تربیت اور عملی کردار کا ایک مضبوط ستون ہے۔ بعثتِ نبوی سے قبل عورت مختلف معاشرتی پابندیوں، ناانصافیوں اور عدمِ تحفظ کا شکار تھی، مگر پھر عورت کی حیثیت میں بنیادی اور ہمہ گیر تبدیلی رونما ہوئی اور اس کو نہ صرف قانونی اور معاشرتی حقوق ملے بلکہ اس کی فکری، اخلاقی اور دینی تربیت کو بھی خصوصی اہمیت دی گئی۔

سیرتِ نبوی کا مطالعہ اس حقیقت کو نمایاں کرتا ہے کہ حضور نے خواتین کی تعلیم و تربیت کو عمومی انداز میں نہیں بلکہ ان کے مخصوص حالات، فطری تقاضوں اور عملی مسائل کے تناظر میں انجام دیا۔ عبادات، طہارت، ازدواجی زندگی، حیا، معاشرتی معاملات اور ذاتی سوالات جیسے حساس موضوعات میں حضور نے ایسا اسلوب اختیار فرمایا جس میں سنجیدگی بھی تھی، سہولت بھی اور تربیت بھی۔ نیز اس تربیت میں نہ سختی پائی گئی نہ تحقیر، بلکہ حکمت، تدریج اور نفسیاتی آگاہی نمایاں نظر آئی۔

یہ تحریر اسی پہلو کا جائزہ لینے کی کوشش ہے کہ حضور نے خواتین کے مخصوص مسائل میں کس طرح راہ نمائی فرمائی، کن اصولوں کو پیشِ نظر رکھا اور وہ کون سا تربیتی منہج تھا جس نے خواتین کو علم، عمل اور اعتماد کے ساتھ دینی زندگی گزارنے کے قابل بنایا تاکہ سیرتِ نبوی کا یہ اہم مگر کم توجہ پانے والا پہلو واضح ہو جو آج کے دور میں بھی فکری اور عملی راہ نمائی فراہم کرتا ہے۔

خواتین کی تعلیم و تربیت میں بنیادی اصول

جب ہم حضور کے تربیتی منہج کا مطالعہ کرتے ہیں تو واضح ہوتا ہے کہ خواتین کی تعلیم و راہ نمائی محض احکام پہنچانے تک محدود نہ تھی، بلکہ ایک ہمہ جہتی تربیتی نظام کا حصہ تھی۔ حضور عورت کی فطرت، نفسیات اور معاشرتی ذمہ داریوں کو پیشِ نظر رکھ کر گفتگو فرماتے اور سوال کرنے پر حوصلہ افزائی کرتے تھے، یہاں تک کہ صحابیات کو مسائل پوچھنے میں کبھی جھجک محسوس نہ ہوئی۔ چنانچہ حضور کی تربیت کا پہلا نمایاں اصول تسلی بخش وضاحت ہے۔ خواتین کے مخصوص مسائل؛ چاہے وہ طہارت سے متعلق ہوں، ازدواجی تعلقات سے، یا حیا کے دائرے میں آتے ہوں' ان سب پر حضور نے واضح راہ نمائی فرمائی، مگر ایسے انداز میں کہ عورت کی عزتِ نفس مجروح نہ ہو نہ سوال کو معیوب سمجھا گیا اور نہ مسئلے کو نظر انداز کیا گیا۔

دوسرا بنیادی اصول تدریج اور سہولت ہے۔ حضور نے خواتین کو احکام سکھاتے وقت سختی یا جلد بازی اختیار نہیں فرمائی،

* دار الحبیبیہ دھوراجی کالونی کراچی
متخصصہ فی الفقہ الاسلامی

بلکہ حالات کے مطابق مرحلہ وار تربیت دی۔ یہی وجہ ہے کہ عبادات، گھریلو ذمہ داریوں اور سماجی فرائض میں توازن پیدا ہوا اور عورت کو ایک بوجھ تلے دبایا نہیں گیا۔

تیسرا اہم اصول اعتماد سازی ہے۔ حضور نے خواتین کو محض سننے والیاں نہیں بلکہ سمجھنے اور عمل کرنے والیاں بنایا۔ ان کے سوالات کو قبول کرنا، ان کی رائے سننا اور بعض مواقع پر ان کی بات کو ترجیح دینا اس بات کی علامت ہے کہ خواتین کو دینی شعور میں ایک فعال کردار دیا گیا۔ یوں حضور کے اسلوبِ تربیت میں نہ صرف مسائل کا حل موجود ہے بلکہ ایک ایسا تربیتی نمونہ بھی سامنے آتا ہے جو عورت کو دین کے دائرے میں باشعور، باخبر اور بااعتماد بناتا ہے۔ یہی اسلوب اس تحریر کی بنیاد ہے۔

اسلامی احکام کی جامعیت اور طہارت کی اہمیت

اسلام ایک جامع دین ہے جو انسانی زندگی کے ہر گوشے میں راہ نمائی فراہم کرتا ہے۔ معاملات ہوں یا معاشرت، میل جول کے آداب ہوں یا کھانے پینے اور اٹھنے بیٹھنے کے سلیقے، لباس ہو یا طرزِ زندگی؛ اسلام کسی پہلو کو تشنہ نہیں چھوڑتا۔ اسی ہمہ گیری کا ایک نمایاں مظہر طہارت کے وہ احکام ہیں جن کے بغیر عبادات کی صحت ممکن نہیں۔ چنانچہ اسلام نے نہ صرف پاکیزگی کی اہمیت واضح کی بلکہ اس کے عملی طریقے بھی متعین فرمائے۔ چنانچہ حضور نے فرمایا: صفائی ایمان کا نصف ہے۔[1]

یہی وجہ ہے کہ حضور نے جس طرح عمومی دینی معاملات میں صحابیات کی راہ نمائی فرمائی، اسی طرح خواتین کے مخصوص مسائل، بالخصوص طہارت سے متعلق احکام میں بھی ان کی باقاعدہ تربیت فرمائی۔ یہ مسائل چونکہ خواتین کی روزمرہ زندگی اور عبادات سے براہِ راست متعلق ہیں، اس لئے ان میں معمولی غفلت بھی دینی کوتاہی کا سبب بن سکتی ہے۔

خواتین کے مخصوص مسائل اور نبوی تربیت

عورت کو لاحق ہونے والی طبعی کیفیات جیسے حیض، نفاس اور استحاضہ؛ ایسے امور ہیں جن میں شرعی باریکیاں پائی جاتی ہیں۔ اگر ان کے احکام معلوم نہ ہوں تو عبادات میں خلل اور گناہ کا اندیشہ ہوتا ہے۔ افسوس کہ آج بھی بہت سی خواتین ان مسائل کے سیکھنے میں غفلت برتتی ہیں، بلکہ بعض کو یہ احساس تک نہیں ہوتا کہ ان امور کا علم حاصل کرنا بھی دینی ذمہ داری ہے۔ حضور نے خواتین کو ایسے ہی مخصوص مسائل میں نہایت وضاحت اور شفقت کے ساتھ تعلیم دی۔

حیض اور طہر کی مدت سے متعلق نبوی ہدایات

حیض اور طہر کی مدت کے بارے میں ارشاد فرمایا: حیض کی کم سے کم مدت تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے اور دو حیضوں کے درمیان کم سے کم مدت پندرہ دن ہے۔[2] اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حیض کی مدت ہر عورت میں یکساں نہیں اور یہ خیال درست نہیں کہ حیض لازماً سات دن ہی ہوتا ہے۔

حیض کے خون سے کپڑوں کی تطہیر کی تعلیم

حضور نے خواتین کو طہارت کے عملی مسائل بھی سکھائے۔ حضرت اسماء بنتِ ابی بکر روایت کرتی ہیں کہ ایک عورت نے حضور سے عرض کی: اگر ہمارے کپڑے پر حیض کا خون لگ جائے تو کیا کریں؟ حضور نے فرمایا: خون کو کھرچ دے، پھر پانی بہائے اور اسی کپڑے میں نماز پڑھ لے۔[3] یہ تعلیم اس بات کی دلیل ہے کہ حضور نے خواتین کے روزمرہ مسائل کو براہِ راست اور عملی انداز میں حل فرمایا۔

حیض کی حالت میں عبادات کا حکم

حضور نے حیض کی حالت میں نماز کے ترک کا واضح حکم دیا اور ارشاد فرمایا: عورت (حیض کے دنوں میں) نماز چھوڑ دے۔[4] یہ حکم خواتین کے لئے سہولت اور رحمت پر مبنی ہے۔

استحاضہ اور اس کے احکام کی وضاحت

حضور نے یہ بھی واضح فرمایا کہ عورت کو آنے والا ہر خون حیض نہیں ہوتا۔ بعض اوقات وہ استحاضہ ہوتا ہے جو بیماری کا خون ہے۔ حضرت عائشہ روایت کرتی ہیں کہ حضرت فاطمہ بنتِ ابی حبیش کو استحاضہ ہوا تو حضور نے فرمایا: یہ رگ کا خون ہے، حیض نہیں۔

جب حیض آئے تو نماز چھوڑ دو اور جب حیض ختم ہو جائے تو غسل کر کے نماز پڑھو۔[5]

ان تمام تعلیمات سے یہ حقیقت نمایاں ہوتی ہے کہ حضور نے خواتین کے مخصوص، نازک اور فطری مسائل کو نہ صرف اہمیت دی بلکہ ان میں براہِ راست تربیت فرما کر امت کی خواتین کے لئے واضح راہ متعین کر دی۔ یہ تربیت اسلام کی عملی رحمت اور نبوی تعلیمات کی جامعیت کا روشن نمونہ ہے۔

ازدواجی اور خاندانی مسائل میں تربیت

نکاح: پاکیزہ رشتے کی بنیاد

اسلام نے انسانی معاشرے کو پاکیزگی، سکون اور اخلاقی استحکام عطا کرنے کے لئے نکاح جیسا مقدس رشتہ مقرر فرمایا۔ نکاح کے ذریعے قائم ہونے والا تعلق محض سماجی معاہدہ نہیں بلکہ ایسا مضبوط بندھن ہے جو انسان کو بے شمار گناہوں سے محفوظ کر دیتا ہے۔ اسی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے حضور نے فرمایا: جب بندہ نکاح کرتا ہے تو اس نے اپنا آدھا دین مکمل کر لیا، اب اسے چاہیے کہ باقی آدھے کے بارے میں اللہ پاک سے ڈرتا رہے۔[6] یہ ارشاد اس حقیقت کو نمایاں کرتا ہے کہ ازدواجی زندگی محض دنیاوی ضرورت نہیں بلکہ دینی تکمیل کا اہم ذریعہ ہے۔

ازدواجی زندگی میں حقوق و فرائض کی تعلیم

نکاح کے بعد شوہر اور بیوی دونوں پر ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی لازم ہو جاتی ہے۔ حضور نے خصوصیت کے ساتھ خواتین کو ان ذمہ داریوں سے آگاہ فرمایا جو ازدواجی زندگی کے استحکام کے لئے بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔ عورت پر شوہر کے حقوق کی عظمت کا اندازہ اس حدیث سے ہوتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نے فرمایا: اگر میں کسی کو کسی کے لئے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔[7] اس حدیث کے تحت مراۃ المناجیح میں ہے: ہماری شریعت میں غیرِ خدا کو سجدہ حرام ہے، سجدۂ عبادت کفر ہے، سجدۂ تعظیم حرام، دوسری شریعتوں میں بندوں کو سجدۂ تعظیم جائز تھا۔ خاوند کے حقوق بہت زیادہ ہیں اور عورت اس کے احسانات کے شکریہ سے عاجز ہے، اسی لئے خاوند ہی اس کے سجدے کا مستحق ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ خاوند کی اطاعت و تعظیم اشد ضروری ہے، اس کی ہر جائز تعظیم کی جائے۔[8]

خاندانی تعلقات اور حُسنِ سلوک کی تعلیم

ازدواجی زندگی صرف میاں بیوی کے باہمی تعلق تک محدود نہیں بلکہ دونوں خاندانوں کے درمیان حُسنِ سلوک بھی اس کا اہم حصہ ہے۔ بعض اوقات یہ دیکھا جاتا ہے کہ عورت اپنے میکے کے رشتہ داروں کی آمد پر خوشی اور اہتمام کرتی ہے، جو بلاشبہ اچھی بات ہے، لیکن شوہر کے رشتہ داروں کے ساتھ وہی رویہ اختیار نہیں کیا جاتا، یہ طرزِ عمل گھریلو سکون کو متاثر کرتا ہے۔ حضور کی تعلیمات کی روشنی میں عورت کو چاہیے کہ وہ شوہر اور اس کے اہلِ خانہ کے ساتھ حسنِ سلوک اختیار کرے، کیونکہ اسی سے گھر امن اور محبت کا گہوارہ بنتا ہے۔ اس سے اللہ و رسول کی رضا کے ساتھ ساتھ شوہر بھی راضی رہے گا۔ شوہر کو راضی رکھنے کی فضیلت کے بارے میں حضور نے فرمایا ہے: جو عورت اس حال میں فوت ہو کہ اس کا شوہر اس سے راضی ہو تو وہ جنت میں داخل ہو گی۔[9] یہ حدیث اس بات کو واضح کرتی ہے کہ ازدواجی زندگی میں شوہر کی رضا عورت کے لئے اخروی کامیابی کا ذریعہ بن سکتی ہے۔

ازدواجی تعلقات میں شوہر کے حق کی وضاحت

حضور نے ازدواجی تعاون اور شوہر کی حاجت کا خیال رکھنے کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا: جب مرد اپنی بیوی کو اپنی حاجت کے لئے بلائے تو اسے چاہیے کہ فوراً چلی جائے، اگرچہ وہ تنور پر ہی کیوں نہ ہو۔[10] نیز ایک روایت میں ازدواجی تعلقات کے باب میں بھی عورت کی ذمہ داری کو واضح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: جب شوہر اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ انکار کر دے تو صبح تک فرشتے اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔[11] مراۃ المناجیح میں اس حدیث کی شرح کے تحت یہ نکتہ بیان کیا گیا ہے کہ خاوند کی رضا میں رب

اور فرشتوں کی رضا ہے مگر خیال رہے کہ شرعی حرام کاموں میں خاوند تو کیا کسی کی رضا حاصل نہ کرے۔ لہٰذا بحالتِ حیض خاوند کو صحبت نہ کرنے دے۔[12] ان تمام تعلیمات سے واضح ہوتا ہے کہ حضور نے ازدواجی اور خاندانی مسائل میں خواتین کی عملی، متوازن اور حقیقت پسندانہ تربیت فرمائی۔ یہی تربیت اسلامی خاندان کو مضبوط بنیاد فراہم کرتی ہے اور معاشرے میں سکون، محبت اور استحکام کا ذریعہ بنتی ہے۔

طلاق سے متعلق نبوی تعلیم و تربیت

اسلام جس طرح نکاح کو ایک مقدس اور پسندیدہ رشتہ قرار دیتا ہے، اسی طرح ناگزیر حالات میں طلاق کے احکام بھی واضح کرتا ہے۔ جو عورت نکاح کرتی ہے، اس پر صرف ازدواجی زندگی کے آداب سیکھنا ہی لازم نہیں بلکہ طلاق، عدت اور علیحدگی سے متعلق شرعی احکام کا علم حاصل کرنا بھی ضروری ہے۔ اس علم کی ضرورت اس لئے ہے کہ اگر طلاق کے الفاظ اور ان کے اثرات سے ناواقفیت ہو تو انجانے میں حرام تعلق میں باقی رہ جانے کا شدید اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے، جو بڑے گناہ کا سبب بن سکتا ہے۔

اسی لئے حضور نے امت کو طلاق کے احکام سے بھی باخبر فرمایا اور اس کے استعمال میں احتیاط کی تعلیم دی۔ حضور نے طلاق کے شرعی جواز کے ساتھ اس کی ناپسندیدگی کو بھی واضح فرمایا تاکہ مسلمان بلاضرورت اس راستے کو اختیار نہ کریں۔ ارشادِ نبوی ہے: اللہ پاک نے کوئی چیز طلاق سے زیادہ ناپسندیدہ نہ فرمائی۔[13] معلوم ہوا! طلاق اگرچہ جائز ہے، مگر اللہ پاک کے نزدیک پسندیدہ عمل نہیں، اس لئے اسے آخری چارۂ کار کے طور پر ہی اختیار کیا جانا چاہیے۔

خلع سے متعلق خواتین کی تربیت

اگر کسی عورت کو شوہر کے ساتھ رہتے ہوئے اس بات کا خوف ہو کہ ناپسندیدگی کی وجہ سے وہ اللہ پاک کی مقرر کردہ حدود کی پاسداری نہیں کر سکے گی اور شوہر کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی ہو جائے گی تو اسلام نے اسے زبردستی اس رشتے میں قید نہیں رکھا۔ حضور نے خلع کا راستہ دکھا کر عورت کو ایک بڑی ذہنی اور قلبی گھٹن سے نجات عطا فرمائی۔ یہ تعلیم اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اسلام عورت کے جذبات اور عملی مشکلات کو نظر انداز نہیں کرتا بلکہ عدل اور توازن کے ساتھ حل پیش کرتا ہے۔ اس سلسلے میں حضرت ثابت بن قیس کی اہلیہ کا واقعہ راہ نمائی فراہم کرتا ہے کہ وہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی: یارسول اللہ! مجھے ثابت کے اخلاق اور دین پر کوئی اعتراض نہیں، لیکن میں اسلام میں کفر (یعنی شوہر کی ناشکری اور حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی) کو پسند نہیں کرتی۔ اس پر حضور نے ان کی تربیت فرمائی اور عدل کا تقاضا واضح کیا۔ آپ نے دریافت فرمایا: کیا تم وہ باغ واپس کر دو گی جو مہر میں ملا تھا؟ انہوں نے عرض کی: جی ہاں۔ تو حضور نے حضرت ثابت سے فرمایا: (باغ) قبول کر لو اور اسے ایک طلاق دے دو۔[14] یہ واقعہ اس بات کی عملی مثال ہے کہ خلع میں عورت کو علیحدگی کا حق دیا گیا ہے، مگر اس کے ساتھ مالی انصاف کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے۔ البتہ! جہاں حضور نے خلع کی اجازت دے کر خواتین کی راہ نمائی فرمائی، وہیں بلاوجہ خلع کا مطالبہ کرنے سے سختی کے ساتھ منع بھی فرمایا۔ ارشادِ نبوی ہے: جو عورت بغیر کسی معقول وجہ کے اپنے شوہر سے خلع طلب کرے، وہ جنت کی خوشبو تک نہ پائے گی۔[15] ان احادیث اور واقعات سے واضح ہوتا ہے کہ حضور نے طلاق اور خلع کے باب میں خواتین کی ایسی متوازن تربیت فرمائی جس میں نہ تو عورت کو ظلم سہنے پر مجبور کیا گیا اور نہ ہی خاندانی نظام کو بلاوجہ توڑنے کی اجازت دی گئی۔ یہی اعتدال پر مبنی تعلیم اسلامی خاندانی نظام کی اصل روح ہے۔

عدت سے متعلق مسائل میں تربیت

اسلام نے عدت کو محض ایک رسمی پابندی کے طور پر نہیں بلکہ ایک باعزت اور بامقصد مرحلے کے طور پر متعین فرمایا ہے۔ حضور نے خواتین کو عدت کے احکام اس انداز میں سکھائے کہ اس میں افراط ہو نہ تفریط، بلکہ غم کے احترام، عورت کے تحفظ اور عملی ضرورتوں کے درمیان توازن قائم رہے۔ چنانچہ شوہر کی

وفات کی صورت میں عورت پر چار ماہ دس دن کی عدت مقرر کی گئی جس مدت میں خواتین کو بناؤ سنگھار، خوشبو کے استعمال اور زینت والے کپڑوں سے اجتناب کی تعلیم دی گئی، تاکہ اس رشتے کے تقدس اور سوگ کے مقصد کو برقرار رکھا جاسکے۔ حضور کا ارشاد ہے: جو عورت اللہ پاک اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہو، اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ منائے، سوائے شوہر کے کہ اس پر چار مہینے اور دس دن سوگ ہے۔ (16)

حضور نے عدت کے دوران سرمہ لگانے، خوشبو استعمال کرنے اور نمایاں زینت اختیار کرنے سے منع فرمایا۔ یہ تعلیم اس بات کی دلیل ہے کہ عدت کا مقصد غم کی فضا کو نمایاں رکھنا اور عورت کو نفسیاتی و سماجی تحفظ فراہم کرنا ہے، نہ کہ اسے غیر فطری مشقت میں ڈالنا۔ اگر شوہر کی وفات یا طلاق کے وقت عورت حاملہ ہو تو حضور نے اس بارے میں بھی نہایت وضاحت کے ساتھ راہ نمائی فرمائی اور خواتین کو ذہنی اطمینان عطا کیا۔ مثلاً: حضرت سبیعہ اسلمیہ کے شوہر کا انتقال ہوا اور کچھ ہی عرصے بعد ان کے ہاں بچے کی ولادت ہوگئی۔ انہوں نے حضور سے مسئلہ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: تمہاری عدت وضعِ حمل کے ساتھ پوری ہو چکی ہے۔ (17)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حاملہ عورت کی عدت ولادت پر ختم ہو جاتی ہے، خواہ وہ مدت چار ماہ دس دن سے کم ہی کیوں نہ ہو۔ عدت کے بارے میں ایک غلط فہمی یہ بھی پائی جاتی تھی کہ عدت والی عورت گھر سے باہر قدم نہیں رکھ سکتی، جس کے نتیجے میں بعض خواتین کو معاشی یا ضروری امور میں دشواری پیش آتی تھی۔ حضور نے اس تصور کی اصلاح فرمائی اور خواتین کو ضرورت کے تحت باہر جانے کی اجازت دی۔ جیسا کہ مروی ہے کہ حضرت جابر کی خالہ کو طلاق ہوگئی تھی، وہ اپنے باغ میں کھجوریں توڑنے جانا چاہتی تھیں مگر ایک شخص نے انہیں منع کیا۔ جب انہوں نے حضور سے مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا: کیوں نہیں! جاؤ، اپنی کھجوریں کاٹو، شاید کہ تم صدقہ کرو یا کوئی نیک کام کرو۔ (18)

ان احادیث سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ عدت کا مقصد عورت کو معاشرے سے کاٹ دینا یا اسے قید کرنا نہیں بلکہ اسے تحفظ، عزت اور مناسب مہلت فراہم کرنا ہے، تاکہ وہ ذہنی، جذباتی اور عملی طور پر ایک نئے مرحلے کے لئے تیار ہو سکے۔

رضاعت سے متعلق مسائل میں نبوی تربیت

حضور نے خواتین کو یہ اہم شرعی حقیقت بھی سمجھائی کہ دودھ پلانے (رضاعت) سے بھی وہی رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب یعنی خون کے رشتے سے حرام ہوتے ہیں۔ اس تعلیم سے یہ واضح ہوا کہ رضاعی تعلق محض جسمانی عمل نہیں بلکہ شرعی اور معاشرتی حیثیت رکھتا ہے۔ ارشادِ نبوی ہے: رضاعت سے بھی وہی رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔ (19)

حضور نے اپنے عمل کے ذریعے رضاعی ماں کے احترام اور عظمت کو واضح فرمایا۔ جب آپ کی رضاعی والدہ حضرت حلیمہ سعدیہ یا رضاعی بہن شیماء آپ کے پاس تشریف لاتیں تو آپ ان کے لئے اپنی چادر مبارک بچھا دیتے۔ یہ طرزِ عمل اس بات کی عملی تعلیم ہے کہ دودھ پلانے والی عورت کا مقام بھی عزت اور احترام کا مستحق ہے۔

محرم و غیر محرم کے حوالے سے نبوی تربیت

حضور نے عورت کی شخصیت کو صرف ظاہری احکام تک محدود نہیں کیا بلکہ اس کی پوری زندگی کو اخلاق، حیا، تمکنت اور ذمہ داری کے اصولوں میں ڈھالنے کی راہ نمائی فرمائی اور بتایا کہ عورت ایک باشعور اور باکردار فرد ہے جس کی فکری، عملی اور معاشرتی تربیت معاشرے کی اصلاح کے لئے ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خواتین کے لئے شرعی تعلیم لازمی ہے، کیونکہ لاعلمی نہ صرف کوتاہی بلکہ گناہ کا سبب بھی بن سکتی ہے۔

خواتین کے بنیادی شرعی مسائل میں محرم و نامحرم کی پہچان، پردے کے احکام اور معاشرتی طہارت انتہائی اہم ہیں۔ شرعی طور پر محرم وہ مرد ہے جس سے نکاح ہمیشہ کے لئے حرام ہو، جبکہ غیر محرم وہ مرد ہے جس سے نکاح ممکن ہو سکتا ہے۔ یہ پہچان عملی

زندگی کے احکام، جیسے پردہ، میل جول، زینت اور گفتگو کے لئے بنیاد ہے۔ بعض اوقات غیر محرم کو محرم سمجھ لیا جاتا ہے یا محارم سے غیر ضروری پردہ کیا جاتا ہے، حالانکہ شریعت نے دونوں رویوں کو درست نہیں ٹھہرایا۔

محارم کی تین اقسام ہیں: نسبی، رضاعی اور سسرالی۔

نسبی محارم وہ ہیں جو خون کے رشتے کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے محرم ہوتے ہیں، جیسے ماں، باپ، بہن بھائی، اولاد، چچا، پھوپھی، ماموں اور خالہ۔ ان سے پردہ کرنا درست نہیں۔

رضاعی محارم وہ ہیں جو دودھ کے رشتے سے قائم ہوتے ہیں۔ جو رشتہ نسب سے حرام ہے، وہ رضاعت سے بھی حرام ہو جاتا ہے۔ ان سے پردہ کرنا یا نہ کرنا عورت کے اختیار میں ہے، بشرطیکہ فتنے کا اندیشہ نہ ہو۔

سسرالی محارم وہ ہیں جو نکاح کے ذریعے قائم ہوتے ہیں، جیسے سسر۔ ان سے بھی پردہ کرنا یا نہ کرنا اختیار میں ہے، جب تک فتنے کا خطرہ نہ ہو۔

اسلام افراط و تفریط سے پاک ہے۔ نسبی محارم سے پردہ کرنا درست نہیں، جبکہ رضاعی اور صہری محارم کے معاملے میں اختیار موجود ہے۔ غیر محارم کے ساتھ پردہ کرنا عورت پر لازم ہے اور موجودہ دور میں چہرے کا پردہ بھی اس ذمہ داری میں شامل ہو گیا ہے۔ یہ پردہ عورت کی کمزوری نہیں بلکہ اس کے اکرام، تحفظ اور خودداری کی علامت ہے۔

محرم و غیر محرم کے احکام، پردے کی پابندی اور معاشرتی آداب عورت کی شخصیت کو حیا، حرمت اور ذمہ دار شعور کے ساتھ سنوارنے کے ذرائع ہیں۔

حضور کی تعلیمات کا مقصد عورت کو معاشرے سے الگ کرنا نہیں بلکہ اسے ایک محفوظ اور باخبر کردار کے طور پر سامنے لانا ہے۔ صحیح علم اور عمل سے نہ صرف عورت کی ذات سنورتی ہے بلکہ پورا معاشرہ بھی طہارت اور اعتدال کی راہ پر گامزن ہو جاتا ہے۔

نماز کے احکام سے متعلق تربیت

نماز حضور کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور خواتین کے لئے اس کی ادائیگی میں حضور نے خاص ہدایات فرمائیں تاکہ نماز کی پابندی ان کی طبیعت میں راسخ ہو جائے اور وہ خشوع و خضوع کے ساتھ نماز ادا کر سکیں۔ نماز کی ابتدا میں عورت اپنے ہاتھ سینے تک اٹھائے گی تاکہ حرکات اعتدال میں رہیں اور پردے کے اصول قائم رہیں، قیام کی حالت میں اپنے ہاتھ سینے پر باندھے گی تاکہ جسمانی حرکات محدود رہیں۔ رکوع میں عورت زیادہ نہیں جھکے گی اور گھٹنوں پر زور نہیں دے گی تاکہ سادگی اور اعتدال قائم رہے اور سجدے میں زمین سے سمٹ کر اپنے جسم کا حصہ زمین کے ساتھ ملا کر سجدہ کرے گی، جس سے نہ صرف پردے کی حفاظت ہوتی ہے بلکہ نماز میں خشوع بھی برقرار رہتا ہے۔ قعدہ میں عورت اپنے دونوں پاؤں دائیں طرف باہر نکال کر بیٹھے تاکہ بیٹھنے کی حالت میں بھی حیا اور آرام برقرار رہیں اور خشوع متاثر نہ ہو۔

یہ تمام ترتیب محض ظاہری حرکات نہیں بلکہ خواتین کی حیا، پردہ اور عزت کے تحفظ کے لئے ہیں۔ حضور نے خواتین کو مردوں کی نقل کرنے کے بجائے اپنی فطرت، تمکنت اور عزت کے مطابق نماز ادا کرنے کی ہدایت فرمائی، تاکہ عبادت روحانی، جسمانی اور معاشرتی لحاظ سے محفوظ اور موزوں ہو۔ یہ تربیت خواتین کو یہ سبق دیتی ہے کہ شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے بھی عبادت میں خشوع حاصل کیا جا سکتا ہے اور نماز کے دوران پردہ، اکرام اور احترام کے اصول برقرار رہیں۔ اس طرح خواتین کی شرعی تربیت میں نماز صرف فرض عبادت نہیں بلکہ حیا، بردباری، حفاظت اور روحانی پاکیزگی کا مظہر بھی بن جاتی ہے، جو ان کی شخصیت کو مضبوط، محفوظ اور باکردار بناتی ہے، نیز معاشرتی اور روحانی دونوں لحاظ سے ان کی فلاح کی ضامن ہے۔

خواتین کے مخصوص مسائل کو سمجھنے اور ان کے عملی حل فراہم کرنے کی اہمیت کو حضور نے کبھی نظر انداز نہیں کیا، بلکہ

ہر دور کے حالات اور ہر فرد کی ضرورت کے مطابق آسانیاں اور راہ نمائی فراہم فرمائی۔ آپ نے نہ صرف خواتین کے حیاتیاتی مسائل، جیسے حیض، نفاس، استحاضہ اور صحت سے دیگر متعلق امور کو شرعی حدود میں آسان بنایا، بلکہ نفسیاتی اور معاشرتی پہلوؤں کو بھی مدِّ نظر رکھا، تاکہ خواتین ہر حال میں محفوظ اور مطمئن رہ سکیں۔

بیماری، کمزوری، گھریلو ذمہ داری یا ذہنی دباؤ کے وقت بھی حضور کی تعلیمات خواتین کے لئے سہارا اور ڈھارس کا سبب بنتی ہیں اور انہیں یہ شعور عطا کرتی ہیں کہ شرعی حدود میں رہتے ہوئے بھی وہ اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں توازن قائم رکھ سکتی ہیں۔

دورِ حاضر میں یہ تربیت اور راہ نمائی اتنی ہی کارآمد ہے، کیونکہ آج کی خواتین مختلف ذہنی دباؤ، گھریلو ناخوشگواریوں اور سماجی پیچیدگیوں کا سامنا کر رہی ہیں۔ یہی نبوی تربیت انہیں ان مسائل سے نجات، سکونِ قلب اور باعزت زندگی کا راستہ دکھاتی ہے۔

اگر آج کی خاتون اپنی صحت، گھریلو زندگی، بچوں کی پرورش، معاشرتی تعلقات اور پردے کے معاملات میں سیرتِ طیبہ کو مشعلِ راہ بنائے، تو وہ نہ صرف ایک پُر سکون زندگی گزار سکتی ہے بلکہ اپنے گھر اور معاشرے میں عزت اور سکون کا مظہر بھی بن سکتی ہے۔

یہ حقیقت ہر مسلمان عورت کے لئے باعثِ فخر ہے کہ اللہ پاک کے پیارے و آخری نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے کروڑوں خواتین کی زندگیوں کے ہر چھوٹے اور بڑے مسئلے کے لئے راہ نمائی فرمائی اور ان کے لئے ایسے احکام اور تربیت کا ایسا نظام قائم فرمایا جو وقت اور حالات کے ساتھ بدلنے والی مشکلات میں بھی راہ نما ثابت ہوتے ہیں۔

ان تعلیمات میں صرف عبادات اور شرعی حدود کا بیان نہیں بلکہ عملی زندگی میں آسانی، نفسیاتی سکون، جسمانی صحت، خاندان کے اندر تعلقات کی مضبوطی اور معاشرتی ساکھ کی بنیاد بھی شامل ہے۔

ہر عورت جس طریقے سے نبوی تعلیمات پر عمل کرتی ہے، وہ نہ صرف اپنے لئے بلکہ اپنے خاندان اور معاشرے کے لئے بھی سکون اور روشنی پیدا کرتی ہے۔ یہ کروڑہا کروڑ احسان ہے کہ ہر معاملے میں، چاہے وہ ازدواجی، خاندانی، مالی، تربیتی یا روحانی ہو، حضور نے خواتین کی راہ نمائی فرمائی اور انہیں مضبوط اور باعزت شخصیت بنانے کے اصول بیان کیے۔

اب ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم ان تعلیمات کو محض یاد نہ رکھیں بلکہ عمل میں لائیں، خواتین سے متعلق شرعی احکام سیکھیں، انہیں سمجھیں اور دوسروں تک بھی پہنچائیں، تاکہ ہر خاتون اس نیک اور محفوظ راستے سے مستفید ہو سکے۔

ہمیں دعا کرنی چاہیے کہ اللہ پاک ہمیں اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی دی ہوئی تربیت پر کامل عمل کی توفیق عطا فرمائے، ہماری زندگیوں میں ان کے اصولوں کے مطابق حیا، سکون اور ایمان کی برکت ڈالے اور ہمیں دیگر خواتین کو بھی انہی اصولوں کے مطابق تربیت دینے کی توفیق نصیب فرمائے۔

اٰمین بِجاہِ النّبیِّ الْاَمین صلی اللہ علیہ والہ وسلم

---

1 سننِ کبریٰ للبیہقی، 1/69، حدیث:185
2 تاریخ بغداد، 10/27، حدیث:4566
3 بخاری، 1/125، حدیث:307
4 بخاری، 1/129، حدیث:320
5 بخاری، 1/129، حدیث:320
6 معجم اوسط، 5/372، حدیث:7647
7 ترمذی، 2/386، حدیث:1162
8 مراۃ المناجیح، 5/97 ملتقطاً
9 ترمذی، 2/386، حدیث:1164
10 ترمذی، 2/386، حدیث:1163
11 بخاری، 3/362، حدیث:5193
12 مراۃ المناجیح، 5/91
13 ابو داود، 2/370، حدیث:2177
14 بخاری، 3/487، حدیث:5273
15 ترمذی، 2/402، حدیث:1190
16 بخاری، 1/433، حدیث:1282
17 بخاری، 3/16، حدیث:3991
18 مسلم، ص611، حدیث:3721
19 بخاری، 2/191، حدیث:2645



خواتین کے لئے دین میں آسانیاں

بنتِ مدثر عطاریہ*

حجۃ الوداع کے موقع پر عرفہ کے روز اللہ پاک نے نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم پر یہ آیتِ مبارکہ نازل فرمائی: اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ (پ6، المائدۃ:3) ترجمہ: آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا۔

تکمیلِ دین سے متعلق یہ آیت، اسلامی تعلیمات کی عظمت اور جامعیت کو واضح کرتی ہے اور جب دین کامل و اکمل ہے تو لازماً اس میں مرد و عورت دونوں کی فطرت، ان کی جسمانی و ذہنی ساخت اور ان کی معاشرتی ذمہ داریوں کے مطابق راہ نمائی بھی مکمل طور پر موجود ہے۔ اسی بنا پر قرآنِ کریم اور حدیثِ مبارک میں مرد و عورت کی انفرادی، خاندانی، سماجی اور معاشی زندگی سے متعلق تمام امور نہایت حکمت اور توازن کے ساتھ بیان کر دیئے گئے ہیں۔

مرد و عورت کی ساخت اور فطرت ایک دوسرے سے مختلف ہے؛ مرد کو زیادہ جسمانی قوت عطا کی گئی، جبکہ عورت کے اندر لطافت، نزاکت اور نرمی رکھی گئی۔ دینِ اسلام نے ان فطری امتیازوں کو کمزوری نہیں بلکہ حکمت قرار دیا اور اپنی حسین تعلیمات کے ذریعے عورت کے مقام کو ایسا بلند فرمایا کہ نسوانیت اس کے لئے باعثِ عزت و شرف بن گئی۔ ساتھ ہی شریعت نے احکام کے بیان میں عورت کی طبعی، جسمانی اور نسوانی ضروریات کو سامنے رکھ کر اسے مختلف مواقع پر خصوصی رخصتیں اور آسانیاں عطا فرمائیں۔

دینِ اسلام نے احکام و معاملات میں کس طرح عورت کی فطری نزاکت کا لحاظ رکھا اور کن کن مواقع پر اسے سہولت عطا کی۔ چند نمایاں مظاہر پیشِ خدمت ہیں:

عبادات میں آسانیاں

مرد و عورت دونوں ہی اللہ پاک کی عبادت کے پابند ہیں۔ انسان کی تخلیق کا بنیادی مقصد اللہ پاک کی عبادت ہے اور ہر امت میں عبادت کے طریقے انبیائے کرام علیہم السّلام ہی نے سکھائے ہیں۔ اللہ پاک کے آخری نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے بھی مرد و عورت دونوں کے لئے عبادات کے احکام نہایت واضح انداز میں بیان فرمائے اور عورت کی فطری ضروریات و نسوانی کمزوریوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اسے مناسب رعایتیں عطا فرمائیں۔ اسلام نے خواتین کے لئے عبادات میں جو سہولتیں دی ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں:

نماز و روزہ میں رعایت

نماز ہر بالغ مرد و عورت پر فرض ہے، مگر مرد کے برعکس عورت کو حیض و نفاس کے دنوں میں نماز سے مکمل معافی دی گئی ہے۔ ان دنوں میں نہ نماز ادا کرنا ضروری ہے اور نہ ہی بعد میں اس کی قضا لازم ہے۔ جبکہ روزے کے بارے میں حکم یہ ہے کہ ان ایام میں روزہ چھوڑ دیا جائے، مگر رمضان کے بعد

*دورۃ الحدیث فیضانِ فاطمۃ الزہرا
قاسم مارکیٹ صدر راولپنڈی

ان کی قضا کرنا ضروری ہوگا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے جب ایک عورت نے حیض کے دنوں کی نماز اور روزے کی قضا کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: ہمیں جب یہ عارضہ لاحق ہوتا تھا تو ہمیں روزوں کی قضا کا حکم دیا جاتا تھا اور نمازوں کی قضا کا حکم نہیں دیا جاتا تھا۔(1)

اعمالِ نماز میں رخصتیں

اسلام نے نماز کی ادائیگی میں بھی عورتوں کے لئے کئی سہولتیں رکھی ہیں، مثلاً:

- عورت پر جماعت میں شامل ہونا لازم نہیں۔
- امامت کی ذمہ داری اس پر نہیں ڈالی گئی۔
- نماز میں آواز پست رکھنے کی ہدایت ہے۔
- رکوع و سجود میں زیادہ سکڑ کر بیٹھنے یا جھکنے کی اجازت ہے۔
- قعدے میں سمٹ کر بیٹھنے کا طریقہ اختیار کرنا بھی عورت کے لئے مشروع ہے۔

یہ تمام رعایتیں عورت کی جسمانی ساخت، پردے اور حیا کے تقاضوں کو پیشِ نظر رکھ کر دی گئی ہیں۔

جمعہ و عیدین سے رخصت

عورتوں کو سفر، بھیڑ، تیاری اور گھریلو مشقتوں سے بچانے کے لئے ان پر جمعہ اور عیدین کی شرکت لازم نہیں رکھی گئی۔ ان کے لئے جمعہ کی جگہ گھر میں نمازِ ظہر ادا کرنا کافی ہے۔

اذان و اقامت سے معافی

مزید آسانی کے طور پر عورتوں کو نماز کے لئے اذان اور اقامت کہنے سے بھی مستثنیٰ رکھا گیا ہے۔ ان پر اذان و اقامت کہنا نہ فرض ہے نہ سنت۔

حاملہ اور دودھ پلانے والیوں کو خصوصی رعایت

حیض یا نفاس والی عورتوں کی طرح حاملہ اور دودھ پلانے والی خواتین کو بھی روزے کے معاملے میں خصوصی رعایت دی گئی ہے۔ جیسا کہ کریم و مہربان آقا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: اللہ پاک نے مسافر سے آدھی نماز (یعنی چار رکعت میں سے دو) معاف فرما دی اور مسافر، حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتوں سے روزہ معاف کر دیا۔(2) یعنی ان خواتین پر روزے کا فوری وجوب عارضی طور پر معاف کر دیا گیا ہے اور بعد میں فراغت کے وقت روزوں کی قضا کرنا واجب ہے۔ تاہم قضا کی اجازت صرف اسی صورت میں ہے جب حاملہ یا دودھ پلانے والی کو اپنی یا بچے کی جان کا اندیشہ ہو۔(3)

حج کی فرضیت میں رعایت

حج جیسی عظیم عبادت میں بھی عورت کے لئے آسانیاں رکھی گئی ہیں، خاص طور پر اس کی حفاظت اور سہولت کے لئے۔ شرعی سفر کی صورت میں عورت بغیر محرم کے حج پر نہیں جاسکتی۔(4) یعنی حج کی ادائیگی عورت پر اس وقت تک واجب نہیں جب تک کہ اس کے ساتھ اس کا محرم؛ چاہے باپ، بیٹا یا شوہر نہ ہو اور ظاہر ہے کہ اس عذر کی بنا پر نہ جانے کی صورت میں عورت گنہگار نہیں سمجھی جاتی۔

محرم کی ضرورت اور اس کی اہمیت کا اندازہ اس روایت سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضور نے جہاد کے لئے نکلنے والے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ حج پر جائے۔(5)

مناسکِ حج کی ادائیگی میں آسانیاں

عورتوں کے لئے مناسکِ حج میں بھی کئی سہولتیں رکھی گئی ہیں۔ مثلاً: احرام کی حالت میں سلا ہوا لباس پہننا جائز ہے۔ اگر مخصوص ایام کی وجہ سے حج فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو عمرے کا احرام حج کے احرام میں تبدیل کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔(6) اسی طرح بعض مخصوص ایام میں طوافِ رخصت بھی ساقط ہو سکتا ہے، تاکہ عورتوں کو عبادات میں کسی قسم کی مشقت یا دقت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔(7)

جہاد میں رخصت

مردوں کی جسمانی طاقت و قوت کی بنا پر جہاد کا فریضہ ان کے

سپرد کیا گیا، جبکہ عورتوں کو عملی قتال میں حصہ لینے کے بجائے خدمت، طبابت، صفائی اور دیگر غیر مقاتلہ امور انجام دینے کی اجازت دی گئی۔ ایک روایت میں حضور نے حج کو عورتوں کا جہاد قرار دیا۔ [8] نیز جنگ کے موقع پر بھی حضور نے عورتوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔ [9]

یہ تمام احکام عورت کی جسمانی ساخت اور معاشرتی ذمہ داریوں کا لحاظ رکھتے ہوئے دی گئی سہولتوں اور آسانیوں کی واضح مثالیں ہیں۔

غسلِ جنابت میں تخفیف

حضور نے غسلِ جنابت میں عورتوں کے لئے آسانی رکھی۔ اگر عورت کے سر کے بال مضبوط گُندھے ہوں تو صرف بالوں کی جڑ تر کرنا کافی ہے۔ جیسا کہ حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں: میں نے عرض کی: یارسولَ اللہ! میں اپنے سر کی چوٹی مضبوط گوندھتی ہوں تو کیا غسلِ جنابت کے لئے اسے کھول ڈالوں؟ فرمایا: نہیں، تجھ کو صرف یہی کفایت کرتا ہے کہ سر پر تین لَپ پانی ڈالے، پھر اپنے اوپر پانی بہالے پاک ہو جائے گی۔ [10] یعنی جب کہ بالوں کی جڑیں تر ہو جائیں اور اگر اتنی سخت گندھی ہو کہ جڑوں تک پانی نہ پہنچے تو کھولنا فرض ہے۔ [11]

سماجی اور معاشرتی آسانیاں

اسلام نے خواتین کے لئے سماجی اور معاشرتی زندگی میں بھی آسانیاں فراہم کی ہیں۔ آج کے دور میں کچھ لوگ عورت کو صرف بازار کی زینت بنانے کے خواہاں ہیں، لیکن دینِ اسلام نے مرد و عورت کے درمیان ذمہ داریاں متوازن انداز میں تقسیم کی ہیں۔ عورت کو گھر کی ذمہ داری دی گئی تا کہ وہ فکرِ معاش اور بیرونی مشقت سے آزاد رہے اور اس کے حقیقی حقوق محفوظ ہوں۔ حضور نے اپنی شہزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی کے موقع پر عملی راہ نمائی فرماتے ہوئے گھر کے اندر کے کاموں کی ذمہ داری خاتونِ جنت کے سپرد کی، جبکہ مولا علی رضی اللہ عنہ گھر کے باہر کے امور کے نگہبان بنے۔ اسی طرح عورت کا مہر اور نفقہ مرد پر لازم فرمایا گیا تا کہ عورت مکمل طور پر فکرِ معاش سے آزاد اور محفوظ رہے اور اس کی عزت و وقار برقرار رہے۔

شوہر کے حسنِ سلوک کی حق دار

اسلام نے خانگی زندگی میں عورت کے حقوق اور اس کے تحفظ کے لئے آسانیاں فراہم کی ہیں۔ شوہر کے لئے بہترین شخص ہونے کا معیار یہ مقرر کیا گیا کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ حسنِ سلوک کرے، اس کی جذباتی کمزوریوں کا لحاظ رکھے اور اس کی خطاؤں سے درگزر کرے۔ حضور نے پانی پلانے اور لقمہ کھلانے جیسے معمولی اعمال کو بھی ثواب قرار دیا، تا کہ مرد عورت کی سہولت اور راحت کا خیال رکھے۔

مزید برآں، اگر میاں بیوی کے درمیان تعلقات بگڑ جائیں تو عورت کو خلع کے ذریعے اپنی آزادی اور تحفظ حاصل کرنے کا حق دیا گیا۔ ایک مرتبہ ایک عورت نے حضور کی خدمت میں اپنے شوہر سے ناپسندیدگی ظاہر کر کے خلع کی درخواست کی، تو حضور نے اس سے پوچھا کہ کیا تم اس کا باغ واپس کرنے کو تیار ہو جو تمہیں دیا گیا تھا؟ جب عورت نے "ہاں" کہا تو آپ نے شوہر کو حکم دیا کہ وہ اسے خلع دے دے۔ یہ عورت کے حقوق میں نرمی اور آسانی کی واضح مثال ہے۔ [12]

وراثت میں حصہ دار

اسلام نے عورت کے لئے وراثت میں واضح اور مقررہ حصہ عطا کیا، حالانکہ اسلام سے قبل عورت اکثر وراثت سے محروم رکھی جاتی تھی اور بعض معاشروں میں عورت کو مالِ وراثت سمجھا جاتا تھا۔ قرآنِ کریم میں عورتوں کے مخصوص حصوں کا تعین کیا گیا ہے اور حضور نے اپنے فرامین کے ذریعے بھی ان کے حقِ وراثت کا تحفظ فرمایا۔ مثلاً: دادی کو چھٹا حصہ ملتا ہے، بشرطیکہ ماں زندہ نہ ہو۔ [13] یہ تعلیمات عورت کے مالی حقوق کی حفاظت اور اس کی عزت و وقار کی ضمانت ہیں۔

تعلیمِ نسواں میں آسانی کا اہتمام

عورتوں کی دینی تعلیم میں آسانی کے لئے حضور نے صحابیات

کی درخواست پر ان کے لئے ایک خاص دن مقرر فرمایا۔[14] اس کے علاوہ کئی ازواجِ مطہرات کا بیک وقت نکاحِ مصطفےٰ میں ہونا بھی عورتوں تک ضروری دینی مسائل پہنچنے کا ذریعہ بنا، تاکہ ان کی تعلیم میں کوئی رکاوٹ نہ آئے۔

مختلف احکام میں آسانیاں

عدت میں آسانی

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی بہن کے شوہر کو ان کے غلاموں نے قتل کر دیا۔ وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی کہ مجھے میکے میں عدت گزارنے کی اجازت دی جائے، کیونکہ میرے شوہر نے کوئی مکان یا خرچ نہیں چھوڑا۔ حضور نے انہیں اجازت دے دی اور بلا کر فرمایا کہ اسی گھر میں رہو جس میں تم رہتی ہو، جب تک عدت پوری نہ ہو۔ چنانچہ انہوں نے چار ماہ دس دن اسی مکان میں گزارے۔[15]

یہ واقعہ واضح طور پر اسلام کی نرمی اور آسانی کو ظاہر کرتا ہے۔ دینِ اسلام عورتوں پر غیر ضروری سختی نہیں کرتا بلکہ ان کے حالات، مشکلات اور سہولت کو مدِّ نظر رکھتا ہے۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فوری طور پر رخصت عطا کی اور بعد میں وحی یا شرعی وضاحت کے ذریعے اصل حکم واضح فرمایا، تاکہ عورت کو بلاوجہ تنگی یا پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

الفاظِ سلام میں رعایت

حضرت اُمِّ ایمن رضی اللہ عنہا کبھی کبھار بولنے میں ہکلاتی تھیں تو حضور نے انہیں آسانی فراہم کی۔ ایک مرتبہ جب وہ خدمت میں حاضر ہوئیں اور سلام کیا تو درست الفاظ کے بجائے غلطی سے کچھ اس طرح منہ سے نکلا: سلام لا علیکم۔ حضور نے اس پر ان کے لئے رعایت فرماتے ہوئے کہا کہ وہ بس السلام کہہ دیں۔[16] یہ واقعہ عورتوں کے لئے دین میں سہولت اور نرمی کی ایک چھوٹی مگر اہم مثال ہے، جو انسانی کمزوری اور آسانی کو مدِّ نظر رکھتا ہے۔

اسلام میں آسانیاں اور نرمی

دورِ حاضر میں کچھ مذہب بیزار اور جدت پسند لوگ اسلام پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ دینِ اسلام جبر واکراہ اور سختی کا دین ہے اور اس کے احکامات میں سختی پائی جاتی ہے۔ تاہم اس مضمون میں بیان کردہ تعلیمات کے بعد یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام زبردستی اور سختی کا دین نہیں بلکہ آسانی، رحمت اور انسانیت کا دین ہے۔ خود حضور نے ارشاد فرمایا: لوگوں کے لئے آسانی کرو، سختی نہ کرو۔[17]

کوئی بھی حقیقت پسند اور منصف شخص جب ان تعلیمات کا مطالعہ کرتا ہے تو اسلام کی نرمی، شفقت اور آسانی کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اسلامی تعلیمات میں بالعموم تمام مسلمانوں کے لئے آسانیاں رکھی گئی ہیں اور بالخصوص خواتین کے لئے خاص رعایتیں موجود ہیں۔ حضور نے اپنے فرامین اور عملی تعلیمات کے ذریعے عورت کی فطری اور نسوانی کمزوریوں کا لحاظ رکھا، مرد و عورت کے مساوی حقوق برقرار رکھے اور رخصت و رعایت کا ایسا جامع نظام فراہم کیا کہ جو چودہ سو سال گزرنے کے باوجود آج بھی قابلِ عمل ہے۔ اسی نظام میں دنیا و آخرت کی کامیابی پوشیدہ ہے، کیونکہ عورت کو عزت، وقار اور حقوق کے ساتھ راحت دی گئی، نیز دینِ اسلام نے ہر ممکن حد تک اس کی فلاح اور آسانی کو مقدم رکھا۔ یہی دینِ اسلام کی عظمت اور انسانی ہمدردی کی روشن مثال ہے۔

---

1 مسلم، ص149، حدیث:763 2 ترمذی،2/170، حدیث:715 3 مراۃ المناجیح،3/173 ماخوذاً 4 درمختار وردالمحتار،3/531 ماخوذاً 5 بخاری،2/311، حدیث:3006 ملخصاً 6 بخاری،1/523، حدیث:1556 ماخوذاً 7 بخاری،1/581، حدیث:1755 ماخوذاً 8 بخاری،2/274، حدیث:2875 9 بخاری،2/314، حدیث:3015 10 مسلم، ص146، حدیث:744 11 بہار شریعت،1/317، حصہ:2 12 بخاری،3/487، حدیث:5273 13 ابوداود،3/168، حدیث:2895 14 بخاری،1/54، حدیث:101 15 ترمذی،2/411، حدیث:1208 16 طبقات ابن سعد،8/180 17 بخاری،1/42، حدیث:69



خواتین کی عبادات سیرت النبی کی روشنی میں

محترمہ بنتِ سمیع الدین مدنیہ عطاریہ*

اللہ پاک نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا اور اس کی تخلیق کا مقصد اپنی عبادت اور بندگی قرار دیا، جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ (پ27، الذریت:56) ترجمہ: اور میں نے جن اور آدمی اسی لئے بنائے کہ میری عبادت کریں۔ اس آیتِ مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ تخلیقِ انسانی کا بنیادی مقصد عبادتِ الٰہی ہے۔ دینِ اسلام میں عبادت سے مراد صرف چند ظاہری اعمال نہیں، بلکہ ہر وہ قول، فعل اور نیت عبادت کے دائرے میں آتی ہے جو اللہ پاک کو محبوب ہو، خواہ وہ ظاہر ہو یا باطن؛ جیسے نماز، روزہ، زکوۃ، حج، صدقہ، دعا، توکل، خوف، محبت، خشوع اور خضوع وغیرہ۔

اسلام نے اس عظیم فریضۂ عبادت میں مرد اور عورت دونوں کو یکساں طور پر مخاطب کیا ہے اور ہر ایک کے لئے اس کی استطاعت کے مطابق احکام مقرر فرمائے ہیں۔ تاہم عورت کی فطری ذمہ داریوں، جسمانی ساخت اور گھریلو مصروفیات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے شریعت نے اس کے لئے آسانیاں اور رعایتیں بھی رکھی ہیں، تاکہ وہ بغیر کسی تنگی اور مشقت کے بندگیِ الٰہی کے تقاضے پورے کر سکے۔

اسلام میں عورت کا مقام اور عبادت کی اہمیت

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی سیرتِ طیبہ پوری انسانیت کے لئے ہدایت اور راہ نمائی کا کامل نمونہ ہے، خصوصاً خواتین کی دینی و روحانی زندگی کے حوالے سے۔ اسلام سے قبل عورت کو عبادت، قربِ الٰہی اور روحانی ترقی کے میدان میں کوئی نمایاں مقام حاصل نہ تھا، مگر حضور کی تشریف آوری کے بعد عورت کو اللہ پاک کی بندگی اور عبادت میں باقاعدہ شریک کیا گیا۔ آپ نے عورتوں کو نماز، روزہ، ذکر و دعا اور دیگر عبادات کی ترغیب دلائی، ان کے سوالات کو اہمیت دی اور ان کی دینی تربیت کے لئے الگ مواقع فراہم فرمائے۔

سیرتِ نبوی سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ عورت محض گھریلو ذمہ داریوں تک محدود نہیں بلکہ ایک ایمان دار اور عابدہ بندی ہے، جس کی روحانی ترقی بھی اتنی ہی اہم ہے جتنی مرد کی اہم ہے۔ حضور نے خواتین کی فطری ذمہ داریوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے عبادات میں آسانیاں عطا فرمائیں، تاکہ وہ بغیر مشقت اللہ پاک کی بندگی انجام دے سکیں۔ یوں سیرتِ نبوی کی روشنی میں عورت کی عبادت محض ایک ذاتی عمل نہیں بلکہ اس کی دینی

* معلمہ جامعۃ المدینہ گرلز لطیف آباد نمبر 8 حیدر آباد

شناخت، ایمان کی مضبوطی اور معاشرتی اصلاح کا ذریعہ بن جاتی ہے، جو اسے اللہ پاک کے قریب کرنے اور ایک صالح معاشرہ تشکیل دینے میں مؤثر کردار ادا کرنے کے قابل بناتی ہے۔

آئندہ سطور میں سیرت النبی کی روشنی میں خواتین کی عبادات کا جائزہ پیش کیا جائے گا، تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ اسلام نے عبادات میں عورت کو کس طرح سہولت، راہ نمائی اور روحانی بلندی عطا کی ہے۔

نماز

نماز اسلام کا بنیادی ستون اور مومن کا اپنے رب کے ساتھ براہِ راست تعلق کا سب سے مضبوط ذریعہ ہے۔ حضور نے نماز کو دین کی اساس قرار دیا، مگر ساتھ ہی عورتوں کی عزت، ان کی فطری ذمہ داریوں اور گھریلو مصروفیات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے عبادات میں آسانیاں بھی عطا فرمائیں۔ سیرتِ طیبہ کا مطالعہ یہ حقیقت واضح کرتا ہے کہ حضور نے عبادات کے معاملے میں عورتوں پر سختی فرمائی نہ انہیں معاشرتی زندگی سے الگ کیا، بلکہ ان کی فطرت کے مطابق راہ نمائی عطا کی۔ عہدِ نبوی میں خواتین مسجدِ نبوی میں نماز کے لئے حاضر ہوتی تھیں اور حضور نے انہیں مسجد آنے سے منع نہیں فرمایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام عورت کو عبادت سے روکنے کے بجائے اس کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ تاہم ساتھ ہی آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ عورت کے لئے گھر میں نماز ادا کرنا زیادہ بہتر اور زیادہ اجر کا باعث ہے۔ جیسا کہ سننِ ابی داود میں ہے کہ حضور نے فرمایا: عورت کا دالان میں نماز پڑھنا صحن میں پڑھنے سے بہتر ہے اور کوٹھری میں پڑھنا دالان سے بہتر ہے۔[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے لئے پردہ، سکون اور یکسوئی کے ساتھ عبادت کو ترجیح دی گئی ہے۔

حضور کے وصال کے بعد خواتین کے مسجد میں جا کر نماز پڑھنے پر دورِ فاروقی میں پابندی لگا دی گئی جو انہیں عبادت سے روکنے کے لیے نہیں بلکہ اسی نبوی اصول کے تحفظ کے لئے تھی جس میں عورت کے لیے گھر میں نماز کو بہتر قرار دیا گیا ہے، لہٰذا یہ کوئی نیا شرعی حکم نہیں بلکہ ایک انتظامی اور احتیاطی تدبیر تھی۔ چنانچہ موجودہ پُرفتن دور میں بھی، جب بے پردگی اور اختلاط عام ہے، خواتین کے لیے گھر میں نماز ادا کرنا زیادہ محفوظ، باوقار اور مقاصدِ شریعت کے قریب ہے۔

اسی طرح حیض اور نفاس کی حالت میں اسلام نے عورت کو نماز سے رخصت دی ہے۔ اس حالت میں چھوٹی ہوئی نمازوں کی قضا لازم نہیں، جبکہ رمضان کے روزوں کی قضا کا حکم دیا گیا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی روایت میں یہ حکمت واضح طور پر بیان کی گئی ہے کہ ہمیں روزوں کی قضا کا حکم دیا جاتا تھا، مگر نماز کی قضا کا نہیں۔[2] یہ فرق اسلام کی رحمت اور عورت کی جسمانی کیفیت کو ملحوظ رکھنے کا روشن ثبوت ہے۔ حیض کی حالت میں نماز سے رخصت اس بات کا بھی اعلان ہے کہ اسلام عبادت کو بوجھ نہیں بناتا بلکہ سہولت، رحمت اور فطرت کے مطابق احکام دیتا ہے۔

روزہ

روزہ اسلام کا ایک اہم رکن اور روحانی تربیت کا مؤثر ذریعہ ہے، جس کا مقصد محض بھوکا پیاسا رہنا نہیں بلکہ صبر، تقویٰ اور نفس کی اصلاح ہے۔ حضور نے روزے کی فرضیت میں مرد و عورت کے درمیان کوئی امتیاز نہیں رکھا، البتہ! عورت کی جسمانی کیفیت اور فطری حالات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے عبادات میں آسانی عطا فرمائی۔ یعنی عورتوں کو حیض اور نفاس کے ایام میں روزہ رکھنے سے رخصت دی گئی اور بعد میں صرف روزوں کی قضا کا حکم ہے۔

نماز کے برخلاف روزے کی قضا اس لئے لازم کی گئی کہ نماز روزانہ کئی مرتبہ فرض ہوتی ہے، اور اگر حیض کے دوران چھوٹی ہوئی نمازوں کی قضا لازم ہوتی تو عورت پر شدید مشقت آجاتی۔ اس کے برعکس روزے سال میں ایک مرتبہ فرض ہوتے ہیں، اس لئے ان کی قضا میں دشواری نہیں۔ یہ حکم اسلام کی رحمت اور حضور کی حکیمانہ تعلیمات کا مظہر ہے جس سے معلوم ہوتا

ہے کہ شریعت عورت کی عبادت کو بوجھ نہیں بلکہ سہولت، توازن اور فطری حالات کے مطابق بناتی ہے۔

زکوٰۃ

زکوٰۃ اسلام کا ایک بنیادی ستون ہے، جس طرح یہ مردوں پر فرض ہے، اسی طرح عورتوں کو بھی زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ عورت نہ صرف محتاجوں کی مالی مدد کرے بلکہ اس عبادت کے ذریعے روحانی طور پر بھی مضبوط ہو۔ زکوٰۃ دل کی پاکیزگی، مال کی طہارت اور اللہ پاک کی رضا حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ حضور نے عورتوں کو براہِ راست صدقہ وزکوٰۃ کی اہمیت سمجھائی اور انہیں اس نیکی میں بھرپور حصہ لینے کی ترغیب دی، تاکہ معاشرے میں ہمدردی، برابری اور رحمت فروغ پائے۔ حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ دو عورتیں حضور کی خدمت میں حاضر ہوئیں، جن کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن تھے۔ حضور نے دریافت فرمایا: کیا تم ان کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟ جب انہوں نے نفی میں جواب دیا تو آپ نے فرمایا: کیا تم یہ پسند کرتی ہو کہ اللہ پاک تمہیں آگ کے کنگن پہنائے؟ بولی: نہیں۔ تو حضور نے انہیں زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم فرمایا۔[3] اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ اگر عورت کے پاس نصاب کے مطابق سونا یا چاندی، خواہ زیورات کی صورت میں ہی موجود ہو تو اس پر زکوٰۃ لازم ہے۔ اسی طرح حضور نے عید کے خطبے میں عورتوں کو خصوصی طور پر صدقہ کرنے کی تلقین فرمائی، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیرتِ نبوی میں عورت کو خیرات اور سماجی بھلائی سے الگ نہیں رکھا گیا۔ زکوٰۃ اور صدقے کے ذریعے عورت نہ صرف آخرت کی کامیابی حاصل کرتی ہے بلکہ معاشرے میں بھی خیر وبرکت کا سبب بنتی ہے۔

حج

اسلام میں حج ہر اس بالغ اور عاقل مسلمان پر فرض ہے جو مالی اور جسمانی استطاعت رکھتا ہو۔ عورت کے لئے بھی یہ عظیم عبادت اسی طرح واجب ہے، البتہ! شریعتِ اسلامیہ نے اس کے لئے سفر میں محرم کی شرط عائد کی ہے، تاکہ اس کی حفاظت، عزت اور سہولت کا مکمل اہتمام ہو سکے۔ سیرتِ نبوی سے واضح ہوتا ہے کہ حضور نے خواتین کو حج اور دیگر اسفار میں شریک ہونے کی اجازت دی، مگر محرم کے بغیر سفر سے منع فرمایا۔ چنانچہ بخاری شریف میں ہے کہ عورت محرم کے بغیر سفر نہ کرے۔ ایک صحابی نے عرض کی کہ وہ جہاد میں جانا چاہتے ہیں جبکہ ان کی بیوی حج کا ارادہ رکھتی ہے، تو حضور نے فرمایا کہ تم اپنی بیوی کے ساتھ حج پر جاؤ۔[4] اس سے عورت کی عبادت کے حق کے ساتھ اس کی حفاظت کی اہمیت بھی واضح ہوتی ہے۔

احرام کی حالت میں عورت کے لئے چہرہ ڈھانپنا منع ہے، لیکن پردے کا حکم بدستور باقی رہتا ہے۔ اسی لئے صحابیات نامحرم کے سامنے چادر اس طرح لٹکا لیتی تھیں کہ چہرے کو چھوئے بغیر پردہ بھی ہو جائے۔ یہ سیرتِ نبوی کی وہ معتدل تعلیم ہے جس میں عبادت کے ساتھ حیا اور وقار کا حسین امتزاج نظر آتا ہے۔

گھریلو ذمہ داریاں بطور عبادت

اسلام میں عبادت کا مفہوم محدود نہیں بلکہ ہر وہ نیک عمل جو خالص نیت سے اللہ پاک کی رضا کے لئے کیا جائے عبادت بن جاتا ہے۔ عورت اپنی گھریلو ذمہ داریوں کو ادا کرتے ہوئے بھی عبادت کا ثواب حاصل کر سکتی ہے۔ بچوں کی صالح تربیت، شوہر اور والدین کی خدمت، گھر کے ماحول کو امن، محبت اور نیکی سے بھرنا، صبر و شکر اور حسنِ اخلاق کا مظاہرہ کرنا یہ سب اعمال عبادت کے درجے میں آتے ہیں۔ سیدہ فاطمہ کی زندگی اس کی روشن مثال ہے، جنہوں نے گھریلو مشقت کو بھی اللہ پاک کی رضا کا ذریعہ بنایا۔ یوں عورت کی روزمرہ محنت بھی روحانی بلندی کا سبب بن جاتی ہے۔

علمی جہاد اور تعلیم

اسلام میں علم کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے اور حضور نے علم کے حصول کو ہر مسلمان پر فرض قرار دیا ہے۔[5] اس سے

واضح ہوتا ہے کہ دینِ اسلام میں علم کسی خاص طبقے تک محدود نہیں بلکہ ہر فرد کی ذمہ داری ہے۔ سیرتِ نبوی اس حقیقت کی روشن دلیل ہے کہ حضور نے خواتین کو دینی تعلیم سے محروم نہیں رکھا، بلکہ انہیں سیکھنے، سمجھنے اور سوال کرنے کا پورا حق دیا۔ خواتین کی درخواست پر آپ نے ان کے لئے الگ دن مقرر فرمایا تاکہ وہ یکسوئی کے ساتھ دینی مسائل سیکھ سکیں۔ یہ اقدام عورت کے علمی مقام اور اس کی فکری تربیت کی اہمیت کو نمایاں کرتا ہے۔

حضرت عائشہ علمی میدان میں خواتین کے لئے ایک عظیم نمونہ ہیں۔ آپ نہ صرف احادیثِ نبوی کی بڑی راویہ تھیں بلکہ فقہ، تفسیر اور دینی مسائل میں صحابۂ کرام کی بھی راہ نمائی فرماتی تھیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم و تعلم عورت کے لئے ایک عظیم عبادت اور علمی خدمت بھی ہے۔

ذکر ودعا

ذکر ودعا بندۂ مومن کا اپنے رب سے تعلق مضبوط کرتے ہیں۔ سیرتِ نبوی سے واضح ہوتا ہے کہ عورت کے لئے ذکر و دعا کو نہایت آسان اور فطری عبادت بنایا گیا، تاکہ وہ گھریلو مصروفیات کے باوجود اللہ پاک کی یاد سے غافل نہ ہو۔ عورت گھر کے کام کاج کے دوران بھی تسبیح، تہلیل اور استغفار کے ذریعے رب سے جڑی رہ سکتی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ (پ22،الاحزاب:35) جس میں مردوں اور عورتوں کا ایک عمدہ وصف بیان کیا گیا ہے۔ حضور خود بھی مختلف مواقع پر اذکار اور مسنون دعائیں پڑھتے اور امت کو سکھاتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکر ودعا عورت کے لئے آسان، مؤثر اور اعلیٰ عبادت ہے۔

سیرتِ نبوی کے بنیادی اصول برائے عبادت

مذکورہ کلام کے تناظر میں سیرتِ نبوی ہمیں عبادت کے ایسے جامع اصول عطا کرتی ہے جو ہر دور اور ہر حال میں قابلِ عمل ہیں۔ حضور نے عبادت کو محض ظاہری اعمال تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے نیت، اعتدال اور سہولت کے ساتھ جوڑ دیا۔ خصوصاً عورتوں کے لئے یہ اصول نہایت راہ نما اور فطرت کے مطابق ہیں۔

1۔ اخلاصِ نیت

عبادت کی قبولیت کا دار و مدار نیت پر ہے۔ اگر کوئی عمل اللہ پاک کی رضا کے لئے کیا جائے تو وہ عبادت بن جاتا ہے، چاہے وہ گھریلو ذمہ داری ہی کیوں نہ ہو۔

2۔ اعتدال اور میانہ روی

حضور نے عبادت میں حد سے زیادہ سختی کو ناپسند فرمایا اور ارشاد فرمایا: وہی عمل بہتر ہے جو مسلسل اور آسانی سے کیا جائے۔ نیز حضور نے عبادت میں دوام کو پسند فرمایا۔ عمل تھوڑا اور مستقل ہو یعنی اعمال میں استقامت کو پسند فرمایا۔

3۔ آسانی اور سہولت

سیرتِ نبوی کا ایک نمایاں پہلو یہ بھی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے دین کو آسان بنایا۔ عورتوں کے لئے نماز، روزہ اور دیگر عبادات میں رعایتیں دی گئیں۔ عبادت کو انسانی فطرت کے عین مطابق رکھا۔ عورت کی جسمانی حالت، ذمہ داریوں اور کمزوریوں کو ملحوظِ خاطر رکھا گیا، تاکہ عبادت بوجھ نہیں باعثِ راحت بن جائے۔ الغرض سیرتِ رسول اس بات کی روشن دلیل ہے کہ دینِ اسلام نے عورت کو عبادت میں کسی قسم کی مشقت یا تنگی میں مبتلا نہیں کیا بلکہ اس کی فطری ساخت، جسمانی حالات اور گھریلو ذمہ داریوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس کے لئے سہولت، نرمی اور آسانی کو بنیاد بنایا ہے۔ نماز، روزہ، علم، ذکر و دعا اور روزمرہ زندگی کے اعمال ہر میدان میں عورت کو برابر اجر کا موقع دیا گیا ہے۔ لہٰذا عورت اگر خلوصِ نیت کے ساتھ اپنی ذمہ داریاں ادا کرے تو اس کی پوری زندگی عبادت بن سکتی ہے۔

---

1 ابوداود، 1/235، حدیث:570 2 مسلم، ص149، حدیث:763 3 ترمذی، 2/132، حدیث:637 4 بخاری، 1/614، حدیث:1862 5 ابن ماجہ، 1/146، حدیث:224



خواتین کے لئے پردہ اور حیا کے اصول

(سیرتِ نبوی کی روشنی میں)

محترمہ بنتِ مشیر عطاریہ*

پردہ اُمّتِ مسلمہ کا شعار اور وقار ہے، کیونکہ یہ اسلامی تہذیب کی پہچان، حیا کی علامت اور ایک پاکیزہ معاشرتی نظام کی بنیاد ہے۔ پردہ عورت کی عزت وناموس کی حفاظت کے لئے ڈھال کی حیثیت رکھتا ہے اور انسان کو بے حیائی اور اخلاقی بگاڑ سے محفوظ رکھتا ہے۔ جس معاشرے میں پردے کو اپنایا جائے، وہاں خاندانی استحکام اور سماجی امن قائم رہتا ہے۔

پردہ عورت کی زینت ہے اور شرم وحیا اس کا زیور۔ اس زیور کی حفاظت صرف پردے کے ذریعے ممکن ہے اور یہی وہ عمل ہے جسے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے عورتوں کا جہاد فرمایا۔ پردہ اسلام کے نظامِ عفت کو ظاہر کرتا، معاشرے کو پاکیزگی بخشتا، عورت کو توقیر عطا کرتا اور باہمی اعتماد کے ذریعے محبتوں میں اضافہ کرتا ہے۔ قرآنِ پاک میں اللہ پاک نے پردے کے متعلق ارشاد فرمایا ہے: وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا (پ18، النور: 31)

ترجمہ: اور مسلمان عورتوں کو حکم دو کہ وہ اپنی نگاہیں کچھ نیچی رکھیں اور اپنی پارسائی کی حفاظت کریں اور اپنی زینت نہ دکھائیں مگر جتنا (بدن کا حصہ خود ہی) ظاہر ہے۔

سورۂ نور کی یہ آیت اسلامی معاشرے میں پردہ وحجاب کی ضرورت اور اہمیت واضح کرتی ہے۔ جب یہ آیتِ مبارکہ نازل ہوئی تو صحابیات نے اس پر جس جذبے کے تحت فوری عمل کیا وہ واقعی قابلِ دید تھا۔ چنانچہ،

ام المومنین حضرت اُمِّ سَلَمہ روایت فرماتی ہیں کہ یہ آیت نازل ہونے کے بعد انصار کی خواتین اپنے گھروں سے نکلتیں تو سیاہ چادر سے خود کو چھپا کر نکلتیں، ان کو دیکھ کر دور سے لگتا کہ گویا ان کے سروں پر کوّے بیٹھے ہیں۔(1)

حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ جب اللہ پاک نے یہ حکم نازل فرمایا تو عورتوں نے اپنی تہبند کی چادروں کو کناروں سے پارہ پارہ کیا اور اُن سے اپنے چہرے ڈھانپ لئے۔(2) خود سیدہ عائشہ اس معاملے میں کتنی محتاط تھیں اس روایت سے معلوم ہو رہا ہے کہ جس میں ہے کہ جب پردے سے متعلق آیات نازل ہوئیں تو ان کے رضاعی چچا افلح نے ان کے پاس آنا چاہا تو انہوں نے پردے کی احتیاط کے پیشِ نظر منع فرما دیا۔ چنانچہ بخاری شریف میں ہے کہ سیدہ عائشہ فرماتی ہیں کہ پہلے میں حضور سے دریافت کرلوں کہ دودھ کے رشتے کی وجہ سے افلح کا مجھ سے پردہ ہے یا نہیں؟ کیوں کہ میں یہ سمجھتی ہوں کہ دودھ تو میں نے ابو القُعَیس کی زوجہ کا پیا ہے، افلح سے کیا رشتے داری؟ اس پر حضور نے ارشاد فرمایا: اے عائشہ! افلح کو اجازت دے دو وہ تمہارے رضاعی چچا ہیں۔(3)

*کراچی

پردہ وحیا چونکہ دونوں عورت کو شیاطین اور ان کے حواریوں کی غلیظ نگاہوں سے بچانے کے لئے ایک محفوظ قلعہ ہیں۔ لہٰذا اسلام نے جہاں پردہ فرض فرمایا ہے تاکہ معاشرے سے بدنگاہی، بدکاری کا خاتمہ ہو سکے اور انسان کو اس بات کا پابند بنایا جاسکے کہ اللہ پاک کی حرام کردہ چیزوں کو دیکھنا ممنوع ہے، وہیں حیا کو اسلام کی بنیادی اخلاقی تعلیمات میں سے قرار دیا ہے کہ یہ اخلاقی صفت شخصیت کو نکھارتی ہے، معاشرے کو پاکیزگی عطا کرتی ہے، انسان کو برے اعمال سے روکتی ہے اور اس کے کردار میں وقار سنجیدگی اور شائستگی پیدا کرتی ہے، چنانچہ ایک روایت میں ہے: بے شک ہر دین کا ایک خلق ہے اور اسلام کا خلق حیا ہے۔[4] ہمارا مقصود یہاں چونکہ صرف پردہ وحیا کے وہ بنیادی اصول بیان کرنا ہے جو سیرتِ نبوی میں مذکور ہیں، لہٰذا اس حوالے سے ایک مختصر جائزہ پیشِ خدمت ہے:

1 حیا کو ایمان کا حصہ سمجھنا

سب سے پہلا اصول حیا کو ایمان کا حصہ قرار دینا ہے۔ حضور نے ارشاد فرمایا: حیا ایمان کا حصہ ہے۔[5] اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت حیا کو صرف ایک رسم ورواج نہ سمجھے بلکہ اسے اپنے ایمان کا لازمی تقاضا جانے۔ جب حیا دل میں راسخ ہو تو عورت کا لباس، گفتگو، طرزِ نظر اور طرزِ عمل سب خود بخود باوقار ہو جاتے ہیں۔ یہی حیا پردے کو بوجھ نہیں بلکہ اعزاز بنا دیتی ہے۔

2 نگاہوں کی حفاظت

دوسرا بنیادی اصول نگاہوں کی حفاظت ہے۔ قرآن وسنت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے خواتین کو غیر ضروری دیکھنے سے منع فرمایا۔ نگاہ دل کا دروازہ ہے اور جب نگاہ محفوظ ہو تو دل بھی محفوظ رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت نے پردے کی ابتدا نظر سے کی، تاکہ فتنوں کے اسباب ابتدا ہی میں ختم ہو جائیں اور اس کی عملی تربیت ہمیں اس روایت سے ملتی ہے کہ حضرت اُمِّ سَلَمہ بیان کرتی ہیں: ایک مرتبہ میں اور حضرت میمونہ بارگاہِ رسالت میں حاضر تھیں، اس وقت ابنِ اُمِّ مکتوم حاضر ہوئے، حضور نے ہمیں پردے کا حکم دیا تو میں نے عرض کی: وہ تو نابینا ہیں، ہمیں دیکھ سکتے ہیں نہ پہچان سکتے ہیں۔ اس پر حضور نے ارشاد فرمایا: کیا تم دونوں بھی نابینا ہو اور کیا تم ان کو نہیں دیکھتیں؟[6]

3 لباس میں وقار اور ستر

تیسرا اصول لباس میں ستر اور وقار ہے۔ اسلام نے ایسا لباس پہننے سے منع فرمایا ہے جو جسم کی ساخت کو نمایاں کرے یا توجہ کا مرکز بنے۔ اسی طرح حضور نے بھی باریک، چست اور نمایاں لباس کو پسند نہیں فرمایا، کیونکہ ایسا لباس پردے کی روح کے منافی ہے۔ عورت کا لباس اس کی زینت ضرور ہو، مگر نمائش کا ذریعہ نہ بنے یعنی پردہ ایسا ہو جو عورت کی شناخت کو محفوظ رکھے، اس کی نسوانیت کو مجروح نہ کرے اور اسے معاشرتی فتنوں سے بچائے۔

4 گفتگو میں حیا اور سنجیدگی

پردہ وحیا کے بنیادی اصولوں میں ایک اہم اور باریک نکتہ گفتگو میں سنجیدگی کی پابندی ہے۔ قرآنِ کریم نے اس اصول کو واضح بنیاد فراہم کی ہے۔ اللہ پاک ازواجِ مطہرات سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے: یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَیْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَیَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّ قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا (پ22، الاحزاب:32) ترجمہ: اے نبی کی بیویو! تم اور عورتوں جیسی نہیں ہو۔ اگر تم اللہ سے ڈرتی ہو تو بات کرنے میں ایسی نرمی نہ کرو کہ دل کا مریض آدمی کچھ لالچ کرے اور تم اچھی بات کہو۔ یہ آیت اس حقیقت کو آشکار کرتی ہے کہ اسلام عورت کو گفتگو سے نہیں روکتا، بلکہ اسے اس بات کا پابند بناتا ہے کہ اس کی آواز، لہجہ اور انداز فتنہ انگیزی سے پاک اور وقار سے آراستہ ہو۔ اسی قرآنی راہ نمائی کی عملی تصویر ہمیں صحابیات کی زندگیوں میں نظر آتی ہے۔ ان کا پردہ محض لباس تک محدود نہ تھا بلکہ نگاہوں اور گفتگو تک پھیلا ہوا ایک مکمل طرزِ زندگی تھا۔ وہ غیر محرم کے سامنے نہ تو غیر ضروری گفتگو کرتیں، نہ بے تکلف لہجہ اختیار فرماتیں اور نہ ہی ایسی نرمی روا رکھتیں جس سے احترام کی حد متاثر ہو۔ ان کی گفتگو مختصر، سنجیدہ اور مقصد کے مطابق ہوتی، تاکہ وقار بھی قائم رہے

اور فاصلہ بھی محفوظ رہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی تعلیمات میں پردہ صرف جسم کے ڈھانپنے کا نام نہیں، بلکہ زبان اور آواز کے ضبط کا بھی تقاضا کرتا ہے۔ حقیقی پردہ وہی ہے جو عورت کے ظاہر کے ساتھ اس کے باطن کو بھی سنوار دے اور جس کی گفتگو بھی اس کی حیا، سنجیدگی اور تہذیب کی گواہ بن جائے۔ صحابیات کا یہ عملی نمونہ اس امر کی روشن دلیل ہے کہ گفتگو میں حیا محض ایک اخلاقی خوبی نہیں بلکہ اسلامی معاشرت کے تحفظ کا ایک مضبوط ذریعہ ہے۔

5 غیر ضروری اختلاط سے اجتناب

پانچواں اصول غیر ضروری اختلاط سے اجتناب ہے۔ اسلام عورت کو معاشرے سے کاٹتا ہے نہ عورت کو گھر میں قید کرتا ہے، البتہ! مردوں بالخصوص غیر محرموں سے غیر ضروری میل جول اور بے مقصد اختلاط کو ناپسند کرتا ہے۔ احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ خواتین کے لئے معاشرتی حدود متعین کی گئیں تاکہ ان کی عزت، سکون اور تحفظ برقرار رہے۔ یہی حدود معاشرے میں اعتماد اور اخلاقی استحکام پیدا کرتی ہیں۔

6 حیا سے بھرپور اٹھنے بیٹھنے کا انداز

چھٹا اصول چلنے پھرنے اور اٹھنے بیٹھنے میں حیا کو مدنظر رکھنا ہے۔ حضور نے عورت کو چلنے پھرنے، بیٹھنے اور زینت کے اظہار میں حیا کی تعلیم دی۔ ایسا انداز جو توجہ کھینچے یا فتنہ پیدا کرے، اس سے اجتناب کی ہدایت فرمائی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حیا ایک ہمہ جہت وصف ہے جو پورے طرزِ زندگی میں جھلکتا ہے۔

7 حیا کو کمزوری نہیں، طاقت سمجھنا

اسلام میں حیا کو کبھی کمزوری نہیں سمجھا گیا بلکہ یہ عورت کی حقیقی طاقت اور عزت ہے۔ حضور نے صاف ارشاد فرمایا: جب تم حیا نہ کرو تو پھر جو چاہو کرو۔[7] یہ فرمان ہمیں بتاتا ہے کہ حیا وہ مضبوط قلعہ ہے جو عورت کو اخلاقی لغزشوں، فتنوں اور معاشرتی استحصال سے محفوظ رکھتا ہے۔ پردہ عورت کی زینت ہے اور حیا اس کا زیور ہے۔ یہ نہ صرف اس کی شخصیت کو سنوارتا ہے بلکہ معاشرے میں اس کے مقام کی حفاظت کرتا ہے۔ حیا اختیار کرنے والی عورت نہ صرف اپنی عزت کی حفاظت کرتی ہے بلکہ اپنے ماحول کو بھی پاکیزگی عطا کرتی ہے۔

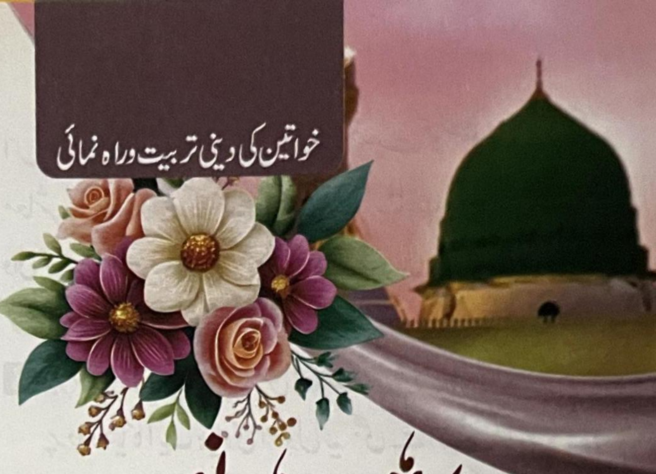
8 ہر حال میں حیا اور وقار کی حفاظت

پردہ و حیا کا ایک بنیادی اصول یہ بھی ہے کہ خوشی ہو یا غم، سہولت ہو یا شدید آزمائش، ہر حال میں حیا اور وقار کی حفاظت کو ملحوظ رکھا جائے۔ سیرتِ صحابیات اس اصول کی روشن مثالوں سے بھری ہوئی ہے۔ چنانچہ حضرت اُمِّ خلاد کا بیٹا جنگ میں شہید ہو گیا، آپ ان کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے چہرے پر نقاب ڈالے باپردہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئیں، اس پر کسی نے حیرت سے کہا کہ اس وقت بھی آپ نے منہ پر نقاب ڈال رکھا ہے؟ کہنے لگیں: میں نے بیٹا کھویا ہے حیا نہیں۔[8]

الغرض پردہ اور حیا عورت کی سب سے بڑی قوت ہیں، کمزوری نہیں۔ نگاہ، گفتگو، لباس اور طرزِ عمل میں وقار قائم رکھنا اسے عزت اور تحفظ عطا کرتا ہے۔ سیرتِ صحابیات ہمیں سکھاتی ہے کہ حقیقی پردہ شخصیت کو سنوارتا، معاشرتی احترام بڑھاتا اور غیر ضروری میل جول و فتنوں سے بچاتا ہے۔ آج کی خواتین بھی اس اصول کو اپنائیں تو اپنی عزت اور اعتماد کو نہ صرف مضبوط رکھ سکتی ہیں، بلکہ دل کی پاکیزگی کو قائم رکھ کر ایک باوقار شخصیت کی مثال بن سکتی ہیں۔

---

1. ابو داود، 4/84، حدیث: 4101
2. بخاری، 3/290، حدیث: 4758
3. بخاری، 3/306، حدیث: 4796
4. ابن ماجہ، 4/460، حدیث: 4181
5. مسلم، ص45، حدیث: 152
6. ابو داود، 4/87، حدیث: 4112
7. بخاری، 2/470، حدیث: 3484
8. ابو داود، 3/9، حدیث: 2488



حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواتین کو نصیحتیں

محترمہ بنتِ افضل مدنیہ عطاریہ*

اللہ پاک نے جب انسان کو تخلیق فرمایا تو اس کی فکری و روحانی راہ نمائی کے لیے نظامِ رشد وہدایت بھی قائم فرمایا۔ چنانچہ اس کی تعلیم وتربیت اور اصلاح وتزکیہ کے لیے بے شمار انبیا و رسل کو مبعوث فرمایا، تاکہ وہ اپنی تعلیمات، ارشادات اور اپنے طرزِ عمل کے ذریعے انسانیت کو صراطِ مستقیم پر گامزن کریں۔ ہر نبی نے اپنے عہد کے لوگوں کو خالقِ حقیقی کی معرفت، عبادت کے آداب اور بندگی کے تقاضے سکھائے۔ یہ سلسلۂ نبوت وہدایت بالآخر تاجدارِ دو جہاں، اللہ پاک کے پیارے و آخری نبی صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کی بعثتِ مبارکہ پر اپنے نقطۂ کمال کو پہنچا۔ آپ وہ نبی ہیں جن کے ذریعے سابقہ تمام انبیائے کرام کی دعوتوں کا خلاصہ، ان کے پیغامِ توحید کی تکمیل اور انسانیت کی ہدایت کا سلسلہ ہمیشہ کے لیے کامل ہو گیا۔ تمام انبیائے کرام کی بعثت کا مشترکہ مقصد چونکہ توحید، رسالت، تعلیمِ امت اور تزکیۂ نفس رہا، لہٰذا نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کی بعثتِ طیبہ کا بھی بنیادی منشا یہی تھا۔ جیسا کہ آپ نے خود فرمایا: بے شک مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔[1]

سیرتِ نبوی کی روشنی میں عورتوں کے مقام کی اہمیت

سیرتِ طیبہ صرف مردوں کے لئے مکمل راہ نمائی فراہم نہیں کرتی بلکہ عورتوں کے لیے بھی بہترین نمونۂ عمل ہے۔ مکارمِ اخلاق، حُسنِ معاشرت، عدل، حلم، صبر، عفو و درگزر اور خدمتِ خلق جیسے اوصاف کی جتنی جامع و کامل تصویر حضور کی ذات میں جلوہ گر ہے، وہ انسانی تاریخ میں کسی اور شخصیت میں نہیں ملتی۔ جیسا کہ آپ نے خود ارشاد فرمایا: بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ حُسْنَ الْأَخْلَاقِ میں حُسنِ اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں۔[2]

حضور کا قول و فعل، سیرت و کردار، اٹھنا بیٹھنا، نماز، روزہ، صدقہ، حج، کھانا پینا الغرض پوری زندگی امت کے لیے تعلیم ہے۔ قرآن کا حکم ہے نماز پڑھو! لیکن پڑھنی کس طرح ہے؟ حضور نے اس طریقہ بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا: صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِي أُصَلِّيْ نماز اسی طرح پڑھو جیسے تم مجھے پڑھتے دیکھتے ہو۔[3] اسی طرح حج کا حکم قرآن نے دیا لیکن اس کے مناسک وارکان کیسے ادا کرنے ہیں؟ اس کے متعلق حضور نے فرمایا: خُذُوْا عَنِّيْ مَنَاسِكَكُمْ مناسکِ حج مجھ سے سیکھو۔[4]

یوں عبادات ہوں یا معاملات، حقوق العباد ہوں یا حقوق اللہ، ہر پہلو میں اسوۂ کامل حضور کی ذاتِ اقدس ہے۔

اخلاقِ نبوی کے کمالات کے بعد اگر ہم گفتارِ مصطفےٰ پر نگاہ ڈالیں تو وہ بھی اپنی نوعیت میں بے نظیر ہے۔ اللہ پاک نے آپ کو جہاں خُلقِ عظیم کا وصف عطا فرمایا، وہیں جوامع الکلم کی فضیلت بھی عطا کی یعنی آپ کے کلمات مختصر ہونے کے باوجود معانی کی وسعت لیے ہوتے، جن میں علم و حکمت کے سمندر سمائے ہوتے، گویا کہ انہیں مختصر پُر اثر یا کوزے میں سمندر جیسی مثالوں سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، آپ کے ارشادات میں اتنی جامعیت، تاثیر اور بصیرت ہے کہ ہر زمانے کے انسان کے لیے راہِ ہدایت ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی زبانِ حق ترجمان سے ادا ہونے والے الفاظ قیامت تک اہلِ ایمان کے لیے روشنی کے مینار ہیں۔ لہٰذا مرد ہو یا عورت سب کی سعادت اور کامیابی اسی میں ہے کہ وہ حضور کی تعلیمات و نصیحتوں کو حرزِ جان بنائیں، اپنے اخلاق و کردار کو حضور کے اسوۂ مبارکہ کے سانچے میں ڈھالیں اور دنیا و آخرت میں کامیابی حاصل کریں۔

*لاہور

حضور کی تعلیمات کا عورت کے معاشرتی مقام پر اثر

عورت ایک ہمہ جہت اور جامع حیثیت رکھنے والی ہستی ہے جو بیک وقت مختلف رشتوں میں اپنی ذمہ داریاں ادا کرتی ہے۔ وہ بیٹی کی صورت میں والدین کے لیے تسکین و محبت کا سبب بنتی ہے، بہن کے روپ میں اخوت و الفت کا مظہر ہوتی ہے، بیوی بن کر شوہر کے ساتھ وفا، تعاون اور احساسِ شریکِ حیات کا مظاہرہ کرتی ہے اور ماں بن کر اپنی اولاد کی تربیت، محبت اور قربانی کا پیکر بن جاتی ہے۔ یوں عورت کی شخصیت خلوص، ایثار، شفقت اور محبت کے ان تمام رنگوں کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے جو انسانی معاشرت کی بنیاد ہیں۔

تاریخِ انسانی کے مطالعے سے یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ مختلف ادوار اور تہذیبوں میں عورت عموماً مظلوم اور محروم حیثیت میں دیکھی گئی ہے۔ اقوامِ عالم کے بیشتر معاشروں میں اسے مرد کے مقابلے میں کمتر سمجھا گیا اور اس کے بنیادی انسانی حقوق تک سلب کیے گئے۔ خصوصاً دورِ جاہلیت میں عورت کی حالت نہایت افسوسناک تھی! بیٹی کی پیدائش کو باعثِ ننگ و عار تصور کیا جاتا، یہاں تک کہ بہت سے والدین اپنی بچیوں کو زندہ دفن کر دینا عار نہیں سمجھتے تھے۔ بعض معاشرتی طبقات میں اخلاقی زوال اس حد تک پہنچ چکا تھا کہ رشتوں کی حرمت پامال کر دی گئی تھی، یہاں تک کہ بعض لوگ اپنی سگی ماؤں سے نکاح کرنے میں بھی عار محسوس نہ کرتے۔ اسی طرح بر صغیر ہند میں بھی عورت کے ساتھ ناانصافی کی متعدد صورتیں رائج تھیں۔ بعض ہندو معاشروں میں ستی جیسی رسم عام تھی، جس میں بیوی کا اپنے شوہر کی لاش کے ساتھ جل جانا باعثِ عزت سمجھا جاتا تھا، کیونکہ شوہر کی وفات کے بعد عورت کی سماجی حیثیت تقریباً ختم ہو جاتی تھی۔ لیکن نبی رحمت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی تشریف آوری سے جہاں مظلوموں کی فریاد رسی ہوئی ہر ایک کو اس کا مرتبہ ملا وہیں عورت کو بھی نئی زندگی ملی، جینے کا حق ملا، جس مقام اور حیثیت کی وہ مستحق تھی اسے دیا گیا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی مقدس تعلیمات کے صدقے لڑکی زندہ دفن ہونے سے نہ صرف بچ گئی، بلکہ اس کی پیدائش اور اچھی تربیت پر باپ کو جنت کی بشارت ملی، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے عملی طور پر بیٹیوں کا احترام سکھایا، ان کو مرد کے برابر حقوق دیئے۔ ان کو ان کے مہر کی رقموں، تجارتوں اور جائیدادوں کا مالک بنایا، عورت کو بحیثیتِ ماں، بیٹی، بیوی اور بہن وراثت کی حق دار بنایا، ان کے ہر رشتوں کو تقدس اور احترام بخشا۔ الغرض جو عورتیں اسلام سے پہلے انتہائی ذلیل و رسوا اور مجبور و لاچار سمجھی جاتی تھیں وہ مردوں کے دلوں کا سکون اور گھروں کی ملکہ بن گئیں۔

تاریخ اسلام کے مطالعے سے معلوم ہو گا کہ صحابیات طیبات نے دینِ اسلام کی سربلندی، دعوتِ حق کو پھیلانے اور اسلام کے جھنڈے کو سارے عالم میں لہرانے کے لیے علم و عمل، اخلاص و تقویٰ، ایثار و قربانی اور محبت و اطاعت کی اعلیٰ ترین مثالیں رقم فرمائیں جو حقیقت میں تعلیماتِ مصطفےٰ ہی کا اثر اور ثمرہ تھا۔ کیونکہ حضور نے جس طرح مردوں کو تبلیغ اور وعظ و نصیحت سے بہرہ مند فرمایا، اسی طرح عورتوں کی تعلیم و تربیت پر بھی خصوصی توجہ فرمائی اور کبھی براہِ راست تو کبھی اپنی ازواجِ مطہرات وغیرہ کے ذریعے خواتین کو مختلف امور میں نصیحتیں ارشاد فرمائیں، ذیل میں حضور کی خواتین کو مختلف انداز سے کی گئی نصیحتیں ذکر کی جا رہی ہیں:

بطورِ بیٹی: سیرتِ طیبہ میں بیٹیوں کی تربیت کے اصول

نبی پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی نصیحتوں کا وہ پہلو جو گھر کی بچیوں سے متعلق ہے اس کا اگر جائزہ لیا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ بہ حیثیتِ معلم و مربی حضور نے ان کی تربیت کے معاملے میں اپنا بنیادی اور مثالی کردار ادا فرمایا اور اپنے گھر کی بچیوں اور خواتین کو اپنی سیرت اور اخلاق کا آئینہ دار بنایا، چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنی نورِ نظر، خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا کی اس طرح تربیت فرمائی کہ انہیں قیامت تک آنے والی امت

کی تمام بیٹیوں کے لیے آئیڈیل بنادیا۔ یہ تربیتِ نبوی ہی کا اثر تھا کہ آپ نہایت ہی متقیہ وپارسا، محدثہ وفقیہ، باپردہ وباحیا اور تمام خواتینِ امت میں قابلِ رشک بنیں۔ آپ علوم وفنون، اخلاق و محامد اور اعمال وعبادات غرض کہ ہر معاملے میں اپنی مثال آپ تھیں۔ آپ اس قدر عفت وپاک دامنی کا نمونہ تھیں کہ زندگی بھر کسی غیر محرم کی طرف نگاہ اُٹھا کر نہیں دیکھا۔ زوجۂ شیرِ خدا اور والدۂ حسنین کریمین ہونے کا حق کچھ اس طرح نبھایا کہ آپ دنیا کی تمام خواتین کے لیے ایک رول ماڈل بن گئیں۔ حضور کی اپنی شہزادی کی تربیت کے کچھ مظاہر ملاحظہ فرمایئے:

نماز کی نصیحت: چھ مہینے تک حضور کا یہ معمول رہا کہ نمازِ فجر کے لیے جاتے ہوئے خاتونِ جنت کے دروازے کے پاس سے گزرتے تو فرماتے: اے نبی کے گھر والو! نماز۔ اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرمادے اور تمہیں پاک کر کے خوب صاف ستھرا کر دے۔[5]

زُہد وفقر کی نصیحت: زُہد وفقر کی ایک بہت بڑی فضیلت یہ ہے کہ ہمارے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے خود بھی اسے اختیار فرمایا اور اپنی لختِ جگر فاطمۃ الزہرا کو بھی زہد کی تعلیم ارشاد فرمائی، چنانچہ صحابیِ رسول حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضور اپنی شہزادی کے پاس تشریف لائے تو انہوں نے اپنی گردن میں پہنا ہوا سونے کا ہار پکڑ کر عرض کی: یہ ابو حسن یعنی مولا علی نے مجھے تحفے میں دیا ہے۔ تو محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے اپنی شہزادی کی تربیت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اے فاطمہ! کیا لوگوں کے اس طرح کہنے سے تمہیں خوشی ہوگی کہ فاطمہ بنتِ محمد کے ہاتھ میں آگ کا ہار ہے؟ یہ فرما کر حضور بیٹھے بغیر ہی تشریف لے گئے۔ اس کے بعد سیدہ خاتونِ جنت نے اس ہار کے بدلے ایک غلام خرید کر آزاد کر دیا۔ جب حضور کو یہ معلوم ہوا تو فرمایا: تمام خوبیاں اللہ پاک کو جس نے فاطمہ کو آگ سے نجات عطا فرمائی۔[6] اگرچہ خواتین کے لیے سونے کے زیورات پہننا شرعاً جائز ہے لیکن حضور نے اپنی شہزادی کو زہد کی تعلیم دیتے ہوئے اس سے بھی منع فرما دیا۔ گویا حضور نے امت کی تمام بیٹیوں کو اپنی بیٹی کے ذریعے نماز کی پابندی، زہد وتقویٰ اور فقر وقناعت کی نصیحت ارشاد فرمائی اور ان کے سرپرستوں کے لیے تعلیم وتربیت کے اعلیٰ خطوط عطا فرمائے، جس سے معلوم ہوا کہ اولاد کی صحیح دینی تربیت کرنا، انہیں علمِ دین کی لازوال دولت سے بہرہ مند کرنا اور اچھے اخلاق سکھانا والدین کی ذمہ داری ہے۔

بطورِ بیوی: اطاعت، شکر گزاری اور حسنِ معاشرت

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی تعلیمات نے عورت کو معاشرتی نظام میں وہ مقام عطا فرمایا جس کی وہ حقیقی مستحق تھی۔ اسلامی معاشرت میں چونکہ میاں بیوی خاندانی نظام کی بنیادی اکائی ہیں۔ لہٰذا ان کے باہمی تعلقات میں محبت، وفا اور حسنِ سلوک نہ صرف خاندان بلکہ پورے معاشرے کے استحکام و امن کا سبب بنتے ہیں۔ اس کے برعکس ان کے مابین بگاڑ پورے معاشرتی ڈھانچے کو متاثر کر دیتا ہے۔ اسی لیے حضور نے خواتین کو بطورِ زوجہ اپنے فرائض کی ادائیگی، شوہر کے حقوق کے احترام اور گھریلو زندگی کے نظم وسکون سے متعلق نہایت جامع نصیحتیں ارشاد فرمائیں، جو عورت کی دینی واخلاقی تربیت کے لیے مستقل راہ نما اصول کی حیثیت رکھتی ہیں۔

اسلامی تعلیمات میں شوہر اور بیوی کا تعلق نہ صرف ایک سماجی بندھن ہے بلکہ اخلاقی، روحانی اور دینی ذمہ داریوں کا مجموعہ بھی ہے۔ حضور نے عورتوں کو بطورِ بیوی ان ذمہ داریوں کی ادائیگی سے متعلق واضح راہ نمائی عطا فرمائی، تاکہ خانگی زندگی سکون، محبت اور باہمی احترام پر قائم رہے۔

احادیثِ مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شوہر کی اطاعت اور خوشنودی عورت کے لیے دینی سعادت کا ذریعہ ہے۔ چنانچہ حضور نے فرمایا: جب کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے پھر وہ انکار کر دے اور شوہر اس سے ناراض ہو کر رات گزارے تو فرشتے صبح تک اس پر لعنت کرتے ہیں۔[7]

اسی طرح ایک روایت ہے: جب عورت اپنی پانچ وقت کی نمازیں پڑھے، رمضان کے روزے رکھے، اپنی عصمت کی حفاظت کرے اور اپنے شوہر کی اطاعت کرے تو جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو سکتی ہے۔ (8)

حضور نے بہترین عورت کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: (بہترین عورت وہ ہے) جسے شوہر دیکھے تو خوش ہو جائے، حکم دے تو اطاعت کرے اور اپنی ذات یا مال میں ایسی بات نہ کرے جو شوہر کو ناگوار گزرے۔ (9)

ایک اور روایت میں فرمایا: چار چیزیں جس کو عطا کی گئیں، اسے دنیا و آخرت کی بھلائی دے دی گئی: شکر گزار دل، ذکر کرنے والی زبان، مصیبتوں پر صبر کرنے والا بدن اور ایسی بیوی جو اپنے نفس اور شوہر کے مال میں خیانت نہ کرے۔ (10)

ان ارشادات سے واضح ہوتا ہے کہ عورت کی نیکی اور سعادت کا بڑا حصہ شوہر کے ساتھ حسنِ سلوک، اطاعت اور شکر گزاری سے وابستہ ہے۔ اس تعلق میں توازن نہ رہے تو خاندانی نظام کمزور پڑ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے عورتوں کو شوہروں کی ناشکری پر تنبیہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: میں نے جہنم میں تم عورتوں کو کثرت سے دیکھا۔ وجہ پوچھنے پر ارشاد فرمایا: تم بہت زیادہ لعن طعن اور شوہروں کی ناشکری کرتی ہو۔ (11)

حضور کی یہ تعلیمات خواتین کے لیے نہ صرف دینی راہ نمائی فراہم کرتی ہیں بلکہ گھریلو زندگی کے استحکام کی ضمانت بھی ہیں۔ ان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عورت کا حسنِ کردار اس کے شکر، صبر اور قناعت میں پوشیدہ ہے۔ تاہم معاشرتی مشاہدہ یہ بتاتا ہے کہ بعض اوقات خواتین معمولی مالی یا سماجی تفاوت کو دیکھ کر بے اطمینانی یا ناشکری کا اظہار کر بیٹھتی ہیں، جس سے گھریلو سکون متاثر ہوتا ہے۔ حالانکہ اسلامی تعلیمات عورت کو ایسے رجحانات سے بچنے کی تلقین کرتی ہیں کہ انسان اپنے سے کم تر پر نظر رکھے تاکہ وہ اللہ پاک کی نعمتوں کا بہتر اندازہ کر سکے۔ یہی اصول خواتین پر بھی لاگو ہوتا ہے؛ اگر عورت اپنی زندگی میں شکر کے جذبے کو فروغ دے، شوہر کی کاوشوں کو خلوص سے سراہے اور اپنے سے کم وسائل رکھنے والی خواتین پر نگاہ ڈالے تو دل میں اطمینان، محبت اور سکون پیدا ہوتا ہے۔

الغرض سیرتِ طیبہ سے معلوم ہوا کہ عورت کی اصل کامیابی دنیاوی آسائش میں نہیں بلکہ شکر گزاری، قناعت اور حسنِ معاشرت میں پوشیدہ ہے، جو نہ صرف گھریلو فضا کو خوشگوار بناتی ہے بلکہ اسے آخرت کی کامیابیوں کی بھی مستحق بناتی ہے۔

حضور کی خواتین کے لیے عمومی نصیحتیں

عصرِ حاضر کے فتنوں اور تیز رفتار تبدیلیوں نے عورت کی ذمہ داریوں میں پہلے سے کہیں زیادہ اضافہ کر دیا ہے۔ آج کی مسلمان خاتون پر لازم ہے کہ وہ اپنی اصلاح کے ساتھ ساتھ نئی نسل کی دینی و اخلاقی تربیت پر خصوصی توجہ دے۔ وہ اپنے قول و عمل سے گھر کے ماحول کو ایمان، شکر اور حیا کی خوشبو سے معطر کرے اور خیر و اصلاح کے فروغ کے لیے جدید ذریعے استعمال کرے۔ اس لیے کہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں عورت اگر پردے، حیا، دین داری اور علم و عمل کے ساتھ اپنی معاشرتی ذمہ داریاں ادا کرے تو وہ نہ صرف خاندان بلکہ پورے معاشرے کی تعمیر میں مؤثر کردار ادا کر سکتی ہے۔ کیونکہ ایک حقیقی اسلامی معاشرہ خواتین کے مثبت کردار کے بغیر ادھورا ہے۔ ایک نیک، باحیا اور تعلیم یافتہ خاتون اپنی شخصیت سے نسلوں کو سنوارنے اور سماج کو امن، عدل اور ایمان کے ماحول سے آراستہ کرنے کا ذریعہ بن سکتی ہے۔

اسی پس منظر میں آج کی عورت کے لیے ضروری ہے کہ وہ سیرتِ نبوی کی ان تعلیمات اور نصیحتوں کو اپنائے جو بالخصوص خواتینِ اسلام کے تزکیہ، تربیت اور کردار سازی کے لیے ارشاد فرمائی گئیں، کیونکہ انہی میں عصرِ حاضر کے بگاڑ کا حقیقی علاج اور اصلاحِ معاشرہ کا بنیادی راستہ پوشیدہ ہے۔ چنانچہ ذیل

میں کچھ ایسی ہی نبوی نصیحتیں ملاحظہ فرمایئے:

بطورِ ماں: تربیتِ اولاد کی تلقین

اولاد کی پرورش پہ جنت کی بشارت

ایک روایت میں ہے: تین اشخاص بروزِ قیامت عرش کے سائے میں ہوں گے جس دن اس کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہو گا ان میں سے ایک وہ عورت بھی ہے جس کا شوہر فوت ہو گیا اور وہ بیوی کے پاس یتیم بچے چھوڑ گیا تو وہ عورت کہے کہ میں دوسرا نکاح نہیں کروں گی، بلکہ اپنے یتیم بچوں کی پرورش و نگہداشت میں زندگی بسر کروں گی، یہاں تک کہ وہ فوت ہو جائیں یا اللہ پاک انہیں غنی فرما دے۔(12) یہ روایت اس حقیقت کو اجاگر کرتی ہے کہ اسلام میں ماں کی قربانی، ایثار اور خاندانی ذمہ داری کو غیر معمولی قدر و منزلت حاصل ہے۔ ایسی عورت جو اولاد کی پرورش کو اپنی ذاتی خواہشات پر مقدم رکھے، قیامت کے دن عرشِ الٰہی کے سائے میں مقام پاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے خواتین کو نہ صرف عفت و صبر کی تعلیم دی بلکہ اولاد کی تربیت کو عبادت کا درجہ عطا فرمایا۔

اولاد کی وفات پر اجر

ایک روایت میں ہے: ایک عورت نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم! مرد حضرات آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر آپ کے ارشادات سن لیتے ہیں، آپ ہمیں بھی ایک دن عطا فرما دیں جس میں آپ ہمیں اللہ پاک کے احکام سکھائیں۔ تو حضور نے ارشاد فرمایا: تم فلاں دن فلاں مقام پر جمع ہو جایا کرو۔ چنانچہ وہ عورتیں جمع ہو گئیں۔ حضور نے انہیں اللہ پاک کے احکامات میں سے سکھایا۔ پھر فرمایا: تم میں سے جو عورت اپنے تین بچے آگے بھیجے گی وہ اس کے لیے آگ سے رکاوٹ ہو جائیں گے۔ ایک عورت نے عرض کی: اور دو بچے؟ تو حضور نے فرمایا: اور دو بچے (بھی)۔(13) یہ روایت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی خواتین کے لیے خصوصی تربیتی توجہ کو ظاہر کرتی ہے۔ اس میں خواتین کو نہ صرف علمِ دین حاصل کرنے کی ترغیب دی گئی، بلکہ ان کی طبعی و جذباتی کیفیات کو بھی پیشِ نظر رکھتے ہوئے صبر و اجر کی بشارت عطا فرمائی گئی۔ خاص طور پر اولاد کی وفات جیسی آزمائش پر صبر کرنے والی ماں کے لیے دوزخ سے نجات کی عظیم بشارت ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی تربیت میں خواتین کی دینی تعلیم اور صبر و رضا کی تربیت دونوں کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔

بطورِ فرد: پردہ و حیا اور صبر و رضا کی نصیحت

ترکِ زینت، پردہ اور حیا کی ترغیب

ایک روایت میں ہے: کیا تم سنتے نہیں؟ کیا تم سنتے نہیں؟ کہ کپڑے کا پرانا ہونا (یعنی لباس میں سادگی) ایمان سے ہے۔(14) اس روایت کے تحت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: زینت چھوڑنا (اور نمائش سے بچنا) اہلِ ایمان کے اخلاق سے ہے۔(15) نیز معراج کی رات حضور نے ایک بدبودار گڑھا دیکھا جس میں چیخ و پکار تھی۔ پوچھا: یہ کون ہیں؟ جبرئیل علیہ السلام نے عرض کی: یہ وہ عورتیں ہیں جو ناجائز چیزوں سے زینت حاصل کرتی تھیں۔(16) ان روایات میں خواتین کو ناجائز زینت، حسن کی نمائش اور بے پردگی سے بچنے کی واضح ہدایت دی گئی ہے، جبکہ سادگی اور پاکیزگی کو ایمان کا حصہ قرار دیا گیا ہے۔ اسلام میں عورت کی عزت و عظمت اسی میں ہے کہ وہ اپنی زینت کو غیر محرموں سے چھپائے اور پردے و حیا کے ذریعے اپنے کردار کی حفاظت کرے۔

صبر پر اجر کی نصیحت

عام طور پر عورتوں میں مردوں کے مقابلے میں صبر و برداشت کی کمی پائی جاتی ہے۔ معمولی تکلیف، بیماری یا گھریلو پریشانی پر اکثر بے صبری کا اظہار کر دیتی ہیں۔ اس سلسلے میں حضور کا ایک نہایت بلیغ نصیحت آموز فرمان ہے، جو خواتین کے لیے صبر اور شکر کی عملی تربیت کا بہترین نمونہ ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضور حضرت اُمِّ سائب یا اُمِّ مسیب کے ہاں

تشریف لے گئے تو دیکھا کہ آپ پر کپکپی طاری ہے۔ حضور نے وجہ پوچھی تو عرض کی: بخار کی وجہ سے۔ پھر کہنے لگیں: اللہ پاک اس میں برکت عطا نہ فرمائے، تو آپ نے فرمایا: بخار کو بُرا مت کہو! یہ ابنِ آدم کی خطاؤں کو یوں دُور کرتا ہے جیسے (لوہار کی) بھٹی لوہے کے میل کو دور کرتی ہے۔ [17] یہ حدیثِ مبارک صبر، شکر اور حسنِ ظن باللہ کی نہایت خوبصورت تعلیم دیتی ہے۔ عورتوں کے لیے اس میں یہ پیغام پوشیدہ ہے کہ مصیبت یا بیماری کو اللہ پاک کی طرف سے کفّارۂ گناہ اور ذریعۂ رحمت سمجھنا چاہیے، نہ کہ شکوہ و شکایت کا سبب۔ یہی رویّہ ان کے ایمان کو مضبوط اور ان کی شخصیت کو باوقار بناتا ہے۔

بطورِ انسان: مخلوق پر رحم اور خیر خواہی

خلقِ خدا پر رحم کی نصیحت

ایک حدیثِ پاک میں ہے: ایک کتا ایک کنویں کے چاروں طرف چکر کاٹ رہا تھا قریب تھا کہ پیاس کی شدت سے اس کی جان نکل جاتی کہ بنی اسرائیل کی ایک بدکارہ عورت نے اسے دیکھ لیا؛ اس نے اپنا موزہ اتار کر کتے کو پانی پلایا اور اس کی مغفرت اسی عمل کی وجہ سے ہو گئی۔ [18]

یہ روایت رحمت و شفقت کا وہ اصول بیان کر رہی ہے جو اسلام کے اخلاقی نظام کی بنیاد ہے۔ یہاں تک کہ ایک نافرمان عورت بھی محض رحمِ خلق کے جذبے سے مغفرت کی مستحق قرار پاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں ہمدردی، خیر خواہی اور رحمت کا دائرہ صرف انسانوں تک محدود نہیں، بلکہ تمام مخلوقات تک پھیلا ہوا ہے۔ خواتین کے لیے اس روایت میں نہایت اہم تربیتی اشارہ یہ ہے کہ انہیں اپنے دل میں نرمی، شفقت اور خدمتِ خلق کا جذبہ زندہ رکھنا چاہیے۔ ایسے اعمال نہ صرف معاشرتی ہم آہنگی پیدا کرتے ہیں بلکہ اللہ پاک کی رحمت و مغفرت کے دروازے بھی کھول دیتے ہیں۔

بطورِ مومنہ: ذکر، عبادت اور روحانی وابستگی

تسبیح و تہلیل کی نصیحت

(حضرت یُسَیْرہ رضی اللہ عنہا ہر وقت اللہ پاک کی تسبیح و تہلیل میں مصروف رہتی تھیں۔) آپ فرماتی ہیں: حضور نے ہم سے فرمایا: اے بیبیو! اللہ پاک کی تہلیل، تسبیح اور تقدیس (یعنی لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، سُبْحٰنَ اللّٰهِ اور سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوْحِ) کو خود پر لازم کر لو اور انہیں اپنی انگلیوں پر شمار کیا کرو کیونکہ ان انگلیوں کو قوّتِ گویائی دی جائے گی اور ان سے سوال ہوگا اور کبھی غافل نہ ہونا ورنہ تمہیں رحمت سے دور کر دیا جائے گا۔ [19]

حضور نے یہاں خواتین کو خاص طور پر تسبیح و تہلیل کا حکم دے کر یہ واضح فرمایا کہ دین کا تعلق صرف عباداتِ ظاہری سے نہیں بلکہ باطنی اصلاح و یادِ الٰہی کے دوام سے بھی ہے۔ انگلیوں پر شمار کرنے کی تلقین دراصل اس بات کی علامت ہے کہ عورت اپنے ذکر و عبادت میں شعور اور احساسِ حاضری قائم رکھے۔ یہ تعلیم اس حقیقت کو اجاگر کرتی ہے کہ اسلام میں عورت کی روحانی ترقی کے دروازے مردوں کی طرح کھلے ہیں اور وہ ذکر و فکر اور تسبیح کے ذریعے اللہ پاک کی قربت حاصل کر سکتی ہے۔

بطورِ رفیقِ معاشرہ: زبان، پڑوس اور تعلقات میں حسنِ اخلاق

رزق کے احترام کی نصیحت

حضور نے سیدہ عائشہ صدیقہ سے فرمایا: محترم چیز (روٹی) کا احترام کرو کیونکہ یہ جس قوم سے گئی ہے دوبارہ لوٹ کر نہیں آئی۔ [20] اس روایت میں حضور نے روزمرہ زندگی کی بنیادی ضرورت روٹی کو مثال بنا کر دراصل یہ احساس دلایا ہے کہ اللہ پاک کی عطا کردہ ہر نعمت قیمتی ہے اور اس کی ناقدری، ناشکری یا اسراف، نعمت کے زوال کا سبب بن سکتی ہے۔ خواتینِ اسلام چونکہ گھریلو نظام اور خوراک کے انتظام میں بنیادی کردار ادا کرتی ہیں، اس لیے یہ تعلیم اُن کے لیے خاص طور پر اہم ہے۔ انہیں چاہیے کہ وہ نعمتوں کی قدر، میانہ روی اور اسراف سے بچنے کو اپنی گھریلو زندگی کا شعار بنائیں۔ یہی طرزِ عمل نہ صرف گھروں میں برکت اور شکر کا ماحول پیدا کرتا ہے بلکہ سیرتِ نبوی کے عملی نفاذ کی ایک زندہ مثال بھی ہے۔

پڑوسن سے حُسنِ سلوک کی نصیحت

حضور نے عورتوں کو جہاں عبادات کی تلقین فرمائی، وہیں اَخلاق و معاملات کی اصلاح پر بھی خاص توجہ دی۔ چنانچہ،

ایک روایت میں ہے کہ حضور سے عرض کی گئی: فلاں عورت دن میں روزہ رکھتی اور رات میں قیام کرتی ہے مگر اپنے پڑوسیوں کو اپنی زبان سے تکلیف پہنچاتی ہے۔ ارشاد فرمایا: اس میں کوئی بھلائی نہیں، وہ جہنمی ہے۔[21] اس حدیثِ پاک میں زبان کے ذریعے دوسروں کو تکلیف دینے کو، چاہے وہ عبادت گزار ہی کیوں نہ ہو، جہنم کا موجب قرار دیا گیا۔ جو خواتین کے لیے ایک واضح تنبیہ ہے کہ عبادات کا حقیقی مقصد اخلاق و کردار کی اصلاح ہے، محض عبادت ظاہری تقویٰ نہیں بلکہ زبان، رویّے اور تعلقات میں نرمی ہی ایمان کی علامت ہے۔

اسی طرح ایک روایت میں ہے: اے مسلمان عورتو! کوئی عورت اپنی پڑوسن کی بھیجی ہوئی چیز کو حقیر نہ جانے، اگرچہ وہ بکری کا کُھر ہی کیوں نہ ہو۔[22] اس سے مراد یہ ہے کہ پڑوسن کو ہدیہ دینے کے لیے اگر عورت کے پاس معمولی چیز کے علاوہ کچھ نہ ہو تو ہدیہ سے نہ رُکے بلکہ حسبِ حال جو میسر ہو دے دیا کرے۔[23] اس تعلیم سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام نے خواتین کو اخوت، محبت اور سماجی تعلقات کی پاسداری کا درس دیا ہے۔ معمولی سی چیز بھی اگر اخلاص اور محبت کے ساتھ پیش کی جائے تو اس کا اجر اللہ پاک کے نزدیک عظیم ہے۔ یہ نبوی تعلیمات معاشرے میں محبت، احترام اور باہمی خیر خواہی کو فروغ دیتی ہیں جو ایک صالح اور پُر امن معاشرت کی بنیاد ہیں۔

جامع نصیحتِ نبوی اور عملی خلاصہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے حضرت قِسرہ کِندیہ رضی اللہ عنہا کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اے قِسرہ! گناہ کے وقت اللہ کو یاد کرو (اور گناہ سے رُک جاؤ تو) اللہ پاک تمہیں مغفرت کے ساتھ یاد فرمائے گا۔ اپنے شوہر کی اطاعت و فرمانبرداری کرو تو دنیا و آخرت کے شر سے تمہاری حفاظت ہو گی۔ اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو تو تمہارے گھر میں خیر و برکت کی کثرت ہو گی۔[24]

الغرض نبی پاک صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے یہ تمام ارشادات عورتوں کے لیے دنیا اور آخرت کی کامیابی میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ خواتین پیارے آقا صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر ہی عفت و پاک دامنی، صبر و تحمل خوش اخلاقی دیگر انفرادی و اجتماعی خوبیاں حاصل کر سکتی ہیں اور برائیوں مثلاً بے پردگی و بے حیائی، بداخلاقی، ناشکری و بے صبری، غیبت، چغلی، لڑائی جھگڑا، فتنہ و فساد، بخل، اسراف اور دیگر تمام ظاہری اور باطنی برائیوں سے محفوظ رہ سکتی ہیں۔

موجودہ دور میں جہاں خواتین سیرت النبی سے دور ہیں وہیں دنیوی مصروفیات، سوشل میڈیا اور دیگر مشاغل نے انسان کو غافل کر دیا ہے۔ سیرتِ طیبہ کا مطالعہ اور اس پر عمل کرنا وقت کا نہایت ضروری تقاضا بن چکا ہے۔ آج کے فتنوں اور آزمائشوں بھرے دور میں عورتوں کے لیے سیرتِ مصطفےٰ پر عمل پہلے سے کہیں زیادہ ضروری ہے۔

اللہ پاک ہمیں اسلام کی پاکیزہ تعلیمات کو اپنانے اور اپنی زندگی سیرتُ النبی کے مطابق گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اٰمین بِجاہِ النّبیِّ الْاَمین صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم

---

1 ابن ماجہ، 1/151، حدیث: 229 2 مؤطا امام مالک، 2/404، حدیث: 1723 3 بخاری، 4/102، حدیث: 6008 4 سنن کبریٰ للبیہقی، 5/204، حدیث: 9524 5 ترمذی، 5/142، حدیث: 3217 6 مستدرک، 4/134، حدیث: 4778 7 مسلم، ص579، حدیث: 3541 8 الاحسان، 6/184، حدیث: 4151 9 نسائی، ص526، حدیث: 3228 10 شعب الایمان، 4/104، حدیث: 4429 11 بخاری، 1/123، حدیث: 304 12 مسند الفردوس، 2/99، حدیث: 2526 13 بخاری، 4/510، حدیث: 7310 14 ابوداود، 4/103، حدیث: 4161 15 اشعۃ اللمعات، 3/585 16 تاریخ بغداد، 1/415، حدیث: 369 17 مسلم، ص1068، حدیث: 6570 18 بخاری، 2/466، حدیث: 3467 19 حلیۃ الاولیاء، 2/82، حدیث: 1536 20 ابنِ ماجہ، 4/50، حدیث: 3353 21 مستدرک، 5/231، حدیث: 7385 22 بخاری، 4/104، حدیث: 6017 23 عمدۃ القاری، 9/379، تحت الحدیث: 2566 ملخصاً 24 استیعاب، 4/459



شوہر کی خدمت سیرت النبی کی روشنی میں

ام یاسر مدنیہ عطاریہ*

اسلام ایک ایسا دین ہے جو خاندانی اور معاشرتی زندگی کو بڑی اہمیت دیتا ہے اور ان تعلقات کو مضبوط بنیادوں پر قائم رکھنا چاہتا ہے۔ شوہر اور بیوی کا رشتہ بھی انہی تعلقات میں سے ایک ہے جس میں محبت، احترام اور باہمی اعتماد کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے۔ اسلام میں بیوی کو شوہر کا حق ادا کرنے اور اس کی اطاعت و خدمت کی تاکید کی گئی ہے، سوائے ان معاملات کے جہاں شریعت کے خلاف کوئی بات ہو۔ اللہ پاک کی رضا کے لئے شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے شوہر کو خوش کرنا بڑے ثواب کا کام ہے۔ جیسا کہ حضرت عبدُ الرحمن بن عوف سے روایت ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا: عورت جب اپنی پانچ نمازیں پڑھے، ماہِ رمضان کے روزے رکھے، اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے اور اپنے شوہر کی اطاعت کرے تو اس سے کہا جائے گا کہ جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے۔[1]

ازدواجی تعلقات میں اسلام کا نظریہ

نکاح جیسے مقدس معاہدے کے بندھن میں بندھ جانے کے بعد قرآنِ مجید کی سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر 187 میں میاں اور بیوی کو ایک دوسرے کا لباس قرار دیا گیا ہے یعنی جس طرح لباس پردہ ہے عیوب کو چھپاتا ہے، زینت ہے حسن و جمال کو نکھارتا ہے، راحت ہے سردی و گرمی سے بچاتا ہے، اسی طرح اگر میاں بیوی ایک دوسرے کے لئے پردہ، زینت اور راحت ہوں تو ملتِ اسلامیہ کا ہر گھر جنت نظیر بن جائے۔ یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب میاں بیوی ازدواجی معاملات میں اسلام کے نظریے کو اپنائیں، بیوی شوہر کی خدمت کو اپنا فریضہ سمجھے اور شوہر بیوی کی کفالت کو۔

شوہر کے حقوق کی وضاحت اور خدمت کی فضیلت

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی بارگاہ میں عرض کی: عورت پر سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ تو حضور نے ارشاد فرمایا: شوہر کا۔ پھر میں نے عرض کی: مرد پر سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ ارشاد فرمایا: اس کی ماں کا۔[2] ایک حدیثِ پاک میں فرمایا: عورت کو اگر معلوم ہوتا کہ شوہر کا کیا حق ہے تو جب تک اس کے پاس کھانا حاضر رہتا یہ کھڑی رہتی۔[3] اسی طرح ایک مرتبہ حضور نے ایک شادی شدہ خاتون (یعنی حضرت حصین بن محصن رضی اللہ عنہ کی پھوپھی) سے دریافت فرمایا: تمہارا اپنے شوہر سے کیسا برتاؤ ہے؟ عرض کی: میں نے ان کی خدمت میں کوئی

* ذمہ دار ایچ آر ڈیپارٹمنٹ عالمی سطح (کراچی)

کمی نہیں کی لیکن اب میں ان سے عاجز آگئی ہوں تو حضور نے ارشاد فرمایا: غور کرو! تم کیسے اس سے عاجز آگئی ہو! حالانکہ وہ تو تمہاری جنت اور دوزخ ہے۔[4] یہ احادیثِ مبارکہ بیوی پر شوہر کے حقوق اور ازدواجی معاملات میں اسلام کے نقطۂ نظر کو واضح کرتی ہیں۔

شوہر کو راضی رکھنا

شوہر کے حقوق اور اس کی خدمت کا ایک پہلو شوہر کو راضی رکھنا بھی ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو بھی عورت اس حال میں اس دنیا سے گئی کہ اُس کا شوہر اُس سے راضی تھا تو وہ جنت میں داخل ہو گی۔[5] مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ جنت میں داخلے کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: یعنی مرتے ہی روحانی طور پر یا بعدِ قیامت جسمانی طور پر (داخلِ جنت ہو گی)، کیونکہ اس نیک بی بی نے اللہ کے حقوق بھی ادا کیے بندے یعنی شوہر کے حقوق بھی۔[6]

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ حدیثِ پاک کے تحت فرماتے ہیں: بیوی پر اپنے شوہر کی رضا طلب کرنا اور اُس کی ناراضی سے بچنا واجب ہے اور شوہر جب اُسے بلائے تو منع نہ کرے، کیونکہ حضور نے فرمایا ہے کہ جب شوہر اپنی زوجہ کو اپنے بستر پر بلائے تو وہ جائے اگرچہ تنور پر ہو۔[7] شوہر کو ناراض کرنے کے متعلق ایک روایت میں ہے: جب کوئی آدمی اپنی بیوی کو بستر پر بلائے اور وہ عورت نہ آئے، پھر اُس کا شوہر ناراضی کی حالت میں رات گزارے تو فرشتے صبح ہونے تک اُس عورت پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔[8] بلکہ ایک روایت میں تو شوہر کی ناراضی کو ربِّ کریم کی ناراضی سے تعبیر کیا گیا ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو بستر پر بلائے اور وہ آنے سے انکار کر دے تو اللہ پاک اُس عورت سے اُس وقت تک ناراض رہتا ہے جب تک کہ اُس کا شوہر اُس سے راضی نہ ہو جائے۔[9] اس کی شرح میں امام شرف الدین طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اِس سے معلوم ہوا کہ شوہر کی رضا میں رب کی رضا ہے اور شوہر کی ناراضی میں ربّ کی ناراضی ہے اور سوچو کہ قضائے شہوت میں شوہر کی رضامندی اتنی اہم ہے تو پھر دین کے معاملے میں اُس کی رضا و ناراضی کی کس قدر اہمیت ہو گی![10]

مذکورہ احادیثِ مبارکہ سے شوہر کی رضا و ناراضی کی اہمیت معلوم ہوتی ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا شوہر کی ہر معاملے میں رضا عورت کو جنت میں لے جائے گی؟ اس حوالے سے مشہور مفسر مفتی احمد یار خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہاں خاوند سے مراد مسلمان عالم متقی خاوند ہے۔ یہ قیود بہت ہی مناسب ہیں، بعض بے دین خاوند تو عورت کی نماز سے ناراض ہوتے ہیں اُس کے گانے بجانے، سنیما جانے، بے پردہ پھرنے سے راضی ہوتے ہیں یہ رِضا بے ایمانی ہے۔[11]

شوہر کی خدمت کے عملی نمونے

ازواجِ مطہرات کی روشن مثالیں امت کی خواتین کے لئے زبردست عملی نمونہ ہیں، پیارے آقا صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی ازواجِ پاک اپنے سرتاج کی کس طرح خدمت و اطاعت بجالاتی تھیں اس کی چند جھلکیاں پیشِ خدمت ہیں:

حضرت خدیجۃ الکبریٰ: آپ کا کردار سیرتِ نبوی میں اس مثالی زوجہ کا ہے جنہوں نے عملی طور پر دکھا دیا کہ شوہر کی حقیقی خدمت، وفاداری، تعاون اور دلجوئی کیا ہوتی ہے۔ نکاحِ مبارک سے لے کر آخری سانس تک وہ حضور کی ہم سفر، غم گسار، مخلص و مددگار اور وفاپرست شریکِ حیات بن کر رہیں۔ یہاں تک کہ جب غارِ حرا میں پہلی وحی نازل ہوئی اور حضور پر اس کے اثرات کی ہیبت طاری تھی، آپ گھر تشریف لائے تو قلبِ مبارک لرز رہا تھا۔ ایسے نازک موقع پر بھی حضرت خدیجہ نے نہ صرف حضور کی دلجوئی کی، بلکہ بلند ترین کلماتِ تسلی کے ذریعے آپ کے قلب کو مضبوطی عطا کی۔ انہوں نے اپنے شوہر کی خدمت و حمایت کا ایسا انداز پیش کیا جو رہتی دنیا تک مثالی ہے، انہوں نے کہا کہ اللہ پاک آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا، آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، کمزوروں کا بوجھ اٹھاتے

ہیں، محتاجوں کے لئے کماتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور سچائی پر قائم رہتے ہیں۔[12]

ابنِ اسحاق فرماتے ہیں: حضور جب بھی کفار کی جانب سے اپنا رد اور تکذیب وغیرہ کوئی ناپسندیدہ بات سن کر غمگین ہو جاتے اس کے بعد حضرت خدیجہ کے پاس تشریف لاتے تو اللہ ان کے ذریعے آپ کی وہ رنج و غم کی کیفیت دور فرما دیتا۔[13]

اسلام کی آواز سب سے پہلے جس نے سنی اور دل سے قبول کی، وہ بھی یہی مبارک ہستی تھی۔ آپ نے شوہر کی خدمت کو صرف گھریلو ذمہ داری نہیں سمجھا بلکہ ان کی مدد اور دینِ حق کے قیام کا حصہ بنالیا۔ انہوں نے مال سے، دل سے، قول و عمل سے، ہر حال اور ہر مرحلے میں حضور کی خدمت کی۔ یہی وجہ ہے کہ ایمان، وفا، ایثار اور شوہر کی بے مثال خدمت کے باب میں حضرتِ خدیجہ کا نام سب سے نمایاں نظر آتا ہے۔ ان کی پوری زندگی اس حقیقت کی روشن تفسیر ہے کہ شوہر کی خدمت، اس کی دلجوئی اور اس کا ساتھ دینا حسنِ معاشرت اور اعلیٰ اخلاق کی عملی صورت ہے۔

وہ انیسِ غمِ مُونسِ بے کساں | وہ سکونِ دلِ مالکِ انس و جاں
وہ شریکِ حیاتِ شہِ لامکاں | سیّما پہلی ماں کہفِ امن و اماں
حق گزارِ رفاقت پہ لاکھوں سلام

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سیرت سے یہ سیکھنے کو ملتا ہے کہ عورت کو اپنے شوہر کی خدمت کے لئے حتی المقدور بھرپور کوشش کرنی چاہئے، تنگی و پریشانی کے مواقع پر غم خواری اور حوصلہ افزائی کرتے ہوئے شوہر کی دل جوئی اور تسکینِ قلب کا سامان کرنا چاہئے کہ یہ صفت بارگاہِ الٰہی میں بہت محبوب ہے، لیکن افسوس! آج کل عورتیں اطمینان و تسکینِ قلب کا سبب بننے کے بجائے طرح طرح کی فرمائشیں اور جھگڑے کر کے پریشانی میں اضافے کا باعث بنتی ہیں، انہیں ام المومنین کی مبارک سیرت سے سیکھنا چاہئے اور گھریلو جھگڑوں و ناچاقیوں کا سبب بننے کے بجائے گھر کو امن و سکون کا گہوارہ بنانا چاہئے۔

حضرت عائشہ صدیقہ

نکاح کے بعد جب آپ حضور کے کاشانۂ اقدس میں آئیں اس وقت آپ کم عمر تھیں اور آپ کے کھلونے بھی ساتھ تھے، کیونکہ عموماً یہ عمر کھیل کود کی ہوتی ہے، یہاں تک کہ شادی کے بعد بھی آپ اپنی سہیلیوں کے ساتھ گڑیوں سے کھیلتی تھیں، ایک روز حضور آپ کے پاس تشریف لائے اور آپ کی گڑیوں کو دیکھ کر استفسار فرمایا: یہ کیا ہے؟ ام المومنین نے عرض کی: میری گڑیاں ہیں۔ حضور نے ان گڑیوں میں ایک گھوڑا ملاحظہ فرمایا جس کے کپڑے کے دو پر تھے۔ فرمایا: یہ ان کے درمیان کیا نظر آتا ہے؟ عرض کی: گھوڑا۔ فرمایا: اس کے اوپر کیا ہے؟ عرض کی: دو پر۔ فرمایا: گھوڑے کے دو پر؟ حضرت عائشہ نے عرض کی: کیا آپ نے نہیں سنا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھوڑے پروں والے تھے! حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اس پر آپ نے اتنا تبسم فرمایا کہ میں نے دندانِ مبارک کی زیارت کر لی۔[14] بہر حال اس کم عمری کے عالم میں بھی آپ نے امورِ خانہ داری (یعنی گھر کے کام کاج) سیکھے اور نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیتی رہیں حتی کہ اپنے کپڑے خود سی لیتیں، خود ہی جو شریف کو پیس کر آٹا بناتیں، حضور قربانی کے لئے جو جانور بھیجتے خود اپنے ہاتھوں سے ان کے لئے رسیاں بٹتیں اور اس کے ساتھ ساتھ حضور کی خدمت میں بھی کوئی کمی نہ ہونے دیتیں۔[15] اپنے ہاتھوں سے حضور کے لئے کھانا تیار کرتیں، حضور کے کپڑے دھوتیں، ان میں خوشبو لگاتیں، حضور کے لئے ضروری چیزیں تیار کرتیں، یہاں تک کہ سفر میں بھی حضور آپ کو ساتھ لے جاتے تو آپ حضور کی ضروریات کا خیال رکھتیں۔ اسی طرح حضور جب بیمار ہوتے تو آپ حضور کو ویسا ہی دم فرماتیں جیسا حضور خود کو دم فرماتے تھے۔[16] الغرض حضرت عائشہ نہ صرف امورِ خانہ داری بخوبی انجام دیتیں بلکہ حضور کی خدمت، محبت اور مسکراہٹ سے گھر کا ماحول بھی خوشگوار رکھتی تھیں۔

حضرت ام سلمہ

آپ بھی بہت باہمت، بلند حوصلہ، محنت کش اور ہنر مند خاتون تھیں حضور کے ساتھ نکاح کے بعد گھر میں قدم رکھتے ہی آپ نے اپنی ذمہ داریوں کو سمجھا اور سلیقہ شعاری و ہنر مندی کا ثبوت دیتے ہوئے انہیں نبھانے میں مصروف ہو گئیں۔ چنانچہ مروی ہے کہ جب آپ گھر میں داخل ہوئیں تو وہاں مٹی کا گھڑا، چکی، پتھر کی ہانڈی اور دیگچی پڑی ہوئی نظر آئی۔ آپ نے گھڑے اور دیگچی کے اندر جھانکا تو گھڑے میں جو اور دیگچی میں تھوڑا سا گھی پڑا ہوا تھا۔ آپ نے جو لے کر پیسے، پھر انہیں گوندھا اور گھی سالن کے طور پر استعمال کیا۔ شادی کی رات یہی حضور اور آپ کا کھانا تھا۔(17) شادی کی پہلی رات شوہر کے گھر میں کھانا بنانا کوئی معمولی بات نہیں، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے اس عمل سے شوہر کی خدمت اور خلوص و وفاداری کی اعلیٰ مثال قائم کی۔

دیگر ازواجِ مطہرات کا حال بھی یہی تھا کہ وہ حضور کی خدمت، اطاعت اور گھر کی ذمہ داریوں میں ہمیشہ پیش پیش رہتیں۔ حضور جو کچھ عطا فرماتے، وہ اس پر صبر و شکر کے ساتھ راضی رہتیں اور کبھی شکوہ نہ کرتیں۔ ان کے نزدیک حضور کا تعلق اور قربت ہی سب سے بڑی نعمت تھی، اسی لئے تنگی کے باوجود بھی حضور سے جدائی گوارا نہ کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ جب نان و نفقہ میں زیادتی کے مطالبے پر قرآن کی آیت کے ذریعے انہیں اختیار دیا گیا کہ دنیا کی آسائشیں چاہتی ہیں یا اللہ پاک کے حبیب کے ساتھ رہنا، تو ان سب پاک بیبیوں نے بلا تردد دنیا کو چھوڑ کر حضور کا ساتھ منتخب کیا۔(18)

ازواجِ مطہرات کی سیرت سے معلوم ہوتا ہے کہ شوہر کی خدمت محض کام نہیں بلکہ محبت، احترام اور قربت کا عملی اظہار ہے۔ حضور کے پاکیزہ گھرانے میں بیویاں خدمت کرتیں اور حضور حسنِ اخلاق سے نوازتے تھے۔ ازواجِ مطہرات کی طرح دیگر صحابیات بھی اپنے شوہروں کی خدمت اور گھریلو کام کاج کو بوجھ نہ جانتی تھیں، چند مثالیں پیشِ خدمت ہیں:

حضرت فاطمۃ الزہرا

شوہر کی خدمت کا تقاضا یہ بھی ہے کہ اگر شوہر غریب ہو اور گھریلو کام کاج کے لئے نوکرانی رکھنے کی طاقت نہ ہو تو عورت اپنے گھر کا کام کاج خود کر لیا کرے اس میں ہرگز ہرگز نہ عورت کی کوئی ذلت ہے نہ شرم۔ چنانچہ خود حضور کی پیاری شہزادی حضرت فاطمہ کا بھی یہی معمول تھا کہ وہ اپنے گھر کا سارا کام خود اپنے ہاتھوں سے کیا کرتی تھیں، کنوئیں سے پانی کی مشک بھر کر لایا کرتی تھیں، خود ہی چکی چلا کر آٹا بھی پیس لیتی تھیں، اسی وجہ سے ان کے مبارک ہاتھوں میں کبھی کبھی چھالے پڑ جاتے تھے۔

حضرت اسماء

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بہن حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے متعلق بھی مروی ہے کہ وہ اپنے غریب شوہر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے یہاں اپنے گھر کا سارا کام کاج خود کیا کرتی تھیں یہاں تک کہ اُونٹ کو کھلانے کے لئے باغوں میں سے کھجوروں کی گٹھلیاں چن چن کر اپنے سر پر لاتی تھیں، گھوڑے کے لئے گھاس چارہ بھی لاتی تھیں اور گھوڑے کی مالش بھی کیا کرتی تھیں۔

یقیناً یہ سب شوہر کی خدمت کی عظیم مثالیں ہیں جو امت کی تمام خواتین کے لئے قابلِ عمل ہیں۔ علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہر بیوی کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ اپنے شوہر کی آمدنی اور گھر کے اخراجات کو ہمیشہ نظر کے سامنے رکھے اور گھر کا خرچ اس طرح چلائے کہ عزت و آبرو سے زندگی بسر ہوتی رہے۔ اگر شوہر کی آمدنی کم ہو تو ہرگز ہرگز شوہر پر بے جا فرمائشوں کا بوجھ نہ ڈالے اس لئے کہ اگر عورت نے شوہر کو مجبور کیا اور شوہر نے بیوی کی محبت میں قرض کا بوجھ اپنے سر پر اٹھا لیا اور خدا نہ کرے اس قرض کا ادا کرنا دشوار ہو گیا تو گھریلو زندگی میں پریشانیوں کا سامنا ہو جائے گا اور میاں

بیوی کی زندگی تنگ ہو جائے گی اس لئے ہر عورت کو لازم ہے کہ صبر و قناعت کے ساتھ جو کچھ بھی ملے خدا کا شکر ادا کرے اور شوہر کی جتنی آمدنی ہو اسی کے مطابق خرچ کرے اور گھر کے اخراجات کو ہرگز ہرگز آمدنی سے بڑھنے نہ دے۔ (19)

جدید دور کی خواتین کے لئے پیغام

دورِ حاضر میں ویمن رائٹس وغیرہ کے نام پر جو فتنے پنپ رہے ہیں، ان کے اثرات کسی سے پوشیدہ نہیں۔ گھر تباہ ہو رہے ہیں، طلاقیں بڑھ رہی ہیں اور طرح طرح کے باغیانہ و اسلام دشمن نعرے شوہر کی خدمت اور گھر داری کو بوجھ بنا کر پیش کر رہے ہیں، حالانکہ یہ بوجھ نہیں بلکہ فلاح کا راستہ ہے۔ شوہر کی خدمت گھر میں برکت، سکون اور محبت لاتی ہے۔ اس لئے اسلام کے زیرِ سایہ پرورش پانے والی خواتین کے شایانِ شان یہی ہے کہ وہ مغرب کی کنیزوں اور ان کے فساد انگیز نعروں کے فریب میں آنے کے بجائے اسلام کی باکمال خواتین کی سیرت کو دیکھیں اور اسی کی پیروی کریں، کیونکہ یہی قانونِ فطرت ہے اور اسی میں دین و دنیا کی بھلائی اور گھر کا سکون ہے۔

شوہر کی خدمت و اطاعت کرنا عقل، فطرت اور شریعت کا تقاضا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس شخص نے گھر کی ذمہ داری اٹھائی، معاشی بوجھ برداشت کیا، بیوی بچوں کا سہارا بنا اور صبح شام محنت کر کے گھر چلایا، عقل بھی یہی کہتی ہے کہ اس کے ساتھ احترام، محبت اور خدمت کا برتاؤ رکھا جائے۔

فطری طور پر بھی دیکھا جائے تو اللہ پاک نے مرد و عورت دونوں کو ایک دوسرے کا محتاج بنایا ہے؛ عورت کی فطرت میں نرمی، محبت اور نگہداشت رکھی، جبکہ مرد کے اندر حفاظت، کفالت اور ذمہ داری کا جذبہ رکھا۔ یہ تقسیم فطرت کی بنائی ہوئی ہے۔ انسان اس سے ٹکرائے تو گھر کا نظام بگڑ جاتا ہے، اور جب اسی کے مطابق چلتا ہے تو گھر میں سکون، محبت اور اعتماد پیدا ہوتا ہے۔

الغرض شوہر کی خدمت اسی فطری تقسیمِ ذمہ داری کا حصہ ہے، جس طرح شوہر کا بیوی کا نان و نفقہ، تحفظ اور کفالت کرنا اس کی عملی ذمہ داری ہے۔ گھر بھی ایک چھوٹی ریاست کی طرح ہے، اگر ایک حصہ اپنی ذمہ داریاں خوش اسلوبی سے ادا کرے مگر دوسرا تعاون نہ کرے تو نظام ٹوٹ جاتا ہے۔ لہٰذا عقل و فطرت کا تقاضا یہی ہے کہ شوہر اپنی ذمہ داری نبھائے اور بیوی محبت و خدمت کے ساتھ گھر کا نظام سنبھالے۔

دینِ اسلام نے عورت پر کوئی ظالمانہ بوجھ نہیں ڈالا، بلکہ اس معاملے میں نہایت خوبصورت توازن رکھا ہے۔ سیرتِ نبوی کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جہاں ازواجِ مطہرات حضور کی خدمت اور گھر کے انتظام میں پوری توجہ دیتی تھیں، وہیں حضور بھی گھر کے کاموں میں ہاتھ بٹاتے اور بہت سے امور میں ان کی مدد فرماتے تھے۔ یہ میاں بیوی کی باہمی ذمہ داریوں میں توازن کی بہترین مثال ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ خدمت، محبت اور عزت یک طرفہ نہیں، بلکہ باہمی ہونی چاہیے۔ شوہر کی خدمت کا مطلب یہ نہیں کہ عورت کی کوئی قدر نہیں، بلکہ اس کا مطلب محبت بھرا تعاون، دلجوئی، حسنِ اخلاق اور شوہر کے لئے سہولت پیدا کرنا ہے اور یہی حسنِ معاشرت ہے، غلامی نہیں۔

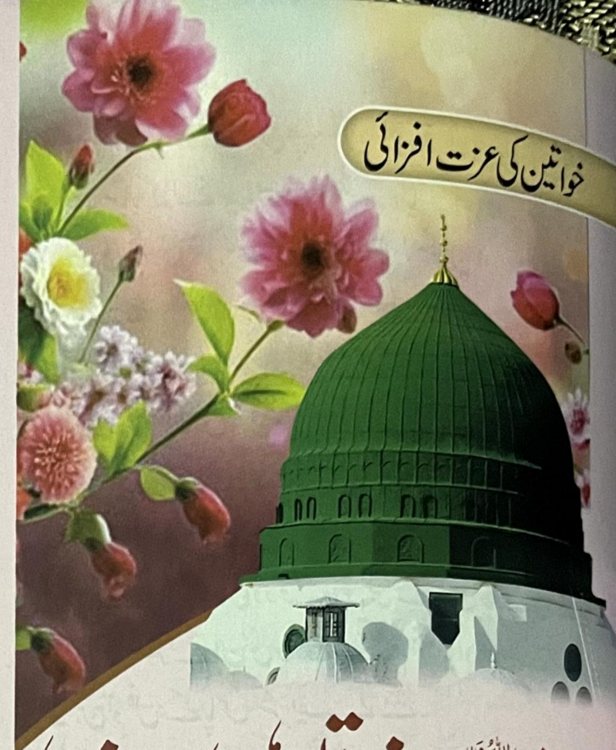
اللہ پاک سے دعا ہے کہ ہماری خواتین کو اپنے شوہروں کی رضا طلب کرنے اور اُن کی ناراضی سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں جنت میں بلا حساب و کتاب داخلہ نصیب فرمائے۔ اٰمین بِجاہِ النّبیِّ الْاَمین صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم

---

(1) مسند امام احمد، 3/199، حدیث: 1661 (2) مستدرک، 5/244، حدیث: 7418 (3) کنز العمال، 8/145، جز: 16، حدیث: 44809 (4) مسند امام احمد، 45/341، حدیث: 27352 (5) ترمذی، 2/386، حدیث: 1164 (6) مراۃ المناجیح، 5/97 (7) کتاب الکبائر، ص 200 (8) مسلم، ص 579، حدیث: 3541 (9) مسلم، ص 578، حدیث: 3540 (10) شرح طیبی، 6/344، تحت الحدیث: 3246 (11) مراۃ المناجیح، 5/97 (12) بخاری، 1/8، حدیث: 3 (13) سیرت ابن اسحاق، 1/176 (14) مدارج النبوت، 2/471 (15) فیضان امہات المومنین، ص 77 (16) بخاری، 4/34، حدیث: 5748 (17) طبقات ابن سعد، 8/73 (18) تفسیر خازن، 3/497 ملخصاً (19) جنتی زیور، ص 60

خواتین کی عزت افزائی





حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خواتین سے مشورہ اور رائے کا احترام

محترمہ ام حسان عطاریہ*

حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی بعثت سے قبل سرزمینِ عرب جہالت کے اندھیروں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ معاشرے میں عورت کی کوئی عزت یا حیثیت نہیں تھی۔ اسے ماں، بیٹی، بہن یا بیوی کی صورت میں بھی حقارت سے دیکھا جاتا، یہاں تک کہ بیٹی کو زندہ دفن کر دینا عام بات تھی۔ وراثت میں عورت کو مال کی طرح شمار کیا جاتا؛ مرنے والے کا سوتیلا بیٹا بعض اوقات اپنی سوتیلی ماں سے خود نکاح کر لیتا یا کسی اور کو دے دیتا۔ اسلام نے آکر اس ظلم و جبر کا خاتمہ کیا۔ عورت کو جاہلیت کے استحصال سے نجات دلائی، اسے عزت، اختیار اور آزادی عطا کی۔ قرآنِ کریم نے صاف اعلان کیا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًاؕ (پ4، النسآء:19) ترجمہ: اے ایمان والو! تمہارے لئے حلال نہیں کہ تم زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ۔ یوں عورت کی عزت، وقار اور مالی تحفظ کے لیے مکمل ضابطہ قائم کیا گیا۔

اسلام نے عورت کو مرد کی مانند انسانی وقار عطا کیا، اس کے جذبات، احساسات اور آراء کو احترام کے لائق قرار دیا۔ گو عورت کا دائرۂ عمل فطرتاً مختلف رکھا گیا، مگر اس کے فہم و شعور کو کبھی کم تر نہیں سمجھا گیا۔ قرآن و سنت کی تعلیمات نے واضح کیا کہ عورت بھی اپنی عقل، رائے اور بصیرت سے دین و معاشرت کے امور میں حصہ لے سکتی ہے۔

اسلام میں مشاورت کا بنیادی اصول

اسلام میں مشورے کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ پاک نے قرآنِ پاک میں ایک سورت سورۃ الشوریٰ کے نام سے نازل فرمادی۔ یہ نام ہی اس بات کی علامت ہے کہ اجتماعی فیصلوں میں باہمی مشورہ کتنا بلند مقام رکھتا ہے۔ قرآنِ پاک اہلِ ایمان کی صفات بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَیْنَهُمْ۪ (پ25، الشوریٰ:38) ترجمہ: اور ان کا کام ان کے باہمی مشورے سے (ہوتا) ہے۔

اسلام نے واضح کیا کہ مشورہ صرف حکومت یا قیادت تک محدود نہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں ضروری ہے؛ خواہ وہ گھریلو ہو، معاشرتی ہو یا دینی۔ نیز اسلام کا نظامِ مشاورت کسی ایک طبقے تک محدود نہیں بلکہ ہر اس فرد کو شامل کرتا ہے جس کی رائے کسی معاملے میں مفید ثابت ہو۔

عورت کی فکری حیثیت

اسلام نے عورت کو محض گھر کی زینت یا مرد کی تابع مخلوق قرار نہیں دیا بلکہ اسے عقل و شعور، فہم و ادراک اور رائے و مشورے کے حق میں ایک نمایاں مقام عطا کیا۔ نیز خاندانی زندگی کے کئی فیصلے ایسے ہیں جن میں عورت کی رائے نہ صرف اہم بلکہ بعض اوقات فیصلہ کن حیثیت رکھتی ہے۔ اسلام نے گھریلو زندگی کو باہمی محبت، اعتماد اور مشاورت پر قائم کیا ہے،

*سڈنی آسٹریلیا

اس لیے شوہر اور بیوی دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ احترامِ رائے اور مشورے سے فیصلے کرنے کی تلقین فرمائی گئی ہے۔اسی تناظر میں قرآنِ کریم نے عورت کی فکری اور مشاورتی حیثیت کو نہایت خوبصورتی سے بیان فرمایا۔چنانچہ ارشاد ہوا: فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَ تَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا (پ2،البقرة:233)ترجمہ: پھر اگر ماں باپ دونوں آپس کی رضامندی اور مشورے سے دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر گناہ نہیں۔

یہ آیت نہ صرف بچے کی پرورش کے ایک پہلو کو واضح کرتی ہے بلکہ عورت کی عقلی اور فکری اہلیت کو بھی اجاگر کرتی ہے۔اللہ پاک نے والدین کے مشورے کو مشترکہ قرار دے کر عورت کی رائے کو مرد کی رائے کے برابر وزن دیا، گویا فیصلے کے حق میں عورت کی شمولیت کو قرآنِ کریم نے براہِ راست تسلیم فرمایا جو اس بات کی علامت ہے کہ اسلام میں عورت صرف جذباتی نہیں بلکہ فکری اور مشاورتی سطح پر ایک مؤثر کردار رکھتی ہے۔

نبی اکرم کا اپنی ازواج سے مشورہ

اسلام نے عورت کو زندگی کے مختلف شعبوں میں عزت و وقار ہی نہیں دیا بلکہ اس کی رائے، مشورے اور فکری بصیرت کو بھی قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے۔

سیرتِ طیبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے عورتوں سے مشاورت کو محض جائز نہیں سمجھا بلکہ اس پر عمل بھی فرمایا۔آپ نے مختلف مواقع پر خواتین کی رائے کو سنا، اس پر غور فرمایا اور کئی مرتبہ اس کے مطابق فیصلہ بھی فرمایا۔یہ طرزِ عمل اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اسلام میں عورت کی رائے بھی فیصلے کی بنیاد بن سکتی ہے اور اس کی فہم و بصیرت کو نظر انداز کرنا اسلامی مزاج کے خلاف ہے۔

انہی روشن مثالوں میں ایک پہلو ازواجِ مطہرات کے ساتھ مشاورت کا بھی ہے۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے نہ صرف اپنی ازواج سے مشورہ فرمایا بلکہ ان کی رائے کا احترام کرتے ہوئے اس پر عمل بھی فرمایا۔یوں آپ کی سیرتِ مبارکہ نے یہ اصول قائم کر دیا کہ گھر ہو یا معاشرہ، عورت کی فکری شرکت ہی باہمی اعتماد، سکون اور اعتدال کی ضامن ہے۔

سیدہ خدیجہ کی حکیمانہ حوصلہ افزائی اور مشاورت

جب غارِ حرا میں پہلی وحی نازل ہوئی تو حضور کا دل مبارک خوف و ہیبت سے لرز رہا تھا۔ایسے نازک لمحے میں حضرت خدیجہ نے حضور کو نہ صرف تسلی دی بلکہ حکیمانہ مشورہ دیتے ہوئے اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس جانے کی تجویز پیش کی۔ حضور نے ان کی رائے کو تسلیم فرمایا اور ان کے ساتھ ورقہ بن نوفل کے پاس تشریف لے گئے۔(1)

یہ واقعہ اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ عورت کے اندر دانشمندانہ رائے، معاملہ فہمی اور درست راہ نمائی کی پوری صلاحیت موجود ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی مشاورت سے نہ صرف حضور کو سکون و اطمینان ملا بلکہ یہ واقعہ اس بات کی بنیاد بن گیا کہ اسلام میں عورت مرد کے ساتھ فکری شراکت کی اہل اور مستحق ہے۔

حضرت خدیجہ نے سب سے پہلے حضور کو تسلی دی اور ان کے دل سے خوف و ہیبت کو دور فرمایا۔یہ طرزِ عمل اس بات کی واضح دلیل ہے کہ بیوی کا سب سے اہم کردار اپنے شوہر کے لیے جذباتی سہارا اور اطمینان کا باعث بننا ہے، خاص طور پر جب وہ کسی بڑے صدمے یا دباؤ سے دوچار ہو۔ایسے لمحات میں عورت کا پُرسکون رویّہ اور حوصلہ افزا گفتگو مرد کے حوصلے کو از سرِ نو استوار کر دیتی ہے۔

حضرت خدیجہ نے صرف تسلی دینے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ دانشمندانہ فیصلہ کرتے ہوئے حضور کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو اہلِ کتاب کے بزرگ عالم تھے۔یہ طرزِ عمل اس بات کا مظہر ہے کہ عورت میں نہ صرف صورتِ حال کو سمجھنے کی صلاحیت ہے بلکہ وہ درست

مشورہ دینے اور عملی قدم اٹھانے کی اہلیت بھی رکھتی ہے۔ آج کے دور میں بھی کئی گھرانوں کی خوش حالی اور استحکام ایسی ہی مدبر اور سمجھ دار خواتین کے فیصلوں کا نتیجہ ہیں۔

اس موقع پر حضرت خدیجہ نے حضور کے بلند کردار، دیانت، امانت اور حسنِ سلوک کا ذکر کر کے آپ کے اعتماد کو بحال کیا۔ یہ اس بات کی طرف راہ نمائی کرتا ہے کہ شوہر کے کردار پر اعتماد اور اس کی حوصلہ افزائی بیوی کی طرف سے بہترین اخلاقی تعاون ہے جو کسی بھی مرد کے لیے سب سے بڑی اخلاقی طاقت بن جاتی ہے۔

پھر جب ورقہ بن نوفل نے وحیِ الٰہی کی حقانیت کی تصدیق کی تو حضرت خدیجہ نے بلا تردد ایمان قبول کیا۔ وہ نہ صرف پہلی خاتون بلکہ پہلی شخصیت تھیں جنہوں نے اسلام کو قبول کیا۔ یہ عمل اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ ایمان اور دین داری میں عورت مرد سے کسی درجے میں کم نہیں، بلکہ حق واضح ہو جائے تو عورت بھی پوری بصیرت اور جرأت سے اس پر عمل کر سکتی ہے۔

الغرض ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سیرت کا یہ پہلو ہمیں سکھاتا ہے کہ عورت محض گھر کی زینت نہیں بلکہ دانش، تدبیر، ایمانی بصیرت اور عملی راہ نمائی کا سرچشمہ بھی ہے۔ اسلام نے عورت کی اسی حیثیت کو تسلیم کرتے ہوئے اسے مرد کے ساتھ مشورے، رائے اور فیصلہ سازی میں برابر کا شریک قرار دیا ہے۔

نیز اسلامی تعلیمات میں عورت کی رائے کو محض گھریلو زندگی تک محدود نہیں رکھا گیا بلکہ اجتماعی اور عملی معاملات میں بھی اس کی فکری بصیرت کو قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔ سیرتِ نبوی پر نگاہ ڈالی جائے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ حضور نے نہ صرف اپنی ازواجِ مطہرات سے گفتگو فرمائی بلکہ اہم مواقع پر ان سے مشورہ بھی لیا۔ حالانکہ حضور صاحبِ وحی تھے، آپ کے لیے کسی رائے یا مشورے کی حاجت نہیں تھی، لیکن آپ نے یہ طرزِ عمل اختیار فرمایا تاکہ اُمت کے سامنے عورت کی فکری شرکت اور مشاورت کی اہمیت کو عملی طور پر ظاہر فرمایا جائے۔

صلحِ حدیبیہ کا واقعہ اس پہلو کی روشن مثال ہے، جب مسلمانوں پر ایک نازک کیفیت طاری تھی اور صحابہ کرام جذباتی دباؤ میں فوری طور پر حکمِ نبوی پر عمل نہ کر سکے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ام المومنین حضرت اُمِّ سَلَمہ رضی اللہ عنہا سے مشورہ فرمایا۔ انہوں نے نہایت فراست اور دانائی سے عرض کیا کہ اگر حضور خود قربانی ذبح فرما کر حلق کروالیں تو سب صحابہ بلا تردد آپ کی پیروی کریں گے۔(2)

حضور نے ان کی رائے پر عمل فرمایا اور اس مشورے کے نتیجے میں ایک بڑا بحران امن و سکون میں بدل گیا۔

یہ واقعہ نہ صرف عورت کی فکری گہرائی اور تدبر کی دلیل ہے بلکہ اس امر کی واضح شہادت بھی کہ اسلام میں عورت کو مشورہ دینے، رائے قائم کرنے اور اصلاحی کردار ادا کرنے کا پورا حق حاصل ہے۔ چنانچہ،

اس واقعے کے تناظر میں اگر خواتین کے کردار کا جائزہ لیا جائے تو درج ذیل باتیں سامنے آتی ہیں:

- صحابہ کرام سخت ذہنی کشمکش میں مبتلا تھے، جس کی وجہ سے وہ حضور کے حکم پر عمل نہیں کر پا رہے تھے۔ ام المومنین حضرت اُمِّ سَلَمہ رضی اللہ عنہا نے اس صورتحال کو بھانپ لیا کہ یہ حکم کی نافرمانی نہیں بلکہ جذباتی دباؤ کا نتیجہ ہے۔ لہٰذا خاتونِ خانہ کو چاہیے کہ وہ مشکل اور کشیدہ حالات میں غیر جانبدار رہتے ہوئے گہری بصیرت کا مظاہرہ کرے، صورتحال کا صحیح تجزیہ کرے اور معاملات کا ایسا حل پیش کرے جو سب کے لئے قابلِ قبول ہو۔
- ایک خاتون اپنے عمل اور تدبر سے بڑے بحرانوں کو ٹال سکتی ہے اور خاموشی سے راہ نکال سکتی ہے۔

چنانچہ آپ نے حضور کو مشورہ دینے سے غور و تدبر سے دیکھا کہ صحابہ کرام کا یہ عمل مقامِ نبوت کے لئے چیلنج نہ بن جائے، اس لئے آپ نے عمل کا مشورہ دیا تاکہ اللہ پاک کے آخری نبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے حکم کی تعمیل بھی ہو جائے اور صحابہ کرام کا ایمان بھی سلامت رہے۔

- بیوی شوہر کی مدد کرے اور اس کی قیادت کے مقام کو بھی ہر قیمت پر ملحوظِ خاطر رکھے۔ سیدہ اُمِّ سَلَمہ کا مشورہ اس نازک وقت میں حضور کے لئے ایک بہت بڑا سہارا بنا اور آپ نے فوراً اس پر عمل فرمایا۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ایک کامیاب بیوی اپنے شوہر کے لئے اعتماد کا مرکز ہوتی ہے، جہاں سے اسے بہترین راہ نمائی ملتی ہے۔ لہٰذا بیوی کا مشورہ یا رائے اتنی معقول ہونی چاہیے کہ وہ اپنے شوہر کے لئے مشکل حالات میں روشنی کا مینار ثابت ہو۔

خواتین کی رائے کے احترام کے اثرات

اسلام خواتین کو فہم و فراست اور حکمت سے مالا مال سمجھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی رائے کو قابلِ غور سمجھا جاتا ہے۔ نیز وہ بھی شرعی حدود میں رہتے ہوئے معاشرتی فیصلوں میں تدبر، حکمت اور گہرے مشاہدے کی بدولت بہت اہم اور فیصلہ کن کردار ادا کر سکتی ہیں۔ مشورہ دینے سے اور خواتین سے مشورہ لینے سے درست فیصلے ہوتے ہیں، جن کا فائدہ ساری نسل کو پہنچتا ہے۔

اگر عورت کو گھر میں خاص مقام حاصل ہوتا ہے تو گھر کا ماحول بہت خوب صورت ہو جاتا ہے، آپس میں محبت اور صلہ رحمی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے لئے دلوں میں احترام پیدا ہوتا ہے۔

موجودہ دور کی خواتین کے لیے سیرت سے ماخوذ درس

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی سیرتِ طیبہ عورت کی عزت، فہم و فراست، رائے اور مشاورت کی عظمت کا زندہ مظہر ہے۔ آج کے دور میں جب خواتین مختلف سماجی، تعلیمی اور خاندانی چیلنجز کا سامنا کر رہی ہیں، سیرتِ نبوی ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ عورت محض گھر کی زینت یا تابع مخلوق نہیں، بلکہ تدبیر، دانش اور بصیرت کا سرچشمہ بھی ہے۔

سیدہ خدیجہ اور سیدہ اُمِّ سَلَمہ کا کردار عورت کو یہ پیغام دیتا ہے کہ زندگی کے نازک ترین لمحات میں بھی عورت کا سکون، فہم اور بصیرت گھر اور معاشرے دونوں کے لیے استحکام کا باعث بن سکتے ہیں۔ اگر عورت اپنی فطری نرمی، فہم و فراست اور ایمانی بصیرت کو بروئے کار لائے تو وہ نہ صرف اپنے گھر میں امن و اعتماد کی فضا پیدا کر سکتی ہے بلکہ معاشرتی سطح پر بھی خیر و اصلاح کا ذریعہ بن سکتی ہے۔

آج کی عورت کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی رائے اور مشورے میں سنجیدگی اختیار کرے، اسے علم، تجربے اور ایمانی بنیاد پر استوار کرے اور اپنی گفتگو اور فیصلوں میں شریعت، عدل اور مصلحت کو مقدم رکھے۔ سیرت کا یہ واضح پیغام ہے کہ عورت جب اپنے مقام کو سمجھ کر ذمہ داری نبھاتی ہے، تو وہ نہ صرف اپنے گھر بلکہ معاشرے کی فکری سمت بھی درست کر سکتی ہے۔

اسلام نے عورت کو خاموش تماشائی نہیں، بلکہ نیکی کی دعوت دینے والی اور اصلاحِ معاشرہ کی شریکِ کار بنایا ہے۔ لہٰذا آج کی خواتین کے لیے سب سے بڑا درس یہ ہے کہ وہ حضور کی سنت پر عمل کرتے ہوئے باہمی مشاورت، فکری بلندی اور اخلاقی وقار کو اپنی زندگی کا حصہ بنائیں۔ کیونکہ وہی عورت حقیقی معنی میں مومنہ ہے جو اپنے علم، صبر، بصیرت اور رائے کے ذریعے گھر، خاندان اور معاشرے کے لیے روشنی کا چراغ بن جائے۔

1 بخاری، 1/ 8، حدیث: 3 2 بخاری، 2/ 227، حدیث: 2731، 2732 ملخصاً



بارگاہِ نبوت میں صحابیات کی حاضری

محترمہ بنتِ محمد نواز*

اچھی مجلسوں کا فیضان

فرمانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم ہے: اچھی مجلس مومن کے لئے 20 لاکھ بری مجلسوں کا کفارہ ہے اور بے شک آدمی اچھی مجلس کے ذریعے اس چیز کو پالیتا ہے جسے اس نے اپنی زندگی کے ساٹھ سال میں فوت کر دیا ہوتا ہے۔[1]

حضرت کعبُ الاحبار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر علما کی مجالس کا ثواب لوگوں پر ظاہر کر دیا جائے تو وہ اس کو حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے کے ساتھ لڑ پڑیں یہاں تک کہ ہر حکومت والا اپنی حکومت اور ہر دکاندار اپنی دکان کو چھوڑ دے۔[2] زیرِ نظر مضمون میں کائنات کی سب سے بہترین مجالس اور ان میں شریک ہونے والی کائنات کی سب سے قابلِ فخر ہستیوں کا ذکر کیا جائے گا۔

مجالسِ نبوی کا تعارف

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی مجالس خیر و برکت، علم و حلم، صبر و حیا اور اطمینان و سکون والی ہوا کرتی تھیں، مجالسِ نبوی وہ پاکیزہ محفلیں تھیں جہاں نورِ وحی کا فیضان اترتا اور دلوں کی زندگی کا سامان مہیا ہوتا تھا۔ ان محفلوں میں قرآن کی تعلیم، اخلاقِ حسنہ کی تربیت اور دنیا و آخرت کی راہ نمائی یکجا ملتی تھی۔ یہ مجلسیں رحمت اور حکمت کا حسین امتزاج تھیں جن میں آنے والے اپنے نصیب کے مطابق فیض پاتے تھے۔

ان مجالس میں گفتگو کم، فائدہ زیادہ، اخلاص بلند اور دلوں کی اصلاح اولین مقصد ہوتا تھا۔ مجلسِ نبوی میں امیر و غریب، مرد و عورت، آزاد و غلام سب برابر بیٹھتے تھے۔ بلکہ یہ کہنا بہتر ہے کہ حضور کی مجالس تربیت گاہ اور کردار سازی کا عملی مدرسہ تھیں جہاں قول سے زیادہ عمل کی خوشبو پھیلتی تھی اور وہاں موجود لوگ دنیا کی حقیقت، عبادت کی روح، تعلقِ الٰہی کی لذت اور باہمی حقوق کا بامقصد شعور لے کر اٹھتے تھے۔

مجالسِ نبوی میں خواتین کی شرکت کی اہمیت

دورِ نبوی میں خواتین کی علمی و تربیتی ترقی کے لئے مجالسِ نبوی میں ان کی شرکت بے حد اہم تھی۔ جہاں مرد صحابہ اپنی علمی پیاس بجھانے کے لئے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوتے، وہیں صحابیات بھی شامل ہو کر ایمان، عبادات، اخلاق اور خاندانی زندگی کے باریک مسائل براہِ راست سیکھتی تھیں۔ ایک عورت نے عرض کی کہ مرد حضرات آپ کی بارگاہ میں آکر تعلیم حاصل کرتے ہیں، ہمیں بھی ایک دن عطا فرما دیں تاکہ ہم وہ کچھ سیکھ سکیں جو اللہ پاک نے آپ کو سکھایا ہے۔ حضور نے انہیں ایک مخصوص دن اور مقام پر جمع ہونے کی ہدایت فرمائی اور انہیں اللہ پاک کے سکھائے ہوئے احکام سے روشناس کرایا۔[3]

* معلمہ جامعۃ المدینہ فیضانِ عائشہ مظفر پور سیالکوٹ

یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ دین کی تعلیم و تربیت میں خواتین کی حیثیت مردوں سے کم نہیں تھی۔ ان مجالس میں شرکت کرنے والی صحابیات نے دعوت، تعلیم، گھر داری اور سماجی ذمہ داریوں میں متوازن کردار ادا کیا اور اگلی نسلوں تک قرآن و سنت کی تعلیم منتقل کی۔ ان محفلوں نے خواتین کے دلوں میں تقویٰ، حیا، خوفِ خدا اور عملی دین داری کو مضبوط کیا، جو نہ صرف گھر کی بنیاد بلکہ معاشرتی فلاح کے لئے بھی ضروری تھی۔ اس طرح مجالسِ نبوی نے خواتین کو دین و دنیا میں متوازن اور مؤثر کردار ادا کرنے کے قابل بنایا۔

خواتین کی مجلسِ نبوی میں شرکت کے مواقع

دورِ نبوی میں خواتین نے مختلف مواقع اور مقاصد کے تحت بارگاہِ رسالت میں حاضری دی، جن میں سب سے اہم حصولِ علم اور سوال و جواب شامل تھا۔ اسلام نے مرد و عورت کے فرق کے بغیر علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض قرار دیا اور چونکہ علم کی چابی سوال کرنا ہے۔[4] لہٰذا صحابیات بلا جھجک اپنے تمام معاملات، حتی کہ حساس مسائل کے بارے میں بھی، حضور سے سوال کرنے کے لئے حاضر ہوتیں اور حضور پوری توجہ، نرمی اور حکمت کے ساتھ راہ نمائی فرماتے۔ یوں خواتین نے نہ صرف دینی تعلیم حاصل کی بلکہ گھر اور معاشرے میں متوازن کردار ادا کرنے کے قابل بھی ہوئیں اور اگلی نسلوں تک دین کی صحیح تعلیم منتقل کی۔

صحابیات کے پوچھے گئے چند سوالات کی مثالیں

مخصوص مسائل کے متعلق

حضرت اُم سلیم نے عرض کی: یارسول اللہ! یقیناً اللہ پاک حق سے نہیں شرماتا، کیا عورت پر غسل واجب ہے جب اسے احتلام ہو؟ فرمایا: ہاں، جب پانی دیکھے۔ تو حضرت اُم سلمہ نے منہ چھپالیا اور بولیں: یارسول اللہ! کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے؟ فرمایا: ہاں، تمہارا ہاتھ گرد آلود ہو! ورنہ بچہ اپنی ماں کے ہم شکل کیوں ہوتا![5] اسی طرح حضرت فاطمہ بنتِ ابی حبیش نے حضور سے عرض کی: یارسول اللہ! مجھے استحاضہ کا خون آتا ہے، میں پاک نہیں رہ پاتی، کیا میں نماز چھوڑ دوں؟ فرمایا: نہیں، یہ تو ایک رگ ہے حیض نہیں ہے، جب حیض آئے تو نماز چھوڑ دو اور جب وہ چلا جائے (یعنی حیض کے دن پورے ہو جائیں) تو خون دھو کر (غسل کرکے) نماز پڑھو۔[6] ان روایات سے واضح ہوتا ہے کہ صحابیات حساس ترین مسائل میں بھی راہ نمائی کے لئے حضور سے رجوع کرتی تھیں، چنانچہ علما سے سوال کرنا سنتِ صحابیات کے مطابق ہے۔

ازدواجی مسائل کے متعلق

حضرت اوس بن صامت نے غصے میں اپنی بیوی حضرت خولہ سے کہا: تو مجھ پر میری ماں کی مانند ہے! یہ جملہ اُس وقت طلاق کے زمرے میں آتا تھا۔ حضرت خولہ بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئیں اور بچوں، غربت اور بے بسی کا ذکر کرتے ہوئے فریاد کی کہ شوہر سے جدائی ان کے لئے شدید نقصان ہوگی۔ اس وقت تک ظہار کا کوئی حکم نہیں آیا تھا، لہٰذا حضور نے توقف فرمایا۔ حضرت خولہ بار بار التجا کرتی رہیں، حتی کہ اللہ پاک نے ظہار کا حکم نازل فرمایا اور حضور نے دونوں میاں بیوی کو مطلع کیا۔[7] اس طرح اللہ پاک نے حضرت خولہ کی فریاد قبول کی، ظہار کا شرعی حکم نازل ہوا اور نکاح برقرار رہ کر مسئلہ حل ہو گیا۔

عبادات کے متعلق

حضرت عبدُ اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی زوجہ حضرت زینب نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کی: شوہر اور یتیم بچے جو پرورش میں ہیں ان کو صدقہ دینا کافی ہو سکتا ہے؟ تو حضور صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے فرمایا: ان کو دینے میں دونا اجر ہے، ایک اجرِ قرابت اور ایک اجرِ صدقہ۔[8]

اس مثال سے واضح ہوتا ہے کہ دورِ نبوی میں خواتین اپنے دینی و شرعی مسائل کے حل کے لئے بلا روک ٹوک بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوتیں، سوالات پوچھتیں اور حکمت و راہ نمائی کے جوابات حاصل کرتیں۔

شرعی مسائل کے علاوہ صحابیات اپنے ذاتی، خاندانی، معاشی اور معاشرتی مسائل کے حل کے لئے بھی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوا کرتی تھیں۔ اس کی ایک مثال حضرت خنساء بنتِ خذام ہیں، جن کے والد نے ان کا نکاح کر دیا تھا اور وہ بیوہ تھیں۔ یہ شادی انہیں پسند نہ آئی تو وہ حضور کے پاس آئیں اور حضور نے ان کا نکاح رد کر دیا۔[9] اس واقعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ دورِ نبوی میں خواتین بلا جھجک ذاتی اور خاندانی مسائل کے لئے بھی راہ نمائی حاصل کرنے کے لئے حضور سے رجوع کرتی تھیں اور ان کے حقوق کی حفاظت کی جاتی تھی۔

اسی طرح حضرت حولاء رضی اللہ عنہا نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر اپنی گھریلو پریشانی بیان کرتے ہوئے عرض کی کہ وہ شوہر کی رضا کے لئے خوب اہتمام کرتی ہیں مگر شوہر بے رُخی برتتے ہیں۔ تو حضور نے نرمی سے تسلی دیتے ہوئے انہیں شوہر کی اطاعت جاری رکھنے کی ہدایت فرمائی۔ جب انہوں نے پوچھا کہ اس میں میرا کیا اجر ہے؟ تو حضور نے بتایا کہ میاں بیوی کا ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنا عظیم اجر کا باعث ہے اور پھر حمل، ولادت اور بچے کی پرورش تک عورت کو ملنے والے انعامات و ثواب کی فضیلت بیان فرمائی۔[10]

اس سے واضح ہوتا ہے کہ دورِ نبوی میں خواتین حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے ذاتی اور گھریلو مسائل بیان کرتیں اور ان کے مناسب حل حاصل کرتیں۔

امورِ خانہ داری کے بدلے اجر سے متعلق سوال

ایک مرتبہ حضرت اسماء بنتِ یزید رضی اللہ عنہا نے حضور سے عرض کی: یارسول اللہ! میں عورتوں کی نمائندہ بن کر حاضر ہوئی ہوں۔ اللہ پاک نے آپ کو مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے، چنانچہ ہم عورتیں بھی آپ پر ایمان لائی ہیں اور آپ کی پیروی کا عہد کیا ہے۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ ہم عورتیں پردہ نشین ہو کر گھروں میں رہتی ہیں، شوہروں کی خدمت کرتی ہیں، گھروں کی دیکھ بھال کرتی ہیں اور مال و سامان کی حفاظت کرتی ہیں، جبکہ مرد جمعہ کی نماز اور جنازوں میں شرکت کر کے اجرِ عظیم حاصل کرتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ ان مردوں کے ثواب میں سے کچھ عورتوں کو بھی ملے گا یا نہیں؟ تو حضور نے فرمایا: دیکھو! اس عورت نے دین کے بارے میں کتنا اچھا سوال کیا ہے! پھر ان سے ارشاد فرمایا: عورتیں اگر اپنے شوہروں کی خدمت میں خلوص رکھیں، ان کی خوشنودی طلب کریں اور فرمانبرداری کریں تو مردوں کے اعمال کے برابر ان کو بھی ثواب ملے گا۔ یہ سن کر حضرت اسماء بہت خوش ہوئیں۔[11]

اس واقعے سے واضح ہوتا ہے کہ خواتین اپنے گھریلو اور دینی امور میں اجر و ثواب کے حصول کی حقیقت جاننے کے لئے بلا جھجک حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر سوالات کرتی تھیں۔ وہ اپنے اعمال، شوہروں کی خدمت اور گھر کے فرائض کے تعلق سے راہ نمائی حاصل کرتیں تاکہ اللہ پاک کے نزدیک ہر عمل کا صحیح اجر معلوم ہو سکے۔ حضور نے انہیں یہ بتایا کہ گھر کی دیکھ بھال اور شوہر کی خوشنودی کے لئے کی جانے والی کوششیں بھی عظیم ثواب کا سبب بنتی ہیں اور اس طرح خواتین اپنے روزمرہ کے اعمال میں روحانی فضیلت اور اجر کی اہمیت سمجھ سکتی تھیں۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ دورِ نبوی میں خواتین حضور کی خدمت میں آکر اپنی تشویشات بیان کرنے اور روحانی و عملی راہ نمائی حاصل کرنے میں آزاد تھیں۔

طبی علاج کے لئے

حضرت اُمِّ قَیس بنتِ مِحصَن رضی اللہ عنہا اپنے بچے کو حضور کی خدمت میں لائیں، کیونکہ بچے کے تالو بڑھ جانے کی تکلیف تھی اور وہ اسے دبا کر علاج کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ حضور نے نرمی سے پوچھا کہ تم بچوں کے حلق کیوں دباتی ہو؟ پھر خود راہ نمائی فرمائی کہ علاج کے لئے عودِ ہندی استعمال کیا کرو، کیونکہ اس میں سات بیماریوں کی شفا ہے، جن میں ذات الجنب (نمونیہ) بھی شامل ہے۔ تالو بڑھنے کی صورت میں دوا ناک کے

ذریعے دی جائے اور نمونیہ کی صورت میں منہ کے ذریعے پلائی جائے۔[12] اس طرح حضور نے غلط علاج کی اصلاح کی اور درست طریقہ بتلایا۔ یہ واقعہ واضح کرتا ہے کہ صحابیات بلا جھجک اپنے ہر طرح کے مسائل کے حل کے لئے حضور کی خدمت میں حاضر ہوتی تھیں۔ ہمیں بھی اپنی زندگی کے اہم اور حساس مسائل کے لئے اہلِ علم سے راہ نمائی حاصل کرنی چاہیے اور علمِ دین کی مجالس میں شرکت کرنی چاہیے تاکہ عمل و فیصلہ درست ہو اور اجر و برکت حاصل ہو۔

بیعت و عہد کے لئے حاضری

فتحِ مکہ کے دن مردوں کی بیعت مکمل کرنے کے بعد حضور نے کوہِ صفا پر عورتوں سے بیعت لینا شروع کی۔ حضرت عمر نیچے کھڑے ہو کر حضور کا کلام عورتوں تک پہنچاتے تھے۔ اسی دوران حضرت ہند بنتِ عتبہ حجاب میں حاضر ہوئیں تاکہ پہچانی نہ جائیں۔ حضور نے فرمایا کہ میں تم سے بیعت لیتا ہوں کہ تم اللہ پاک کے ساتھ کسی کو شریک کرو گی نہ چوری کرو گی۔ حضرت ہند نے عرض کی کہ حضرت ابو سفیان بخیل ہیں اور میں نے اُن کا مال لیا ہے، کیا یہ حلال ہے؟ حضرت ابو سفیان بولے: جو پہلے لیا اور آئندہ لے گی سب حلال ہے۔ حضور نے مسکراتے ہوئے فرمایا: تو ہند بنتِ عتبہ ہے۔ عرض کی: جو قصور ہوئے ہیں وہ معاف فرمائیے۔ حضور نے فرمایا: بدکاری نہ کرو گی، اپنی اولاد کو قتل نہ کرو گی اور اپنے ہاتھ پاؤں کے درمیان کوئی بہتان نہ گھڑو گی۔ حضرت ہند نے گفتگو کے دوران اپنی سابقہ غلطیوں اور بیٹے حنظلہ کے قتل کا ذکر کیا۔ حضور نے نرمی کے ساتھ نیک باتوں کی اہمیت بیان فرمائی اور فرمایا کہ کسی نیک عمل میں رسول کی نافرمانی نہ کرو گی۔ اس پر خواتین نے کہا کہ وہ اس مجلس میں اس لئے حاضر ہوئی ہیں کہ دل میں نافرمانی کا خیال نہ آئے۔ بالآخر 457 عورتوں نے تمام امور کا اقرار کیا اور بیعت کی۔[13] یہ واقعہ خواتین کے دینی شعور، حضور کی راہ نمائی کی اہمیت اور اخلاقی تعلیمات کی پیروی کو بخوبی ظاہر کرتا ہے۔

صحابیاتِ طیبات عام حالات میں پردے کا اس قدر اہتمام فرماتیں کہ ایک روایت کے مطابق حکمِ پردہ نازل ہونے کے بعد خواتین سیاہ چادر اوڑھ کر یوں گھروں سے نکلتیں کہ دُور سے دیکھ کر لگتا کہ ان کے سروں پر کوّے بیٹھے ہیں۔[14] اور پردے کے اہتمام میں کس قدر محتاط تھیں اس واقعے سے واضح ہے کہ حضرت اُمِّ خلاد رضی اللہ عنہا کا بیٹا جنگ میں شہید ہو گیا اور آپ نقاب ڈالے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئیں تو اس پر کسی نے حیرت سے کہا: اس وقت بھی باپردہ ہیں! کہنے لگیں: میں نے بیٹا کھویا ہے، حیا نہیں۔[15] یہ روایت اس بات کی واضح دلیل ہے کہ بارگاہِ رسالت میں حاضری کے موقع پر صحابیات پردے کا اہتمام کیا کرتیں، جیسا کہ اس روایت سے بھی معلوم ہو رہا ہے کہ ایک عورت کے ہاتھ میں کوئی تحریر تھی، اس نے پردہ کے پیچھے سے حضور کی طرف اشارہ کیا یعنی حضور کو دینا چاہا، حضور نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا: معلوم نہیں مرد کا ہاتھ ہے یا عورت کا! اس نے کہا: عورت کا ہاتھ ہے۔ تو حضور نے فرمایا: اگر عورت ہوتی تو ناخنوں کو مہندی سے رنگتی۔[16]

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جہاں صحابیاتِ طیبات پردہ کرتیں وہیں حضور خود بھی خواتین سے پردے کا اہتمام فرماتے تھے، حالانکہ آپ امت کے لئے مثلِ والد ہیں۔[17]

اسلام نے عورت کو پردے و حجاب کی صورت میں جو عظمت عطا کی، عہدِ رسالت کی بلند ہمت عورتوں نے اسے بخوبی اپنایا اور حجاب آزاد مسلمان عورت کی علامت بن گیا۔ جیسا کہ حضرت انَس بن مالک کے بیان کے مطابق حضور نے خیبر اور مدینہ کے درمیان قیام کے دوران حضرت صفیہ کو اپنے حرم میں داخل فرمایا اور سفر کے دوران صحابہ کے لئے ولیمے کا اہتمام بھی فرمایا۔ اس وقت یہ واضح نہ تھا کہ حضرت صفیہ نکاح میں ہیں یا کنیز، لہٰذا حضور نے اپنے پیچھے ان کے لئے پردہ تان کر اپنی زوجیت ظاہر فرمائی۔[18]

مجلسِ نبوی کے تقدس اور احترام کا لحاظ

خواتین جب بارگاہِ رسالت میں کسی مقصد سے حاضر ہوتیں تو حکمِ قرآنی کے مطابق دربارِ رسالت کے تقدس و وقار کا بھرپور خیال رکھتیں، مثلاً: جب حضور پُر نور سے گفتگو کا موقع نصیب ہوتا تو اپنی آواز دھیمی رکھتیں، سوالات مختصر کرتیں، غیر ضروری باتوں سے اجتناب کرتیں، حضور کی خاموشی، مسکراہٹ یا ارشادات کا پورا ادب سے انتظار کرتیں۔ اگر گھریلو یا ذاتی مسئلہ ہوتا تو نہایت مؤدبانہ انداز میں پیش کرتی تھیں، کسی چیز کی طلب پر اصرار کرتیں تو اس میں بھی ہر جملے میں ادب، شائستگی اور حضور کی عظمت کا لحاظ رکھتیں، تفصیلات حضرت خولہ بنتِ ثعلبہ کے ظہار والے واقعے میں پڑھی جاسکتی ہیں۔[19]

خواتین کی شرکت کے مثبت اثرات

خواتین معاشرے کا اہم ستون ہیں اور ان کی تعلیم و تربیت اگر بہترین انداز میں ہو تو پورا معاشرہ مستحکم اور بااخلاق بنتا اور نسلیں سنور جاتی ہیں۔ حضور کی مجلس میں خواتین کی شرکت نے ان میں دینی شعور، فہم اور شرعی مسائل کی معلومات کو فروغ دیا اور عملی تربیت فراہم کی۔ یوں خواتین نے اپنے گھریلو، سماجی اور معاشرتی امور کے حل میں فعال کردار ادا کیا اور ذمہ داریوں کو بہتر طور پر سمجھا۔

مجلسِ نبوی نے خواتین کے اعتماد، شخصیت اور قیادت کی قابلیت کو نکھارا، جس سے وہ اپنے خاندان کے ساتھ ساتھ معاشرے میں بھی باوقار اور مؤثر کردار کی حامل بنیں۔ اسلامی تاریخ بتاتی ہے کہ خواتینِ اسلام نے عبادت و ریاضت کے ساتھ علم حدیث و تفسیر، درس و تدریس، وعظ و تقریر کے ذریعے علمی خدمات انجام دیں اور کئی مردوں سے علمی مقام میں ممتاز ہوئیں۔ یہ سب خواتین کی مجلسِ نبوی میں شرکت اور راہ نمائی کا نتیجہ تھا، جس نے انہیں علم، اخلاق، بصیرت اور قیادت کے مواقع فراہم کیے اور اسلامی معاشرے میں ان کی اہمیت کو روشن کیا۔

ہماری زندگی کا بڑا حصہ اجتماعیت میں گزرتا ہے، جہاں ہم مختلف خواتین کے ساتھ بیٹھتی، گفتگو کرتی اور وقت گزارتی ہیں۔ عربی میں اسے مجلس اور اردو میں بیٹھک کہا جاتا ہے۔ یہ مجالس کبھی گھر والوں، کبھی رشتہ داروں اور مہمانوں اور کبھی آفس، مدرسہ یا اسکول کی ساتھیوں کے ساتھ ہوتی ہیں۔ انسان کی سوچ اور کردار پر ان مجالس کا اثر پڑتا ہے۔ اچھی مجالس ہدایت اور اصلاح کا سبب بنتی ہیں، جبکہ بری مجالس غفلت اور ہلاکت کا باعث بنتی ہیں۔

عہدِ نبوی میں صحابیات اپنے دینی، گھریلو اور معاشرتی مسائل کے حل کے لئے حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوتی تھیں۔ مجالسِ نبوی میں صحابیات کی باوقار شرکت اس بات کی روشن دلیل ہے کہ اسلام نے خواتین کو علم حاصل کرنے، سوال کرنے اور اپنی رائے کے اظہار کا پورا حق عطا کیا۔ حضور نے خواتین کے سوالات اور مسائل کو توجہ، احترام اور شفقت کے ساتھ سنا، جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ عورت کی علمی اور فکری نشستوں میں شرکت اسلام میں قابلِ قدر ہے۔ چنانچہ آج کے دور میں بھی خواتین کی باوقار، باشعور اور ذمہ دارانہ شرکت نہایت ضروری ہے، تاکہ وہ علم، اخلاق اور حکمت کے ساتھ اپنے گھر، خاندان اور معاشرے کی بہتر راہ نمائی کرسکیں۔ الغرض صحابیات نے مجالسِ نبوی سے بے پناہ فیض حاصل کیا۔ موجودہ دور میں بھی خواتین کو چاہیے کہ خیر کی مجالس اختیار کریں اور علمِ دین حاصل کریں۔

---

(1) مسند فردوس، 1/97، حدیث:587 (2) احیاء علوم الدین، 1/460 (3) بخاری، 4/510، حدیث:7310 (4) مسند فردوس، 3/68، حدیث:4192 (5) بخاری، 1/68، حدیث:130 (6) ترمذی، 1/173، حدیث:125 (7) تفسیر خازن، 4/235 ملخصاً (8) مسلم، ص389، حدیث:2318 (9) نسائی، ص533، حدیث:3265 (10) اسد الغابہ، 7/85 (11) استیعاب، 4/350 (12) ابوداود، 4/12، حدیث:3877 (13) تفسیر خازن، 4/260 (14) ابوداود، 4/84، حدیث:4101 مفہوماً (15) ابو داود، 3/9، حدیث:2488 (16) ابوداود، 4/104، حدیث:4166 (17) ابن ماجہ، 1/199، حدیث:313 (18) بخاری، 3/450، حدیث:5159 (19) تفسیر خازن، 4/235 ملخصاً



بیٹیوں کا احترام واکرام سیرتِ نبوی کا ایک خوبصورت باب

محترمہ بنتِ محمد آصف اقبال عطاریہ*

فکری انقلاب اور نظریاتی بنیادیں

عرب معاشرے کا رُخ موڑنے والا اعلانِ نبوت

عرب کا وہ معاشرہ جہاں بیٹی کو اپنے لئے باعثِ عار سمجھا جاتا تھا ایسے ماحول میں امامُ الانبیا، خاتمُ النبیین صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے بیٹی کو وہ عزت و شفقت عطا فرمائی جس کا کوئی مذہب تصور بھی نہیں کر سکتا۔

بنتِ رسول: عظمت کی بے مثال سند

عرب سماج میں حضور نے سرِعام یہ اعلان فرمایا کہ فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِنِّي فَمَنْ أَغْضَبَهَا أَغْضَبَنِي یعنی فاطمہ میرے جسم کا ایک حصہ ہے تو جس نے اسے ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔[1] یہ جملہ ایک طرف حضرت فاطمہ زہرا کی فضیلت و عظمت کو بیان کر رہا ہے تو دوسری طرف بیٹیوں سے نفرت کرنے والے جاہل کفار کے سامنے ایک طرح کا کلمہ جہاد بھی ہے۔

شفقتِ نبوی: عالمی منشورِ حقوقِ بنات

ایک بار اظہارِ شفقت کرتے ہوئے حضور نے فرمایا: لَا تَكْرَهُوا الْبَنَاتِ فَإِنِّي أَبُو الْبَنَاتِ وَإِنَّهُنَّ الْغَالِيَاتُ الْمُؤْنِسَاتُ الْمُجَهِّزَاتُ ترجمہ: بیٹیوں کو ناپسند مت کرو کیونکہ میں بھی بیٹیوں والا ہوں اور بے شک یہ بیٹیاں تو بہت محبت کرنے والیاں، غمگسار اور بہت زیادہ مہربان ہوتی ہیں۔[2] اور ایک موقع پر سراپا رحمت و رافت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس کی ایک بچی ہو، پھر وہ اسے نہ زندہ دفنائے، نہ اسے حقیر جانے اور نہ ہی اس پر اپنے بیٹے کو ترجیح دے تو اللہ پاک اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔[3]

غیبی تائید اور ابدی جزا

پرورشِ بنات: جنت میں سرمایہ کاری کا منصوبہ

حضور نے بیٹیوں پر صرف زبانی شفقت کا اظہار نہیں فرمایا بلکہ بنفسِ نفیس بیٹیوں پر شفقت و ہمدردی کر کے بھی دکھائی ہے۔ بیٹی کے سراپا رحمت و برکت اور باعثِ دخول جنت ہونے اور بیٹیوں کے ساتھ حُسنِ سلوک پر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ارشادات اور مبارک عمل ملاحظہ کیجیے:

1-بیٹی کی پیدائش پر خدائی توثیق

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کسی کے گھر بیٹی پیدا ہوتی ہے اللہ پاک اس کے گھر فرشتوں کو بھیجتا ہے جو کہتے ہیں: اے گھر والو! تم پر سلامتی ہو۔ پھر فرشتے نو مولود بچی پر اپنے پروں سے سایہ کرتے ہیں اور اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہتے ہیں کہ ایک کمزور جان ایک کمزور (عورت) سے پیدا ہوئی ہے۔ پس جس نے اس کمزور جان (بیٹی) کی پرورش کی ذمہ داری لی تا قیامت اللہ پاک کی مدد اس کے ساتھ رہے گی۔[4]

غور کیجیے کہ بیٹی پیدا ہوتے ہی گھر پر اللہ پاک کا خاص فضل ہوتا ہے کہ اس گھر میں فرشتوں کی آمد ہوتی ہے اور اس نوری

*نواب شاہ

مخلوق کی آمد خود بھی ایک رحمت ہے اور فرشتے اس گھر والوں کو سلام کرتے ہیں۔ بیٹی کتنی خوش بخت وسعادت مند ہوتی ہے کہ معصوم فرشتے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہیں اور وہ شخص اس سے بھی بڑھ کر خوش نصیب ہے جو اس کی پرورش کی ذمہ داری اٹھاتا ہے کہ مدد و نصرت کے مالک اللہ پاک کی مدد ہر گھڑی اس کے شاملِ حال رہتی ہے۔

2- حسنِ سلوک کا انعام: جنت کا پروانہ

حضور نے فرمایا: جس کو بیٹی عطا کی جائے اور وہ اسے تکلیف نہ پہنچائے، نہ اسے برا جانے اور نہ ہی بیٹے کو اس پر فضیلت دے تو اللہ پاک اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔[5]

سبحان اللہ! بیٹیاں اللہ پاک کی کتنی بڑی رحمت ہیں کہ اپنے والدین کے اچھے سلوک کی بدولت انہیں جنت جیسی اعلیٰ ترین نعمت سے سرفراز کرواتی ہیں۔ مگر شرط یہی ہے کہ اس رحمتِ الٰہی کی قدر پہچانتے ہوئے اسے برا سمجھنے اور اذیت دینے سے اجتناب کیا جائے اور جس طرح بیٹوں کی ہر جائز خواہش پوری کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اسی طرح ان کی بھی ہر جائز خوشی کو پورا کرنے کا اہتمام کیا جائے۔

3- کفالتِ بنات: جنت کی یقینی سرمایہ کاری

حضور نے ارشاد فرمایا: جس کی تین بیٹیاں ہوں اور وہ ان کا خیال رکھے، انہیں اچھی رہائش دے اور ان کی پرورش کرے تو اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے۔ ہم نے عرض کی: اور دو ہوں تو؟ ارشاد فرمایا: اور دو ہوں (تب بھی یہی فضیلت ہے)۔ ہم نے عرض کی: اور ایک ہو تو؟ ارشاد فرمایا: اور ایک ہو (تب بھی یہی فضیلت ہے)۔[6] والدین اور سرپرستوں کے لئے اہم سبق ہے کہ وہ اپنی بیٹیوں کو اچھا کھلائیں، عمدہ پہنائیں، آرام دہ بستر پر سلائیں، اچھی تعلیم و تربیت سے آراستہ کریں اور نیک و اچھا رشتہ تلاش کر کے ان کی شادی کریں۔ الغرض ہر طرح سے ان کا خیال رکھیں اور ان پر حتی المقدور خرچ کرنے سے نہ گھبرائیں کہ یہ تو ان کو جہنم کی اس آگ سے بچائیں گی جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔ اَللّٰھُمَّ اَجِرْنَا مِنَ النَّارِ۔ اٰمین

تین بیٹیوں کی پرورش میں کوشاں رہنے والے کے لئے نہ صرف دخولِ جنت کا مُژدہ ہے بلکہ اس کو اللہ پاک کی راہ میں جہاد کرنے والے ایسے مجاہد جیسا اجر و ثواب عطا ہو گا جو روزے دار ہو اور رات عبادت میں گزارے۔[7]

4- بیٹی آزمائش نہیں، دوزخ سے رکاوٹ ہے

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک عورت اپنی دو بچیوں کے ساتھ کچھ مانگنے کے لئے آئی۔ اس وقت ان کے پاس صرف ایک کھجور تھی تو انہوں اسے وہی ایک کھجور دے دی۔ عورت نے کھجور کے دو حصے کر کے اپنی بچیوں میں بانٹ دیئے اور خود اس میں سے کچھ نہ کھایا۔ ام المومنین نے یہ واقعہ حضور کو سنایا تو آپ نے ارشاد فرمایا: جس کی بچیوں کے سبب آزمائش کی گئی اور اس نے ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا تو وہ بچیاں اس کے لئے جہنم سے رکاوٹ ہو جائیں گی۔[8] اور ایک روایت میں ہے: بے شک اللہ پاک نے ان دو بچیوں کی وجہ سے اس عورت پر جنت واجب کر دی۔[9] اگرچہ اولاد کو مطلقاً آزمائش قرار دیا گیا ہے: اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ (پ9، الانفال: 28) ترجمہ: تمہارے مال اور تمہاری اولاد ایک امتحان ہے۔ مگر مذکورہ حدیث شریف میں بیٹیوں کو جدا طور پر آزمائش فرمایا گیا ہے۔ اکثر لوگ بیٹیاں ملنے پر گھبرا جاتے ہیں، حالانکہ اس پر صبر کرنا چاہیے، کیونکہ بے صبری سے اجر بھی ضائع ہو جاتا ہے۔

حکیم الاُمّت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ بیٹیاں اس کے لئے دوزخ سے نجات کا ذریعہ ہوں گی کہ وہ دوزخ میں جائے گا ہی نہیں یا اگر گیا تو وہاں دوزخ کی آگ اس تک نہ پہنچ سکے گی کیونکہ یہ بیٹیاں پردہ بن کر اسے محفوظ رکھیں گی مگر شرط یہی ہے کہ ان کی پیدائش پر گھبرائے نہیں اور ان سے اچھا سلوک کرے۔ اس اجر کی وجہ یہ ہے کہ لڑکوں سے لوگوں کو بہت امیدیں وابستہ ہوتی ہیں کہ جوان ہو کر ہماری خدمت کریں گے (جبکہ) لڑکیوں پر خرچ ہی کرنا ہوتا ہے اور وہ

بھی بغیر کسی امید کے، مگر دیکھا گیا ہے کہ آج کل بمقابلہ لڑکوں کے لڑکیاں ماں باپ کی خدمت بھی زیادہ کرتی ہیں اور ان کے مرنے کے بعد ختم فاتحہ زیادہ لڑکیاں ہی کرتی ہیں۔ کوئی خوش نصیب ہی لڑکوں سے آرام پاتے ہیں۔ اکثر لڑکے بدنامی اور بربادی کے تمغے سجاتے ہیں۔(10)

5- رسولِ خدا سے قربت کا اعزاز

حضور نے اپنی دو انگلیاں ملا کر ارشاد فرمایا: جس نے دو بچیوں کی پرورش کی یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائیں تو میں اور وہ بروزِ قیامت اس طرح آئیں گے۔(11) ایک روایت میں یوں ہے کہ جس نے دو بچیوں کی پرورش کی تو میں اور وہ جنت میں اس طرح داخل ہوں گے۔ پھر حضور نے اپنی دو انگلیوں سے اشارہ فرمایا۔(12) جبکہ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جس نے دو یا تین بیٹیوں یا پھر دو یا تین بہنوں کی شادی ہو جانے یا فوت ہو جانے تک پرورش کی تو میں اور وہ جنت میں اس طرح داخل ہوں گے۔ اتنا فرما کر حضور نے اپنی شہادت والی اور اس کے برابر والی انگلیوں سے اشارہ فرمایا۔(13)

قیامت کے دن جب ہر انسان خوف و وحشت میں مبتلا ہو گا اور گنہگار پناہ کی تلاش میں ہوں گے، ایسے میں بیٹیوں کی اچھی پرورش کرنے والا مسلمان حضور کے سب سے قریب ہو گا، جیسے شہادت والی اور درمیان والی انگلی ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ یہ نہ صرف قربِ الٰہی بلکہ جنت میں اعلیٰ مقام کا موجب بھی ہے اور اس نصیب کی قدر و قیمت بیان کرنا ممکن نہیں۔ بیٹیوں کی پرورش کرنے والی خواتین دنیا و آخرت میں بے پناہ فلاح اور عزت کی مستحق ہیں۔

6- حُسنِ تربیت: بہنوں اور رشتہ دار بچیوں کا حق

حضور کا ارشادِ گرامی ہے: جس کی تین بیٹیاں یا تین بہنیں ہوں یا دو بیٹیاں یا دو بہنیں ہوں اور وہ ان کی اچھی پرورش کرے اور ان کے معاملے میں اللہ پاک سے ڈرتا ہے تو اس کے لئے جنت ہے۔(14) ایک روایت میں یوں ہے کہ تم میں سے کسی کی تین بیٹیاں یا تین بہنیں ہوں پھر وہ ان سے حُسنِ سلوک کے ساتھ پیش آئے تو اس کے لئے جنت ہے۔(15)

اس حدیثِ پاک میں بیٹیوں کے ساتھ بہنوں اور رشتہ دار بچیوں کا بھی ذکر ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ والد کے انتقال کے بعد بہنوں کی ساری ذمہ داری بھائی کے کندھوں پر آپڑتی ہے اور خوش نصیب و سعادت مند بھائی اس ذمہ داری کو انتہائی خوش اسلوبی سے نبھاتے ہیں۔

عملی قیادت اور مثالی کردار

7- نبوی عمل: محبت کا عملی مظاہرہ

حضرت ابو قتادہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار حضور ہمارے پاس تشریف لائے تو آپ نے اپنی ننھی نواسی حضرت امامہ کو اپنے کندھے پر اٹھایا ہوا تھا۔ پھر حضور نماز پڑھانے لگے تو رکوع میں جاتے وقت انہیں اتار دیتے اور کھڑے ہوتے وقت انہیں دوبارہ اٹھا لیتے۔(16)

غور فرمایئے کہ بیٹیوں کے ساتھ بعد از خدا بزرگ اور سیدُ الانس والجان صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کا رویہ اور حُسنِ سلوک کیسا مثالی تھا! حضور نے قیامت تک کے انسان کو اپنے عمل و کردار سے بتایا کہ بیٹیاں باعثِ رنج و غم نہیں بلکہ باعثِ اُنس و دافعِ اَلم ہیں، یہ باعثِ عار نہیں بلکہ حِجَابٌ مِّنَ النَّار ہیں، نیز یہ اللہ پاک کی ایسی رحمت ہیں جن کے ساتھ حُسنِ سلوک اللہ پاک کی عظیم نعمت جنت تک پہنچادے گا۔ اللہ کریم ہمیں بھی سیرتِ نبوی پر عمل پیرا ہونے اور بیٹیوں سے محبت کرنے کی سعادت عطا فرمائے۔ اٰمین بِجاہِ النّبیِّ الْاَمین صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم

---

(1) بخاری، 2/538، حدیث:3714 (2) مسند فردوس، 5/37، حدیث:7385 (3) ابو داود، 4/435، حدیث:5146 (4) مجمع الزوائد، 8/285، حدیث:13484 (5) مستدرک، 5/248، حدیث:7428 (6) معجم اوسط، 4/347، حدیث:6199 (7) مجمع الزوائد، 8/288، حدیث:13493 (8) مسلم، ص1085، حدیث:6693 (9) مسلم، ص1085، حدیث:6694 (10) مراۃ المناجیح، 6/546 (11) مسلم، ص1085، حدیث:6695 (12) ترمذی، 3/367، حدیث:1921 (13) ترغیب وترہیب، 3/45، حدیث:24 (14) ترمذی، 3/367، حدیث:1923 (15) ترمذی، 3/366، حدیث:1919 (16) بخاری، 4/100، حدیث:5996



عورتوں کے لئے حضور ﷺ کی خصوصی دعائیں اور برکات

محترمہ بنتِ عبد الستار عطاریہ*

عورت معاشرے میں نہ صرف گھر کے استحکام کا ستون ہے بلکہ اخلاقی، معاشرتی اور روحانی ترقی میں اس کا کردار بھی بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ سیرت النبی کا مطالعہ اس حقیقت کو روزِ روشن کی طرح واضح کرتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے خواتین کی فلاح، عزت اور روحانی سکون کو غیر معمولی اہمیت دی۔ آپ کی رحمت و شفقت اگرچہ پوری انسانیت بلکہ تمام مخلوقات کے لئے محیط تھی، مگر بالخصوص معاشرے کے اس طبقے پر جو زمانۂ جاہلیت کے ظلم کا سب سے بڑا نشانہ تھا، آپ نے خصوصی عنایت فرمائی۔ خواتین کے لئے آپ کی دعائیں، برکات اور شفقت بھرے طریقے آپ کے تمام جہانوں کے لئے رحمت ہونے کی روشن دلیل ہیں۔

عورت کی زندگی میں دعا اور برکت کی اہمیت اس وقت اور بھی بڑھ جاتی ہے جب ہم دیکھتی ہیں کہ اللہ پاک نے قرآن و حدیث میں عورت کی فلاح، اس کے حقوق اور اس کے روحانی مقام کے لئے خصوصی راہ نمائی عطا فرمائی۔ حضور نے نہ صرف ان تعلیمات کی تشریح کی بلکہ اپنے عملی نمونے سے یہ بتایا کہ عورت کا احترام، اس کی عزتِ نفس کی حفاظت اور اس کی دینی و اخلاقی تربیت امت کی اجتماعی ذمہ داری ہے۔ حضور نے خواتین کی روحانی ترقی، تقویٰ، علم، صبر اور حسنِ کردار کے لئے دعا فرمائی اور انہیں خیر و برکت کے خصوصی خزانے عطا کیے۔ نیز خواتین کی تعلیم و تربیت کے لئے خصوصی حلقے قائم فرمائے، انہیں دینی فہم کی طرف متوجہ کیا اور عبادت و تقویٰ میں اعلیٰ مقامات تک پہنچنے کی ترغیب دی۔ بیٹیوں کی پرورش، ازواجِ مطہرات کے حقوق کی پاسداری، بیوہ و یتیم خواتین کی سرپرستی اور گھریلو معاملات میں نرمی و رحمت، یہ سب آپ کی شفقت اور دعاؤں کی برکات کے عملی مظاہر تھے۔ آپ نے پسے ہوئے، محروم اور ضرورت مند طبقے کی خواتین کے لئے ہمیشہ خصوصی دعا فرمائی تاکہ انہیں دنیا و آخرت کے سفر میں آسانی، عزت اور روحانی بلندی نصیب ہو۔

اسی بات کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے اس تحریر میں حضور کی خواتین پر خصوصی شفقت، دعاؤں اور برکات کے ان پہلوؤں کو مختصراً ذکر کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو نہ صرف انفرادی زندگی بلکہ پورے معاشرتی نظام کو نورِ نبوی سے روشن کرتے ہیں۔ تاکہ واضح ہو سکے کہ حضور نے عورت کو کس طرح روحانی، اخلاقی اور معاشرتی عزت و عظمت کی بلند چوٹیوں تک پہنچانے کے لئے اللہ پاک کے فضل و کرم اور اپنی دعاؤں اور برکات سے نوازا اور آج کی مسلم خواتین بھی انہی برکات سے اپنی دنیا و آخرت سنوار سکتی ہیں۔

* طالبہ فیضانِ عائشہ صدیقہ نندپور سیالکوٹ

حضور کی خواتین کے لئے عمومی دعائیں

عمومی دعاؤں میں خواتین کی شمولیت

حضور کی امت سے محبت و شفقت ایسی ہمہ گیر تھی کہ حضور جب اپنی امت کے لئے دعا فرماتے تو مرد و عورت دونوں کو یکساں طور پر ان میں شامل فرماتے۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے متعدد مرتبہ ایسی جامع دعائیں فرمائیں جن میں مسلمان مرد و عورت شامل تھے، جس سے خواتین کے لئے حضور کی خصوصی خیر خواہی واضح ہوتی ہے۔

چند مصطفوی دعائیں پیشِ خدمت ہیں:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِلْمُسْلِمِینَ وَ الْمُسْلِمَاتِ وَ لِلْمُؤْمِنِینَ وَ الْمُؤْمِنَاتِ، اَلْاَحْیَاءِ مِنْھُمْ وَالْاَمْوَاتِ یعنی اے اللہ! بخش دے تمام مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کو اور ان میں سے جو زندہ ہیں اور جو وفات پا چکے ہیں۔[1]

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِی وَ لِوَالِدَیَّ وَ لِلْمُؤْمِنِینَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ یعنی اے اللہ! مجھے، میرے والدین کو اور تمام مومنین کو بخش دے، جس دن حساب قائم ہو گا۔[2]

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِاُمَّتِی یعنی اے اللہ! میری امت کو بخش دے۔[3]

اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لِاُمَّتِی فِی بُكُوْرِھَا یعنی اے اللہ! میری امت کے لئے اس کی صبحوں میں برکت دے۔[4]

ان جامع اور مسلسل دعاؤں سے واضح ہوتا ہے کہ حضور کی رحمت و شفقت کا دائرہ مردوں تک محدود نہ تھا بلکہ امت کی ہر عورت؛ چاہے ماں، بیٹی، بیوی ہو یا عام مسلمان خاتون حضور کی ان برکتوں والی دعاؤں میں برابر کی شریک ہے۔ یہ حضور کی اُمت کی خواتین کے لئے خصوصی رحمت اور خیر خواہی کا ایک روشن ثبوت ہے۔

حضور کی خواتین کے لئے خصوصی دعائیں

ازواجِ مطہرات کے لئے آخرت میں قربت کی دعا

حضور نے فرمایا: اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ آلِ مُحَمَّدٍ قُوْتًا یعنی اے اللہ! محمد کے اہلِ بیت، ازواج و اہلِ خانہ کا رزق ضرورت کے مطابق عطا فرما۔[5] اس میں یہ سبق پوشیدہ ہے کہ حضور اپنے گھر والوں کو محض زیادہ مال کے بجائے وہ نعمت دلوانا چاہتے تھے جو دل کو مطمئن کرے، فقر سے بچائے اور عبادت میں یکسوئی عطا کرے۔ یوں یہ دعا اہلِ خانہ کے لئے نبوی شفقت اور روحانی برکت کا اظہار ہے، اس میں امت کے لئے یہ ہدایت ہے کہ رزق کا بہترین معیار وہ ہے جو انسان کو غرور اور فضولیات سے بچائے، شکر اور توکل پیدا کرے نیز گھروں میں سادگی، سکون اور روحانی پاکیزگی کا ماحول قائم کرے۔

حضرت عائشہ کے لئے خصوصی دعا

حضرت عائشہ فرماتی ہیں: ایک دن حضور نے مجھ سے فرمایا: اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِعَائِشَةَ، مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِھَا وَ مَا تَاَخَّرَ، وَ مَا اَسَرَّتْ وَ مَا اَعْلَنَتْ یعنی اے اللہ! عائشہ کے اگلے پچھلے، چھپے اور ظاہر سب گناہ معاف فرما دے۔ فرماتی ہیں: میں خوشی سے ہنس پڑی۔ حضور نے فرمایا: کیا میری دعا نے تمہیں خوش کر دیا؟ میں نے کہا: جی ہاں۔ تو حضور نے فرمایا: خدا کی قسم! یہ دعا میں اپنی امت کے لئے بھی ہر نماز کے بعد مانگتا ہوں۔[6]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے سیدہ عائشہ کے لئے جو دعا فرمائی وہ در اصل اہلِ خانہ پر آپ کی گہری شفقت اور روحانی کرم نوازی کا اظہار ہے۔ یہ دعا نہ صرف سیدہ عائشہ کے مقام و مرتبے کی دلیل ہے بلکہ اس حقیقت کا بھی اعلان ہے کہ حضور اپنے گھر والوں کے لئے سب سے بڑی نعمت مغفرت، پاکیزگی اور اللہ پاک کی رضا کو سمجھتے تھے۔ مزید یہ کہ آپ یہی وسیع مغفرت والی دعا اپنی امت کے لئے بھی ہر نماز کے بعد مانگتے ہیں، جس سے پتہ چلتا ہے کہ اہلِ خانہ ہوں یا امت، حضور کی دعا کا دائرہ سب کے لئے رحمت، پاکیزگی اور بخشش کا دروازہ کھولتا ہے۔ یہ روایت اس بات کا روشن ثبوت ہے کہ حضور اپنے قریبی اہلِ بیت و ازواج بلکہ پوری امت کے لئے مغفرت کی سب سے اعلیٰ برکتیں طلب فرماتے تھے۔

حضرت فاطمہ کو اذکار کی تعلیم، طاقت اور سکون کی دعا

ایک مرتبہ سیدہ کائنات نے بارگاہِ رسالت میں خدمت گار کی خواہش کا اظہار کیا تو حضور نے اس خواہش کو رد نہیں فرمایا، بلکہ اس موقع کو ایک بلند تر خیر کی طرف راہ نمائی کے لئے اختیار فرمایا۔ آپ نے جس جواب کو منتخب کیا وہ محض ایک وظیفہ نہ تھا، بلکہ باپ کی شفقت، نبی کی حکمت اور دعا کی برکتوں کا جامع تحفہ تھا۔ چنانچہ حضور نے ارشاد فرمایا:

اَلَا اُخْبِرُكِ مَا هُوَ خَيْرٌ لَكِ مِنْ خَادِمٍ؟ تُسَبِّحِيْنَ اللهَ عِنْدَ مَنَامِكِ ثَلَاثًا وَ ثَلَاثِيْنَ وَ تَحْمَدِيْنَ اللهَ ثَلَاثًا وَ ثَلَاثِيْنَ وَ تُكَبِّرِيْنَ اللهَ اَرْبَعًا وَثَلَاثِيْنَ یعنی کیا میں تمہیں خادمہ سے بہتر چیز نہ بتاؤں؟ سونے سے پہلے 33 مرتبہ سبحان اللہ، 33 مرتبہ الحمدُ للہ اور 34 مرتبہ اللہُ اکبر پڑھ لیا کرو۔[7] ان اذکار کے ذریعے حضور نے اپنی بیٹی کو وہ نعمت عطا کی جو خادمہ سے بڑھ کر ان کے لئے سہارا، تقویت اور برکت کا ذریعہ بنے یعنی ذکرِ الٰہی کا وہ وظیفہ جو تھکن کو ہلکا اور دل کو توانا کرتا ہے۔ بلاشبہ یہ وظیفہ آج بھی ہر خاتون کے لئے کارآمد ہے۔

بی بی اُمِّ عُمارہ کے لئے دعا

غزوہ اُحد کے موقع پر جب حضرت اُمِّ عُمارہ نے بے مثال جرأت کے ساتھ حضور کی حفاظت کی اور اپنے زخموں کی پروا کیے بغیر دشمن کے سامنے ڈٹ گئیں تو حضور نے ان کی اس فداکاری پر خوشی اور قدردانی کا اظہار فرمایا۔ اس موقع پر انہوں نے عرض کی کہ دعا فرما دیجیے کہ جنت میں آپ کی خدمت گزاری اور رفاقت نصیب ہو۔ اس پر حضور نے ان کے لئے، ان کے شوہر اور بیٹوں کے لئے یہ عظیم دعا فرمائی: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُمْ رُفَقَائِيْ فِي الْجَنَّةِ یعنی اے اللہ! ان سب کو جنت میں میرا رفیق بنا دے۔[8] اس دعا سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضور کی دعا نہ صرف دنیا کے دکھوں کو ہلکا کر دیتی ہے بلکہ آخرت کی سب سے بلند نعمت: رفاقتِ نبوی کی ضمانت بھی بن جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت اُمِّ عُمارہ ساری زندگی اعلان کرتی رہیں کہ اس دعا کے بعد دنیا کی کوئی مصیبت انہیں ہلا نہیں سکتی؛ کیونکہ جس کو حضور کی رفاقتِ آخرت کی دعا مل جائے، اس کے لئے دنیا کا ہر دکھ معمولی ہو جاتا ہے۔ یہ واقعہ ثابت کرتا ہے کہ حضور کی دعا اپنے ماننے والوں کو دنیا میں مضبوطی اور آخرت میں عظمت عطا کرتی ہے۔

ضرورت اور تکلیف میں دعا

ولادت کے وقت جب عورت تکلیف، خوف یا کسی بھی قسم کی شدید پریشانی میں مبتلا ہو تو حضور نے اسے محض طبی یا جسمانی تدابیر کرنے کے لئے بے آسرا نہ چھوڑا بلکہ اس کے دل کو اللہ پاک کی طرف متوجہ کرنے کے لئے ایک جامع اور سہارا دینے والی یہ دعا سکھائی: اَللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ اَرْجُو، فَلَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ، وَ اَصْلِحْ لِيْ شَاْنِيْ كُلَّهٗ، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ یعنی اے اللہ! میں تیری رحمت کی امید رکھتی ہوں، مجھے پلک جھپکنے کے برابر بھی میرے اپنے حوالے نہ چھوڑ، میرے ہر معاملے کی درستی فرما اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔[9] یہ دعا ثابت کرتی ہے کہ حضور نے عورت کو سب سے سخت گھڑی میں اللہ پاک کی رحمت، حفاظت اور کامل نگرانی کے سائے میں داخل کر دیا۔ اس کے ذریعے ولادت کی آزمائش کو روحانی طاقت، اطمینان اور اللہ پاک پر کامل بھروسے میں بدلنے کی تعلیم دی اور یہی اس دعا کی سب سے بڑی برکت ہے۔ یہ تمام واقعات اس حقیقت کو نہایت وضاحت کے ساتھ روشن کرتے ہیں کہ خواتین پر حضور کی رحمت، شفقت اور روحانی برکتیں محض چند مواقع پر نہیں تھیں، بلکہ حضور کی پوری زندگی عورتوں کے لئے خیر، دعا اور رحمت کے دروازے کھولتی رہی۔ یوں حضور نے عورت کی جسمانی، روحانی، گھریلو، معاشرتی اور اخروی ہر ضرورت کو اپنی دعا اور شفقت میں سمیٹ کر یہ ثابت کر دیا کہ آپ کی بعثت خواتین کے لئے حقیقی کرم، عزت، قوت اور برکت کا سرچشمہ ہے۔ یہ سب دعائیں آج بھی ہر مسلمان خاتون کے لئے وہی سہارا، امن، قوت اور رحمت بن سکتی ہیں جو ان

پاکیزہ ہستیوں کو ملا کرتی تھیں۔

حضور نے خواتین کو صرف دعاؤں سے نہیں نوازا بلکہ زندگی کے ہر پہلو میں ایسی برکتیں بھی عطا کیں جنہوں نے ان کے مقام، عزت اور حقوق کو نئی روشنی عطا کی۔ آپ نے عورت کو گھر، معاشرہ اور عبادت ہر دائرے میں وقار بخشا، اس کی تعلیم و تربیت کو سنوارا، اس کے حقوق کو محفوظ کیا، اس کی گواہی اور ملکیت کو بحال کیا، اسے وراثت، نکاح، خاندانی نظام اور عبادات میں غیر معمولی وقعت دی۔ حضور کی صحبت، تعلیم، اخلاق، عدل اور شفقت نے خواتین کو وہ رفعت اور پاکیزگی عطا کی جو تاریخِ انسانی میں کسی اور اُمت کو نصیب نہ ہوئی۔ یوں حضور کی ذات خواتین کے لئے سراسر رحمت، عزت، راہ نمائی، حفاظت اور کامل برکت کا سرچشمہ ثابت ہوئی۔ چند مثالیں پیشِ خدمت ہیں:

عبادت اور اطاعت میں کامیابی

ایک مشہور حدیث میں حضور نے فرمایا کہ جس عورت نے پانچ وقت کی نماز پڑھی، رمضان کے روزے رکھے، اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی اور اپنے شوہر کی اطاعت کی وہ جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے۔[10] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے خواتین کو اپنی خاص رحمت اور برکت سے نوازتے ہوئے اُن کی دنیا و آخرت کی کامیابی کا نہایت آسان اور روشن راستہ متعین فرمایا، مثلاً: نماز، روزہ، پاک دامنی اور شوہر کے ساتھ حسنِ سلوک کے ذریعے عورت کے لئے روحانی فلاح، سکون، عزت اور آخرت کی بلند منزلیں حاصل کرنا ممکن ہو جاتا ہے۔ یہ تعلیم دراصل حضور کی طرف سے خواتین کے لئے ایک برکت بھرا تحفہ ہے جو انہیں دنیا میں سکون اور آخرت میں اعلیٰ مقام کی ضمانت دیتا ہے۔

حُسنِ سلوک اور اخلاقی فلاح

حضور نے فرمایا: اِسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا یعنی عورتوں کے ساتھ بھلائی اختیار کرو۔[11] یہ تعلیم نہ صرف اخلاقی اصول ہے بلکہ خواتین کی زندگی میں برکت، روحانی سکون اور معاشرتی احترام کی ضامن ہے۔ عملی طور پر حضور اپنی ازواج اور امت کی خواتین کے ساتھ ہمیشہ نرمی اور حُسنِ سلوک فرماتے تھے، جس سے معاشرت میں برکت قائم ہوتی تھی۔ خواتین کی زندگی میں حضور نے جتنی برکتیں عطا فرمائی ہیں، وہ صرف دعا اور روحانی نصیحت تک محدود نہیں بلکہ ان کی ذات، کردار اور اعمال کے ذریعے دنیا و آخرت میں نمایاں ہوئیں۔ احادیث میں واضح ہے کہ بڑی برکت والی عورت وہ ہے جس کا مہر آسان ہو؛[12] جو گھر اور خاندان میں نرمی، محبت اور سہولت کا سبب بنے، جو بیٹیوں کی اچھی پرورش کرے، جس سے وہ نہ صرف والدین کے لئے جہنم کی آڑ بنیں بلکہ انہیں جنت میں حضور کا پڑوس بھی نصیب ہو۔[13] عورت کو ماں بننے، بچوں کی تربیت اور دین و تہذیب کی تعلیم میں جس قدر مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اس کی خدمات کا صلہ یہ عطا فرمایا کہ اولاد کو جنت کے حصول کا آسان راستہ یہ بتایا کہ وہ اپنی ماں کی قدر کرے۔[14] نیک عورت اپنے صبر، قناعت، حُسنِ سلوک، گھر کے نظم و نسق سے شوہر اور خاندان کی فلاح کا ذریعہ بنتی ہے۔ لہٰذا اسے سب سے بہترین متاع قرار دیا گیا۔[15]

الغرض یہ تمام تعلیمات حضور کی طرف سے خواتین کے لئے رحمت، عزت، مغفرت اور برکت کا جامع مظہر ہیں جو نہ صرف ان کے فردی مقام کو بلند کرتی ہیں بلکہ پورے خاندان اور معاشرے کی سعادت کا سبب بنتی ہیں۔

---

1 تہذیب الآثار، الجزء المفقود، ص/186، حدیث:282 2 پ13، ابراھیم:41 3 مسلم، ص318، حدیث:1904 4 ترمذی، 3/6، حدیث:1216 5 مسلم، ص406، حدیث:2427 6 الاحسان، 9/122، حدیث:7067 7 بخاری، 3/516، حدیث:5362 8 سیرت مصطفٰے، ص280 9 ابو داود، 4/419، حدیث:5090 10 مسند امام احمد، 16/406، حدیث:1661 11 مسلم، ص595، حدیث:3647 12 سنن کبریٰ للنسائی، 5/402، حدیث:9274 13 معجم کبیر، 22/385، حدیث:959 14 نسائی، ص504، حدیث:3101 15 مسلم، ص595، حدیث:3643




زبانِ مصطفےٰ سے جنت کی بشارت پانے والی خواتین

محترمہ بنتِ اشرف مدنیہ عطاریہ*

جنت اللہ پاک کی وہ عظیم نعمت ہے جو اس نے اپنے پسندیدہ بندوں کے لئے تیار کر رکھی ہے، جیسا کہ قرآنِ پاک میں ہے: وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًاؕ (پ5، النسآء:57) ترجمہ: اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے عمل کئے عنقریب ہم انہیں ان باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں (وہ) ان میں ہمیشہ رہیں گے۔

یہ جنت دراصل اُن بندگانِ خاص کے لئے ہے جنہوں نے ایمان و عمل کی روشنی سے اپنی زندگیوں کو منور کیا۔ پھر جنت کو پیدا فرمانے والے رب نے اپنے محبوبِ کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کو جنت کا مالک و مختار بنایا، یعنی آپ کو اختیار عطا فرمایا کہ آپ جسے چاہیں جنت عطا فرما دیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

تعجب کی جا ہے یہ فردوس بالا | بنائے خدا اور بسائے محمد

اور نبیرۂ اعلیٰ حضرت، حضور تاجُ الشریعہ مولانا اختر رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جہاں بانی عطا کر دیں بھری جنت ہبہ کر دیں
نبی مختارِ کل ہیں جس کو جو چاہیں عطا کر دیں

بے شک حضور نبیِ رحمت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم قاسمِ نعمت اور مالکِ جنت ہیں۔ آپ نے جسے اپنی زبانِ مبارک سے جنت کی بشارت عطا کر دی، وہ جنتی ٹھہرا۔ اگرچہ آپ کے تمام صحابہ جنتی ہیں، لیکن عشرۂ مبشرہ وہ خاص صحابہ ہیں جنہیں حضور نے دنیا ہی میں ان کے نام لے کر جنت کی خوشخبری دی۔

اسی طرح کچھ خوش نصیب خواتین بھی ایسی ہیں جنہیں دنیا ہی میں زبانِ مصطفےٰ سے جنت کی بشارت نصیب ہوئی۔ ان میں سے کسی کو ایمان و ایثار پر، کسی کو صبر و عفت پر اور کسی کو خدمتِ دین پر یہ سعادت حاصل ہوئی۔ مزید برآں، بعض احادیث میں ایسے اعمال بھی مذکور ہیں جن کے کرنے والی خواتین کو جنت کی بشارت سنائی گئی ہے۔ حالانکہ بعثتِ نبوی سے قبل عورت کو کمتر سمجھا جاتا اور اُسے روحانی کمالات و اخروی درجات سے بھی محروم تصور کیا جاتا تھا۔ مگر حضور نے عورت کے اس بگڑے ہوئے تصور کو درست فرمایا اور اُسے ایمان، عمل، صبر، عفت اور ایثار کی راہوں پر چل کر جنت کی بشارت پانے والوں میں شامل کر دیا۔ حضور کی زبانِ مبارک سے ادا ہونے والے الفاظ وحی کے نور سے منور اور صداقت کے زیور سے مزین ہوتے ہیں۔ جب ایسی زبان سے کسی عورت کے لئے بَشِّرُوهَا بِالْجَنَّةِ جیسے الفاظ ادا ہوں تو یہ محض تعریف نہیں بلکہ قربِ الٰہی کی سند ہوتی ہے۔

* ڈبل ایم اے (اردو، مطالعہ پاکستان)
گوجرہ منڈی بہاؤالدین

یہ مضمون انہی باعظمت اور باکمال خواتین کے تذکرے پر مشتمل ہے جنہیں حضور کی زبانِ اقدس سے جنت کی بشارت عطا ہوئی؛ تاکہ آج کی مسلمان خواتین ان روشن مثالوں سے راہ نمائی حاصل کر کے اپنی زندگیوں کو ایمان، عمل، عفت اور حیا کی روشنی سے آراستہ کریں۔

ایمان و عمل کی بنیاد پر جنت کی بشارت

ایمان وہ بنیاد ہے جس پر تمام نیکیوں اور اعمالِ صالحہ کی عمارت استوار ہوتی ہے۔ جس دل میں ایمان راسخ ہو، وہ عمل میں صداقت، نیت میں اخلاص اور اخلاق میں پاکیزگی پیدا کر دیتا ہے۔ اسلام میں نجات کا معیار صرف نسب یا تعلق نہیں، بلکہ ایمانِ کامل اور عملِ صالح ہے۔ جیسا کہ اللہ پاک کا فرمان ہے: وَ مَنۡ یَّعۡمَلۡ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنۡ ذَكَرٍ اَوۡ اُنۡثٰى وَ هُوَ مُؤۡمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ یَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّةَ (پ5، النسآء: 124) ترجمہ: اور جو کچھ بھلے کام کرے گا مرد ہو یا عورت اور ہو مسلمان تو وہ جنت میں داخل کیے جائیں گے۔ یہ آیت عورت و مرد دونوں کے لئے عمل اور ایمان کے مساوی درجے کا اعلان کرتی ہے۔ یہی وہ اصول ہے جس پر حضور کی زبانِ مبارک سے بعض خواتین کو ایمان اور عملِ صالح کی بنیاد پر جنت کی بشارت عطا فرمائی گئی۔

ان میں سب سے نمایاں و اولین مثال سیدہ خدیجہ بنتِ خویلد رضی اللہ عنہا کی ہے؛ جو ایمان لانے والی پہلی خاتون، ایثار و قربانی کی پیکر اور حضور کی غمگسار و وفادار زوجہ تھیں۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ

ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا وہ عظیم خاتون ہیں جنہوں نے بعثت کے ابتدائی لمحے میں جب مکے کی پوری وادی انکار کے اندھیروں میں ڈوبی تھی، حضور کے پیغامِ حق کی تصدیق کی۔ انہوں نے نہ صرف ایمان لانے میں سبقت حاصل کی بلکہ اپنے مال، وقت اور محبت کو حضور کے قدموں پر نچھاور کر دیا۔ یہی اخلاصِ ایمان اور ایثارِ عمل اُن کی وہ صفت تھی جس کے بدلے انہیں جنت کی وہ بشارت نصیب ہوئی جسے جبریلِ امین خود لے کر حاضر ہوئے اور عرض کی: یا رسول اللہ! یہ خدیجہ آ رہی ہیں، ان کے پاس برتن ہے جس میں کھانا ہے۔ جب وہ آپ کے پاس پہنچیں تو انہیں ان کے ربّ کا اور میرا سلام کہیے اور جنت میں خول دار (اندر سے خالی) موتی سے بنے ہوئے گھر کی بشارت دیجئے جس میں شور ہے نہ کوئی تکلیف۔[1]

یہ بشارت محض ایک انعام نہیں، بلکہ ایمان، ایثار، خدمتِ دین اور صبر کا اعتراف ہے۔ یوں سیدہ خدیجہ وہ پہلی خاتون بنیں جنہیں زبانِ مصطفےٰ سے جنت کی بشارت دی گئی اور جن کے لئے خود ربِ کریم نے سلام بھیجا۔

حضرت فاطمۃ الزہرا

حضور نے ارشاد فرمایا: فاطمہ اہلِ جنت کی تمام عورتوں کی سردار ہیں۔[2] اور ایک موقع پر فرمایا: اے فاطمہ! کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تم تمام جنتی عورتوں کی سردار ہو؟[3]

سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نہ صرف جنتی ہیں بلکہ تمام خواتینِ جنت کی سردار ہیں۔ آپ کو یہ مقام ایمان، تقویٰ، عبادت اور حضور سے غیر معمولی قربت کی بدولت حاصل ہوا۔ آپ حضور اور سیدہ خدیجۃ الکبریٰ کی سب سے چھوٹی اور نہایت لاڈلی شہزادی تھیں۔ اعلانِ نبوت سے پانچ برس قبل آپ کی ولادت ہوئی۔ آپ نے سراپا طہارت و عفت کے ماحول میں پرورش پائی۔ عبادت، زہد، قناعت، حیا اور توکل آپ کی سیرت کے نمایاں اوصاف تھے۔ آپ نے اپنی ساری زندگی صوم و صلوٰۃ کی پابندی، زہد و قناعت، صبر و شکر، پردہ داری اور اللہ و رسول کے احکامات کی پیروی میں گزار کر اپنے بابا جان صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کی وفات کے صرف چھ ماہ بعد تین رمضان المبارک 11 ہجری بروز منگل کو انتقال فرمایا۔[4]

قربانی و صبر کی بنیاد پر جنت کی بشارت

حضرت ام سُلیم

حضور ارشاد فرماتے ہیں: میں نے اپنے آپ کو خواب میں دیکھا کہ جنت میں ہوں، اچانک ابو طلحہ کی زوجہ رمیصاء (ام سُلیم)

کو جنت میں پایا۔[5] ایک اور روایت میں ہے کہ میں جنت میں داخل ہوا تو کسی کے چلنے کی آہٹ سنی۔ میں نے دریافت کیا: یہ کون ہے؟ کہا: یہ غمیصاء (ام سُلیم) ہیں ملحان کی بیٹی اور انس بن مالک کی والدہ۔[6] نبی کا خواب چونکہ وحی ہوتا ہے، لہٰذا یہ صرف ایک خواب نہیں بلکہ حضرت ام سُلیم کے جنتی ہونے کی قطعی بشارت ہے۔ آپ کو حضور نے ان کے خالص ایمان، صبر، حسنِ نیت اور عملِ صالح کے سبب جنت کی بشارت عطا فرمائی۔ کیونکہ جب آپ نے اسلام قبول کیا تو آپ کا شوہر مالک بن نضر ایمان نہ لایا۔ بلکہ اس نے ام سلیم کو سخت ملامت کی، مگر آپ اپنے ایمان پر ثابت قدم رہیں۔ مالک بن نضر غصے میں ملک شام چلا گیا اور وہیں ہلاک ہوگیا۔[7] اُمِّ سُلیم نے اسلام کی خاطر شوہر کی مخالفت برداشت کی، مگر ایمان سے ذرّہ برابر پیچھے نہ ہٹیں۔ اسی طرح بعد میں حضرت ابو طلحہ انصاری سے نکاح کے لئے آپ نے جو شرط ٹھہرائی وہ بھی بڑی ہی انوکھی تھی کہ وہ اسلام لے آئیں اور یہی آپ کا حق مہر ہو گا،[8] یہ آپ کے خلوصِ نیت اور دعوتِ ایمان کی قوت کی ایک بڑی دلیل ہے۔

حضرت ام سُلیم رضی اللہ عنہا کا اصل نام مختلف روایات میں سہلہ، رُمیلہ، رُمیثہ، رُمیصاء، غُمیصاء منقول ہے،[9] مگر اُمِّ سُلیم کنیت سے مشہور ہوئیں۔ آپ انصار کے معزز قبیلہ بنو نجّار سے تعلق رکھتی ہیں، حضور کے والد ماجد حضرت عبد اللہ کی رضاعی خالہ[10] اور حضرت انس بن مالک کی والدہ ہیں۔[11]

آپ عبادت، شجاعت، علم اور ادبِ مصطفےٰ میں ممتاز تھیں۔ آپ سے چودہ احادیث مروی ہیں۔ حضور ان کے گھر کثرت سے تشریف لے جایا کرتے، یہاں تک کہ ازواجِ مطہرات کے بعد مدینے میں سب سے زیادہ آپ کے گھر تشریف لے جاتے۔[12] ایک مرتبہ حضور نے آپ کے گھر مشکیزے سے پانی پیا، تو آپ نے وہ حصہ کاٹ کر تبرک کے طور پر محفوظ کر لیا۔[13] یہ ادب و عشق کی وہ مثال ہے جو حضرت ام سُلیم کے مقام کو نمایاں کرتی ہے۔ آپ نے اپنی زندگی اسلام، خدمتِ دین اور محبتِ رسول میں بسر کی اور حضرت عثمانِ غنی کے دورِ خلافت میں وصال فرمایا۔[14]

زمانۂ رسالت سے ماقبل کی جنتی خواتین

صحابیات کے علاوہ بھی دو ایسی باکمال خواتین کا ذکر ہمیں نصوصِ نبویہ میں ملتا ہے جو اگرچہ زمانہ رسالتِ محمدی سے بہت پہلے گزر چکی تھیں، مگر حضور نے ان کے ایمان کی پختگی، صبر و استقامت اور عفت و پارسائی کی بنا پر ان کا نام لے کر جنت کی بشارت عطا فرمائی۔ یہ دونوں خواتین امتِ مسلمہ کے لئے نمونۂ ایمان و یقین ہیں: ایک حضرت آسیہ جو حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی مربیہ تھیں اور دوسری حضرت مریم جو حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی والدہ تھیں۔ ان دونوں کی سیرت سے واضح ہوتا ہے کہ ایمانِ کامل اور صبر جمیل عورت کو ہر عہد میں جنت کے بلند مقام تک پہنچا سکتا ہے۔

حضرت آسیہ

ایک روایت کے مطابق فرعون کی بیوی آسیہ بنتِ مزاحم بھی اہلِ جنت کی افضل خواتین میں سے ہیں۔[15] یوں حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کا نام خود زبانِ نبوت سے جنت کی اعلیٰ خواتین میں شامل قرار پایا۔

مشہور قول کے مطابق حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا بادشاہِ مصر ریّان بن ولید کی اولاد میں سے تھیں۔ یہ ریّان بن ولید وہی ہیں جو حضرت یوسف علیہ السّلام کے زمانے میں بادشاہِ مصر تھے اور آپ پر ایمان لے آئے تھے۔[16] آپ کا نکاح مصر کے ظالم ترین بادشاہ فرعون سے ہوا، لیکن تاریخ بتاتی ہے کہ یہ نکاح آپ کی رضامندی کے بغیر زبردستی ہوا تھا۔ اللہ پاک نے اپنی قدرت سے فرعون کو آپ کے قریب آنے سے روکے رکھا،[17] یوں آپ پاک دامن اور معزز خاتون کی حیثیت سے جانی گئیں۔ بادشاہ کی بیوی ہونے کے باوجود آپ نے کبھی دنیاوی جاہ و جلال کو اہمیت نہ دی، بلکہ آپ دل کی اتنی نرم اور سخی تھیں کہ غریبوں اور مسکینوں پر صدقہ و خیرات کیا

کرتیں۔ اسی سبب لوگ آپ کو اُمُّ المساکین یعنی مسکینوں کی ماں کے لقب سے یاد کرتے تھے۔[18]

آپ کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کا نام رکھا۔[19] جادوگروں کے جادو اور حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے معجزے کے سنسنی خیز مقابلے سے حق ظاہر ہونے کے بعد جہاں جادوگروں کو دولتِ ایمان نصیب ہوئی وہیں جب آپ کو اس مقابلے کا حال معلوم ہوا تو آپ کے دل میں بھی فوراً حق کا نور چمک اٹھا اور آپ حضرت موسیٰ علیہ السّلام پر ایمان لے آئیں۔[20] یہ وہ لمحہ تھا جب فرعون نے آپ پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ دیئے، لیکن آپ نے حق کے بدلے کبھی صبر و استقامت کا دامن نہ چھوڑا۔ آپ کی مظلومانہ شہادت ایمان کی صداقت کی ایسی دلیل بن گئی جس کا ذکر قیامت تک قرآن میں باقی رہے گا۔ یوں حضرت آسیہ جنھوں نے محلوں کی آسائش کے بدلے ایمان کی چمک کو چُنا، عورتِ مومنہ کے لئے ابدی نمونہ بن گئیں۔

حضرت مریم بنتِ عمران

ایک روایت میں ہے کہ مریم بنتِ عمران بھی اہلِ جنت کی افضل خواتین میں سے ہیں۔[21] یوں حضرت مریم کا ذکر براہِ راست زبانِ مصطفےٰ سے بطورِ جنتی اور افضل ترین خاتون ہوا۔ آپ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی والدہ ہیں اور آپ کے والد کا نام عمران بن ماثان ہے جو آپ کے دنیا میں تشریف لانے سے پہلے ہی وصال فرما گئے تھے۔ آپ کی والدہ محترمہ حضرت حنّہ بنتِ فاقوذا جو حضرت یحییٰ علیہ السّلام کی خالہ تھیں، زہد و تقویٰ میں اپنی مثال آپ تھیں۔[22]

حضرت مریم کو بچپن ہی سے اللہ پاک نے اپنی خاص رحمت اور حفاظت میں لے لیا۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ آپ کی نشوونما غیر معمولی تھی؛ آپ ایک دن میں اتنا بڑھتیں جتنا عام بچے ایک سال میں بڑھتے ہیں۔[23] آپ کے پاس جنت کے بے موسم پھل آتے تھے، اور آپ نے کسی عورت کا دودھ نہیں پیا۔[24] حضرت عیسیٰ علیہ السّلام آپ کے شکم سے بغیر باپ کے پیدا ہوئے، اس غیر معمولی واقعے پر قوم کی طرف سے آپ پر طعن و تشنیع اور اذیتوں کی بارش کی گئی، مگر آپ صبر کرتی رہیں اور بڑے مراتب و درجات سے سرفراز ہوئیں۔

حضرت مریم بنت عمران کا صبر، عفت اور ایمانِ کامل اُن تمام خواتین کے لئے مشعلِ راہ ہے جو اپنی عفت و طہارت پر قائم رہتے ہوئے اللہ پاک کی رضا چاہتی ہیں۔

خدمتِ دین اور اخلاص کی بنیاد پر جنت کی بشارت

حضرت ام ایمن

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کے بارے میں ایک مرتبہ حضور نے ارشاد فرمایا: جو کسی جنتی خاتون سے نکاح کرنا چاہے وہ ام ایمن سے نکاح کرلے۔[25] یہ وہ مبارک ہستی ہیں جنہوں نے حضور کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد حضور کی پرورش ماں بن کر کی۔ اسی نسبت سے حضور نے فرمایا: ام ایمن میری ماں کے بعد میری ماں ہے۔[26]

آپ کا نام برکہ بنتِ ثعلبہ حبشیہ تھا اور اُمّ ایمن آپ کی کنیت ہے جس سے آپ مشہور ہوئیں۔ آپ نے حضور کے آزاد کردہ غلام اور منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارثہ سے نکاح کیا، جن سے حضرت اسامہ بن زید پیدا ہوئے۔[27]

اُمّ ایمن محبت، قربت اور خدمتِ رسول میں منفرد مقام رکھتی تھیں۔ حضور ان کا بہت احترام فرماتے اور انہیں اپنی والدہ کی مانند عزت دیتے۔ آپ کا حضور سے تعلق بے حد محبت بھرا اور بے تکلفانہ تھا۔ ایک موقع پر جب کسی عطیے کے معاملے میں حضرت انس بن مالک کے بیان کے مطابق آپ نے اپنی پسند کی چیز لینے پر اصرار کیا تو حضور نے خوش دلی سے وہ چیز انہیں عطا فرمائی۔[28] یہ ان کی مقبولیت و محبوبیت کی روشن دلیل ہے۔ آپ نے پوری زندگی ایمان، خدمت اور وفاداری میں گزاری، بالآخر حضرت عثمانِ غنی کے زمانہ خلافت میں وصال فرمایا۔[29]

حضرت اُمِّ عُمارہ

ایک مرتبہ حضرت ام عمارہ نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی: یارسول اللہ! ہمارے لئے دعا کیجیے کہ اللہ پاک ہمیں جنت میں آپ کا ساتھ عطا فرمائے تو حضور نے (ان کے شوہر، ان کے بیٹوں اور ان کے لئے) دعا فرمائی: اے اللہ! ان سب کو جنت میں میرا ساتھ عطا فرما۔(30)

یہ دعائے مصطفےٰ ہی ان کے لئے یقینی جنت کی بشارت بن گئی۔ اسی سبب سے آپ کہا کرتی تھیں: اب مجھ پر بڑی سے بڑی کوئی مصیبت بھی آجائے تو مجھے کوئی پروا نہیں، (31) کیونکہ آپ کو یہ یقین حاصل تھا کہ اللہ پاک آپ کو جنت میں حضور کا ساتھ ضرور عطا فرمائے گا۔

آپ کا نام نُسیبہ بنتِ کعب اور کنیت اُمِّ عمارہ ہے۔ آپ انصار کے قبیلہ بنو نجّار سے تعلق رکھتی تھیں۔ آپ کا شمار مجاہدہ اور شجاع صحابیات میں ہوتا ہے۔ آپ بیعتِ عقبہ، بیعتِ رضوان، غزواتِ اُحد، حُنین اور حُدیبیہ میں شریک رہیں۔(32)

حضرت اُمِّ عمارہ کا عشقِ رسول اپنی مثال آپ تھا۔ غزوۂ اُحد میں جب مسلمانوں میں انتشار پھیل گیا تو آپ حضور کے سامنے ڈٹ گئیں اور اپنی جان کو سپر بنالیا۔ تلواروں اور تیروں کے وار اپنے جسم پر سہے، یہاں تک کہ آپ کے جسمِ مبارک پر تیرہ زخم آئے اور ایک معرکے میں آپ کا ہاتھ بھی کٹ گیا۔(33) آپ کی اس جرأت پر حضور نے تبسم فرمایا اور دعا دی: اللہ پاک کا شکر ہے جس نے تجھے کامیابی دی اور تیرے دشمن کی طرف سے تیری آنکھ ٹھنڈی کی۔(34)

حضرت اُمِّ عمارہ ان عظیم صحابیات میں سے ہیں جنہیں انفرادی اور اجتماعی دونوں حیثیتوں سے جنت کی بشارت نصیب ہوئی؛ انفرادی طور پر زبانِ مصطفےٰ سے اور اجتماعی طور پر انصار کے لئے کی گئی دعاؤں میں شامل ہو کر۔

بیعتِ رضوان کے باعث جنت کی بشارت پانے والی خواتین

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: جن لوگوں نے درخت کے نیچے بیعت کی تھی ان میں سے کوئی بھی دوزخ میں داخل نہ ہوگا۔(35)

حضرت رُبیع بنتِ معوذ

جن خوش نصیبوں نے بیعتِ رضوان کی سعادت اور زبانِ رسالت سے جہنم سے آزادی کی بشارت پائی، ان میں حضرت رُبیع بنتِ معوذ کا اسمِ گرامی بھی شامل ہے۔(36)

آپ کا نام رُبیع بنتِ معوّذ بن عفراء انصاریہ ہے اور والدہ کا نام ام یزید بنتِ قیس ہے۔ آپ کا تعلق عرب کے مشہور قبیلہ بنی نجّار سے ہے۔(37) آپ کے والد حضرت معوّذ رضی اللہ عنہ وہ بدری صحابی ہیں جنہوں نے دشمنِ اسلام ابوجہل کو جہنم واصل کرنے میں حصّہ لیا۔

حضرت رُبیع کو ایمان، جرأت اور غیرتِ ایمانی میں غیر معمولی مقام حاصل تھا۔ آپ نے حضور کے ساتھ کئی غزوات میں شرکت کی، آپ فرماتی ہیں کہ ہم حضور کے ہمراہ غزوات میں مجاہدین کو پانی پلانے اور زخمیوں کے علاج معالجے کی خدمات سرانجام دیتیں۔(38) آپ کا وصال عبد الملک کے دورِ حکومت میں ہوا۔ ایک قول کے مطابق آپ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت تک زندہ رہیں۔(39)

حضرت ام فروہ انصاریہ

یہ بھی بیعتِ رضوان میں شریک ہونے والی صحابیہ ہیں جن کو دوزخ سے آزادی کی بشارت سے نوازا گیا اور یقیناً یہ ان کے جنتی ہونے کی گواہی ہے۔(40) ان نیک بیبیوں کی سیرتِ طیبہ میں آج کی خواتین کے لئے بے شمار عملی اسباق پوشیدہ ہیں۔ یہ خواتین شرم و حیا، تقویٰ و پرہیزگاری، جود و سخا اور عفو و درگزر جیسی صفاتِ عالیہ سے مزین تھیں۔ ان کی زندگیاں سادگی، قناعت اور اللہ و رسول کی رضا میں راضی رہنے کے حسین نمونوں سے بھری ہوئی تھیں۔ گھریلو ذمہ داریوں کے باوجود یہ عبادت و ریاضت میں کوتاہی نہ کرتی تھیں، بلکہ ہر

حال میں اللہ کی یاد اور دین کی خدمت میں مشغول رہتیں۔ اللہ پاک ہمیں بھی ان برگزیدہ خواتین کے اخلاص، حیا، صبر اور تقویٰ سے حصہ عطا فرمائے اور ان کے اخلاق و کردار کی روشنی میں ہماری زندگیاں بھی نیکی و طہارت کا نمونہ بن جائیں۔ اٰمین

جنت کی بشارت پانے والی دیگر خواتین

امِ حرام بنتِ ملحان

حضرت اُمِّ حَرام کے نام میں محدثین و سیرت نگاروں کے درمیان کچھ اختلاف ملتا ہے، تاہم آپ اپنی کنیت اُمِّ حَرام سے ہی مشہور ہیں۔ آپ حضرت اُمِّ سُلَیم کی سگی بہن ہیں۔ اسلام کے ابتدائی دور میں ہی ایمان لانے والی انصاری خواتین میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ آپ نے حضور کی صحبت اور تربیت پائی، آپ سے پانچ احادیث مروی ہیں جنہیں آگے چل کر جلیل القدر صحابہ و تابعین نے روایت کیا۔

آپ کے بارے میں حضور نے ارشاد فرمایا کہ وہ ان خوش نصیب لوگوں میں شامل ہوں گی جو سمندر کے راستے جہاد کرنے والے اولین مجاہدین میں ہوں گے۔ یہ وہی لوگ ہیں جنہیں حضور نے خواب میں بادشاہوں کی طرح تختوں پر بیٹھے دیکھا اور جن کے لئے جنت کی بشارت عطا فرمائی۔ (41)

یہ بشارت اُن کے لئے زبانِ مصطفےٰ سے عطا کردہ جنت کی پیشین گوئی تھی، کیونکہ حضور نے اُن مجاہدین کو اہلِ جنت قرار دیا جو اللہ کے راستے میں سمندری جہاد کریں گے۔ بالآخر وہ دن آ گیا جب اُن کی دعا اور بشارت دونوں پوری ہوئیں۔ حضرت امیر معاویہ کے دورِ خلافت میں، آپ اپنے شوہر حضرت عبادہ بن صامت کے ہمراہ مجاہدین کے بحری قافلے میں شریک ہوئیں۔ جب جہاد کے بعد قافلہ خشکی پر اترا تو آپ گھوڑے پر سوار ہوئیں، اسی دوران گھوڑا پھسل گیا اور آپ گر کر جامِ شہادت نوش فرما گئیں۔ (42) یوں حضرت اُمِّ حَرام نے حضور کی زبانِ مبارک سے جنت اور صفِ اوّل کے مجاہدین میں شامل ہونے کی جو دعا سنی تھی، وہ حرف بحرف پوری ہو گئی۔

عام بشارتیں

گزشتہ صفحات میں جنت کی بشارت پانے والی ان مخصوص خواتین کا ذکر ہوا، جنہیں حضور نے زبانِ مبارک سے جنت کی خوشخبری عطا فرمائی۔ تاہم حضور نے متعدد ایسے اعمالِ صالحہ بھی بیان فرمائے ہیں جن کے کرنے والی خواتین کو جنت کی بشارت ملتی ہے۔ یہ بشارت کسی مخصوص عورت کے لئے نہیں بلکہ قیامت تک آنے والی تمام خواتینِ امت کے لئے ہے۔

ذیل میں خواتین کے لئے جنت کی بشارت دینے والے چند اعمال احادیث کی روشنی میں پیش کیے جاتے ہیں:

نماز، روزہ، عفت و شوہر کی اطاعت

ایک روایت میں ہے: جب عورت پانچ وقت کی نماز پڑھے، رمضان کے روزے رکھے، اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے اور اپنے شوہر کی اطاعت کرے تو جنت میں جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے۔ (43) یہ حدیث ظاہر کرتی ہے کہ جنت کا دروازہ ان تمام خواتین کے لئے کھلا ہے جو اپنے اعمال میں مخلص اور اللہ کی رضا کی خاطر کوشاں رہتی ہیں۔

شوہر کی نافرمانی نا کرنے کا انعام:

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور کے پاس ایک عورت آئی، اس کے ساتھ دو بچے تھے، ایک کو وہ گود میں اٹھائے ہوئے اور دوسرے کو ہاتھ پکڑ کر چلا رہی تھی، حضور نے فرمایا: بچوں کو اٹھانے والی، انہیں جننے والی اور ان پر شفقت کرنے والی عورتیں اگر اپنے شوہروں کے حق میں کوتاہی نہ کریں اور نماز کی پابند ہوں تو جنت میں جائیں گی۔ (44)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف نماز، روزہ اور عبادات کی پابندی کافی نہیں، بلکہ شوہر کی فرمانبرداری اور عفت و پارسائی کی حفاظت بھی جنت حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے۔ ایک روایت میں ہے: جو عورت اس حال میں فوت ہو کہ اس کا شوہر اس سے راضی ہو تو وہ جنت میں داخل ہو گی۔ (45) یہ دونوں احادیث واضح کرتی ہیں کہ خواتین کی

جنت میں کامیابی عبادت، اخلاق اور خاندانی تعلقات میں حسنِ سلوک کے امتزاج پر منحصر ہے۔

بیٹے کی وفات پر صبر

فرمانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم ہے: تم میں سے جو عورت اپنے تین بچے آگے بھیجے گی وہ اس کے لئے آگ سے حجاب ہو جائیں گے۔ ایک عورت نے عرض کی: اور دو بچے؟ تو ارشاد فرمایا: اور دو بچے (بھی)۔[46] یہ حدیث بتاتی ہے کہ اولاد کی موت کا صدمہ بہت گہرا ہوتا ہے، لیکن اس پر صبر کرنے والی عورت کے لئے اجرِ عظیم اور جنت کا ثواب ہے۔ یعنی صبر و تحمل، اللہ پاک کی رضا اور جنت کی خوشخبری کا ذریعہ بنتے ہیں۔

بچوں کی پرورش کے لئے خود کو روکے رکھنا

حضور نے ارشاد فرمایا: میں سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھولوں گا مگر ایک عورت کو خود سے سبقت لے جاتے دیکھوں گا تو اس سے پوچھوں گا: تجھے کیا ہوا؟ اور تو کون ہے؟ تو وہ کہے گی: میں وہ عورت ہوں جس نے خود کو اپنے یتیم بچوں کی پرورش کے لئے وقف کر دیا تھا۔[47]

یہ حدیث ظاہر کرتی ہے کہ اولاد کی پرورش میں اپنی راحت اور خواہشات کو پسِ پشت ڈال دینے والی خواتین کے لئے اللہ پاک کے ہاں عظیم اجر ہے۔ ایسی خواتین صبر، ایثار اور قربانی کی بہترین مثال ہیں اور ان کے لئے جنت کا دروازہ کھولنا ایک خاص انعام ہے۔

جنت کی بشارت پانے والی خواتین کی سیرت ہمیں یہ واضح کرتی ہے کہ جنت کا حصول صرف عبادت کی پابندی تک محدود نہیں بلکہ ایمان، اخلاق، صبر، قربانی، عفت، خاندانی تعلقات میں حسنِ سلوک اور خدمتِ خلق سب اس میں شامل ہیں۔ حضرت فاطمۃ الزہرا کی پاکیزہ زندگی، حضرت ام سُلیم، حضرت ام ایمن اور حضرت ام عمارہ کی خدمت و قربانی، حضرت آسیہ اور حضرت مریم کا صبر و استقامت اور بیعتِ رضوان میں شریک صحابیات کا تقویٰ ہمیں یہ سبق دیتے ہیں کہ عملِ صالح اور اللہ پاک کی رضا کے لئے جیتی گئی زندگی جنت کی بشارت کا سبب بنتی ہے۔ نماز، روزہ، شوہر کی اطاعت، اولاد پر صبر، یتیم بچوں کی پرورش اور قربانی کے اعمال ہر خاتون کے لئے جنت کے دروازے کھولنے کا سبب ہیں۔ یہ بابرکت مثالیں آج بھی ہر مسلمان خاتون کے لئے راہ نما اصول ہیں، جن سے سبق حاصل کر کے ہم اپنی زندگی کو بہتر، پاکیزہ اور اللہ پاک کے قریب کر سکتی ہیں۔ اللہ پاک ہمیں جنتی خواتین کے نقشِ قدم پر چلنے اور جنت والے اعمال کو بجالانے کی توفیق عطا فرمائے۔

اٰمین بِجاہِ النّبیِّ الْاَمین صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم

---

(1) بخاری، 2/565، حدیث: 3820 (2) ترمذی، 5/431، حدیث: 3806 (3) بخاری، 2/508، حدیث: 3624 (4) مدارج النبوت، 2/461 (5) بخاری، 2/525، حدیث: 3679 (6) مسلم، ص1024، حدیث: 6320 (7) استیعاب، 4/494 ملخصاً (8) طبقات ابن سعد، 8/313 (9) عمدۃ القاری، 4/364، تحت الحدیث: 727 (10) مراۃ المناجیح، 8/53 (11) اسد الغابہ، 7/376 (12) بخاری، 2/267، حدیث: 2844 (13) مسند امام احمد، 45/82، حدیث: 27115 (14) تقریب التہذیب، ص1381 (15) مسند امام احمد، 5/77، حدیث: 2901 (16) تفسیر روح المعانی، جزء: 20، ص344 ماخوذاً (17) سیرت حلبیہ، 1/96 مفہوماً (18) تفسیر بغوی، 3/375 (19) تفسیر خازن، 3/425 (20) تفسیر صراط الجنان، 10/230 ملخصاً (21) مسند امام احمد، 5/77، حدیث: 2901 (22) تفسیر خزائن العرفان، ص111 ملخصاً (23) تفسیر بغوی، 1/228 (24) تفسیر خازن، 1/246 (25) اصابہ، 8/359، رقم: 11902 (26) جامع صغیر، ص102، حدیث: 1618 (27) استیعاب، 4/478 (28) بخاری، 3/56، حدیث: 4120 مفہوماً (29) سیر اعلام النبلاء، 3/489 (30) طبقات ابن سعد، 8/305 (31) مدارج النبوت، 2/126 (32) طبقات ابن سعد، 8/303 (33) طبقات ابن سعد، 8/303 تا 306 ملتقطاً (34) طبقات ابن سعد، 8/305 (35) ترمذی، 5/462، حدیث: 3886 (36) اصابہ، 8/132 (37) اصابہ، 8/132 (38) بخاری، 2/276، حدیث: 2882 (39) اعلام للزرکلی، 3/15 (40) اصابہ، 8/449 (41) بخاری، 2/275، حدیث: 2877، 2878 ملتقطاً (42) اسد الغابہ، 7/343 (43) مشکاۃ المصابیح، 1/597، حدیث: 3254 (44) ابن ماجہ، 2/497، حدیث: 2013 (45) ترمذی، 2/386، حدیث: 1164 (46) بخاری، 4/511، حدیث: 7310 (47) ترغیب وترہیب، 3/236، حدیث: 12



جنت میں خواتین کا مقام؛ بشارتیں اور وعدے

محترمہ بنتِ سید ساجد علی مدنیہ عطاریہ*

اسلام وہ واحد دین ہے جس نے مرد و عورت دونوں کو یکساں روحانی قدر و منزلت عطا کی۔ قبل از اسلام عورت کو کمتر، تابع اور محروم سمجھا جاتا تھا، مگر حضور کی تشریف آوری کے بعد عورت کو عزت، حرمت اور نجات کے وعدے عطا ہوئے۔ جنت جو ایمان و عمل صالح کا ابدی انعام ہے، اس کے دروازے مرد و عورت دونوں کے لئے برابر کھلے رکھے گئے۔ جیسا کہ قرآنِ مجید میں جنت کی بشارت دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۷﴾ (پ14، النحل:97)

ترجمہ: جو مرد یا عورت نیک عمل کرے اور وہ مسلمان ہو تو ہم ضرور اسے پاکیزہ زندگی دیں گے اور ہم ضرور انہیں ان کے بہترین کاموں کے بدلے میں ان کا اجر دیں گے۔ یہ آیت واضح کرتی ہے کہ جنت کا وعدہ صرف مردوں کے لئے نہیں بلکہ عورتوں کے لئے بھی ہے، جنس کی کوئی تفریق نہیں، شرط صرف ایمان اور نیک عمل ہے۔ مگر یہاں چونکہ صرف عورتوں کے مقام کو بیان کرنا مقصود ہے، لہٰذا اس آیت کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسلام نے عورت کے لئے نجات و جنت کا معیار نسب، مال یا جنس نہیں رکھا بلکہ ایمان، عمل اور تقویٰ کو اصل قرار دیا۔

سیرتُ النبی میں خواتین کی روحانی تربیت اور جنت کی بشارتیں

حضور کی بعثت کا ایک عظیم مقصد یہ بھی تھا کہ عورت کو اس کا کھویا ہوا مقام و مرتبہ عطا ہو۔ چنانچہ حضور نے عورت کو محض سماجی رکن کے طور پر نہیں بلکہ ایک صالحہ، عابدہ اور جنت کی وارث ہستی کے طور پر متعارف کروایا۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضور کی سیرت کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات بڑی واضح دکھائی دیتی ہے کہ حضور نے عورتوں کے لئے ایمان، اخلاق، عبادات، صبر اور خدمت وغیرہ کے پہلوؤں سے جنت کی راہیں واضح فرمائیں۔ چنانچہ اس کی چند جھلکیاں ملاحظہ فرمائیے:

عورتوں کی خاص تعلیم و تربیت کا اہتمام: حضور نے عورتوں کو صرف عبادات یا گھریلو ذمہ داریوں تک محدود نہ رکھا بلکہ علم اور فہمِ دین میں بھی شریک فرمایا جو جنتی درجات کے حصول کی بنیاد ہے اور اس سلسلے میں عورتوں کی روحانی و علمی ترقی کا ایسا خاص اہتمام فرمایا جو انہیں جنت کی راہوں کو روشن کرنے

*معلمہ فیضانِ رضا سرجانی ٹاؤن کراچی

میں معاون و مددگار ثابت ہوا۔ چنانچہ سب سے پہلے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے دورِ جاہلیت میں علم و معرفت کے بجھے چراغوں کو روشن کرنے کے لئے عورتوں میں یہ احساس بیدار کیا کہ ان میں مرد حضرات کی طرح علمی تشنگی بجھانے کی شدید تمنا و خواہش پیدا ہونے لگی۔ جس کا اظہار اس وقت سامنے آیا جب ایک صحابیہ نے خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر باقاعدہ عرض کی کہ ان کے لئے بھی کچھ وقت خاص ہونا چاہئے جس میں وہ دین کی باتیں سیکھ سکیں۔ چنانچہ بقولِ حکیم الاُمّت مفتی احمد یار خان اس صحابیہ نے عرض کی: (اے اللہ کے پیارے حبیب!) مردوں نے آپ کا فَیضِ صحبت بہت حاصل کیا، ہر وقت آپ کی احادیث سنتے رہتے ہیں، ہم کو حضور کی خدمت میں حاضری کا اتنا موقع نہیں ملتا، ایک دن ہم کو بھی عطا فرمائیے کہ اس میں صرف ہم کو وعظ و نصیحت فرمایا کریں۔[1] اور آپ ہمیں وہ کچھ سکھایئے جو اللہ پاک نے آپ کو سکھایا ہے۔ چنانچہ آپ نے انہیں مخصوص جگہ پر مخصوص دن جمع ہونے کا حکم ارشاد فرمایا۔[2]

پھر اسی تعلیم و تربیت کا نتیجہ یہ نکلا کہ عورتوں کو اپنے حقیقی مقام و مرتبے کا احساس ہوا اور وہ جنت کے اعلیٰ مراتب کو پانے کے لئے مزید کوششیں کرنے لگیں جس کا واضح ثبوت ذیل کی روایت سے لگایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ

حضرت اسماء بنتِ عمیس رضی اللہ عنہا نے حضور سے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم! عورتیں بڑے نقصان میں ہیں۔ فرمایا: کیوں؟ عرض کی: ان کا ذکر بھلائی کے ساتھ ہوتا ہی نہیں جیسا کہ مردوں کا ہوتا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور مردوں کے ساتھ عورتوں کے دس مراتب ذکر کئے گئے:

اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَ الْمُسْلِمٰتِ وَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ وَ الْقٰنِتِیْنَ وَ الْقٰنِتٰتِ وَ الصّٰدِقِیْنَ وَ الصّٰدِقٰتِ وَ الصّٰبِرِیْنَ وَ الصّٰبِرٰتِ وَ الْخٰشِعِیْنَ وَ الْخٰشِعٰتِ وَ الْمُتَصَدِّقِیْنَ وَ الْمُتَصَدِّقٰتِ وَ الصَّآىٕمِیْنَ وَ الصّٰٓىٕمٰتِ وَ الْحٰفِظِیْنَ فُرُوْجَهُمْ وَ الْحٰفِظٰتِ وَ الذّٰكِرِیْنَ اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّ الذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِیْمًا ۝۳۵ (پ22، الاحزاب:35) (ترجمہ: بیشک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں اور فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں اور سچے مرد اور سچی عورتیں اور صبر کرنے والے اور صبر کرنے والیاں اور عاجزی کرنے والے اور عاجزی کرنے والیاں اور خیرات کرنے والے اور خیرات کرنے والیاں اور روزے رکھنے والے اور روزے رکھنے والیاں اور اپنی پارسائی کی حفاظت کرنے والے اور حفاظت کرنے والیاں اور اللہ کو بہت یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں ان سب کے لیے اللہ نے بخشش اور بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے۔)[3] یہ آیت جنتی عورتوں کے اوصاف اور کردار کی عکاسی کرتی ہے کہ جنتی عورتیں صبر، شکر، پرہیزگاری اور تقویٰ جیسے اوصاف سے متصف ہوتی ہیں۔

سیرتِ طیبہ کا گہرائی سے مطالعہ کیا جائے تو یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ حضور نے عورت کو معاشرتی، اخلاقی اور روحانی ہر سطح پر بلندی عطا فرمائی۔ مثلاً حضرت خدیجہ کو ان کی وفا و ایثار پر جنت میں موتی کے محل کی بشارت دی، حضرت فاطمۃ الزہرا کو جنتی عورتوں کی سردار قرار دیا اور دیگر صحابیات کو ان کے صبر، عفت اور دین کی خدمت پر جنتی خوش خبریاں دیں۔ یوں سیرتِ نبوی عورت کے لئے نہ صرف عملی راہ نمائی بلکہ جنت کی ضمانت کے اصول بھی پیش کرتی ہے۔ چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے عورتوں کی جو روحانی تربیت فرمائی، ان کے مقام کو بلند کیا اور جنت کی بشارتیں عطا فرمائیں، ذیل میں ان کا مختصر جائزہ ملاحظہ فرمائیے:

ایمان و عبادت کے ذریعہ جنت کی بشارت

حضور نے عورتوں کو ان کے عام گھریلو اور روحانی اعمال پر جنت کی خوشخبری دی: اِذَا صَلَّتِ الْمَرْاَةُ خَمْسَهَا، وَ صَامَتْ شَهْرَهَا، وَ حَفِظَتْ فَرْجَهَا، وَ اَطَاعَتْ زَوْجَهَا، قِیْلَ لَهَا: اُدْخُلِی الْجَنَّةَ مِنْ اَیِّ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ شِئْتِ جب عورت پانچ وقت کی نمازیں پڑھے، رمضان کے روزے رکھے، اپنی پاک دامنی کی حفاظت کرے اور اپنے شوہر کی فرمانبرداری کرے اس سے کہا

جائے گا کہ جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو جا۔[4]
بلاشبہ یہ حدیث جہاں عورت کے لئے جنتی مقام کی صریح دلیل ہے وہیں یہ حدیث عورت کے جنتی مقام کے بنیادی اصول بھی بیان کرتی ہے کہ عورتیں روزمرہ فرض عبادت کی ادائیگی، اپنی عصمت کی حفاظت اور شوہر کی اطاعت سے جنت کے جس دروازے سے چاہیں داخل ہو سکتی ہیں، گویا کہ حضور نے عورت کے عام گھریلو فرائض کو بھی روحانی کمال اور جنت کا ذریعہ قرار دیا جس سے عورتوں کا حقیقی مقام و مرتبہ معلوم ہوتا ہے۔ کاش! یہ بات ہر عورت جان لے کہ جنت کا حصول اس کے لئے کس قدر آسان ہے۔

عورت کے صبر اور قربانی پر جنت کی بشارت

صبر عورت کے ایمان کی بنیاد ہے اور ایک عورت کو اپنی اولاد بالخصوص بچیوں کی پرورش کے لئے بسا اوقات جس طرح کی قربانیاں دینا پڑتی ہیں، اس کا ادراک آسان نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ماں کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے اس کی قربانیوں پر جنت کی یوں بشارت عطا فرمائی: مَنِ ابْتُلِیَ مِنَ الْبَنَاتِ بِشَیْءٍ، فَأَحْسَنَ إِلَیْهِنَّ، کُنَّ لَهُ سِتْرًا مِنَ النَّارِ یعنی جس کو اللہ پاک نے لڑکیاں دی ہوں اگر وہ ان کے ساتھ احسان کرے تو وہ جہنم کی آگ سے اس کے لیے آڑ ہو جائیں گی۔[5]
حضور نے یہ ارشاد اس وقت فرمایا جب سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضور سے یہ واقعہ بیان کیا کہ ایک عورت اپنی دو لڑکیاں لے کر میرے پاس آئی اور اس نے مجھ سے کچھ مانگا، میرے پاس ایک کھجور کے سوا کچھ نہ تھا میں نے وہی دے دی، عورت نے کھجور تقسیم کر کے دونوں لڑکیوں کو دے دی اور خود نہ کھائی۔ معلوم ہوا کہ جب عورت آزمائش میں استقامت دکھاتی ہے تو اس کا صبر جنت کا دروازہ کھول دیتا ہے۔

حیا و عفت جنتی عورت کی پہچان

حیا کا تعلق اگرچہ مردوں سے بھی ہے، مگر عورت کی زینت ہی اس کی حیا ہے اور حیا کے متعلق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: حیا ایمان سے ہے اور ایمان جنت میں (لے جاتا) ہے۔[6] گویا کہ یہاں عورت کی حیا داری اور وقار کو ایمان کے لازم جزو کے طور پر سراہا گیا اور یہ حیا و پردہ داری بلاشبہ عورتوں کو جنت کا حق دار بناتی ہے، جیسا کہ حضرت عطاء بن ابو رَباح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: مجھے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کیا میں تمہیں جنتی عورت نہ دکھاؤں؟ میں نے عرض کی: کیوں نہیں۔ فرمایا: یہ حبشی عورت جب نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے پاس آئی، اس نے عرض کی: یارسولَ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم! مجھے مرگی کا مرض ہے جس کی وجہ سے میں بے پردہ ہو جاتی ہوں۔ لہٰذا آپ اللہ پاک سے میرے لئے دعا کیجئے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے فرمایا: اگر تم چاہو تو صبر کرو اور تمہارے لئے جنت ہے اور اگر چاہو تو میں اللہ پاک سے تمہارے لئے دعا کروں کہ وہ تمہیں عافیت عطا فرما دے۔ اس نے عرض کی: میں صبر کروں گی۔ پھر عرض کی: میں بے پردہ ہو جاتی ہوں، اللہ پاک سے دعا کیجئے کہ میں بے پردہ نہ ہوا کروں۔ آپ نے اس کے لئے دعا فرمائی۔[7]

عمومی بشارتیں اور خصوصیات

حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسولِ پاک صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے فرمایا: جو اس حال میں مرا کہ وہ جانتا ہو کہ اللہ پاک کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے وہ جنت میں داخل ہو گا۔[8] اسی طرح حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسولِ پاک صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا: یارسولَ اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم! مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے جو مجھ کو جنت سے قریب اور جہنم سے دور کر دے۔ آپ نے فرمایا: اللہ پاک کی عبادت کرو کہ کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ، نماز قائم کرو، زکوۃ ادا کرو اور اپنے رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرو۔ جب وہ چلا گیا تو رسولِ پاک صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے فرمایا: اگر اس نے ان باتوں پر عمل کیا تو

جنت میں جائے گی۔(9)

یہ تو عمومی مساوات ہے جس میں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں کچھ مقامات پر عورتوں کو خصوصی بشارتوں سے بھی نوازا گیا ہے جیسے دنیا کی نیک خواتین کا جنتی حوروں سے افضل مقام۔ چنانچہ حضرت اُمِّ سَلَمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے حضور سے عرض کی: دنیا کی خواتین زیادہ فضیلت رکھتی ہیں یا حورِ عین؟ تو حضور نے فرمایا: دنیا کی خواتین حورِ عین سے زیادہ فضیلت رکھتی ہیں جس طرح لباس کے بیرونی کپڑے کو اندرونی کپڑے پر فضیلت حاصل ہوتی ہے۔ میں نے عرض کی: اس کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا: ان کے نماز پڑھنے، روزہ رکھنے اور اللہ پاک کی عبادت کرنے کے سبب۔ اللہ پاک ان کے چہروں کو روشن فرمائے گا اور ان کے جسموں پر ریشمی کپڑا عطا فرمائے گا جو مختلف رنگوں کے ہوں گے۔ ان کے دھونی دان موتیوں کے اور کنگھیاں سونے کی ہوں گی۔(10)

شہید خواتین کے لئے جنت کی بشارت

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًاؕ-بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَۙ(۱۶۹) (پ4، اٰلِ عمرٰن:169) ترجمہ: اور جو اللہ کی راہ میں شہید کئے گئے ہرگز انہیں مردہ خیال نہ کرنا بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں، انہیں رزق دیا جاتا ہے۔ یہ آیت شہدائے کرام کے عمومی فضائل کو بیان کرتی ہے اور شہادت مرد اور عورت دونوں کے لئے ممکن ہے کچھ حکمی شہادتیں ہیں جیسے طاعون میں مرنے والا، ڈوب کر مرنے والا، اسی طرح عورت کے لئے بھی بشارت ہے کہ جو عورت ولادت میں مرے وہ شہید ہے۔(11)

حضور صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! بے شک کچا بچہ اپنی ماں کو اپنی نال کے ذریعے جنت کی طرف کھینچے گا جبکہ ماں ثواب کی طلبگار ہو۔(12) اس حدیثِ مبارک میں نیک اور صابر ماں کو جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ یقیناً جنت ایک ایسا گھر ہے جو نیک خواتین کا اخروی ٹھکانا ہے۔ نیک خواتین میں سب سے بلند مقام حضور کی صحابیات کا ہے۔

حضور کی مقدس بیویوں اور نیک خواتین کا جنت میں مقام

حضور کی مقدس بیویاں تمام اُمّت کی مائیں ہیں۔ اطاعت اور نیک عمل پر عام لوگوں کی نسبت دوگنا ثواب ہے۔ قرآن میں ہے: وَ مَنْ یَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَاۤ اَجْرَهَا مَرَّتَیْنِۙ-وَ اَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِیْمًا(۳۱) (پ22، الاحزاب:31) ترجمہ: اور جو تم میں اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبردار رہے اور اچھے عمل کرے تو ہم اسے دوسروں سے دگنا ثواب دیں گے اور ہم نے اس کے لیے عزت کی روزی تیار کر رکھی ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور کی مقدس بیویوں کو عام عورتوں پر فضیلت حاصل ہے۔ نیز یہاں عزت کی روزی سے جنت کی نعمتیں مراد ہیں۔(13)

اولاد کی درست پرورش پر جنت کی بشارت

رسولِ پاک صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: انسان کا بہترین مالِ وراثت تین چیزیں ہیں: 1 نیک بچہ جو اس کے لئے دعا کرے۔ 2 صدقۂ جاریہ جس کا ثواب اس تک پہنچے اور 3 وہ علم جس پر اس کے بعد عمل کیا جائے۔(14)

یہ حدیث عورتوں کے لئے جنتی بشارت کے مضمون میں اس پہلو سے اہم ہے کہ حضور نے علم و تربیت دینے والی عورت کو ایسا مقام عطا فرمایا جو مرنے کے بعد بھی باقی رہتا ہے، کیونکہ وہ علم جس پر لوگ عمل کریں، ہمیشہ کے اجر کا ذریعہ بنتا ہے۔

جنت میں خواتین کی خواہشات کی تکمیل

ایک طویل حدیث کا حصہ ہے: جنتی خواتین کہیں گی: خبردار! ہم ہمیشہ رہیں گی ہمیں کبھی موت نہیں آئے گی۔ ہم نعمتوں والی ہیں کبھی غمگین نہ ہوں گی۔ ہم یہیں قیام کرنے والی ہیں کبھی کُوچ نہ کریں گی۔ ہم راضی رہنے والی ہیں کبھی ناراض نہ ہوں گی۔ اس شخص کے لئے مبارک باد ہے جس کے لئے ہم ہوں گی اور وہ ہمارے لئے ہو گا۔ سیدہ اُمِّ سَلَمہ نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم! ہم میں سے کوئی عورت دو یا تین یا چار شادیاں کرتی ہے، پھر وہ انتقال کر کے جنت میں چلی جاتی

ہے اور وہ افراد بھی جنت میں چلے جاتے ہیں جن کے ساتھ اس عورت نے دنیا میں شادی کی تھی تو حضور نے فرمایا: اس عورت کو اختیار دیا جائے گا تو وہ اس شخص کو اختیار کرے گی جس نے اس کے ساتھ دنیا میں اچھا سلوک کیا ہو گا۔[15]

سبحان اللہ! اللہ پاک کس قدر کریم ہے کہ جنت میں بھی عورتوں کی خواہشات کو مدِّ نظر رکھا جائے گا اور انہیں اختیار عطا فرمایا جائے گا۔ اس کے علاوہ قرآن و حدیث میں کئی مقامات پر خوشخبریاں دی گئی ہیں کہ جو لوگ ایمان اور نیکی کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں اللہ پاک انہیں جنت میں ان کے خاندانی رشتوں کے ساتھ جمع فرما دے گا۔ اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے:

وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَاتَّبَعَتۡهُمۡ ذُرِّیَّتُهُمۡ بِاِیۡمَانٍ اَلۡحَقۡنَا بِهِمۡ ذُرِّیَّتَهُمۡ (پ27، الطور:21) ترجمہ: اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی (جس) اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی۔ ایک اور جگہ اللہ پاک نے ارشاد فرمایا:

جَنّٰتُ عَدۡنٍ یَّدۡخُلُوۡنَهَا وَمَنۡ صَلَحَ مِنۡ اٰبَآئِهِمۡ وَاَزۡوَاجِهِمۡ وَذُرِّیّٰتِهِمۡ (پ13، الرعد:23) ترجمہ: وہ ہمیشہ رہنے کے باغات ہیں ان میں وہ لوگ داخل ہوں گے اور ان کے باپ دادا اور بیویوں اور اولاد میں سے جو لائق ہوں گے۔ یعنی جنت میں نیک والدین اور بیوی بچوں کو ایک ساتھ رکھا جائے گا اور اللہ پاک اپنے فضل سے خاندانی رشتوں کو جنت میں بھی محفوظ اور خوش رکھے گا کیونکہ وہاں ہمیشہ خوشی ہو گی نہ جدائی نہ غم۔

خواتین کے لئے جنت کی امید اور شوق

قرآن و حدیث میں عورتوں کے لئے بھی جنت کی اتنی بشارتیں، عزتیں اور نعمتیں ہیں جتنی مردوں کے لئے ہیں۔ بے شک اللہ پاک کسی کے عمل کو ضائع نہیں فرماتا۔ مزید ترغیب کے لئے اس ارشادِ ربّانی کو پڑھیے۔ چنانچہ اللہ پاک نے قرآنِ پاک میں ارشاد فرمایا:

اَنِّیۡ لَاۤ اُضِیۡعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنۡكُمۡ مِّنۡ ذَكَرٍ اَوۡ اُنۡثٰى (پ4، اٰلِ عمرٰن:195)

ترجمہ: میں تم میں سے عمل کرنے والوں کے عمل کو ضائع نہیں کروں گا وہ مرد ہو یا عورت۔ یہ آیت خواتین کے لئے بہت بڑی امید ہے کہ وہ جو بھی نیکی کریں گی اللہ پاک کے ہاں اس کا بدلہ ملے گا اور جنت بھی۔ عورت اگر شوہر کے گھر میں صبر و خدمت گزاری سے زندگی گزارے، بچوں کی تربیت کرے، پردہ، حیا، نرمی، خوش اخلاقی، تلاوت، دعا اور ذکر جیسے نیک اعمال کو انجام دیتی رہے تو اللہ پاک ضرور اس کا بہترین اجر عطا فرمائے گا۔ آپ گھر کے کام بھی اگر اچھی نیت سے کریں گی تو یہ سب جنت کے دروازے تک پہنچا دیں گے۔ آپ دنیا میں گمنام ہو سکتی ہیں مگر اللہ پاک کے ہاں آپ کا مقام بلند ہو گا، بس نیت اللہ پاک کی رضا کی ہونی چاہیے۔

---

(1) مِرْآۃ المناجیح، 2/516 (2) بخاری، 4/510، حدیث: 7310 (3) تفسیر خازن، 3/500 (4) مسند امام احمد، 3/199، حدیث: 1661 (5) مسلم، ص1085، حدیث: 6693 (6) ترمذی، 3/406، حدیث: 2016 (7) بخاری، 4/6، حدیث: 5652 (8) مسلم، ص42، حدیث: 136 (9) مسلم، ص36، حدیث: 106 (10) معجم کبیر، 23/368، حدیث: 870 (11) ابو داود، 3/253، حدیث: 3111 ملتقطاً (12) مسند امام احمد، 36/410، حدیث: 22090 (13) تفسیر صراط الجنان، 8/13، 14 (14) ابن ماجہ، 1/157، حدیث: 241 (15) معجم کبیر، 23/368، حدیث: 870



سیرت کے آئینے میں ایک مثالی عورت کا کردار

محترمہ بنتِ یعفور رضا عطاریہ*

دنیا کی وسیع تخلیق میں عورت ایک منفرد اور باوقار مقام رکھتی ہے۔ عورت خدا کی ایک عظیم نعمت ہے جو ایک مکان کو حقیقی معنی میں گھر بناتی ہے۔ بچپن میں وہ اپنے ماں باپ اور بہن بھائیوں سے محبت کرتی ہے، شادی کے بعد شوہر کی رفیقِ حیات بنتی ہے اور ماں بن کر اپنی اولاد کے لئے سراپا شفقت بن جاتی ہے۔ الغرض عورت معاشرے میں محبت، تربیت، ایثار اور قربانی کی علامت ہے۔ مگر افسوس! دینِ اسلام سے قبل یہی عورت ظلم و ستم میں گھری ہوئی تھی۔ اس کی کوئی عزت تھی نہ معاشرے میں کوئی وقعت۔ عورت کو میراث میں سے کوئی حصہ دیا جاتا تھا نہ وہ کسی مال ومتاع کی مالک سمجھی جاتی تھی۔ اگر وہ اپنی محنت سے کچھ کماتی تو وہ بھی اس کی ملکیت میں نہ رہتا بلکہ مرد اسے چھین لیتے تھے۔ مردوں کی نظر میں اس کی کوئی حیثیت نہ تھی، بلکہ معمولی باتوں پر اسے مارا پیٹا جاتا۔ بیٹی کی پیدائش کو باعثِ عار سمجھا جاتا، یہاں تک کہ بعض اوقات بیٹی کو زندہ دفن کر دیا جاتا۔ پورے معاشرے میں عورت کی کوئی شناخت اور عزت نہ تھی اور صدیوں تک وہ یہ مظالم سہتی رہی۔ لیکن جب ہمارے پیارے نبی نے اعلانِ نبوت فرمایا تو دنیا بھر کی ستائی ہوئی عورتوں کی قسمت کا ستارہ چمک اٹھا۔ اسلام نے عورت کو وہ بلند مقام عطا کیا کہ زندگی کے تقریباً تمام معاملات اور عبادات میں اسے باعزت حیثیت دی گئی۔ عورتوں کے حقوق متعین کیے گئے، میراث میں ان کا حصہ مقرر ہوا، مہر کے ذریعے انہیں مال وجائیداد کا حق دار بنایا گیا۔ مردوں کو ان کے معاملے میں اللہ پاک سے ڈرنے اور حسنِ سلوک کا حکم دیا گیا۔ الغرض دینِ اسلام نے عورت کو ایک نئی پہچان، عزت اور تحفظ عطا کیا۔

سیرتِ نبوی میں عورت کا احترام

حضور کی سیرتِ طیبہ اعلیٰ اخلاق اور کامل صفات کا حسین مجموعہ ہے۔ سیرتِ طیبہ میں متعدد مواقع پر حضور کا خواتین کے ساتھ شفقت، محبت اور عزت واحترام کا طرزِ عمل نمایاں طور پر ملتا ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ بیان فرماتی ہیں کہ جب حضرت فاطمہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوتیں تو حضور ان کے استقبال کے لئے کھڑے ہو جاتے، ان کا ہاتھ تھامتے، بوسہ دیتے اور اپنی جگہ پر بٹھاتے۔ (1)

سبحان اللہ! یہ ہے ادائے مصطفےٰ کہ شہزادی صاحبہ حاضرِ خدمت ہوتیں تو عزت افزائی کے لئے حضور خود قیام فرماتے، پھر شفقت

* لاہور

کے ساتھ ان کا ہاتھ تھام کر بوسہ دیتے۔ اسی طرح غزوۂ حنین کے موقع پر قیدیوں میں حضور کی رضاعی بہن حضرت شیماء بھی شامل تھیں۔ حضور نے انہیں خوش آمدید کہا اور فرمایا: چاہو تو یہاں عزت و محبت کے ساتھ قیام کرو اور چاہو تو صلہ رحمی کرتے ہوئے تمہیں تمہاری قوم کے پاس واپس بھیج دیتا ہوں۔ انہوں نے اپنی قوم کی طرف لوٹنے کی درخواست کی اور اسلام قبول کر لیا۔ اس پر حضور نے انہیں تین غلام، ایک باندی اور ایک یا دو اونٹ عطا فرما کر رخصت فرمایا۔[2]

اسی طرح حجۃ الوداع کے موقع پر آخری خطبے میں حضور نے مردوں کو عورتوں کے حقوق ادا کرنے اور ان کے ساتھ حُسنِ سلوک کی وصیت فرمائی اور ارشاد فرمایا: خبردار! عورتوں کے بارے میں میری نصیحت قبول کرو، وہ تمہارے پاس اللہ پاک کی امانت ہیں اور سن لو! عورتوں کا تم پر حق ہے کہ تم کھانے اور لباس کے معاملے میں ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔[3]

مثالی خاتون کا تصور

سیرتِ نبوی کی روشنی میں مثالی خاتون کا تصور محض گھریلو کردار تک محدود نہیں بلکہ ایمان، کردار اور ذمہ داری کے توازن پر قائم ہے۔ ایک مثالی خاتون وہ ہے جو اللہ پاک اور اس کے رسول پر کامل ایمان رکھتی ہو، عقیدے میں پختہ اور عمل میں سنجیدہ ہو۔ وہ عبادات کی پابند، نماز و روزے کی اہتمام کرنے والی اور حلال و حرام کا شعور رکھنے والی ہو۔

مثالی خاتون اچھے اخلاق کی حامل ہوتی ہے، اس کی گفتگو میں نرمی، رویے میں وقار اور معاملات میں حکمت پائی جاتی ہے۔ وہ علمِ دین حاصل کرنے کی رغبت رکھتی ہے اور اپنی زندگی کو علم و عمل دونوں سے سنوارتی ہے۔ شرم و حیا اس کا زیور اور عفت و عصمت اس کی پہچان ہوتی ہے۔

وہ اپنے والدین کی خدمت گزار اور فرمانبردار ہوتی ہے اور اگر شادی شدہ ہو تو شوہر کے حقوق ادا کرنے والی، اس کی رفیقہ اور مددگار بنتی ہے۔ بچوں کی تربیت کو وہ عبادت سمجھ کر انجام دیتی ہے۔ صبر و تحمل اور حکمت کے ساتھ گھریلو ذمہ داریاں نبھاتی ہے۔ مشکلات اور آزمائشوں میں گھبراہٹ کے بجائے صبر و استقامت کا دامن تھامے رکھتی ہے۔

الغرض مثالی خاتون وہ ہے جو اپنی ذات، گھر اور معاشرے میں سیرتِ نبوی کے اصولوں کو عملی صورت دے۔ وہ خاموشی کے ساتھ دین کی نمائندہ بنتی ہے اور اپنے کردار کے ذریعے اسلام کی خوبصورتی کو ظاہر کرتی ہے۔

سیرت کی روشنی میں چند مثالی خواتین

سیرتِ نبوی اور تاریخِ اسلام میں کئی ایسی عظیم خواتین کا تذکرہ ملتا ہے جنہوں نے ایمان، قربانی، صبر اور وفاداری کی ایسی روشن مثالیں قائم کیں جو قیامت تک کے لئے مشعلِ راہ ہیں۔ ان خواتین کی زندگیاں اس بات کا عملی ثبوت ہیں کہ اسلام میں عورت کا کردار محدود نہیں بلکہ دین کے فروغ اور تحفظ میں نہایت مؤثر ہے۔

سب سے پہلے ام المومنین حضرت خدیجہ کا ذکر آتا ہے، جو ایمان لانے والی پہلی خاتون اور حضور کی سب سے بڑی مددگار تھیں۔ جب ساری دنیا نے حضور کو جھٹلایا، اس وقت انہوں نے تصدیق کی؛ جب سب نے ساتھ چھوڑا، اس وقت انہوں نے اپنا مال، جان اور حوصلہ نبی پر قربان کیا۔ جیسا کہ ایک روایت میں ہے: خدا کی قسم! خدیجہ سے بہتر مجھے کوئی بیوی نہیں ملی؛ جب لوگوں نے ایمان لانے سے انکار کیا اس وقت وہ مجھ پر ایمان لائیں اور جب سب لوگ مجھے جھٹلا رہے تھے اس وقت انہوں نے میری تصدیق کی اور جس وقت کوئی شخص مجھے کوئی چیز دینے کے لئے تیار نہ تھا اس وقت خدیجہ نے مجھے اپنا سارا مال دے دیا اور انہی کے شکم سے اللہ پاک نے مجھے اولاد عطا فرمائی۔[4] بلاشبہ سیدہ خدیجہ کی وفاداری، ایثار اور اعتماد ہر مسلمان عورت کے لئے مثالی نمونہ ہے۔

اسی طرح سیدہ فاطمہ جو سادگی، قناعت اور صبر کی عملی تصویر تھیں، مشقت اور تنگی کے باوجود اللہ پاک کی رضا پر راضی رہیں

اور یہی اوصاف انہیں مثالی خاتون بناتے ہیں۔

حضور جب نماز کے لئے جاتے ہوئے سیدہ فاطمہ کے گھر سے چکی چلنے کی آواز سنتے تو دعا فرماتے: یاارحم الراحمین! فاطمہ کو ریاضت اور قناعت کی جزا عطا فرما اور اسے حالتِ فقر پر ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا فرما۔(5)

دیکھیے! حضور اپنی لختِ جگر کی سادہ اور محنت کش زندگی دیکھ کر دعا کر رہے ہیں کہ اللہ پاک اس کی صبر، استقامت اور قناعت کو قائم رکھے، نہ کہ مشقت دور کرے۔ اس سے ہمیں یہ سیکھنے کو ملتا ہے کہ ایک مثالی عورت وہ ہے جو دنیا کی آسائشوں میں نہ بہے، بلکہ سادہ زندگی گزارے، قناعت اختیار کرے اور صبر و استقامت کے ساتھ ہر کام انجام دے۔ سیدہ فاطمہ نے یہ وصف عملی طور پر پیش کیا اور یہی وجہ ہے کہ آپ ہر دور کی خواتین کے لئے روشن مثال ہیں۔

مشہور محدث و تابعی، امام شہاب الدین زہری روایت کرتے ہیں کہ حضور کا ارشاد ہے: اس امت کی تمام عورتوں، بشمول ازواجِ نبی کے علم کو اگر جمع کر لیا جائے تو عائشہ کا علم ان سب سے زیادہ ہو گا۔(6) یہ بیان حضور کی طرف سے سیدہ عائشہ کے علم و دانش کی اعلیٰ منزلت کو ظاہر کرتا ہے۔ علم کی بنیاد پر آپ کو تمام عورتوں پر سبقت دی گئی اور یہی ایک مثالی خاتون ہونے کی علامت ہے۔ ہمیں یہاں سے سبق ملتا ہے کہ ایک مثالی عورت بننے کے لئے صرف علم حاصل کرنا کافی نہیں، بلکہ اس پر عمل کرنا بھی لازم ہے۔ سیدہ عائشہ کی متعدد مقامات پر تعریف کی گئی اور آپ سے کئی احادیث و آیات کی تفسیر منقول ہوئی۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ علم و عمل کا امتزاج عورت کی شخصیت کو مکمل اور مثالی بناتا ہے اور خواتین کے لئے سیرتِ نبوی کی روشنی میں یہ راہ نمائی کا بہترین نمونہ ہے۔

ایک واقعہ حضرت اسماء بنتِ ابو بکر کی بے مثال ہمت اور صبر کی بہترین تصویر پیش کرتا ہے۔ وہ بتاتی ہیں کہ جب محبوبِ رحمن صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم اور ان کے والد محترم حضرت ابو بکر صدیق ہجرت کے لئے روانہ ہوئے تو قریش کا ایک گروہ جس میں ابو جہل بھی شامل تھا، ان کے گھر کے دروازے پر کھڑا ہو گیا۔ انہوں نے بہادری کے ساتھ سوال کا جواب دیا کہ میں نہیں جانتی اور اس پر ابو جہل نے اتنی شدت سے تھپڑ مارا کہ ان کے کان کی بالی دور جا گری۔(7) یہ چھوٹا سا واقعہ دین کے لئے قربانی اور استقامت کا عظیم سبق ہے۔ حضرت اسماء نے حضور کی حفاظت اور دینِ اسلام کی خاطر اپنے خوف و راحت کو پسِ پشت ڈال دیا۔ یہاں سے ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ ایک مثالی عورت وہ ہے جو اپنے دین پر ثابت قدم رہتی ہے، ہر مشکل و خطرے کے باوجود ہمت نہیں ہارتی اور قربانی دینے سے کبھی نہیں گھبراتی۔ یہ صبر، استقامت اور یقین کا عملی مظاہرہ ہے جو ہر مسلمان خاتون کے لئے راہ نمائی کا بہترین نمونہ ہے۔

حضرت خنساء کا یہ واقعہ آپ کی بے مثال ہمت، ایمان اور صبر کی روشن تصویر پیش کرتا ہے کہ جنگِ قادسیہ سے ایک روز قبل آپ نے اپنے چاروں شہزادوں کو نصیحت کی: میرے پیارے بیٹو! تم اپنی خوشی سے مسلمان ہوئے اور اپنی ہی خوشی سے ہجرت کی۔ اس ذات کی قسم! جس کے سوا کوئی معبود نہیں، تم ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہو، میں نے تمہارے نسب کو خراب نہیں کیا۔ تمہیں معلوم ہے کہ اللہ پاک نے کفار سے مقابلہ کرنے والے مجاہدین کے لئے عظیم الشان ثواب رکھا ہے۔ جنگ میں حضرت خنساء کے چاروں بیٹے بڑھ چڑھ کر مقابلہ کرنے لگے اور یکے بعد دیگرے شہادت پا گئے۔ جب ان کی والدہ محترمہ کو خبر پہنچی تو انہوں نے غم میں ڈوبنے کے بجائے کہا: اس پیارے اللہ پاک کا شکر ہے جس نے مجھے چار شہید بیٹوں کی ماں بننے کا شرف عطا فرمایا۔ مجھے امید ہے کہ میں بھی اللہ پاک کی رحمت سے ان چاروں کے ساتھ جنت میں رہوں گی۔(8) اس سے ہمیں معلوم ہوا کہ ایک مثالی عورت ایمان، صبر اور قربانی میں کس حد تک ثابت قدم ہو سکتی ہے۔ حضرت خنساء نے اپنے چار بیٹوں کی قربانی پر صبر اور شکر دونوں کو یکجا کیا اور دینِ اسلام کے لئے ایک عظیم مثال قائم کی۔ ان کی یہ ہمت اور شکر

گزاری آج بھی خواتین کے لئے روشن درس ہے کہ ایمان اور دین کی خاطر قربانی دینا اور صبر کرنا حقیقی عظمت ہے۔

سیرت میں مثالی خاتون کے اوصاف

ایک مثالی خاتون وہ ہے جو اللہ اور اس کے رسول پر پختہ ایمان اور کامل یقین رکھتی ہو۔ وہ باحیا ہو اور اپنی عفت و عصمت کی حفاظت کرتی ہو۔ اس کے اندر علم کا شوق اور بصیرت موجود ہو، کیونکہ اپنی ضرورت کے مطابق علمِ دین حاصل کرنا ہر عورت پر فرض ہے۔ ایک مثالی خاتون مصائب و مشکلات میں صبر و استقامت سے کام لیتی ہے اور مشکل حالات میں شکایت کرنا اس کا طریقہ نہیں ہوتا۔ وہ تقویٰ اور پرہیز گاری اختیار کرتی ہے۔ وہ اللہ و رسول اور اپنے اہلِ خانہ سے محبت رکھتی ہے۔ وہ گھر کے کاموں میں کوتاہی نہیں کرتی بلکہ اپنی ذمہ داریاں بخوبی ادا کرتی ہے۔ شوہر کی فرمانبرداری اس کی شان ہے، کیونکہ حضور نے فرمایا کہ جو عورت اس حال میں مرجائے کہ اس کا شوہر اس سے راضی ہو، وہ جنت میں جائے گی۔[9] وہ صدقہ و خیرات کے ذریعے دوسروں کی مدد کرتی ہے، جیسا کہ حضور عید پر عورتوں کی جماعت کے پاس سے گزرتے ہوئے ارشاد فرماتے: اے بیبیو! خوب خیرات کرو۔[10] مزید برآں، ایک مثالی خاتون علمِ دین حاصل کر کے اسے دوسروں تک پہنچانے کا ذریعہ بھی بنتی ہے۔ سیرتِ مبارکہ سے درس ملتا ہے کہ علمِ دین کی ترویج میں خواتین کو اہم کردار حاصل ہے اور یہ عمل انہیں حقیقی شرافت اور معاشرتی خدمت سے ممتاز کرتا ہے۔

ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم آج کے دور کے جدید چیلنجز میں بھی اپنی دینی تعلیمات کو نہ بھولیں۔ موجودہ زمانے میں دینی وقار کی حفاظت بہت ضروری ہے، کیونکہ بعض مسلمان مغربی کلچر سے متاثر ہو کر اپنے اسلاف کے طریقے اور اسلامی روایات کو پسِ پشت ڈال دیتے ہیں۔ جہاں اس وقار کی حفاظت مشکل ہے، وہاں اس کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔ ایک خاتون کا حقیقی وقار انہی اوصاف میں ہے جو ایک مثالی خاتون میں پائے جاتے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ اپنی روزمرہ زندگی میں مثالی خاتون کے اوصاف پر غور کریں کہ کیا ہم ان اوصاف کی حامل ہیں یا نہیں، اگر نہیں تو ہمیں انہیں اپنی زندگی میں نافذ کرنا چاہیے۔ سیرت کا مطالعہ اس میں بے حد مددگار ہے، کیونکہ ان عظیم خواتین کے ایمان اور پختہ یقین کو پڑھ کر ہم بھی اپنے دل میں اس کی مٹھاس محسوس کریں گی۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ عبادات و معاملات میں مثالی خواتین کے طرزِ عمل کو اپنائیں، حیا، عفت اور عزتِ نفس کی حفاظت کریں اور مصائب و مشکلات میں صبر و استقامت اختیار کریں۔

آج کے پرفتن دور میں سوشل میڈیا، تعلیمی ادارے اور بعض گھروں میں اسلامی کردار کی کمی ہے۔ سوشل میڈیا کی رسائی تقریباً ہر گھر تک ہے، مگر وہ بے حیائی اور غیر اسلامی روایات کی ترویج کرتا ہے۔ تعلیم کے ادارے بھی بعض اوقات انہی رویوں کو اپناتے ہیں۔ گھر میں بھی اسلامی کردار کی تربیت لازمی ہے، کیونکہ موجودہ اور اگلی نسل کی تربیت خواتین کے ہاتھ میں ہے۔ سوشل میڈیا استعمال کرتے وقت صرف ضروری مواد دیکھیے اور اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی گزاریئے۔

مثالی خاتون کا کردار عین سیرتِ نبوی کا آئینہ ہے۔ ہم سیرت میں مثالی خواتین کے کردار پر عمل کر کے آج بھی مثالی خاتون بن سکتی ہیں۔ اللہ پاک ہمیں ان تمام باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اٰمین بجاہِ النّبیِّ الْاَمین صلی اللہ علیہ والہ وسلم

---

1. ابوداود، 4/454، حدیث:5217
2. سبل الہدی والرشاد، 5/333
3. ترمذی، 2/387، حدیث:1166
4. مواہب لدنیہ مع شرح زرقانی، 4/372، سیرتِ مصطفی، ص 654
5. فیضان سیدہ فاطمۃ الزہرا، ص13
6. فیضان عائشہ صدیقہ، ص32
7. صحابیات وصالحات کے اعلیٰ اوصاف، ص220
8. اسد الغابہ، 7/100، 101
9. ترمذی، 2/384، حدیث:1164
10. بخاری، 1/493، حدیث:1462

خواتین کی معاشرتی ذمہ داریاں





سیرتِ نبوی کی روشنی میں خواتین کی ذمہ داریاں

محترمہ عالمہ وحافظہ ام محمد ابراہیم*

سیرتِ نبوی خواتین کے لئے ایسا کامل نمونہ اور روشن راستہ ہے جو انہیں زندگی کے ہر میدان میں راہ نمائی فراہم کرتا ہے۔ اسلام نے عورت کو دینی، اخلاقی، خاندانی اور معاشرتی ذمہ داریوں کے لئے باعزت مقام اور مضبوط اختیار عطا کیا۔ جاہلیت کے تاریک دور سے نکل کر عورت حضور کی تعلیمات کے زیرِ سایہ عبادت، علم، تربیتِ اولاد اور خدمتِ خلق کے میدانوں میں نمایاں ہوئی اور اپنی اہلیت کو ایمان، اخلاق اور کردار کے ذریعے منوایا۔ حضرت خدیجہ کی مالی واخلاقی تائید، حضرت عائشہ کی علمی بصیرت اور حضرت فاطمہ کی تربیتی عظمت اس حقیقت کی گواہ ہیں کہ عورت گھر اور معاشرے کی بنیاد ہے۔

اسلام سے قبل اور بعد عورت کا مقام

عہدِ جاہلیت میں عورت کو کوئی معاشرتی حیثیت حاصل تھی نہ بنیادی حقوق۔ اسے وراثت سے محروم رکھا جاتا، نکاح وطلاق میں اس کی رائے بے معنی سمجھی جاتی اور لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے جیسے سنگدلانہ رواج عام تھے۔ حضور نے اس پست تصور کو بدل کر عورت کو عزت، مقام اور روحانی واخلاقی برابری عطا کی۔ سیرتِ طیبہ واضح کرتی ہے کہ عورت گھر اور معاشرے دونوں میں اہم کردار ادا کرتی ہے اور حضور نے اس کردار کو احترام، شفقت اور حکمت سے مضبوط بنیادیں عطا فرمائیں۔ لہٰذا عورت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ہر رشتے اور مقام پر سیرتِ نبوی کی روشنی میں اپنا کردار ادا کرے، تاکہ گھر اور معاشرہ دونوں سنور سکیں۔

دینی ذمہ داریاں

ایمان وعبادات

قرآنِ کریم مرد وعورت دونوں کو نیک اعمال کے برابر ثمرات کی بشارت دیتا ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ فضیلت کا معیار تقویٰ اور عمل ہے۔ ابتدائی دورِ اسلام میں صحابیات نے ایمان کی حفاظت کے لئے بے مثال قربانیاں دیں۔ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا نے ظلم وستم کے باوجود حق پر ثابت قدم رہ کر پہلی شہیدہ ہونے کا اعزاز پایا۔(1) سیرتِ نبوی میں خواتین کو نماز، روزہ، زکوٰۃ اور دیگر عبادات میں برابر کا شریک قرار دیا گیا۔ ایک حدیث شریف میں حضور نے فرمایا کہ جب عورت مسجد جانے کی اجازت مانگے تو اسے نہ روکو۔(2)

حضور کے زمانۂ مبارک میں خواتین کو مساجد میں آکر نماز

* پی ایچ ڈی اسکالر
گرین انٹرنیشنل یونیورسٹی لاہور

ادا کرنے کی اجازت تھی، مگر بعد میں حالات کی تبدیلی پر حضرت عمر نے انہیں آنے سے روک دیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ نے بھی فرمایا کہ اگر حضور آج کے حالات دیکھ لیتے تو ضرور منع فرماتے۔ اسی بنا پر فقہائے کرام نے فرمایا کہ اب خواتین کے لئے کسی بھی نماز کی جماعت میں حاضری مناسب نہیں، چاہے مسجد ہو یا کوئی ہال، چاہے فرض نماز ہو، جمعہ ہو، عیدین ہوں یا نوافل۔[3] تاہم ان روایات سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ سیرتِ نبوی میں خواتین کی عبادت اور دینی ذمہ داری کو اہم مقام حاصل تھا۔

سیرتِ طیبہ میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عبادت و تقویٰ ایک روشن مثال ہے، جو راتوں کو عبادت میں مصروف اور دنیاوی سادگی کے باوجود روحانی عظمت کا پیکر تھیں۔[4] اسی طرح امہات المومنین اور دیگر صحابیات کا ذوقِ عبادت بھی خواتین کے لئے عملی نمونہ ہے۔ حضور نے حمنہ بنتِ جحش رضی اللہ عنہا کو یہ ہدایت فرمائی کہ عبادت میں طاقت کے مطابق میانہ روی اختیار کریں،[5] جس سے عورت کی عبادت کو سہل اور آسان بنایا گیا۔ چنانچہ خواتین کی دینی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے ایمان کو مضبوط کریں، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور دیگر فرائض کی پابندی کریں نیز سنتوں پر عمل کر کے اپنی روحانی ترقی کو یقینی بنائیں۔ اس طرح وہ اپنی عبادات کے ذریعے معاشرے میں نیکی اور تقویٰ کا پیغام پھیلا سکتی ہیں۔

حصولِ علمِ دین

حضور نے علمِ دین کے حصول کو ہر مسلمان کے لئے فرض قرار دیا ہے۔ ارشادِ نبوی ہے: علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔[6] اس جامع حکم میں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں، جس سے واضح ہوتا ہے کہ دین کی بنیادی سمجھ، اس کے احکام اور اس کا سلیقہ سیکھنا ہر مسلمان عورت کی بھی اسی طرح ضرورت ہے جس طرح مرد کی۔ یہی علم انسان کو ہدایت، کامیابی اور صحیح طرزِ زندگی تک پہنچاتا ہے۔

سیرتِ طیبہ پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے اپنے گھرانے کو علم کا مرکز بنا دیا تھا۔ ازواجِ مطہرات خصوصاً حضرت عائشہ صدیقہ دین کی بڑی معلمہ تھیں۔ آپ حضور سے مسائل سیکھتیں، پھر صحابہ و صحابیات کو ان کی تعلیم دیتیں۔ حضرت عائشہ نے نہ صرف سینکڑوں احادیث محفوظ کیں بلکہ فقہ، تفسیر اور معاشرتی معاملات میں غیر معمولی بصیرت کی نعمت و علمی خدمات اس حقیقت کو مضبوط کرتی ہیں کہ عورت علم حاصل کرنے کے ساتھ اسے آگے پہنچانے کی بھی بھرپور اہلیت رکھتی ہے۔

عہدِ نبوی میں خواتین کی علمی طلب کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے خود درخواست کی کہ یا رسول اللہ! ہمارے لئے ایک دن تعلیم کے لئے مخصوص فرمایئے۔ حضور نے ان کی درخواست قبول فرمائی اور ان کے لئے جداگانہ وقت مقرر کر دیا۔[7] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خواتین کی تعلیم حضور کی خصوصی توجہ کا حصہ تھی۔ اسی تربیت کے نتیجے میں صحابیات عبادات، معاملات، طہارت اور معاشرت کے پیچیدہ مسائل تک بلا جھجک پوچھتی تھیں اور حضور نہایت شفقت سے ان کی راہ نمائی فرماتے تھے۔

یہ تمام شواہد بتاتے ہیں کہ حضور نے عورتوں کی تعلیم و تربیت کے لئے ہر اعتبار سے بہترین عملی اقدامات فرمائے اور انہیں بھی شعور و آگاہی کے گلشن سے اپنے ظاہر و باطن کو مہکانے اور دینِ اسلام کی روشنی سے اپنے گھر اور معاشرے کو منور کرنے کا بھرپور موقع عطا فرمایا۔

آج کے دور میں بھی علمِ دین کے ذرائع بے شمار ہیں۔ خواتین گھروں میں قرآن خوانی، ذکر و اذکار، سیرت النبی اور دینی مطالعے کی محافل کا اہتمام کر کے اپنے خاندان کے لئے دینی ماحول تشکیل دے سکتی ہیں۔

اسی طرح دینی دروس، آن لائن کلاسز اور مدنی چینل جیسی سہولتیں علمِ دین کے حصول کو مزید آسان بنا دیتی ہیں۔ الغرض اسلامی تعلیمات کی روشنی میں عورت کا علمی سفر نہ صرف ممکن

ہے بلکہ اس کی دینی واخلاقی ذمہ داری بھی ہے۔

نیکی کی دعوت اور برائی سے روکنا

سیرتِ نبوی کی روشنی میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر خواتین کی ایک نہایت اہم اور باوقار دینی ذمہ داری ہے۔ حضور نے عورتوں کو بھی نیکی کے فروغ اور برائی سے روکنے کے فریضے میں شریک کیا۔ ازواجِ مطہرات اور صحابیات کے عملی نمونے یہ ثابت کرتے ہیں کہ عورت اپنے گھر، خاندان اور معاشرے میں دینی ماحول قائم رکھنے میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ اسی ذمہ داری کے تحت عورت اپنے اہلِ خانہ کی اصلاح، بچوں کی دینی تربیت، شوہر کی خیر خواہی، پڑوسی خواتین میں نیکی کی دعوت اور معاشرتی برائیوں کے سدِّباب میں مؤثر کردار ادا کر سکتی ہے۔

قرآنِ مجید میں جہاں ایمان والوں کو نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کا حکم دیا گیا ہے، وہاں عورتوں کا بھی مستقل ذکر شامل ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے: يَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (پ10، التوبۃ: 71) ترجمہ: بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دعوتِ دین مرد وعورت دونوں کی یکساں ذمہ داری ہے۔

عہدِ نبوی اور دورِ صحابہ میں خواتین اس فریضے کو نہایت ذمہ داری سے انجام دیتی تھیں اور معاشرتی اصلاح میں ان کا کردار نمایاں تھا۔ نیز ان کی رائے اور اصلاحات کو قبول بھی کیا جاتا تھا، جس کی روشن مثال حضرت عمر فاروق کے دور میں نظر آتی ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے خطبہ میں فرمایا کہ عورتوں کا حق مہر 40 اوقیہ سے زیادہ نہ رکھا جائے۔ اس پر ایک عورت بولی: اے امیر المومنین! اللہ پاک فرماتا ہے: وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا (پ4، النسآء: 20) ترجمہ: اور تم اسے ڈھیروں مال دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ واپس نہ لو۔ یہ سن کر حضرت عمر نے فرمایا: ایک عورت نے درست کہا اور ایک مرد نے غلطی کی۔[8] یہ واقعہ خواتین کے علمی شعور اور اصلاحی کردار کی عظیم مثال ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ خواتین علمِ دین سیکھیں اور اسے اپنے گھر اور معاشرے میں نیکی کے فروغ کے لئے استعمال کریں۔ کیونکہ وہ مختلف مؤثر طریقوں سے اس فریضے کو پورا کر سکتی ہیں، مثلاً: گھر کے اندر نماز، قرآن، اخلاق اور اسلامی آداب کا ماحول قائم کرنا، شوہر اور بچوں کی اصلاح نرمی، محبت اور حکمت کے ساتھ کرنا، خاندان اور پڑوس کی خواتین تک دینی باتیں پہنچانا اور انہیں غیر شرعی رسومات سے بچنے کی راہ نمائی کرنا، نیز واٹس ایپ گروپس اور دیگر سوشل نیٹ ورکس پر صرف مستند دینی مواد، باحوالہ احادیث اور بزرگوں کے معتبر اقوال شیئر کرنا؛ یہ سب وہ مؤثر طریقے ہیں جن کے ذریعے خواتین اپنے گھرانے اور معاشرے میں نیکی پھیلانے اور برائیوں کی روک تھام کا عملی فریضہ ادا کر سکتی ہیں۔

خاندانی وتربیتی ذمہ داریاں

بحیثیتِ بیوی

خاندانی وتربیتی ذمہ داریاں خواتین کی زندگی میں اہم کردار ادا کرتی ہیں، خاص طور پر بیوی کی حیثیت سے۔ حضور نے فرمایا: بہترین انسان وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لئے بہترین ہو اور میں اپنے گھر والوں کے لئے بہترین ہوں۔[9] بیوی کا فرض ہے کہ وہ شوہر کے ساتھ عزت، محبت اور تعاون کے ساتھ پیش آئے، گھر کے ماحول کو پرسکون اور محبت بھرا بنائے اور گھریلو ذمہ داریوں کو خوش اسلوبی سے نبھائے۔ امہات المومنین، خصوصاً حضرت خدیجہ نے اسلام کے ابتدائی ایام میں اپنی دولت، عقل اور جذبہ ایمانی سے حضور کی حمایت کی اور گھر کو ایک مثالی مقام بنایا۔ حضرت عائشہ بھی اپنی محبت، وفاداری اور گھریلو ذمہ داریوں کے اعتبار سے ایک بہترین خاتون تھیں، یہی حال تمام ازواجِ مطہرات کا تھا، چنانچہ ان پاکیزہ ازواج کی سیرت واضح کرتی ہے کہ ہر بیوی کے لئے ضروری ہے کہ وہ شوہر کے حقوق ادا کرے، گھر میں سکون قائم کرے اور اسلامی حدود کے اندر ازدواجی زندگی کو مضبوط بنائے۔ حضور نے اپنی ازواج کے ساتھ نرمی، شفقت

اور محبت سے پیش آنے کی تعلیم دی، گھریلو کاموں میں مدد فرمائی اور ان کی ضروریات کا خیال رکھا۔

حضور کی تعلیمات کی روشنی میں خواتین گھر کی نظامت، بچوں کی تربیت اور شوہر کی راحت کا خیال رکھ کر ایک مثالی ماحول قائم کر سکتی ہیں، کھل کر بات چیت کر سکتی ہیں، مسائل سن سکتی ہیں اور گھر کو محبت، سکون اور نیکی کا مرکز بنا سکتی ہیں۔ گھر کے اخراجات کا انتظام، گھریلو معاملات کی تنظیم اور خاندانی فیصلوں میں شوہر کے ساتھ تعاون بھی بیوی کے فرائض میں شامل ہیں، جو خاندان کو مضبوط اور باہمی محبت و تعاون سے معمور کرتے ہیں۔

بحیثیتِ ماں

بحیثیتِ ماں ایک عورت بچوں کی پہلی معلمہ ہوتی ہے جو ان کی دینی، اخلاقی اور معاشرتی تربیت میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ حضور نے فرمایا: ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے[10] پھر والدین ہی اس کی تربیت کرتے ہیں جس سے بچوں کی شخصیت اور کردار بنتا ہے۔ حضرت فاطمہ نے حضرات حسن و حسین اور زینب کی تربیت میں بہترین نمونہ قائم کیا، انہیں قرآن و دین کی تعلیم کے ساتھ نیکی، ایمانداری اور اخلاق سکھائے۔

موجودہ دور میں ماں کا کردار اور بھی اہم ہو گیا ہے، کیونکہ بچوں پر معاشرتی اور ثقافتی اثرات بڑھ گئے ہیں۔ ماں بچوں کو دینی تعلیم کے ساتھ جدید علوم سے بھی روشناس کرائے، وقت کی اہمیت، محنت اور دوسروں کے ساتھ حسنِ سلوک سکھائے۔ گھر میں قرآن خوانی، دینی واقعات سنانا، عبادات کی اہمیت سکھانا اور نبی کریم کی سیرت سے واقف کرانا بچوں کی تربیت کے مؤثر ذرائع ہیں۔ علاوہ ازیں، بچوں کے ساتھ وقت گزار کر ان کا اعتماد بڑھایا جاسکتا ہے اور انہیں زندگی کے چیلنجز کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار کیا جاسکتا ہے۔ اس طرح ماں ایک محفوظ اور پر سکون ماحول قائم کر کے بچوں کی دنیا و آخرت کی کامیابی کی بنیاد رکھتی ہے۔

بحیثیتِ بیٹی

سیرتِ طیبہ میں بیٹی کو برکت اور رحمت قرار دیا گیا ہے؛ گھر میں اس کی حقیقی برکت و رحمت کا ظہور تب ہوتا ہے جب بیٹی سیرت مبارکہ کی روشنی میں اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنے والی ہو، بیٹی اگر شرم و حیا کی پیکر، والدین کی فرمانبردار، با اخلاق اور گھر و خاندان کی عزت و ناموس کا پاس رکھنے والی ہو تو اس کی برکت و رحمت کو چار چاند لگ جاتے ہیں، ایسی بیٹیاں ماں باپ کا فخر، خاندان کا شرف اور معاشرے کا وقار بن جاتی ہیں۔

سیرتِ نبوی کی روشنی میں بیٹی کی چند بنیادی ذمہ داریاں

والدین کا ادب، احترام اور فرمانبرداری بجالائے۔ کمزور اور تنگ دست باپ پر اپنی فرمائشوں کا بوجھ نہ لادے۔ والدین کے جذبات کا احساس کرے، ان کی خوشی غمی میں شریک ہو اور ان کے حوصلے کو بڑھائے۔ شرم و حیا کو اپنائے کہ بیٹی کی حیا گھر کے ماحول میں پاکیزگی کا شہد گھولتی ہے اور بھلائی کے راستے ہموار کرتی ہے۔ گھر کے کاموں میں والدہ، بہنوں اور بھائیوں کا ہاتھ بٹائے۔ چھوٹے سے لے کر بڑے تک گھر کے ہر فرد سے اخلاق و محبت سے پیش آئے۔ اپنی نرمی، محبت، ادب اور حسنِ کردار سے گھر والوں کے دل میں خوشی پیدا کرے اور ان کی دعائیں حاصل کرے۔ بیٹی کی جانب سے یہ امور اس کے گھر کو نور، سکون اور محبت سے بھر دینے کے لئے کافی ہیں۔

بحیثیت فردِ خاندان

خاندان کے فرد کی حیثیت سے ہر عورت کی ذمہ داری ہے کہ وہ صلہ رحمی اور خاندانی تعلقات کو مضبوط کرے۔ خواتین گھر میں مرکزی مقام رکھتی ہیں اور رشتوں کو جوڑنے میں اہم کردار ادا کر سکتی ہیں۔ وہ ملاقاتوں، تقریبات اور رابطوں کے ذریعے محبت، الفت اور خاندانی اتحاد کو فروغ دے سکتی ہیں۔

خواتین اپنی شفقت اور نرمی سے خاندان کو ایک مضبوط اکائی بنا کر معاشرتی استحکام میں بھی حصہ ڈالتی ہیں۔ خاندانی رنجشیں ختم کرنا اور تعلقات میں ہم آہنگی پیدا کرنا بھی ان کی ذمہ داری

میں شامل ہے۔ حضور نے صلہ رحمی کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے فرمایا: جو شخص چاہے کہ اس کے رزق میں وسعت ہو اور اس کی عمر دراز ہو، وہ اپنے رشتوں کو جوڑے۔[11] یوں خواتین کا کردار نہ صرف گھر بلکہ پورے معاشرے کے لئے باعثِ برکت اور ترقی کا سبب بنتا ہے۔

سماجی و معاشرتی ذمہ داریاں

سیرتِ نبوی کی روشنی میں سماجی سطح پر عورتوں پر عائد ہونے والی چند ذمہ داریاں درج ذیل ہیں:

رفاہِ عامہ و خدمتِ خلق

دورِ نبوی میں خواتین نے جنگوں میں زخمیوں کی خدمت، پانی پلانے اور دیگر فلاحی کاموں میں حصہ لیا۔ حضرت اُمِّ سُلیم اور حضرت ربیع بنتِ معوذ نے میدانِ جنگ میں بے خوف ہو کر خدمات انجام دیں۔ ان عملی نمونوں سے راہ نمائی لیتے ہوئے موجودہ دور کی خواتین غریب، یتیم اور بیواؤں کی مدد کر سکتی ہیں، حدودِ شرع میں رہ کر تعلیمی اداروں، ہسپتالوں اور رفاہی پروگراموں میں حصہ لے سکتی ہیں۔ اپنی پیشہ ورانہ صلاحیتیں استعمال کر کے فلاحی منصوبے چلا سکتی ہیں، جیسے مفت قانونی مشورے دینا، تعلیمی پروگرام یا ہنر سکھانا اور صحت کے مراکز قائم کرنا، تاکہ معاشرے میں خدمتِ خلق کو فروغ دیا جا سکے۔

تعلیمی سرگرمیاں

حضور نے خواتین کی تعلیم پر خصوصی توجہ دی، حضرت عائشہ کی علمی خدمات اس کی روشن مثال ہیں۔ آپ نے نہ صرف احادیث کی روایت کی بلکہ صحابہ کرام کو فقہی مسائل بھی سکھائے۔ یہ واضح کرتا ہے کہ خواتین بھی علم کے حصول اور پھیلانے میں فعال کردار ادا کر سکتی ہیں۔ آج کی خواتین بھی دینی و دنیاوی تعلیم، صحت اور سماجی بہبود کے شعبوں میں پردہ و حیا کے دائرے میں کردار ادا کر سکتی ہیں۔ وہ تدریس، تحقیق، تربیت اور پیشہ ورانہ سرگرمیوں میں حصہ لے کر معاشرتی بھلائی میں حصہ ڈال سکتی ہیں۔ دینی مدارس، یونیورسٹیاں اور دیگر تعلیمی ادارے انہیں نئی نسل کی راہ نمائی کے مواقع فراہم کرتے ہیں۔ صحت کے شعبے میں باپردہ ہو کر نرسنگ، ڈاکٹری اور دیگر خدمات کے ذریعے بھی خواتین معاشرتی ترقی میں کردار ادا کر سکتی ہیں۔ مزید بر آں، جدید ٹیکنالوجی جیسے آن لائن پلیٹ فارمز، سوشل میڈیا کے ذریعے دینی پیغام پہنچانا اور ماہنامہ خواتین (ویب ایڈیشن) کے پلیٹ فارم سے مضمون نگاری کے مقابلے میں حصہ لینا بھی علم و اصلاح کا مؤثر ذریعہ ہے، جو دین کی خدمت اور معاشرتی اصلاح میں خواتین کی اہمیت کو نمایاں کرتا ہے۔

سیرتِ نبوی خواتین کے لئے ایک جامع ضابطہ حیات ہے۔ اسلام نے عورت کو دینی، خاندانی اور سماجی ذمہ داریوں کے لئے بااختیار بنایا۔ خواتین عبادات، علم، تربیتِ اولاد اور سماجی خدمات کے ذریعے معاشرے کی تعمیر میں حصہ ڈال سکتی ہیں۔ حضور کی تعلیمات کی روشنی میں خواتین کو چاہیے کہ وہ اسلامی حدود کے اندر اپنی ذمہ داریاں ادا کریں تاکہ دنیا و آخرت کی کامیابی حاصل ہو۔ موجودہ دور میں خواتین کو اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانا چاہیے۔ وہ تعلیم حاصل کریں، معاشرتی مسائل کے حل کے لئے کام کریں اور اپنے خاندان کو مضبوط بنائیں۔

سیرتِ نبوی سے راہ نمائی لے کر خواتین ایک ایسی دنیا تعمیر کر سکتی ہیں جو عدل، محبت اور ایمان پر مبنی ہو۔ خواتین کو چاہیے کہ وہ اپنے گھروں سے لے کر معاشرے تک ہر سطح پر اپنا کردار ادا کریں اور اپنی صلاحیتوں کو دین و دنیا کی فلاح کے لئے استعمال کریں تاکہ وہ اپنی زندگیوں کو سیرتِ نبوی کے مطابق ڈھال کر دنیا و آخرت میں کامیاب ہو سکیں۔

---

1 استیعاب، 4/419 2 مسلم، ص184، حدیث: 989 3 فتاویٰ اہل سنت غیر مطبوعہ، فتویٰ نمبر: 33 4 مدارج النبوت، 2/461 5 ابو داود، 2/50، حدیث: 1312 6 ابن ماجہ، 1/146، حدیث: 224 7 بخاری، 4/511، حدیث: 7310 مفہوماً 8 کنز العمال، 8/226، جز: 16، حدیث: 45792 9 ترمذی، 5/475، حدیث: 3921 10 بخاری، 1/466، حدیث: 1385 11 مسلم، ص1062، حدیث: 6523



اصلاحِ نسواں سیرتِ نبوی کی روشنی میں

محترمہ ام حبیبہ مدنیہ عطاریہ*

سیرتِ مصطفےٰ وہ کیمیا اثر نسخہ ہے جس نے صدیوں کی محرومیوں میں دبی ہوئی عورت کو عزت، علم اور وقار عطا کیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم نے عورت کو جہالت کے اندھیروں سے نکال کر حکمت و دانائی کے مقام پر فائز کیا اور اس کی اصلاح کے لئے ایسا عملی نظام قائم فرمایا جس نے اس کے سوالات کو قدر دی اور اس کی محنت جیسے چکی چلانے کی مشقت کو تسبیحِ فاطمہ جیسے روحانی تحفے سے بدل دیا۔

نبوی تعلیمات کا پیغام یہ ہے کہ عورت گھر اور معاشرے کی بنیاد ہے، اس لئے اس کے لئے علم کا حصول ضروری ہے تاکہ وہ خود بھی ناشکری، بے صبری اور فتنوں سے محفوظ رہے اور اپنی نسلوں کو تقویٰ، صبر اور شکر جیسے اوصاف سے مزین کرے۔ سیرت کی روشنی میں اصلاحِ نسواں یہی ہے کہ ہر مسلمان عورت اپنے کردار سے ایک چلتا پھرتا مدرسۂ اخلاق بن جائے اور اپنے عمل سے امت کے لئے برکت کا ذریعہ بنے۔

اصلاحِ نسواں کی اہمیت و ضرورت

اصلاحِ نسواں ایک نہایت اہم مسئلہ ہے کیونکہ خواتین معاشرے کا نصف ہیں اور ان کی درست تربیت ہی معاشرتی استحکام کی بنیاد بنتی ہے۔ تعلیم یافتہ اور باشعور خواتین اپنی نسل کی بہتر تربیت کرتی ہیں اور معاشی و سماجی ترقی میں مؤثر کردار ادا کرتی ہیں۔ اصلاحِ نسواں کے ذریعے عورت اپنے حقوق کو پہچانتی ہے اور ذمہ داریوں کو بھی بہتر انداز سے نبھاتی ہے۔ اس کے لئے سب سے بنیادی ضرورت یہ ہے کہ لڑکیوں کو تعلیم کے یکساں مواقع فراہم کیے جائیں تاکہ وہ باوقار، باعلم اور مضبوط فرد کے طور پر معاشرے میں اپنا کردار ادا کر سکیں۔

موجودہ دور میں عورت کو پیش چیلنجز

بہت سے شعبوں میں خواتین کو مردوں کے مقابلے کم مواقع ملتے ہیں، روزگار کی کمی، گھریلو تشدد اور فیصلہ سازی میں عدم شمولیت اُن کی ترقی میں بڑی رکاوٹیں ہیں۔ متعدد خواتین بنیادی حقوق تک سے محروم رہ جاتی ہیں۔ جدید دور میں ایک بڑا چیلنج عقائد کا بگاڑ ہے؛ مختلف گمراہ نظریات اور سوشل میڈیا تحریکیں خواتین کو آزادی کے نام پر دین سے دور کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ عالمی سطح پر سرگرم یہ فتنہ عورت کے ذہن اور ایمان کو متاثر کر رہا ہے۔ ایسے حالات میں خواتین کے لئے ضروری ہے کہ وہ دینی بصیرت حاصل کریں، اپنے عقائد کو مضبوط کریں اور فتنوں کا مقابلہ دانشمندی سے کریں۔

*معلمہ فیضان ام عطار گرلز گلبہار سیالکوٹ

سیرتِ طیبہ ایک کامل نمونہ

سیرتِ طیبہ محض واقعات کی تاریخ نہیں، بلکہ زندگی کے ہر موڑ پر راہ نمائی دینے والا کامل دستور ہے۔ یہ وہ آئینہ ہے جس میں ہر دور کی عورت اپنے لئے کردار، وقار، حیا، ایمان اور عملی بصیرت کا روشن راستہ دیکھ سکتی ہے۔ حضور کی مبارک زندگی عورتوں کے لئے اس قدر جامع راہ نمائی رکھتی ہے کہ ایک گھریلو خاتون ہو یا معلمہ، بیٹی ہو یا ماں، بیوی ہو یا خدمتِ دین میں مصروف داعیہ ہر ایک اپنی ضرورت کے مطابق سیرت سے نور حاصل کرتی ہے۔

سیرتِ مصطفےٰ عورت کو یہ بتاتی ہے کہ عزت، عظمت اور کامیابی صرف دنیاوی شہرت یا آزادی کے نام پر دوڑنے سے نہیں ملتی، بلکہ حیا، ذمہ داری، علم، خیر خواہی، صبر، شکر اور عزمِ صالح سے ملتی ہے۔

سیرت ہمیں سکھاتی ہے کہ حضور نے عورت کو وہ رتبہ عطا فرمایا جو دنیا کی کسی تہذیب نے نہ دیا تھا۔ آپ نے اسے جہالت کے اندھیروں سے نکال کر عزت، حق، امن اور شعور کی روشنی میں کھڑا کیا۔ حضور نے عورت کی فطرت، مزاج اور ضرورتوں کو سامنے رکھتے ہوئے اس کے لئے خصوصی تعلیم و تربیت کا اہتمام فرمایا۔ جب خواتین نے علمِ دین کی خواہش ظاہر کی تو آپ نے نہ صرف ان کی درخواست قبول فرمائی بلکہ ان کے لئے مخصوص اوقات مقرر کیے جن میں وہ بلا جھجک سوالات کر سکیں اور دین کی سمجھ پا سکیں۔ یہ اسوۂ نبوی کا بے مثال احسان تھا جس نے عورت کو روحانی و علمی کمال تک پہنچنے کا موقع دیا۔

سیرت کا ہر ورق عورت کو یہ سبق دیتا ہے کہ وہ اپنے گھر میں وقار اور محبت کا مرکز بنے، اپنی اولاد کی پہلی معلمہ ہو، اپنی عبادت میں استقامت رکھے، اپنے شوہر کی رفیقہ بنے، معاشرے میں خیر کا ذریعہ بنے اور اپنی حیا و ذمہ داری کو اپنا زیور بنائے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس عورت نے سیرتِ مصطفےٰ کو اپنا معیارِ زندگی بنا لیا، اس کی دنیا سنور گئی اور آخرت روشن ہو گئی، کیونکہ فرمانِ الٰہی ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (پ21، الاحزاب: 21) ترجمہ: بیشک تمہارے لئے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ موجود ہے۔

حضور کی خواتین کی اصلاح سے متعلق تعلیمات کی اجمالی جھلک

ایک عورت بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئی اور عرض کی: یا رسول اللہ! مرد حضرات تو آپ کی صحبت سے احادیث اور دینی تعلیم حاصل کر لیتے ہیں، ہمارے لئے بھی ایک الگ دن مقرر فرما دیجیے تاکہ ہم وہ علم سیکھ سکیں جو اللہ پاک نے آپ کو عطا فرمایا ہے۔ حضور نے شفقت سے فرمایا: تم فلاں دن، فلاں مقام پر جمع ہو جایا کرو۔ جب عورتیں وہاں جمع ہوتیں تو حضور بنفسِ نفیس تشریف لے جا کر انہیں وہی تعلیمات مرحمت فرماتے جو اللہ پاک نے آپ کو سکھائی تھیں۔ اسی مجلس میں آپ نے فرمایا کہ جس عورت کے تین بچے فوت ہو جائیں تو وہ بچے اس کے لئے جہنم کی آگ کے سامنے ڈھال بن جائیں گے۔ ایک عورت نے عرض کی: اگر دو بچے ہوں؟ حضور نے فرمایا: دو بھی۔ اس نے دوبار یہی پوچھا تو آپ نے یہی جواب ارشاد فرمایا۔[1] بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ ایک بار حضور عیدُ الاضحیٰ یا عیدُ الفطر کے موقع پر خواتین کے پاس سے گزرے تو انہیں نصیحت فرمائی۔[2] جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عورتوں کی تربیت آپ کی دعوتی ترجیحات میں نمایاں مقام رکھتی تھی۔

ان روایات میں اصلاحِ نسواں کے لئے کئی روشن پہلو موجود ہیں: اول یہ کہ علم کسی کے دروازے پر خود نہیں آتا، اسے طلب کرنا عورت ہو یا مرد، دونوں پر لازم ہے۔ ان خواتین کا یہ سوال اس بات کی علامت ہے کہ دین میں عورت کی علمی ضرورت کو برابر اہمیت دی گئی ہے۔ دوم یہ کہ حضور نے ان کے لئے مخصوص وقت مقرر فرمایا، جو اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ عورتوں کی تعلیم ان کی ذہنی کیفیات اور ضروریات کے مطابق ہونی چاہیے۔ سوم یہ کہ بچوں کی پیدائش اور پرورش کی مشقتیں فضول نہیں جاتیں، بلکہ ان میں صبر کرنے والی عورت کو آخرت میں عظیم اجر کی خوشخبری دی گئی ہے اور آخر میں یہ کہ علم ہی وہ روشنی ہے جو عورت کو اپنی ذمہ داریوں، قربانیوں اور صبر کے

اجر کا صحیح شعور دیتی ہے اور اسے آخرت کی نجات تک پہنچاتی ہے۔

اسلام سے پہلے عورتوں کی حالتِ زار

اسلام سے پہلے عورت کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا، بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیا جاتا اور اسے کسی عزت یا حق کا مستحق نہیں سمجھا جاتا تھا۔ حضور نے اس مظلوم طبقے کو عزت، مقام اور انسانی وقار عطا فرمایا۔ حضور نے بیٹی کو رحمت قرار دیا اور فرمایا کہ جس نے دو یا تین بیٹیوں یا بہنوں کی کفالت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہو گا۔ (3) نیز حضور نے عورت کو بطور ماں عظمت بخشی کہ اس کے قدموں تلے جنت رکھی گئی، اور بطور بیوی اس کی تکریم کو لازم قرار دیا۔

سیرتِ نبوی کی اصلاحی جدوجہد

سیرتِ نبوی کی اصلاحی جدوجہد دراصل عورت کی کھوئی ہوئی عظمت کی بازیابی کا روشن باب ہے۔ حضور نے صدیوں سے جاری ناانصافی کے مقابل ایک ایسا انقلاب برپا کیا جس نے عورت کو محض زندگی نہیں، بلکہ وقار، علم اور روحانی ارتقاء کی نئی منزلیں عطا کیں۔ حضور نے خواتین کے سوالات، ضروریات اور مشکلات کو توجہ سے سنا اور انہیں صبر، مشقت اور گھریلو ذمہ داریوں کے بدلے جنت اور نجات کی بشارتیں دیں۔ یہ اصلاحی جدوجہد محض چند احکام نہیں، بلکہ فکری بیداری تھی جس نے عورت کو جاہلیت کی خاموشی سے نکال کر شعور، حیا اور کردار کی بلندی عطا کی۔ نتیجتاً عورت معاشرے میں ایک باوقار، مؤثر اور پاکیزہ کردار کے طور پر ابھری اور سیرتِ نبوی اُس کے لئے ہمیشہ کے لئے کامل نمونہ بن گئی۔

تعلیمی اصلاح

حضور نے جہاں مردوں کو علم حاصل کرنے کی ترغیب دی، وہیں خواتین کی تعلیم و تربیت کو بھی نہایت اہمیت عطا فرمائی۔ آپ نے عورتوں کی اصلاح کر کے ان کے اندر یہ شعور بیدار کیا کہ تعلیم صرف مرد کا حق نہیں، عورت کی ضرورت بھی ہے، کیونکہ پڑھ جائے جو خاتون تو نسلیں سنوار دے۔ معاشرتی سکون، ایمانی استحکام اور کردار کی مضبوطی کی اصل بنیاد گھر کے ماحول میں رکھی جاتی ہے اور گھر کا ماحول عورت کی نیکی، علم اور تقویٰ سے روشن ہوتا ہے۔ سیرتِ نبوی کی روشنی ہمیں بتاتی ہے کہ خاندان کی خوش حالی اور نسلوں کی کامیابی ایک نیک اور باعمل بیوی کے وجود سے وابستہ ہوتی ہے۔

حضور نے مرد کو یہ احساس دلایا کہ تقویٰ کے بعد سب سے قیمتی نعمت نیک بیوی ہے۔ حضرت ابو امامہ کی روایت کے مطابق حضور نے فرمایا کہ تقویٰ کے بعد مومن کے لئے نیک بیوی سے بہتر کوئی چیز نہیں؛ اگر شوہر اسے کوئی حکم دے تو اطاعت کرے، اگر شوہر اسے دیکھے تو خوش کر دے، اگر وہ اس پر قسم کھا بیٹھے تو اسے سچا کر دکھائے اور اگر گھر سے باہر جائے تو اپنی عصمت اور شوہر کے مال کی حفاظت کرے۔ (4)

یہ حدیث صرف ازدواجی زندگی کی راہ نمائی نہیں کرتی بلکہ ایک پورے گھرانے کے اخلاقی و روحانی نظام کی بنیاد رکھتی ہے۔ نیک بیوی صرف شوہر کی معاون نہیں ہوتی، بلکہ گھر کی روحانی محافظ بنتی ہے۔ اس کی پاکیزگی، عفت، حُسنِ اخلاق، صبر اور دعا گھر کے ہر فرد کے لئے رحمت کا سبب بنتے ہیں۔ وہ شوہر کی غیر موجودگی میں امانت کی نگہبان اور اس کی موجودگی میں اس کے دل کی ٹھنڈک بنتی ہے۔

یوں حضور نے عورت کو تعلیم، عزت، ذمہ داری اور روحانی بلندی عطا کر کے ثابت کر دیا کہ مضبوط عورت ہی مضبوط نسل، مضبوط خاندان اور مضبوط معاشرے کی بنیاد ہے۔

تقویٰ، عبادت، صبر و شکر کی تعلیم

تقویٰ، عبادت اور صبر و شکر کا درس خواتین کے لئے دائمی روحانی تحفظ کا نبوی دستور ہے۔ حضور کی تربیت نے عورت کو یہ شعور دیا کہ اس کی اصل کامیابی دنیا نہیں بلکہ آخرت ہے۔ آپ نے جنت کی بشارت کو عبادت اور پاکیزہ کردار سے جوڑتے ہوئے فرمایا: جو عورت پانچ وقت نماز پڑھے، رمضان کے روزے رکھے، اپنی عصمت کی حفاظت کرے اور شوہر کی اطاعت کرے

وہ جنت کے جس دروازے سے چاہے گی داخل ہو جائے گی۔[5] اس ارشاد میں عورت کے عملی فرائض پر ابدی کامیابی کی ضمانت ہے۔

توکل، حیا، قناعت اور عاجزی کا درس

توکل، حیا، قناعت اور عاجزی ایسی صفات ہیں جنہیں اختیار کر کے خواتین معاشرتی فتنوں سے محفوظ رہتی ہیں۔ حضور نے عورت کے لئے حیا کو ایمان کی علامت قرار دیا اور اسے ہر معاملے میں پردہ، وقار اور شرافت کو ملحوظ رکھنے کی تعلیم دی۔ آپ نے صبر اور قناعت کا درس دے کر عورت کے دل کو غنی بنایا تاکہ وہ دنیا کی نمائش سے بچ کر اپنے گھر کا سکون اور برکت بن سکے۔

زبان، نگاہ، دل کی اصلاح اور آخرت کی تیاری

زبان، نگاہ اور دل کی اصلاح کا حکم دے کر حضور نے خواتین کو ہر طرح کی ظاہری و باطنی آلودگی سے پاک رہنے کی تعلیم دی۔ ایک موقع پر آپ نے عورتوں کو خاص طور پر تنبیہ فرمائی کہ اپنی زبان کی بے احتیاطی چھوڑ کر صدقہ و خیرات کا اہتمام کرو، کیونکہ میں نے تمہیں جہنم میں زیادہ دیکھا ہے۔ جب عورتوں نے وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا: تم زیادہ لعن طعن کرتی ہو اور شوہر کی ناشکری کرتی ہو۔[6] اس ارشاد نے واضح کیا کہ زبان کا غلط استعمال، ناشکری اور حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی عورت کے لئے بڑا خسارہ ہے۔ حضور نے انہیں سکھایا کہ زبان کو قابو میں رکھیں، نگاہ کو پاک رکھیں اور دل کو دنیا کی بے ثباتی سے ہٹا کر آخرت کی تیاری میں لگا دیں، یہی اصلاحِ باطن کا محفوظ راستہ ہے۔

گھریلو زندگی میں عورت کی اصلاح

ازواجِ مطہرات کی تربیت و اصلاح

سیرتِ طیبہ کا سب سے نازک اور مؤثر پہلو ازواجِ مطہرات کی تربیت اور اصلاح ہے۔ حضور نے اپنے گھر کو محض رہائش گاہ نہیں بنایا، بلکہ اسے علم، حکمت اور عملی تہذیب کا اولین مدرسہ قرار دیا۔ اس مدرسے کی اصلاحی بنیاد اتنی مضبوط تھی کہ وہاں ہر چھوٹے سے چھوٹے معاملے میں بھی غفلت یا لاپروائی کی گنجائش نہ تھی۔ ازواجِ مطہرات کی تربیت میں آپ کا طریقہ کار عملی تعلیم اور لطیف نصیحت پر مبنی تھا، اور نگاہِ نبوت ہر گوشے پر رہتی تاکہ کوئی چیز اللہ پاک کی رضا سے دور نہ جائے۔

حضور نے انہیں یہ سکھایا کہ باطنی پاکیزگی کے ساتھ ساتھ نعمتوں کی حرمت بھی ایمان کا حصہ ہے۔ اس روشنی میں آپ نے سیدہ عائشہ کو نصیحت کی کہ رزق کی قدر کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضور نے روٹی کا ایک ٹکڑا دیکھا، اسے پونچھ کر کھایا اور فرمایا: عائشہ! اچھی چیز کا احترام کرو، جب یہ کسی قوم سے بھاگی ہے تو واپس نہیں آئی۔[7] یہ نصیحت گویا ہر عورت کے لئے ہے کہ گھریلو کام کاج، کھانا پکانا، کپڑے دھونا اور روزمرہ کی ذمہ داریوں میں فضول خرچی سے بچا جائے۔ اگر خواتین اعتدال اختیار کریں، ہر چیز کو با اہتمام استعمال کریں اور نان و نفقے میں توازن رکھیں تو نہ صرف گھر میں نظم و سکون قائم ہو گا بلکہ غیر ضروری پریشانیوں اور مشکلات سے بھی بچا جاسکتا ہے۔ سیرتِ نبوی کی یہ عملی ہدایات آج کی خواتین کے لئے راہ نمائی اور زندگی میں عملی اصلاح کا روشن راستہ ہیں۔

حضرت فاطمہ کی زندگی کی عملی مثال

حضرت فاطمہ کی زندگی عملی طور پر سیرتِ نبوی کی عکاس ہے۔ آپ کو زہد و تقویٰ، صبر و قناعت کی نعمتیں حضور کی تربیت سے حاصل ہوئیں۔ حضور نے سادہ طرزِ زندگی اپنایا، گھریلو کام بنفسِ نفیس انجام دیئے، اہلِ خانہ کی خدمت کی اور غلاموں کے باوجود خود محنت کی۔ اسی طریقے پر سیدہ فاطمہ نے بھی گھر کے کام کاج انجام دیئے، خاندان کی خدمت اور شوہر کے حقوق کی ادائیگی میں مثال قائم کی۔ آپ تسبیحات و تہلیلات کے ذریعے زبان مبارک کو تر رکھتیں، شکوہ و غم سے پرہیز کرتیں اور شکر و عبادت میں وقت گزارتیں۔ ایک مرتبہ چکی پیستے پیستے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے تو حضور کی خدمت میں خادم طلب کرنے کی درخواست کی۔ حضور نے فرمایا: تمہیں خادم کی بجائے بہتر چیز

بتاؤں، بستر پر جانے سے پہلے 34 بار اللہُ اکبر، 33 بار سبحان اللہ، 33 بار الحمدللہ پڑھ لیا کرو۔ (8)

یہی قیمتی وظیفہ تسبیحِ فاطمہ کہلاتا ہے، جو تمام عورتوں کے لئے روحانی خزانہ ہے۔ جو خاتون اس کو معمول بنائے، اسے تھکاوٹ یا بھوک کا احساس کم ہوتا ہے اور رزق و نعمتوں میں برکت حاصل ہوتی ہے۔ یہ وظیفہ خواتین کو صبر، شکر اور اللہ پاک کے قرب کا بہترین ذریعہ فراہم کرتا ہے اور زندگی میں روحانی سکون کی ضمانت ہے۔

سیدہ خاتونِ جنت ایک عبادت گزار اور پرہیز گار خاتون تھیں، جو اپنا بیشتر وقت ذکر و عبادت میں گزارتیں۔ آپ نے معاشرتی خدمات بھی انجام دیں، ضرورت مندوں کی مدد کی اور ان کی مشکلات میں شریک ہوئیں۔ آپ علم و دانش کی حامل بھی تھیں اور حضور سے سیکھا ہوا علم دوسروں تک پہنچاتی تھیں۔ آپ نے زندگی میں سخت مصائب اور مشکلات کا سامنا کیا، مگر صبر و استقامت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اور ہمیشہ ایثار و قربانی کا مظاہرہ کیا، اپنے نفس پر دوسروں کی ضروریات کو ترجیح دی۔

الغرض آپ کی زندگی خواتین کے لئے ایک روشن نمونہ ہے کہ وہ صحابیات و صالحات کی سیرت کا مطالعہ کریں اور اس پر عمل کریں۔ اگر خواتین واقعی اس سیرت پر عمل کریں تو معاشرہ امن و سکون کا گہوارہ بن جائے گا، بد اعمالیوں اور معاشرتی برائیوں جیسے قتل، زنا اور دیگر برائیوں کا خاتمہ ممکن ہو گا اور خواتین اپنے حقوق و ذمہ داریوں میں مضبوط، با اخلاق اور معاشرتی بہتری کی ضامن بن جائیں گی۔

تربیتِ اولاد میں خواتین کا کردار

سیرتِ نبوی کی روشنی میں یہ بات اور بھی واضح ہو جاتی ہے کہ ماں کی تربیت اولاد پر کتنا گہرا اثر ڈالتی ہے۔ حضور نے اپنی بیٹی سیدہ فاطمہ کی زندگی میں عملی نمونہ پیش فرمایا کہ وہ کس طرح گھر کے کام، عبادت اور اخلاقی اصولوں کے درمیان توازن قائم کرتی تھیں اور آپ نے بچوں کی تربیت میں اپنی زندگی کے ہر پہلو کو شامل کیا، چاہے وہ نماز و عبادت ہو، صبر و شکر کا سبق ہو یا سچائی اور حسنِ اخلاق کی تعلیم۔ اسی طرح دیگر صحابیات نے بھی اولاد کی تربیت میں کردار کی اہمیت کو سامنے رکھا اور اپنے عمل سے بچوں کو ایمان، دیانت داری اور اچھے اخلاق کی راہ دکھائی۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ ماں صرف خوراک اور لباس کی فراہمی تک محدود نہیں بلکہ وہ بچے کی ابتدائی درس گاہ ہے جہاں زبان، اخلاق، ایمان اور کردار کی بنیاد رکھی جاتی ہے، اور یہ بنیاد مضبوط ہو تو نسلیں با کردار، با اخلاق اور معاشرے کے لئے مفید فرد بنتی ہیں۔ سیرتِ نبوی ہمیں سکھاتی ہے کہ والدہ کی تربیت اور اس کا عملی نمونہ نسلوں کی تربیت اور معاشرتی فلاح کے لئے لازمی ہے۔

عورت کے معاشی اور سماجی حقوق کی بحالی

اسلام میں عورت کے بارے میں جو احکام دیئے گئے ہیں، ان کا مقصد اس کی حیا، عفت اور تقدس کا تحفظ ہے۔ مغربی معاشرے میں عورت کی عفت و وقار کو نظر انداز کیا گیا اور اسے صرف دکھاوا یا جسمانی زیبائش کا ذریعہ بنا دیا گیا، جبکہ اسلام نے عورت کی عزت اور فطری صلاحیتوں کو پہچان کر انہیں دائرۂ عمل اور حقوق عطا کیے۔ شریعتِ اسلامیہ کے مطابق مرد اور عورت کے دائرۂ کار الگ الگ ہیں تاکہ ہر ایک اپنی فطرت اور ذمہ داری کے مطابق عمل کرے۔ عورت کی ذمہ داری گھر کی چار دیواری میں رہ کر خانگی امور، بچوں کی تربیت اور شوہر کی خدمت و اطاعت ہے، جبکہ مرد کسبِ معاش اور گھر سے باہر کے امور کی ذمہ داری اٹھاتا ہے۔

اسلام نے عورت کو صرف گھر کی ملکہ بنایا، اسے دربدر ملازمت کے لئے بھٹکنے یا دوسروں کی خوشنودی کے لئے اپنا وقار قربان کرنے کو نہیں کہا۔ یہ تمام احکام حکمتِ بالغہ اور انسانی فلاح و بہبود کے لئے ہیں۔ ان کی پابندی ہی حقیقی معاشرتی امن، فلاح اور ترقی کی ضمانت ہے اور ان سے انحراف معاشرتی فساد اور بربادی کا سبب بنتا ہے۔ اسلام کے احکام میں کوئی تبدیلی یا اضافہ ممکن

نہیں کیونکہ یہ اللہ پاک کی طرف سے نازل ہیں جو ہر زمانے اور حال سے باخبر ہے۔

سیرتِ طیبہ کی روشنی میں بیواؤں کی عزت

مصطفوی تعلیمات میں خیر و برکت کی راہیں صرف عبادت یا کاروبار تک محدود نہیں، بلکہ روزمرہ کے معمولات، معاشرتی ذمہ داریوں اور انسانوں کی خدمت میں بھی اللہ پاک کی رضا اور عظیم اجر پوشیدہ ہے۔ سیرتِ طیبہ میں ہر پہلو حقوق العباد کی اہمیت کا مظہر ہے، خاص طور پر معاشرے کے نازک اور کمزور طبقے کی دیکھ بھال کو اسلام میں اعلیٰ عبادت کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ حضور نے ارشاد فرمایا: جو شخص بیواؤں پر خرچ کرتا ہے، وہ جہاد کرنے والے یا اس شخص کی مانند ہے جو دن کو روزہ رکھتا اور رات کو عبادت کرتا ہے۔[9]

یہ فرمان خواتین کے لئے کئی عملی اور ایمانی سبق رکھتا ہے۔

اولاً، بیوہ خواتین کو توکل اور قناعت کی تعلیم دیتا ہے تاکہ وہ تنہا ہونے کے باوجود عزت اور وقار کے ساتھ زندگی گزار سکیں۔

ثانیاً، یہ روایت واضح کرتی ہے کہ جہاد کا مقصد صرف ہتھیار اٹھانا نہیں، بلکہ انسانیت کی خدمت اور کردار کی تعمیر بھی جہاد کا حصہ ہے۔ عورت اس فضیلت کو گھر اور معاشرے کی خدمت کے ذریعے بھی حاصل کر سکتی ہے اور اپنے کردار کو فعال، باہمت اور مثالی رکن کے طور پر پیش کر سکتی ہے۔

ثالثاً: یہ فرمان اقتصادی خود انحصاری کی ترغیب دیتا ہے۔ سیدہ خدیجہ کا تجارت کرنا اور حضور کے بعد اُمہاتُ المومنین کا باوقار زندگی گزارنا یہ سکھاتا ہے کہ عورت بھی اپنی کفالت کے ساتھ ساتھ محتاجوں کی مدد کر کے عظیم ثواب حاصل کر سکتی ہے۔ اس کی عملی تصویر سیدہ عائشہ صدیقہ اور سیدہ زینب بنتِ جحش رضی اللہ عنہما کے ایثار میں نظر آتی ہے، جو اپنے وسائل سے دوسروں کی مدد کرتیں تھیں۔

خلاصہ بحث

حضور نے اپنی عملی سیرت اور احادیث کے ذریعے خواتین کو علم، شعور اور کردار کی بلندی کی راہ دکھائی۔ آپ نے نہ صرف مردوں کی تربیت پر زور دیا بلکہ خواتین کی بھی دین و دنیا کی فہم، حقوق اور اخلاقیات سیکھنے کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ آپ کی مجلس میں خواتین خود آگے بڑھ کر دین کے پیچیدہ مسائل پوچھتی تھیں، جس سے یہ واضح ہوا کہ علم کی روشنی کے بغیر نہ گھر کی صحیح تربیت ممکن ہے اور نہ معاشرتی فلاح۔

صحابیات اور اُمہات المومنین نے اس تعلیم کو اپنانے میں پیش پیش رہ کر ثابت کیا کہ علم، شعور اور بصیرت کے ذریعے خواتین نہ صرف اپنی اصلاح کر سکتی ہیں بلکہ پورے معاشرے کے لئے مشعلِ راہ بن سکتی ہیں۔ سیدہ عائشہ کی فقاہت، بصیرت اور علمی اجتہاد اس بات کی عملی مثال ہے کہ عورت شرم و حیا کے دائرے میں رہتے ہوئے بھی مشکل علمی مسائل سیکھ سکتی ہے اور دین کی حقیقی خدمت کر سکتی ہے۔

یہ اصول واضح کرتا ہے کہ خواتین کی تعلیم و تربیت محض گھر کی دیکھ بھال تک محدود نہیں بلکہ پورے معاشرے کی اصلاح اور آئندہ نسلوں کی راہ نمائی کے لئے بنیادی ستون ہے۔ سیرت کی روشنی میں خواتین علم، تقویٰ اور کردار کی پختگی کے ذریعے نہ صرف اپنے گھر کی بلکہ پوری اُمت کی روحانی اور فکری راہ نما بن سکتی ہیں اور یہ عمل معاشرت میں سکون، برکت اور انسانی فلاح کی ضمانت ہے۔

اللہ پاک سے دعا ہے کہ اللہ پاک ہمیں سیرت النبی اور سیرتِ صحابیات کو پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اٰمین بِجاہِ النّبیِّ الْاَمین صلی اللہ علیہ والہ وسلم

1. بخاری، 4/510، حدیث: 7310
2. بخاری، 1/123، حدیث: 304
3. الاحسان، 1/336، حدیث: 448
4. ابن ماجہ، 2/414، حدیث: 1857
5. الاحسان، 6/184، حدیث: 4151
6. بخاری، 1/123، حدیث: 304
7. ابن ماجہ، 4/50، حدیث: 3353
8. بخاری، 2/536، حدیث: 3705
9. بخاری، 3/512، حدیث: 5353



عورت کی مستحکم معاشی حیثیت

(تعلیماتِ نبوی کی روشنی میں)

محترمہ ام غزالی مدنیہ عطاریہ*

انسان اور معاش

انسان کی فطرت میں اللہ پاک نے جو بنیادی تقاضے رکھے ہیں، ان میں سے ایک لازمی اور فطری تقاضا معاش ہے، یعنی کھانے پینے، لباس اور سکونت کے انتظام کا تقاضا۔ اس کے بغیر انسان کی زندگی ممکن نہیں۔ اسی لئے اللہ پاک نے دنیا میں قیامت تک پیدا ہونے والے تمام انسانوں کے رزق اور معیشت کا پورا انتظام فرمایا ہے۔

معاش انسانی زندگی کا وہ اہم ترین پہلو ہے جس پر عمرِ عزیز کا بڑا حصہ صرف ہو جاتا ہے۔ صبح سے شام اور شام سے صبح انسان کی فکر کا محور یہی رہتا ہے کہ ضروریاتِ زندگی پوری ہوں۔ اسی فطری ضرورت کے پیشِ نظر دینِ اسلام نے نہ صرف اس کا لحاظ رکھا بلکہ حصولِ معاش کی کوشش کو دینی فریضہ قرار دیا۔ معیشت انسانوں کی بنیادی ضرورت ہے جس کی فراہمی دیگر ضروریات کی طرح اللہ پاک نے اپنے ذمہ کرم پر رکھی اور مختلف وسائل سے ان کی معیشت کا بندوبست فرمایا، اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے: اَهُمْ یَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ؕ نَحْنُ قَسَمْنَا بَیْنَهُمْ مَّعِیْشَتَهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ رَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِیًّا ؕ وَ رَحْمَتُ رَبِّكَ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ (۳۲) (پ25، الزخرف: 32) ترجمہ: کیا تمہارے رب کی رحمت وہ بانٹتے ہیں؟ دنیا کی زندگی میں ان کے درمیان ان کی روزی (بھی) ہم نے ہی تقسیم کی ہے اور ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر کئی درجے بلند کیا ہے تاکہ ان میں ایک دوسرے کو اپنا خادم بنائے اور تمہارے رب کی رحمت اس سے بہتر ہے جو وہ جمع کر رہے ہیں۔

اس آیتِ مبارکہ میں اللہ پاک کفار کا رد کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ اے حبیب! کیا تمہارے رب کی رحمت وہ کفار بانٹتے ہیں کہ ان کی خواہش کے مطابق رسول بنایا جائے اور کیا نبوت کی کنجیاں ان کے ہاتھ میں ہیں کہ جس کو چاہیں دیں؟ جب ایسا ہرگز نہیں تو یہ کس قدر جاہلانہ بات کہتے ہیں! انہیں غور کرنا چاہیے کہ دنیا کی زندگی میں ان کے درمیان ان کی روزی بھی ہم نے ہی تقسیم کی ہے اور ان میں سے کسی کو مالدار، کسی کو فقیر، کسی کو مالک، کسی کو غلام، کسی کو طاقتور اور کسی کو کمزور ہم نے ہی بنایا ہے اور مخلوق میں کوئی ہمارے حکم کو بدلنے اور ہماری تقدیر سے نکلنے کی قدرت نہیں رکھتا ہم نے مال و دولت میں لوگوں کو ایک جیسا نہیں بنایا تاکہ ایک دوسرے سے مال کے ذریعے خدمت میں دنیا کا نظام مضبوط ہو، غریب کو ذریعہ معاش ہاتھ آئے اور مالدار کو کام کرنے والے افراد مہیا ہوں۔(1)

جہاں دنیا کے ممالک معیشت کی بہتری کے لئے مختلف منصوبے بناتے ہیں، وہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے

*ذمہ دار شعبہ ماہنامہ خواتین

مسلمانوں کو ایسے اصول عطا فرمائے جو نہ صرف اخلاق و کردار کو سنوارتے ہیں بلکہ معیشت کو زوال سے بچانے اور استحکام بخشنے کے ضامن بھی ہیں۔

فکرِ معاش مرد کی ذمہ داری یا عورت کی؟

اسلام نے انسانی معاشرت میں ذمہ داریوں کی تقسیم عدل و فطرت کے اصول پر رکھی ہے۔ جہاں مرد کو ذمہ دار، کفیل اور محافظ بنایا گیا ہے، وہیں عورت کو عزت، راحت اور اطمینان کا مرکز قرار دیا گیا ہے۔ فکرِ معاش اور مالی کفالت کی بنیادی ذمہ داری مرد کے سپرد کی گئی ہے یعنی نان ونفقہ، رہائش اور ضروریاتِ زندگی کا انتظام مرد کی ذمہ داری ہے، جبکہ عورت کو اس ذمہ داری سے آزاد رکھا گیا ہے تاکہ وہ گھر کی منتظمہ اور تربیتِ اولاد کی نگران کے طور پر اپنا کردار ادا کرے۔ عورت کا اصل دائرہ کار اس کا گھر ہے، جہاں وہ اولاد کی پرورش، تعلیم اور اخلاقی تربیت میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔

البتہ! اگر عورت چاہے تو کسبِ معاش میں حصہ لینے کی اجازت بھی رکھتی ہے، بشرطیکہ وہ شریعت کے دائرے، حیا اور عصمت کی حدود میں رہے۔ اسلام نے عورت کو یہ حق دیا ہے کہ وہ اپنے مال کی مالک ہو، چاہے وہ وراثت میں پائے یا اپنی محنت سے کمائے۔ عہدِ نبوی سے متعدد مثالیں ملتی ہیں کہ عورتیں ضرورت یا صلاحیت کے تحت معاشی میدان میں سرگرم رہیں۔ حضرت خدیجہ ایک معزز و کامیاب تاجرہ تھیں جن کے کاروبار کو حضور نے اپنی امانت و دیانت سے برکت عطا فرمائی۔ اسی طرح بعض انصاری خواتین مدینہ منورہ میں کھیتی باڑی کرتی تھیں اور دیگر خواتین نے صنعت، دستکاری اور تجارت میں حصہ لیا۔

معلوم ہوا کہ اسلام کا تصورِ معیشت عورت کو نہ تو محض گوشہ نشینی پر مجبور کرتا ہے اور نہ اسے مردوں کے دوش بہ دوش محض معاشی دوڑ دھوپ میں گم ہونے دیتا ہے؛ بلکہ وہ اسے وقار و تحفظ کے ساتھ متوازن کردار عطا کرتا ہے کہ اگر وہ چاہے تو کمائے، مگر اس پر کفالت کی ذمہ داری لازم نہیں۔

عورت کی معاشی حیثیت کا جائزہ

عورت کی معاشی حیثیت سے مراد اس کا مالی لین دین، اقتصادی سرگرمیوں میں حصہ، ملکیت کا حق، آمدن و خرچ پر اختیار اور معاشی فیصلوں میں شمولیت ہے۔ کسی بھی معاشرے میں عورت کی اصل قدر تب سمجھ آتی ہے جب اس کی مالی آزادی، حقوقِ ملکیت اور معاشی مواقع تک رسائی کو منصفانہ طور پر دیکھا جائے۔ اسلام سے پہلے عورت کی حالت انتہائی پست تھی؛ وہ غلامی، محرومی اور سماجی استحصال میں جکڑی ہوئی تھی، نہ اسے مالی خودمختاری حاصل تھی، نہ وراثت و ملکیت کا حق اور نہ ہی وہ معاشی معاملات میں بااختیار تھی۔ چھٹی صدی عیسوی کا زمانہ بت پرستی، جہالت اور اخلاقی زوال سے بھرپور تھا اور عورت ہر سطح پر محرومی اور ناانصافی کا شکار تھی۔ ایسے تاریک ماحول میں اسلام نے آکر عورت کو عزت، آزادی اور معاشی وقار عطا کیا۔ وراثت، ملکیت اور کسبِ معاش کے حقوق دے کر اسے ظلم و جبر کے دائرے سے نکال کر ایک باوقار، ذمہ دار اور معاشی طور پر مضبوط فرد کے طور پر متعارف کروایا۔

اس طرح اسلام نے نہ صرف عورت کی معاشی حالت بدل دی بلکہ معاشرتی توازن اور انسانی اقدار کی بحالی میں بھی بنیادی کردار ادا کیا۔ اگرچہ اسلام سے پہلے مجموعی طور پر عورت کی معاشرتی اور اقتصادی حیثیت کمزور تھی، مگر بعض علاقوں؛ خصوصاً قریش میں تجارت معاشی زندگی کا مرکزی شعبہ تھی، اس لئے وہاں کی کچھ خواتین مالی و تجارتی سرگرمیوں میں شریک نظر آتی ہیں۔ قریش کے مرد اپنی تجارتی مہارت کے باعث مشہور تھے، تاہم ان کی عورتیں اور بچے بھی تجارت میں بھرپور انداز سے شامل ہوتے تھے۔ وہی مشہور قریشی تجارتی قافلہ، جس پر مسلمانوں کے حملے نے غزوۂ بدر کی بنیاد رکھی، مکے کے تقریباً ہر مرد و عورت کے سرمائے پر مشتمل تھا۔[2]

یہ مثال ظاہر کرتی ہے کہ اگرچہ مجموعی طور پر عورت محرومیوں میں گھری ہوئی تھی، لیکن قریش کی خواتین اپنے دور

کی دیگر اقوام کی نسبت معاشی بیداری اور تجارتی شرکت میں بہتر مقام رکھتی تھیں۔ البتہ انہیں ملکیت، وراثت اور تحفظ جیسے بنیادی حقوق پھر بھی میسر نہ تھے، جو بعد میں اسلام کے عادلانہ نظام کے ذریعے مکمل طور پر فراہم کیے گئے۔

اسلام میں عورت کے معاشی حقوق اور سیرتِ نبوی

اسلام نے خواتین کو نہ صرف اخلاقی و سماجی عزت دی بلکہ معاشی خود مختاری کے بھی ٹھوس حقوق فراہم کیے۔ حضور نے اپنی زندگی اور سیرت کے ذریعے خواتین کو یہ حق عملی طور پر بھی دکھایا اور ان کے لئے وہ تمام وسائل فراہم کیے جو معاشی تحفظ و وقار کے لئے ضروری تھے۔

ملکیت و جائیداد: اسلام نے عورت کو مال و ملکیت کا مکمل حق دیا۔ خواتین نہ صرف خود کمائی کر سکتی ہیں بلکہ وراثت کے ذریعے حاصل ہونے والی املاک کی بھی مالک بن سکتی ہیں۔ جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ عورت کی معاشی حیثیت کو شرعی طور پر محفوظ کیا گیا اور اس کا مال اس کی ذاتی ملکیت ہے۔

حقِ وراثت: اسلام نے عورت کو وراثت سے محروم رکھنے کی رسم ختم کی۔ یہ فیصلہ عورت کے معاشی استحکام اور معاشرتی وقار کے لئے سنگ میل ثابت ہوا۔

حق مہر: نکاح کے وقت عورت کو مہر کا حق دیا گیا، جو اس کی ذاتی ملکیت ہے اور شوہر اس میں تصرف نہیں کر سکتا۔ مہر نہ صرف عورت کو مالی تحفظ فراہم کرتا ہے بلکہ اس کی عزت اور وقار کی ضمانت بھی ہے۔

تعلیم اور معاشی شعور: اسلام نے عورت کو تعلیم و تربیت کا حق بھی دیا، تاکہ وہ اپنے حقوق کو پہچان سکے اور معاشی طور پر خود مختار ہو۔ حضور نے خواتین کے لئے درس و تدریس کے مواقع فراہم کیے اور انہیں تجارت، مشاورت اور سماجی فیصلوں میں شامل کیا، جیسے حضرت خدیجہ کی تجارت میں شراکت۔

معاشی استحکام کے عملی مظاہرے

عہد نبوی میں خواتین کی معاشی شرکت کے عملی مظاہرے نمایاں ہیں۔ جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام نے خواتین کو صرف مالی حقوق نہیں دیئے بلکہ معاشی سرگرمیوں میں شرکت اور خود کفالت کے مواقع بھی فراہم کیے، جبکہ مہر، ملکیت، وراثت، تعلیم اور مشاورت میں شمولیت نے خواتین کو معاشی فیصلہ سازی میں فعال کردار ادا کرنے کے قابل بنایا اور انہیں مردوں کے برابر معاشی حیثیت عطا کی۔ چنانچہ ذیل میں متفرق شعبوں اور پیشوں سے وابستہ چند خواتین کی مثالیں پیشِ خدمت ہیں:

تجارت سے وابستہ خواتین

قریشی خواتین میں سے ایک ممتاز اور معزز تاجرہ حضرت خدیجہ بنتِ خویلد بھی تھیں، جن کا کاروبار مکے سے شام اور بصریٰ تک پھیلا ہوا تھا۔ آپ اپنا مال مضاربت پر دیا کرتی تھیں۔

حضور نے بھی حضرت خدیجہ کا سامانِ تجارت لے کر شام کا سفر کیا اور اپنی دیانت و امانت سے آپ کو بے حد متاثر فرمایا۔ اسی اعلیٰ کردار کی بدولت حضرت خدیجہ نے حضور کو اپنا رفیقِ حیات بنانے کا شرف حاصل کیا۔[3] نیز حضرت خدیجہ کی ہمشیرہ حضرت ہالہ چمڑے کی تجارت کرتی تھیں۔[4] حضرت خدیجہ و ہمشیرۂ خدیجہ کی سیرت اس بات کی روشن دلیل ہے کہ اسلام نے عورت کو وقار و عزت کے ساتھ معاشی سرگرمیوں میں حصہ لینے کا حق عطا کیا۔

ہند بنتِ عتبہ قریش کے معروف سردار عتبہ بن ربیعہ کی بیٹی اور ابو سفیان کی زوجہ تھیں، یہ بھی اپنے خاندانی تجارتی پس منظر اور معاشی اثر و رسوخ کے باعث مکے کی معزز خواتین میں شمار ہوتی تھیں۔ ابتدا میں اسلام کی سخت مخالف رہیں، لیکن فتحِ مکہ کے بعد ایمان لائیں۔ قبولِ اسلام کے بعد بھی انہوں نے اپنا تجارتی سلسلہ برقرار رکھا۔ وہ شام کے قبیلہ کلب میں سامانِ تجارت فروخت کرتی تھیں اور خلفائے راشدین کے دور تک ان کا کاروبار قائم رہا۔ ایک مرتبہ انہوں نے حضرت عمر بن خطاب کے ذریعے بیتُ المال سے چار ہزار قرض لے کر تجارت کی اور بلادِ کلب جا کر نفع حاصل کیا۔[5]

عہدِ نبوی میں خواتین کے معاشی استحکام اور عملی سرگرمیوں کی ایک خوبصورت مثال حضرت قَیلہ اُمِّ بَنی انمار رضی اللہ عنہا کی روایت سے ملتی ہے۔ وہ ایک باعمل اور فعال تاجرہ تھیں جو خرید و فروخت کے معاملات براہِ راست انجام دیتی تھیں۔ عمرہ کے موقع پر مقامِ مروہ کے قریب انہوں نے حضور نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں آکر اپنے تجارتی طریقہ کار کا تذکرہ کیا جس میں قیمت طے کرنے اور گفت و شنید کے مختلف مراحل شامل تھے۔[6] ان کا یہ سوال اور اس کا پس منظر اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ اُس دور میں عورتیں محض گھریلو ذمہ داریوں تک محدود نہ تھیں، بلکہ مارکیٹ میں جاکر خرید و فروخت کرتی، معاملات طے کرتی اور معاشی سرگرمیوں میں باوقار انداز سے شریک ہوتی تھیں۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے خواتین کو معاشی استحکام کے مواقع نہ صرف فراہم کیے بلکہ انہیں اس قابل بنایا کہ وہ تجارت جیسے عملی میدان میں اعتماد اور مہارت کے ساتھ کردار ادا کر سکیں۔

عطر فروش خواتین

صحابیات میں سیدہ اسماء بنتِ مخربہ عطر کا کاروبار کرتی تھیں۔ ابنِ سعد فرماتے ہیں: ان کا بیٹا عبدُ اللہ بن ابو ربیعہ یمن سے عطر خرید کر انہیں بھیجا کرتا تھا اور وہ اسے فروخت کرتی تھیں۔[7] حضرت حولاء انصاریہ تو باقاعدہ عطارہ کے نام سے مشہور تھیں جن سے حضور کی ازواج بھی عطر خریدا کرتیں۔[8] اسی طرح حضرت سائب بن اقرع ثقفی کی والدہ حضرت مُلیکہ بھی عطر فروشی کا کام کیا کرتی تھیں، جن سے حضور کا عطر خریدنا بھی ثابت ہے۔

صنعت و حرفت (دستکاری)

ام المومنین حضرت زینب بنتِ جحش اسدی خزیمی رضی اللہ عنہا کھالیں دباغ کرا نہیں سلائی کرتیں اور پھر ملنے والی رقم راہِ خدا میں صدقہ کر دیتیں۔[9] اسی طرح حضرت عبدُ اللہ بن مسعود کی زوجہ حضرت زینب بھی دستکاری اور حرفت سے وابستہ تھیں اور حاصل ہونے والی آمدنی کو اپنے شوہر اور زیرِ کفالت یتیم بچوں پر خرچ کرتی تھیں یعنی ان کا نفقہ اٹھاتی تھیں کیونکہ ان کے شوہر فقیر و مسکین تھے۔

ماہراتِ طب و جراحت

اسلامی تاریخ میں خواتین نے طب، نرسنگ اور جراحت کے شعبوں میں نمایاں کردار ادا کیا۔ متعدد صحابیات نے جنگ و امن دونوں حالات میں علاج معالجہ کے ذریعے خدمتِ دین اور معاشی استحکام کا عملی ثبوت دیا۔ حضرت رُفَیدہ بنتِ سعد اور حضرت اُمِّ سِنان میدانِ جہاد میں زخمیوں کی مرہم پٹی، آپریشن اور نرسنگ کے فرائض سرانجام دیتی تھیں اور ضرورت مند مجاہدین کا مفت علاج کرتی تھیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے نہ صرف خواتین کو پیشہ ورانہ مہارتیں اپنانے کی اجازت دی بلکہ انہیں ایسے شعبوں میں آگے بڑھنے کا موقع بھی دیا جن سے معاشرہ براہِ راست فائدہ اٹھاتا ہے۔ تاریخِ اسلام کی یہ خواتین پہلی ڈاکٹر، نرس اور سرجن کے طور پر جانی جاتی ہیں، جنہوں نے عملی طور پر ثابت کیا کہ عورت اسلامی معاشرے میں باوقار، فعال اور باصلاحیت کردار ادا کر سکتی ہے۔

حضرت رفیدہ مدینہ کی اولین ماہرِ طب و جراحت خواتین میں سے تھیں۔ آپ کا تعلق بنو اسلم سے تھا اور آپ نے ابتدائی طبی تربیت اپنے والد جو خود طبیب تھے، سے حاصل کی۔ اسلام قبول کرنے کے بعد آپ نے اپنے آپ کو زخمی مجاہدین کی تیمار داری اور علاج کے لئے وقف کر دیا اور عملی طور پر اسلامی تاریخ کا پہلا طبی کیمپ قائم کیا، جسے آج کے مفہوم میں پہلا موبائل کیئر یونٹ کہا جا سکتا ہے۔ غزوۂ خندق میں آپ نے خندق کے قریب خیمہ نصب کر کے مسلسل طبی خدمت سرانجام دی۔ حضرت سعد بن معاذ شدید زخمی ہوئے تو حضور نے انہیں مسجدِ نبوی کے اُس خیمے میں منتقل کروایا جو خاص طور پر حضرت رفیدہ کی نگرانی میں تھا اور آپ نے ان کی تیمار داری پوری مہارت، شفقت اور مستعدی کے ساتھ کی۔ آپ بدر، اُحد اور خندق سمیت کئی غزوات میں طبی خدمات دیتی رہیں۔ آپ مستقل نرس، طبیبہ اور جراح کے

طور پر حضور کی معتمد معاون تھیں۔ آپ کا طبی خیمہ مسجدِ نبوی کے ساتھ مستقل قائم رہتا تھا، جہاں خواتین و مرد زخمیوں کا علاج کیا جاتا تھا۔ حضرت رفیدہ نے زندگی بھر خدمت، علاج اور جراحت کے ذریعے اسلام کی بے مثال خدمت کی اور اسی حالت میں وفات پائی۔[10]

حضرت اُمِّ سنان بھی طبابت اور جراحت میں نمایاں مہارت رکھنے والی صحابیات میں شمار ہوتی ہیں۔ وہ غزوات میں شریک ہو کر زخمیوں کی مرہم پٹی، نگہداشت اور علاج میں خدمات سر انجام دیتی تھیں۔ ان کے پاس ایک خاص دوا تھی جس سے وہ زخمیوں اور بیماروں کا علاج کرتی تھیں اور وہ تیزی سے صحت یاب ہو جاتے تھے۔[11] حضرت اُمِّ عطیہ انصاریہ بھی میدانِ جہاد میں غیر معمولی خدمات سر انجام دیتی رہی ہیں۔ آپ پانی پہنچاتی، زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی، خون روکنے کے لئے خاص علاج کرتی اور مجاہدین کے لئے کھانا بھی تیار کرتی تھیں۔[12]

زراعت و کاشتکاری

زراعت و کاشتکاری انسانی معاشی سرگرمیوں کی قدیم ترین بنیاد رہی ہے۔ اگرچہ یہ محنت، مضبوط ارادے اور عملی طاقت کا تقاضا کرتی ہے، تاہم ضرورت اور مصلحت کے تحت خواتین بھی اس شعبے میں حصہ لیتی رہی ہیں۔ حضرت جابر بن عبدُ اللہ کی روایت کے مطابق ان کی خالہ عدت کے دوران اپنی کھجوروں کی دیکھ بھال کے لئے نکلیں تو ایک شخص نے انہیں روکا۔ انہوں نے حضور سے شکایت کی تو حضور نے اجازت دے دی۔[13]

اسی طرح اُمِّ مُبشّر انصاریہ کا اپنا کھجوروں کا باغ تھا، جس کی طرف حضور نے تشریف لے جا کر دریافت فرمایا کہ کیا یہ باغ کسی مسلمان کا ہے؟ انہوں نے عرض کی: جی ہاں۔ تو حضور نے فرمایا کہ جو درخت لگاتا ہے یا کھیتی کرتا ہے اور پھر اس سے پرندہ، انسان یا جانور کچھ کھالے تو وہ اس کے لئے صدقہ شمار ہوتا ہے۔[14]

غلاموں / باندیوں کی کمائی

حضور کے دور میں غلاموں اور باندیوں کو مختلف حرفوں، دستکاریوں، تجارت اور زراعت میں لگایا جاتا تھا اور ان کی کمائی ان کے مالکان کو حاصل ہوتی تھی۔ مالدار خواتین کے پاس بھی ایسے غلام ہوتے تھے جو اپنے ہنر سے آمدنی پیدا کرتے۔ انہی میں ایک انصاری خاتون کا بڑھئی (Carpenter) غلام تھا جو لکڑی سے تیار شدہ اشیا فروخت کرتا تھا۔ اسی غلام نے حضور کی خواہش پر یا اپنی مالکہ کی طرف سے از خود ایک عمدہ ممبر تیار کیا، جو حضور کے خطباتِ جمعہ کے لئے استعمال ہوتا تھا۔[15] کتبِ حدیث و سیر میں یہ واقعہ تفصیل سے مذکور ہے۔ بعض روایات میں اس بڑھئی کا نام ابراہیم بھی ذکر ہوا ہے۔

بیوٹیشن: (عورتوں کا بناؤ سنگھار کرنا)

حضرت اُم رعلہ قشیریہ نے حضور کی خدمت میں عرض کی: وہ عورتوں کی زیب وزینت اور بناؤ سنگھار کا کام کرتی ہیں، کیا یہ گناہ ہے؟ حضور نے فرمایا: اے ام رعلہ! جب عورتوں کی خوبصورتی ماند پڑ جائے تو انہیں زیب وزینت سے آراستہ کر دیا کرو۔[16]

عورت بحیثیتِ معلمہ

حضور کے دور میں خواتین نے تعلیم و تدریس کے میدان میں بھی نمایاں کردار ادا کیا۔ حضرت شفا بنتِ عبدُ اللہ قریش کی فاضل، دانا اور علمی اعتبار سے بلند مقام رکھنے والی خواتین میں سے تھیں۔ وہ لکھنا پڑھنا جانتی تھیں اور جاہلیت ہی کے زمانے میں علمِ کتابت میں مہارت حاصل کر چکی تھیں۔ حضور کے حکم پر حضرت حفصہ نے ان سے کتابت اور مرضِ نملہ کا دم سیکھا۔[17]

اسی طرح عمرہ بنتِ عبدُ الرحمن علمِ حدیث اور فقہ میں بلند پایہ مقام رکھتی تھیں۔ امام زہری فرماتے ہیں کہ قاسم بن محمد نے مجھے ان کی طرف راہ نمائی کرتے ہوئے کہا کہ تم عمرہ کی خدمت لازم پکڑ لو، کیونکہ وہ سیدہ عائشہ کی تربیت یافتہ ہیں۔ امام زہری کہتے ہیں کہ میں ان کے پاس حاضر ہوا تو انہیں علم و فقہ کا ایسا وسیع ذخیرہ پایا کہ گویا وہ علم کا سمندر ہوں۔[18]

حضرت عائشہ علمی، فقہی اور معاشی ہر میدان میں نمایاں مقام رکھتی تھیں۔ نکاح، نان نفقہ، وراثت، قرض، صدقہ اور

مالی حقوق سے متعلق بے شمار فتاویٰ آپ سے مروی ہیں۔ آپ نہ صرف مالی طور پر خود مختار تھیں بلکہ غربا کی کفالت، غلاموں کی آزادی اور ضرورت مندوں کی امداد میں پیش پیش رہتی تھیں۔ کئی مرتبہ بیت المال سے جو مال آپ کے پاس لایا گیا، آپ نے اسی دن بغیر کچھ رکھے سب مستحقین میں تقسیم کر دیا۔

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا عورتوں کو میراث، مالی لین دین، قرض اور نان نفقہ کے مسائل سکھاتیں اور یتیموں و محتاجوں کے حقوق کی حفاظت کرتیں۔ آپ نے اپنی موروثی جائیداد بھی تقسیم کر دی جس سے آپ کی عملی فقاہت اور مالی دیانت واضح ہوتی ہے۔ علمی میدان میں آپ کا مقام اس قدر بلند تھا کہ بڑے بڑے صحابہ و تابعین آپ سے علم حاصل کرتے تھے، خصوصاً خواتین کے لئے آپ ایک مکمل راہ نمائی کا مرکز تھیں۔

آپ کی پوری زندگی یہ ثابت کرتی ہے کہ اسلام نے عورت کو معاشی خود مختاری، علمی بلندی، مالی تصرف اور سماجی کردار کا پورا حق دیا ہے۔ آپ کا اسوہ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ عورت اپنے مال میں با اختیار بھی ہو سکتی ہے اور معاشرے کے دیگر افراد کے لئے نفع بخش کردار بھی ادا کر سکتی ہے۔

معاشی استحکام اور مالی حقوقِ عورت

اسلام نے عورت کو معاشرتی اور مالی اعتبار سے باعزت مقام عطا کیا۔ بیٹی کے طور پر وہ والدین کی زندگی میں نہ صرف اخلاقی بلکہ مالی معاونت بھی فراہم کرتی ہے، خاص طور پر اس صورت میں جب بیٹے دیگر ذمہ داریوں کے باعث والدین کے قریب نہ ہوں۔ بہن کے طور پر اسلام نے اسے بھائی کے ساتھ وراثتی حق دیا اور خاندان میں اس کی عزت و وقار کو یقینی بنایا۔ بیوی کے طور پر عورت معاشی ذمہ داری کے بوجھ سے آزاد رکھی گئی اور نان نفقہ کی ذمہ داری مرد پر عائد کی گئی، تاکہ وہ گھر اور خاندان کی دیکھ بھال کے ساتھ اپنی عزت برقرار رکھ سکے۔

اسلام نے عورت کی مالی خود مختاری کو واضح طور پر تسلیم کیا: عورت اپنی کمائی، مہر، وراثت اور تجارت کے ذریعے مال رکھ سکتی ہے اور یہ مال اس کی ذاتی ملکیت ہے جسے وہ اپنی مرضی سے خرچ کر سکتی ہے۔ ارشاد فرمایا: لِلرِّجَالِ نَصِیۡبٌ مِّمَّا اکۡتَسَبُوۡا ؕ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِیۡبٌ مِّمَّا اکۡتَسَبۡنَ ؕ (پ5، النسآء:32) ترجمہ: مردوں کے لئے ان کے اعمال سے حصہ ہے، اور عورتوں کے لئے ان کے اعمال سے حصہ ہے۔

اس طرح اسلام نے عورت کو معاشرتی، اخلاقی اور مالی طور پر وہ مقام دیا جس کا تصور ممکن نہ تھا۔ اس کی عزت، وقار، مالی خود مختاری اور حقوق کو آسمانی قانون کے ذریعے یقینی بنایا گیا تاکہ ہر عورت مرد کے برابر حیثیت اور مقام کی حامل ہو اور معاشرے میں اس کی شراکت باعزت اور باوقار ہو۔

دورِ نبوی میں خواتین کی معاشی شرکت کی متعدد مثالیں اور واقعات یہ واضح کرتے ہیں کہ اسلام کے معیاری دور میں عورتیں صرف گھروں تک محدود نہ رہتیں بلکہ گھر کے باہر کے ضروری کام بھی انجام دیتی تھیں۔ صحابیات نے شریعت کی حدود میں رہ کر معاشی سرگرمیاں نبھائیں جو ان کے Economic field میں حصہ لینے کے لئے معتبر نمونہ ہیں۔

اسلام میں ترقی اور کامیابی کا معیار صرف دنیاوی نہیں بلکہ دینی بھی ہے۔ حقیقی کامیابی اللہ و رسول کی فرمانبرداری، سنت کے مطابق زندگی گزارنے، ایمان کو سلامت رکھنے اور آخرت میں جنت الفردوس حاصل کرنے میں ہے۔

موجودہ دور میں راہ نمائی

موجودہ دور میں اگر مسلمان خواتین کام کرنے کی خواہش رکھتی ہیں، تو انہیں سب سے پہلے شریعت کی طرف سے مقرر کردہ ذمہ داریوں کو سمجھنا اور ان کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے۔ شریعت کی راہ نمائی اختیار کرتے ہوئے عورت معاشی اور پیشہ ورانہ امور انجام دے سکتی ہے۔ امہات المومنین اور دیگر معزز خواتین نے شریعت کی حدود میں رہ کر وہ کارنامے انجام دیئے جو آج بھی رہتی دنیا کے لئے مثال ہیں۔ اگر آج کی عورت امامِ اہلِ سنت کی بیان کردہ درج ذیل پانچ شرائط پر عمل پیرا ہو سکتی ہے تو اس کے ملازمت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

امامِ اہلِ سنت کی بیان کردہ پانچ شرائط: (1) کپڑے باریک نہ ہوں جس سے سر کے بال یا کلائی وغیرہ ستر کا کوئی حصہ چمکے۔ (2) کپڑے تنگ و چست نہ ہوں جو بدن کی ہیئات (یعنی سینے کا ابھار یا پنڈلی وغیرہ) کی گولائی ظاہر کریں۔ (3) بالوں یا گلے یا پیٹ یا کلائی یا پنڈلی کا کوئی حصہ ظاہر نہ ہوتا ہو۔ (4) کبھی نامحرم کے ساتھ خفیف (یعنی معمولی سی) دیر کے لئے بھی تنہائی نہ ہوتی ہو۔ (5) اس کے وہاں رہنے یا باہر آنے جانے میں کوئی فتنہ کا گمان نہ ہو۔ یہ پانچوں شرطیں اگر جمع ہیں تو حرج نہیں اور ان میں سے ایک بھی کم ہے تو ملازمت وغیرہ حرام۔[19]

حضور کی حیاتِ طیبہ اور تعلیمات خواتین کے لئے مشعلِ راہ ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے نہ صرف مردوں بلکہ خواتین کو بھی علم، تربیت، مالی حقوق اور معاشرتی شمولیت میں برابر کا حق دیا۔ صحابیات کی بڑی تعداد نے درس گاہِ نبوی سے تعلیم حاصل کی اور تدریس واشاعت میں نمایاں کردار ادا کیا، جس میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ بطور خاص قابلِ ذکر ہیں، جنہوں نے امت کی خواتین کو دینی، معاشرتی اور عملی امور میں راہ نمائی فراہم کی۔ حضور کی تعلیمات اور طرزِ عمل یہ واضح کرتے ہیں کہ خواتین کو معاشی و سماجی میدان میں مستحکم بنانے کے لئے اسلام نے مالی حقوق، تعلیم و تربیت اور کاروبار و پیشہ ورانہ سرگرمیوں میں شراکت داری کی اجازت دی، جیسا کہ گزشتہ صفحات میں اس کی کئی مثالیں بیان ہوئیں۔

معاشرتی ترقی میں خواتین کی شمولیت

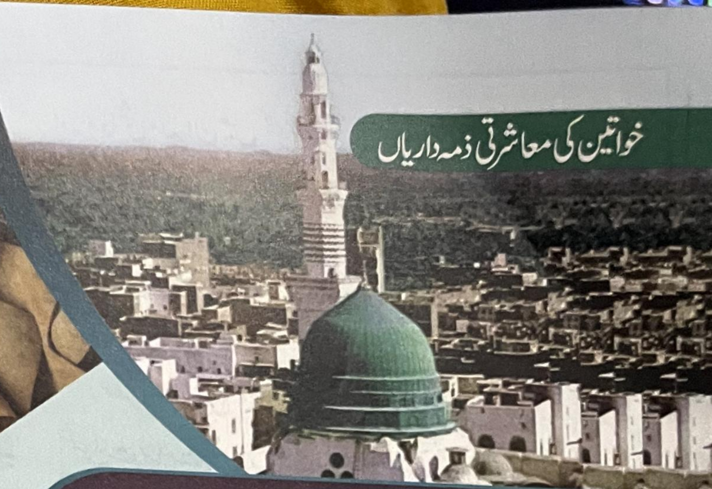
خواتین کی معاشرتی اور معاشی حیثیت کو بہتر بنانے کے لئے ضروری ہے کہ ہم قرآن و سنت کی تعلیمات کو اپنی زندگی میں نافذ کریں۔ حضور نے خواتین کے ساتھ حُسنِ سلوک، عدل و انصاف اور احترام کا عملی نمونہ عطا فرمایا، جو آج کے معاشرتی مسائل کے حل کے لئے مشعلِ راہ ہے۔ اسلام نے خواتین کو وراثت، ملکیت، مہر، تعلیم، عزت و وقار، تحفظ اور روزگار کے مواقع میں جائز حقوق عطا کیے، تاکہ وہ نہ صرف گھریلو بلکہ سماجی اور معاشی میدان میں بھی فعال کردار ادا کرسکیں۔ صحابیات کی زندگی اس بات کا روشن ثبوت ہے کہ خواتین شریعت کی حدود میں رہ کر تجارت، زراعت، صنعت و حرفت، تعلیم و تدریس اور طبی خدمات میں نمایاں کردار ادا کرتی رہیں اور معاشرے کی تعمیر و ترقی میں اپنا حصہ ڈالتی رہیں۔

عصرِ حاضر میں بھی خواتین کی معاشی خود مختاری اور معاشرتی شمولیت نہایت ضروری ہے کیونکہ جب خواتین مالی وسائل اور تعلیم و تربیت کے مواقع حاصل کرتی ہیں تو وہ اپنے خاندان، معاشرہ اور ملک کی فلاح و بہبود میں بہتر کردار ادا کرسکتی ہیں۔ معاشی خود مختاری سے خواتین میں اعتماد، شعور اور عملی صلاحیتیں بڑھتی ہیں اور وہ اپنے فیصلے شریعت کی راہ نمائی میں خود کرسکتی ہیں۔ اس کے لئے تعلیم، روزگار کے مواقع، کاروبار، قانونی حقوق، مالیاتی شمولیت، ٹیکنالوجی تک رسائی اور خاندانی تعاون جیسے عوامل اہم ہیں۔ ان تمام عناصر کو عملی جامہ پہنانے سے خواتین کو ان کا جائز مقام دیا جاسکتا ہے، جو نہ صرف ایک متوازن، خوشحال اور اسلامی اصولوں پر قائم معاشرے کی تشکیل کا باعث ہے بلکہ معاشرتی ترقی اور قومی استحکام کی ضمانت بھی فراہم کرتا ہے۔ اس طرح اسلامی تعلیمات کے مطابق خواتین کو معاشی، سماجی اور علمی طور پر مضبوط بنا کر ایک صالح اور کامیاب اُمّت کی بنیاد رکھی جاسکتی ہے۔

---

(1) تفسیر صراط الجنان، 9/123، 124 (2) سیرۃ حلبیہ، 2/175 (3) مدارج النبوۃ، 2/27 ملخصاً (4) سیرۃ نبویۃ لابن کثیر، 1/266 (5) تاریخ طبری، 8/436، رقم: 648 (6) ابن ماجہ، 3/39، حدیث: 2204 (7) طبقات ابن سعد، 8/233 (8) اسد الغابہ، 7/85 (9) فتح الباری، 4/249، تحت الحدیث: 1420 مفہوماً (10) معجم الشیخۃ مریم، ص18 (11) کتاب المغازی للواقدی، ص687 (12) مسلم، ص778، حدیث: 4690 مفہوماً (13) مسلم، ص611، حدیث: 3721 (14) مسلم، ص647، حدیث: 3973، 3974 (15) بخاری، 2/17، حدیث: 2094 (16) اصابہ، 8/390، رقم: 12025 (17) ابوداود، 4/15، حدیث: 3887 (18) سیر اعلام النبلا، 5/417 (19) فتاویٰ رضویہ، 22/248





عہدِ نبوی میں خواتین کی پیشہ ورانہ سرگرمیاں

بنتِ مقصود عطاریہ*

اسلام نے عورت کو گھر کی زینت بنایا اور اسے فکرِ معاش سے آزاد رکھا، جبکہ کسبِ معاش کی تمام ذمہ داری مرد پر ڈالی۔ تاہم اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ عورت کو جائز پیشہ اختیار کرنے یا کمانے کی اجازت نہیں دی۔ اسلام نے ضرورت یا مجبور حالات میں، یہاں تک کہ اگر عورت کی کفالت کرنے والا موجود نہ ہو تو اسے اپنے لئے معاش حاصل کرنے کا حق دیا ہے۔ دورِ جاہلیت میں بھی عورتیں تجارت، زراعت، دستکاری اور اجرتی کاموں میں حصہ لیتی تھیں، مگر یہ سرگرمیاں ذاتی یا قبیلے کی سطح تک محدود اور اکثر تحفظ یا حقوق کے بغیر تھیں۔ اس کے برخلاف عہدِ نبوی میں عورتوں کو نہ صرف کسبِ معاش کے چار اہم ذرائع: تجارت، زراعت، دستکاری / حرفت اور اجرت اختیار کرنے کے مواقع فراہم کیے گئے، بلکہ انہیں شرعی حدود، حجاب اور اخلاقی اصولوں کی مکمل راہ نمائی میں معاشی سرگرمیوں میں حصہ لینے کی آزادی اور تحفظ حاصل تھا۔ صحابیات اپنے گھریلو اور خاندانی فرائض انجام دیتے ہوئے معاشی سرگرمیوں میں مصروف رہتی تھیں، اسی طرح اسلام نے عورتوں کو معاشی شرکت کے ساتھ ساتھ حقوق و ذمہ داریوں کی حفاظت بھی فراہم کی۔ اس مضمون میں دورِ نبوی میں مختلف پیشوں سے وابستہ خواتین اور ان کی معاشی سرگرمیوں کا جائزہ پیش کیا جائے گا۔

تجارتی پیشہ

معاشی سرگرمیوں میں سب سے زیادہ نفع بخش اور برکت والا پیشہ تجارت ہے، جو کئی انبیائے کرام کا بھی پیشہ رہا ہے اور جس کی فضیلت احادیثِ مبارکہ میں بیان ہوئی ہے۔ جیسا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: دس حصوں میں سے نو حصے رزق اللہ پاک نے تجارت میں رکھا ہے۔[1]

عہدِ رسالت میں بعض صحابیات تجارت کے پیشے سے وابستہ تھیں اور اپنے گھریلو و خاندانی فرائض کے ساتھ ساتھ معاشی سرگرمیوں میں بھی حصہ لیتی تھیں۔ ان میں سے چند صحابیات کا ذکر درج ذیل ہے:

حضرت خدیجہ بنت خویلد

دورِ نبوی اور اس سے قبل تجارت کرنے والی خواتین میں ایک نمایاں نام حضرت خدیجہ بنتِ خویلد رضی اللہ عنہا کا ہے۔ آپ کی تجارت کا واقعہ اتنا مشہور اور معروف ہے کہ اس کا انکار ممکن نہیں۔ قریش کا بنیادی پیشہ تجارت تھا اور ان کے تجارتی قافلے موسمِ گرما میں شام اور موسمِ سرما میں یمن کا رخ کرتے تھے۔ مکے کے ان تاجروں میں جو اس قافلے میں سب سے زیادہ حصہ لیتے تھے، ان میں سیدہ خدیجہ سرِفہرست تھیں۔ حضرت خدیجہ نہ صرف کامیاب اور دولت مند تاجرہ تھیں

*(طالبہ: فیضان آن لائن اکیڈمی) بحرین (عرب امارات)

بلکہ اعلیٰ اخلاق کی پیکر بھی تھیں۔ بعثت سے پہلے بھی آپ کی تجارت دیانت داری، ایمان داری اور اخلاقی اصولوں کی پابندی پر مبنی تھی جو بعد میں اسلامی اقتصادی اصولوں سے ہم آہنگ ثابت ہوئی۔ جب تجارتی قافلہ بیرونِ ملک جاتا تو ان کے سامان سے لدے ہوئے اونٹ ضرور ساتھ ہوتے۔ یہ حضرت خدیجہ کی غیر معمولی سوجھ بوجھ اور فہم و فراست کا نتیجہ تھا کہ اگرچہ آپ خود تجارتی سفر نہیں کرتی تھیں، مگر پھر بھی آپ اس دور کی سب سے کامیاب تاجرہ اور مکے کی خوشحال ترین خاتون شمار کی جاتی تھیں۔ حضور کی بعثت کے بعد بھی حضرت خدیجہ کی تجارتی سرگرمیاں جاری رہیں، حضور خود بھی ان میں برابر کے شریک رہے اور ہر طرح سے حوصلہ افزائی فرماتے۔ اس پہلو سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس دور میں خواتین کو کسبِ معاش کے مواقع حاصل تھے اور وہ اپنے گھریلو اور خاندانی فرائض کے ساتھ اخلاقی اصولوں کا خیال رکھتے ہوئے معاشی سرگرمیوں میں حصہ لے سکتی تھیں۔

حضرت ہالہ بنتِ خویلد

اسی طرح حضرت خدیجہ کی بہن حضرت ہالہ بنتِ خویلد بھی عہدِ مکی میں چمڑے کی کھالوں کی تجارت کرتی تھیں۔ تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے حضرت خدیجہ سے نکاح کے سلسلے میں حضرت ہالہ سے مشاورت کے لئے اپنے ہم عمر اور رفیق حضرت عبد اللہ بن حارث ہاشمی کو ان کے مقامِ تجارت یا بازار میں ملاقات کے لئے بھیجا تھا۔(2)

حضرت قَیلہ ام بنی انمار

حضرت قَیلہ اُمّ بنی انمار رضی اللہ عنہا تجارت کے پیشے سے وابستہ تھیں اور خرید و فروخت کے معاملات میں براہِ راست شریک رہتی تھیں۔ عمرہ کے موقع پر مقامِ مَروَہ کے قریب انہوں نے حضور کی خدمت میں اپنے تجارتی معمولات کا تذکرہ کیا اور بتایا کہ وہ خریدتے اور بیچتے وقت قیمت طے کرنے میں تدریجی انداز اختیار کرتی ہیں۔(3) جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ نبوی میں خواتین معاشی سرگرمیوں میں فعال کردار رکھتی تھیں اور اپنے معاملات حضور کے سامنے پیش کر کے راہ نمائی حاصل کرتی تھیں، جو اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام نے ان کی معاشی شمولیت کو قدر کی نگاہ سے دیکھا۔

نیز اس واقعے سے یہ حقیقت بھی نمایاں ہوتی ہے کہ اسلام نے خواتین کی معاشی سرگرمیوں کو محدود کرنے کے بجائے اخلاقی اصولوں کے دائرے میں منظم کیا۔ حضور نے حضرت قَیلہ کے پیشہ ورانہ عمل کے بنیادی حق کو برقرار رکھا اور صرف اندازِ گفت و شنید میں موجود غیر ضروری پیچیدگی کی اصلاح فرمائی۔ یوں اسلام نے عورت کو معاشی خود مختاری کے ساتھ ساتھ شفافیت، سچائی اور دیانت داری جیسے اصولوں کی پابندی کا درس دیا، جو اسلامی معیشت کا بنیادی وصف ہے۔

گھریلو سطح پر چھوٹی صنعتوں کا قیام

یہ بڑے پیمانے کی تجارت کی مثالیں تھیں، لیکن اس کے علاوہ متعدد صحابیات گھریلو سطح پر چھوٹے پیمانے کے کاموں کے ذریعے بھی تجارت میں شریک رہتی تھیں۔ انہوں نے دستکاری، دباغت، سوت کاتنے، کپڑا بننے اور مختلف اشیائے ضرورت تیار کرنے جیسے کام اپنائے، جو اُس دور کی گھریلو صنعت کا بنیادی حصہ تھے۔ امہاتُ المومنین میں حضرت اُمّ سلمہ، حضرت اُمّ حبیبہ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہن اپنے گھروں میں ہاتھ سے مختلف اشیا تیار کرتی تھیں، پھر انہیں بازار میں فروخت کر کے آمدنی حاصل کرتی تھیں۔

صحابیات طیبات کا یہ عمل محض معاشی ضرورت نہیں تھا بلکہ گھر کی حدود میں رہتے ہوئے باعزت روزگار کا ایک عملی نمونہ تھا۔ یوں گھریلو صنعت کے ذریعے خواتین نہ صرف اپنی ضروریات پوری کرتی تھیں بلکہ مدینہ منورہ کی معاشی سرگرمیوں میں بھی باقاعدہ حصہ لیتی تھیں۔

ذیل میں بیان کردہ چند مثالیں صحابیات کی چھوٹی مگر بابرکت کوششیں عورتوں کے لئے معاشی شرکت کا روشن اور

قابلِ عمل نمونہ پیش کرتی ہیں۔

دباغت

یہ فن اُس زمانے میں نہ صرف معاشی ضرورت بلکہ ایک اہم ہنر بھی سمجھا جاتا تھا، کیونکہ چمڑے سے تیار شدہ اشیا روزمرہ استعمال میں آتی تھیں۔ خواتین گھروں میں کھالوں کو صاف کر کے دباغت دیتیں، ان سے تھیلے، مشکیزے اور دیگر سامان تیار کرتی تھیں۔ انہی میں سے ایک مثال حضرت زینب بنتِ جحش کی ہے، جن کے بارے میں حضرت جابر سے روایت ہے کہ حضور اپنی زوجہ محترمہ حضرت زینب کے پاس تشریف لائے تو دیکھا کہ وہ چمڑے کی دباغت میں مصروف ہیں۔[4]

حافظ ابنِ حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ حضرت زینب بنتِ جحش دست کار خاتون تھیں۔ چمڑے کی دباغت، سلائی اور مرمت کرتی اور راہِ خدا میں صدقہ کرتی تھیں۔[5]

یہ روایت اس بات کی روشن دلیل ہے کہ عہدِ نبوی میں خواتین نہ صرف گھریلو صنعتوں میں مشغول تھیں بلکہ ان کے کام کو عزت و وقار کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

سوت کاتنا اور کپڑے بننا

عہدِ جاہلیت اور عہدِ نبوی دونوں میں متعدد خواتین سوت کاتنے اور کپڑا بُننے کے کام سے وابستہ تھیں۔ یہ فن اس زمانے میں گھریلو صنعت کی حیثیت رکھتا تھا اور خواتین اپنے ہاتھوں سے تیار کردہ کپڑے فروخت کر کے آمدنی حاصل کرتی تھیں۔

صحیح بخاری کی ایک روایت میں ایک خاتون کا ذکر آتا ہے جو اپنے ہاتھ سے بُنی ہوئی چادر لے کر بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئی اور عرض کی: میں نے اسے اپنے ہاتھ سے بُنا ہے تاکہ آپ کو پہنانے کی سعادت حاصل کروں۔ حضور نے وہ چادر قبول فرما لی اور اسے پہن کر صحابہ کے درمیان تشریف لائے۔[6] یہ روایت اس بات کی علامت ہے کہ خواتین اپنے ہاتھوں سے بنائی ہوئی مصنوعات کو نہ صرف فروخت کرتی تھیں بلکہ ان میں سے بعض اشیا حضور کو تحفے کے طور پر پیش کرنے کا شرف بھی حاصل کرتی تھیں۔

اسی طرح تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ مکرمہ کی خواتین قومی سطح پر بھی معاشی سرگرمیوں میں شریک تھیں۔ غزوۂ بدر سے قبل جب قریش کا قومی تجارتی قافلہ شام کی طرف روانہ ہوا تو مکے کی کئی خواتین نے اس قافلے میں سرمایہ لگایا۔ ان میں سے بعض خواتین نے اپنا سرمایہ سوت کاتنے اور کپڑا بُننے کے ذریعے حاصل کیا تھا۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ خواتین نہ صرف گھریلو صنعت کے ذریعے آمدنی پیدا کرتی تھیں بلکہ تجارتی سرمایہ کاری میں بھی بھرپور حصہ لیتی تھیں۔

گھریلو دستکاری / سلائی کڑھائی

عہدِ نبوی میں خواتین نے گھریلو سطح پر بھی کئی مفید ہنر اپنائے۔ ان میں سلائی کڑھائی، کپڑے کی تیاری اور دیگر دستکاری جیسے کام شامل تھے جن کے ذریعے وہ اپنی ضروریات پوری کرتی، گھر کے معاشی بوجھ کو ہلکا کرتی اور بعض اوقات اپنے اہلِ خانہ کی کفالت بھی انجام دیتی تھیں۔ ان کا یہ عمل صرف معاشی سرگرمی نہیں تھا بلکہ نیت کی درستی کے باعث یہ عبادت کا درجہ رکھتا تھا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود کی زوجہ حضرت رائطہ (جو کہ زینب کے نام سے مشہور ہیں) دستکاری سے واقف تھیں۔ ایک دن وہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی: میں دستکاری سے خوب واقف ہوں اور چیزیں بنا کر فروخت کرتی ہوں؛ میرے بیٹے اور شوہر کے پاس کوئی کام کاج نہیں ہے، میں ہی ان پر خرچ کرتی ہوں، اس وجہ سے میں غربا پر صدقہ نہیں کر پاتی، تو کیا ان پر خرچ کرنے سے مجھے اجر ملے گا؟ حضور نے فرمایا: کیوں نہیں؟ تم ان پر جو بھی خرچ کرو گی، تمہیں اس کا اجر ضرور ملے گا۔[7] اس سے معلوم ہوا کہ اگرچہ نان ونفقہ اور اہل وعیال کی کفالت کی ذمہ داری شوہر پر واجب ہے، تاہم عورت اگر اپنے شوہر کی مجبوری یا تنگدستی کے وقت میں مالی

تعاون کرے تو یہ اس کے لئے دگنے اجر وثواب کا باعث ہے۔

اس سے صحابیاتِ طیبات کی اپنے شوہروں سے اخلاص، ایثار اور وفاداری کا بھی پتا چلتا ہے کہ وہ گھریلو معیشت میں مددگار، مخلص اور ہمدرد شریکِ حیات تھیں۔

عطر فروشی

مکی اور مدنی دونوں ادوار میں بعض خواتین عطر فروشی کے پیشے سے وابستہ تھیں اور اس میں نہ صرف معاشی سرگرمی بلکہ ہنر وصنعت بھی شامل تھے۔ مشہور صحابیات جیسے اسماء بنتِ مخربہ، حضرت مُلیکہ اور حضرت حولاء عطر کا کاروبار کرتی تھیں۔

حضرت حولاء ایسی مشہور عطر فروش تھیں کہ انہیں صرف ان کے عطر کے حوالے سے ہی پہچانا جاتا تھا۔ وہ بارگاہِ نبوی میں آتی اور اپنے عطر فروخت کرتی تھیں۔ حضرت عائشہ حضور کے لئے ان سے عطر خریدا کرتی تھیں۔ ایک دن حضور گھر تشریف لائے تو فرمایا: میں حولاء کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں، کیا وہ آئی تھیں؟ کیا تم نے ان سے کچھ خریدا بھی ہے؟ حضرت عائشہ نے عرض کی: آج وہ کاروبار کی غرض سے نہیں آئیں، اپنے شوہر کی شکایت لے کر آئی ہیں۔ حضور نے ان کی شکایات کا تدارک فرمایا۔(8)

حضرت اسماء کے بارے میں ابنِ سعد فرماتے ہیں: ان کا بیٹا عبدُاللہ بن ابی ربیعہ یمن سے عطر خرید کر انہیں بھیجتا تھا اور وہ اسے فروخت کرتی تھیں۔ ربیع بنتِ معوذ کہتی ہیں کہ ہم چند عورتوں نے ان سے عطر خریدا، جب انہوں نے ہماری بوتلیں عطر سے بھر دیں تو کہا: میری جو رقم تمہارے ذمے واجبُ الادا ہے اسے لکھ لو۔(9) اس سے معلوم ہوا کہ وہ عطر کی خرید و فروخت نقد اور ادھار دونوں طرح کرتی تھیں۔

اسی طرح حضرت سائب بن اقرع ثقفی کی والدہ حضرت مُلیکہ بھی عطر فروشی کا کام کرتی تھیں۔ حضرت سائب فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میری والدہ حضور کے پاس عطر فروخت کرنے کی غرض سے حاضر ہوئیں، حضور نے عطر کی خریداری کے بعد ان سے ان کی حاجت کے بارے میں دریافت فرمایا۔ انہوں نے عرض کی: نہیں، البتہ! میرے چھوٹے بچے کے لئے دعا کی درخواست ہے۔ بچہ انہی کے ساتھ تھا تو حضور نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اس کے لئے دعا فرمائی۔(10)

معلوم ہوا کہ عہدِ نبوی میں خواتین نہ صرف تجارتی سرگرمیوں میں فعال تھیں بلکہ وہ اپنے کاروبار میں دیانت داری، نفع اور صدقہ دونوں کو مدِّ نظر رکھتی تھیں۔

زرعی پیشہ

تجارت اور گھریلو صنعت کے علاوہ بھی متعدد صحابیات مختلف پیشوں میں فعال تھیں، جن میں زرعی و پیداواری شعبے بھی شامل ہیں۔ زرعی پیشے سے مراد وہ روزگار ہے جو زمین سے پیداوار حاصل کرنے یا صنعتوں و پیداواری سرگرمیوں سے متعلق ہو، جیسے کھیتی باڑی، باغبانی، پھل و سبزی کی پیداوار وغیرہ۔ عہدِ نبوی میں خواتین نہ صرف گھریلو سطح پر زرعی سرگرمیوں میں شریک تھیں بلکہ بعض اوقات وہ زرعی پیداوار کو فروخت کر کے آمدنی بھی حاصل کرتی تھیں۔ اس کی چند نمایاں مثالیں درج ذیل ہیں:

زراعت و باغبانی

زراعت و کاشتکاری انسانی معاش کی بنیاد ہیں۔ انسان نے زمین پر سب سے پہلے اگایا اور اس سے رزق حاصل کیا۔ اگرچہ یہ کام سخت محنت و مشقت طلب ہے اور عام طور پر مردوں کے لئے زیادہ موافق سمجھا جاتا ہے، لیکن بوقتِ ضرورت یا مجبوری خواتین بھی اس میں حصہ لیتی تھیں۔ عہدِ نبوی میں خصوصاً مدینہ منورہ کی انصار خواتین نہ صرف گھریلو دیکھ بھال کرتی تھیں بلکہ سبزیاں بوتی، باغبانی کرتی اور جانوروں کی دیکھ بھال بھی کرتی تھیں۔

اُس دور میں زراعت و باغبانی کرنے والی خواتین کے چند واقعات درج ذیل ہیں:

حضرت ابو بکر کی صاحبزادی حضرت اسماء کی شادی حضرت

زبیر بن عوام سے ہوئی تھی وہ اپنا قصہ سناتی ہیں کہ حضرت زبیر نے مجھ سے نکاح کیا تو ان کے پاس سوائے ایک اونٹ اور ایک گھوڑے کے نہ کوئی مال تھا اور نہ کوئی غلام تھا اور نہ کوئی چیز تھی، میں ہی گھوڑے کے لئے گھاس لاتی، میں ہی پانی بھی لایا کرتی، میں ہی ڈول سینچتی اور آٹا گوندھتی تھی، لیکن روٹی پکانا ٹھیک سے نہ آتا تھا تو میری انصاری پڑوسن عورتیں پکا دیا کرتی تھیں اور میں زبیر کی اس زمین سے جو حضور نے ان کو دی تھی، اپنے سر پر کھجور کی گٹھلیاں اٹھا کر لایا کرتی تھی۔(11) معلوم ہوا کہ حضرت اسماء حضرت زبیر کے باغ کی خدمت یعنی باغبانی کرتی تھیں۔

حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ ایک خاتون کا ذکر کرتے ہیں جن کی اپنی کھیتی تھی اور وہ پانی کی نالیوں کے اطراف چقندر کی کاشت کیا کرتی تھیں، جمعہ کے دن سہل بن سعد اور بعض دیگر صحابہ کرام ان سے ملاقات کے لئے جاتے تو وہ چقندر اور آٹے سے تیار کردہ حلوہ ان کو کھلاتیں۔(12)

اسی طرح حضور کی ایک رُبیحہ نامی باندی جو بنو قریظہ کی اسیرِ جنگ تھیں، صدقات کے باغات میں کام کرتی تھیں اور حضور ان کے جھونپڑے میں کبھی کبھی آرام (قیلولہ) فرمایا کرتے تھے۔ مرضِ وفات کا آغاز وہیں سے ہوا تھا۔(13)

گلہ بانی

تجارت اور صنعت کے علاوہ خواتین عہدِ نبوی میں ایسے پیشوں سے بھی وابستہ رہیں جن کا تعلق کھیت و کھلیان یا مویشیوں کی دیکھ بھال سے تھا۔ ان میں گلہ بانی ایک نمایاں پیشہ ہے جس میں خواتین نے نہ صرف گھریلو ضرورت پوری کی بلکہ اپنی محنت و مہارت سے معیشت میں بھی حصہ لیا۔

مال مویشی کی دیکھ بھال، ان کو چرانا، کھلانا پلانا، ان کی افزائشِ نسل کا خیال رکھنا اور ان سے گوشت اور دودھ کی پیداوار کا انتظام یہ سب کام گلہ بانی کے تحت آتے ہیں جسے دورِ حاضر میں ڈیری اور لائیو اسٹاک فارمنگ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ دورِ نبوی کے پیشوں میں اس کی بھی مثالیں ہمیں ملتی ہیں، جیسا کہ حضور کی سات دودھ دینے والی بکریاں حضرت ام ایمن چرایا کرتیں اور ان کی دیکھ بھال بھی کرتیں۔(14) اسی طرح حضرت کعب بن مالک کی ایک باندی سلع پہاڑی پر بکریاں چرایا کرتی تھی، ایک دن ایک بکری زخمی ہو گئی تو اس نے اسے ذبح کر لیا، جب اس کے بارے میں حضور سے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: اسے کھا سکتے ہو۔(15) یہ واقعہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ خواتین چرواہی کے کام میں مصروف تھیں اور شرعی راہ نمائی کے مطابق ضرورت کے وقت ذبح وغیرہ کے احکام سے بھی واقف تھیں۔

الغرض عہدِ نبوی میں گلہ بانی ایک معروف اور شریفانہ پیشہ تھا جسے بعض خواتین نے ذریعۂ معاش کے طور پر اختیار کیا ہوا تھا۔ اس دور میں بکریاں، اونٹ اور دیگر جانور پالنے کا رجحان عام تھا، جن سے سواری، دودھ، اون اور دیگر منافع حاصل کیے جاتے تھے۔ کئی انصاری خواتین بکریاں پالتی تھیں اور ان کے دودھ و اون سے گھر کے اخراجات پورے کرتی تھیں۔

فنی پیشہ

فنی پیشہ سے مراد ایسا پیشہ ہے جس میں کسی خاص فن، ہنر یا تعلیم کی ضرورت ہوتی ہے، جیسے طب، تعلیم و تعلم، سپہ گری یا خطاطی وغیرہ۔ عہدِ نبوی میں بھی خواتین مختلف فنی میدانوں میں مہارت رکھتی تھیں اور اپنی صلاحیتوں کے ذریعے معاشرتی و دینی خدمات سرانجام دیتی تھیں۔

فنِ طب

عہدِ رسالت کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ متعدد صحابیات طب کے پیشے سے وابستہ تھیں۔ وہ جنگ وجدل کے موقع پر زخمیوں کا علاج کرتیں اور گھروں میں مریضوں کی تیمارداری کا فریضہ بھی انجام دیتی تھیں۔ ان کی یہ خدمت نہ صرف انسانی ہمدردی کا مظہر تھی بلکہ معاشرتی ضرورت کا ایک اہم پہلو بھی تھی۔ لہٰذا موجودہ دور کی خواتین کے لئے بھی یہ نمونہ راہ نمائی کا باعث ہے کہ وہ طب کے پیشے کی طرف خصوصی توجہ دیں، تاکہ خواتین کے علاج معالجہ کا نظام عورتوں

ہی کے ہاتھوں میں رہے اور انہیں کسی نامحرم کے پاس جانے کی ضرورت نہ پڑے۔

میدانِ جنگ میں طبی خدمات

عہدِ نبوی کی خواتین نے جہاں گھریلو اور معاشرتی زندگی میں نمایاں کردار ادا کیا، وہیں میدانِ کارزار میں بھی اپنی خدمات سے تاریخ میں مثال قائم کی۔ ان خواتین کا لشکروں میں شامل ہونا محض تماشائی یا معاون کے طور پر نہیں تھا بلکہ وہ زخمیوں کی مرہم پٹی، علاج معالجہ، پانی پلانے، نقل و حمل میں مدد، سامانِ رسد کی فراہمی اور دیگر رفاہی و تنظیمی خدمات میں بھرپور حصہ لیتی تھیں۔ ان کی شرکت اسلامی معاشرے میں عورت کے فعال کردار اور انسانی خدمت کے جذبے کی روشن دلیل ہے۔ چند نمایاں مثالیں درج ذیل ہیں:

حضرت رُفیدہ بنتِ سعد

حضرت رُفیدہ بنتِ سعد اسلمیہ کو تاریخِ اسلام کی پہلی مسلم خاتون طبیب، نرس اور سرجن ہونے کا شرف حاصل ہے۔ آپ کا تعلق قبیلہ خزرج کی شاخ بنی اسلم سے تھا۔ حضرت رُفیدہ ایک ایسے خانوادے میں پیدا ہوئیں جسے فنِ طب میں خاص مہارت حاصل تھی۔ آپ کے والد سعد اسلمی خود ایک معروف طبیب تھے، جن سے آپ نے طبابت کے بنیادی اصول سیکھے۔ آپ غزواتِ نبوی میں باقاعدہ شریک ہوتی تھیں۔ بقول حضرت ام عطیہ انصاریہ میدانِ جنگ کے قریب آپ کا خیمہ نصب کیا جاتا جہاں زخمی صحابہ کرام کو لایا جاتا اور آپ ان کا علاج و مرہم پٹی کرتی تھیں۔[16] آپ نے متعدد دیگر خواتین کو بھی علاج اور نرسنگ کی تربیت دی۔

علامہ ابنِ اثیر جزری اپنی مشہور تصنیف اُسد الغابۃ میں تحریر فرماتے ہیں کہ جب سعد بن معاذ غزوۂ خندق میں زخمی ہوئے تو حضور نے فرمایا: انہیں رفیدہ کے خیمے میں لے جاؤ، میں جلد اس کی عیادت کروں گا۔ چنانچہ انہیں وہاں لے جایا گیا۔[17] یوں حضرت رُفیدہ کو اسلام میں طبی اور نرسنگ خدمات کا اولین سنگِ بنیاد رکھنے والی خاتون قرار دیا جاسکتا ہے۔

حضرت رُبیّع بنتِ معوّذ انصاریہ

حضرت رُبیّع بنتِ مُعوِّذ انصاریہ رضی اللہ عنہا اُن عظیم صحابیات میں سے ہیں جو بیعتِ رضوان میں شریک ہونے کا شرف رکھتی ہیں۔ آپ کو فنِ طب و علاج میں خاص مہارت حاصل تھی، یہی وجہ ہے کہ آپ غزواتِ نبوی میں باقاعدہ طور پر شریک ہوتی تھیں۔ آپ حضور کے ساتھ میدانِ جنگ میں حاضر ہوتی، زخمی مجاہدین کی مرہم پٹی اور تیمارداری کرتی اور شہدائے کرام کی میتوں کو مدینہ منورہ واپس لے جانے کا فریضہ بھی سرانجام دیتی تھیں۔[18] آپ کا یہ عمل اس حقیقت کا عکاس ہے کہ عہدِ نبوی میں خواتین نہ صرف معاشرتی اور اقتصادی میدانوں میں سرگرم تھیں بلکہ خدمتِ دین اور انسانی ہمدردی کے محاذ پر بھی مردوں کے شانہ بشانہ خدمات انجام دیتی تھیں۔

حضرت ام سُلیم

حضرت اُمّ سُلَیم رضی اللہ عنہا اُن جلیل القدر صحابیات میں سے ہیں جنہوں نے نہ صرف ایمان واستقامت میں بلکہ خدمتِ دین اور فلاحِ انسانیت میں بھی نمایاں کردار ادا کیا۔ آپ متعدد غزواتِ نبوی میں شریک ہوئیں اور میدانِ عمل میں زخمیوں کو پانی پلانے، مرہم پٹی کرنے اور خدمتِ مجاہدین جیسے اہم امور انجام دیئے۔ صحیح مسلم میں حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ حضور حضرت ام سُلیم اور کچھ انصاری خواتین کو ساتھ لے کر جہاد فرمایا کرتے تھے، چنانچہ جب حضور جہاد فرماتے تو یہ خواتین مجاہدین کو پانی پلاتی اور زخمیوں کا علاج کیا کرتی تھیں۔[19] حضرت ام سُلیم کی یہ عملی شرکت اس بات پر شاہد ہے کہ خواتین عہدِ رسالت میں رفاہی، طبی اور سماجی خدمات میں بھرپور حصہ لیتی، حضور کی نگرانی میں اپنی استطاعت کے مطابق امت کی خدمت اور جہاد کے شعور کو زندہ رکھتی تھیں۔

گھر میں فرسٹ ایڈ کی سہولت

گھریلو علاج معالجہ بھی ایک اہم فنی مہارت ہے جو عہدِ نبوی

کی خواتین میں بدرجہ اتم موجود تھی۔ وہ نہ صرف میدانِ جہاد میں زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں بلکہ گھر میں بھی فوری طبی امداد (فرسٹ ایڈ) دینے کی صلاحیت رکھتی تھیں۔ کتبِ سیرت سے متعدد مثالیں اس حقیقت کی تائید کرتی ہیں۔

غزوۂ اُحد کے موقع پر سیدہ خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا نے حضور کے زخموں سے بہتے خون کو روکنے کے لئے چٹائی کا ایک ٹکڑا جلا کر اس کی راکھ زخموں پر رکھی، جس سے خون فوراً بند ہو گیا۔[20] یہ واقعہ نہ صرف حضور کی خدمتِ اقدس میں حضرت فاطمہ کی محبت کا مظہر ہے بلکہ ان کی طبی فہم و مہارت کی بھی عکاسی کرتا ہے۔ اسی طرح حضرت اسماء بنتِ عُمیس اور حضرت اُمِّ سَلَمہ نے حضور کے مرضِ وصال کے دوران ایک خاص قسم کی دوا بنائی جس کے بنانے کا طریقہ انہوں نے حبشہ کے قیام کے دوران وہاں کی مقامی طب سے سیکھا تھا۔[21] اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صحابیات نہ صرف دینی شعور رکھتی تھیں بلکہ علاج معالجہ کے فنون سے بھی آگاہ تھیں اور وقتِ ضرورت گھریلو سطح پر ابتدائی طبی امداد فراہم کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتی تھیں۔

تعلیم و تعلم

اسلام نے عربوں کو جہاں دیگر متمدّن اقوام کی طرح تہذیب و تمدّن سے روشناس کیا، وہیں انہیں زیورِ علم سے بھی آراستہ فرمایا۔ حضور نے تعلیم و تربیت کے لئے جو نظام قائم فرمایا، اس میں عورتوں کو بھی مردوں کی طرح علمِ دین کے حصول کے مساوی مواقع حاصل تھے۔ عورتوں میں دینی شعور اور علم کی پیاس اتنی گہری تھی کہ ایک صحابیہ نے خدمتِ اقدس میں عرض کی: یارسول اللہ! مَردوں نے آپ کا فیضِ صحبت بہت حاصل کیا، ہمیں حضور کی خدمت میں حاضری کا اتنا موقع نہیں ملتا، لہٰذا ایک دن ہمیں بھی عطا فرمائیے اور آپ ہمیں وہ کچھ سکھائیے جو اللہ پاک نے آپ کو سکھایا ہے۔ چنانچہ آپ نے انہیں مخصوص جگہ پر مخصوص دن جمع ہونے کا حکم ارشاد فرمایا۔[22] یہ واقعہ اس حقیقت کی دلیل ہے کہ عہدِ نبوی میں خواتین کی علمی تربیت باقاعدہ منظم انداز میں کی جاتی تھی۔ ازواجِ مطہرات نے بھی اس فریضے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ حضور نے اپنے گھریلو نظامِ تربیت کو اسی مقصد کے لئے قائم فرمایا کہ ازواجِ مطہرات علمِ دین حاصل کر کے آگے خواتین تک پہنچائیں۔ چنانچہ ازواجِ مطہرات نے دین کے باریک مسائل، خاص طور پر خواتین سے متعلق احکام، امتِ مسلمہ کی عورتوں تک پہنچائے۔ حضرت عائشہ صدیقہ کو حضور کے علم و فہم سے سب سے زیادہ حصہ ملا۔ بڑے بڑے صحابہ کرام دینی و فقہی امور میں آپ سے رجوع کرتے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری فرماتے ہیں: ہم اصحابِ رسول کو کسی بات میں اشکال ہوتا تو اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کی بارگاہ میں سوال کرتے اور آپ سے ہی اس بات کا علم پاتے۔[23]

ازواج کے علاوہ عام صحابیات بھی تعلیم و تدریس کے فن میں مہارت رکھتی تھیں۔ حضرت شِفاء بنتِ عبد اللہ کا شمار ابتدائی معلمات میں ہوتا ہے۔ حضور نے ان سے ارشاد فرمایا: جیسے تم نے حفصہ کو کتابت سکھائی ہے ویسے ہی انہیں مرضِ نملہ (پھنسیاں جو پسلی پر نکلتی ہیں) کا دم بھی سکھا دو۔[24]

ان روایات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تعلیم و تعلم اور ٹیچنگ نہ صرف عہدِ نبوی میں خواتین کا ایک معروف فنی پیشہ تھا بلکہ ایک عبادت اور دینی خدمت کے طور پر انجام دیا جاتا تھا۔ ازواجِ مطہرات اور دیگر صحابیات نے اسے اپنا فریضہ سمجھ کر انجام دیا اور تعلیمِ اسلام کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کیا۔

خلاصہ

ان تمام مثالوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ عہدِ نبوی میں خواتین کو شرعی حدود، حالات اور ضرورت کے مطابق معاشی سرگرمیوں میں حصہ لینے کی اجازت تھی، مگر یہ اجازت عمومی نہ تھی۔ صحابیات نے کسبِ معاش کے مختلف طریقے اپنائے، مگر ان کا زمانہ اور معاشرتی ماحول آج سے بالکل مختلف تھا۔ اسلام نے مرد و عورت کے میل جول، پردے اور حیا کے

اصول واضح طور پر طے کر دیئے ہیں، ان حدود میں رہتے ہوئے عورت ملازمت، تجارت اور دیگر جائز ذرائع سے آمدنی حاصل کر سکتی ہے، مگر اپنے فطری اور گھریلو فرائض، جیسے امورِ خانہ داری، شوہر کی خدمت اور بچوں کی تربیت کو ہر حال میں مقدم رکھنا چاہیے اور کفالت کے لئے اپنے سرپرست مردوں، جیسے باپ، بھائی یا شوہر پر اعتماد کرنا بہتر ہے۔

البتہ! اگر عورت پر مجبوری یا ضرورت کے سبب کسبِ معاش اختیار کرنا لازم ہو جائے تو اسے چاہیے کہ تمام اقدامات میں شرعی اور اخلاقی حدود کو مدِّ نظر رکھے۔ سب سے پہلے گھریلو امور کی انجام دہی کو اولین ترجیح دے؛ یعنی گھر کی دیکھ بھال، شوہر کی خدمت، بچوں کی تربیت اور پرورش میں کوئی کمی واقع نہ ہو۔ کسبِ معاش کے ذرائع ایسے تلاش کرے جو حدودِ شرع کے دائرے میں ہوں اور معاشرتی اور فطری اصولوں کے خلاف نہ ہوں، تاکہ عورت اپنی اقتصادی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ اپنی بنیادی ذمہ داریوں میں بھی کامل رہ سکے۔ اس طرح کسبِ معاش اور گھریلو ذمہ داریوں کے درمیان توازن قائم رکھنا ممکن ہوتا ہے اور اسلام کی ہدایات کے مطابق زندگی گزارنے کا راستہ بھی محفوظ رہتا ہے۔

یاد رہے! اسلام نے عورت کو کسبِ معاش کی اجازت تو دی ہے مگر اس اجازت کے ساتھ شرعی حدود کی سخت پابندی لازم قرار دی ہے۔ عورت اگر مجبوری کے تحت روزگار اختیار کرے تو اسے شوہر کی اجازت حاصل کرنی ضروری ہے، کیونکہ شریعت نے شوہر کی اطاعت کو عورت پر واجب کیا ہے۔ جب نفلی روزے کے لئے بھی شوہر کی اجازت لازم ہے تو معاشی سرگرمیوں میں شمولیت اس کے بغیر کیسے درست ہو سکتی ہے! اسی طرح عورت کے لئے پردے اور حیا کا اہتمام بنیادی شرط ہے، خواہ وہ کسی بھی پیشے سے وابستہ ہو، اس پر لازم ہے کہ اپنی عصمت و عفت کی حفاظت کرے، غیر محرم مردوں سے بے تکلف میل جول سے بچے اور اسلامی حدود کے دائرے میں رہتے ہوئے اپنے فرائض انجام دے۔ یوں عورت اسلام کے بتائے ہوئے راستے پر چلتے ہوئے معاشی ضرورت بھی پوری کر سکتی ہے اور اپنی عزت و وقار کی حفاظت بھی۔

عہدِ نبوی کی مثالیں ہمیں یہ بتاتی ہیں کہ خواتین کی معاشی و علمی سرگرمیاں شرعی حدود کے ساتھ ممکن اور جائز ہیں، لیکن ان کی فطری ذمہ داریوں اور معاشرتی حدود کو ہمیشہ مقدم رکھنا ضروری ہے۔ سیرتِ صحابیات کے مطالعے سے یہ حقیقت بھی واضح ہوتی ہے کہ ان خواتین نے دنیاوی منافع یا ظاہری شان و شوکت کے بجائے دینی و فلاحی مقاصد کو اپنی ترجیح بنایا۔ ان کے نزدیک کسبِ معاش عبادت کا درجہ رکھتا تھا، کیونکہ وہ اسے نیکی، خدمتِ خلق اور رضائے الٰہی کے لئے استعمال کرتی تھیں۔

آج کی عورت اگر اپنے دور کی الجھنوں اور مغربی نظریات کے طوفان میں راہِ حق پر قائم رہنا چاہتی ہے تو اسے صحابیات کے اسوۂ حسنہ سے راہ نمائی لینی ہوگی۔ ان پاکیزہ ہستیوں کی سیرت یہ سکھاتی ہے کہ عورت کی اصل کامیابی دنیاوی نمود و نمائش میں نہیں بلکہ ایمان، حیا، خدمت اور شریعت کی پابندی میں مضمر ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان عورت کے لئے ضروری ہے کہ وہ صحابیاتِ طیبات کی حیاتِ طیبہ کا مطالعہ کرے، ان کے اخلاق و کردار سے سبق لے اور اپنی عملی زندگی میں ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کرے تاکہ دنیا و آخرت دونوں میں کامیابی حاصل ہو۔

---

(1) موسوعۃ لابن ابی الدنیا، 7/451، حدیث: 213 (2) السیرۃ النبویۃ لابن کثیر، 1/266 ماخوذاً (3) ابن ماجہ، 3/39، حدیث: 2204 (4) مسلم، ص558، حدیث: 3407 (5) فتح الباری، 4/249، تحت الحدیث: 1420 (6) بخاری، 2/17، حدیث: 2093 مفہوماً (7) مسند امام احمد، 25/494، حدیث: 16086 (8) اسد الغابہ، 7/85 (9) طبقات ابن سعد، 8/233 (10) اسد الغابۃ، 7/291 (11) بخاری، 3/470، حدیث: 5224 (12) بخاری، 1/322، حدیث: 938 مفہوماً (13) انساب الاشراف، 1/543، رقم: 1103 (14) طبقات ابن سعد، 1/384 (15) بخاری، 3/559، حدیث: 5502 (16) معجم الشیخۃ مریم، ص18 (17) اسد الغابۃ، 7/123 (18) اسد الغابۃ، 7/119 (19) مسلم، ص776، حدیث: 4682 (20) انساب الاشراف، 1/324، رقم: 703 (21) انساب الاشراف، 1/546، رقم: 1108 مفہوماً (22) بخاری، 4/510، حدیث: 7310 (23) ترمذی، 5/471، حدیث: 3909 (24) ابوداود، 4/15، حدیث: 3887







سیرتِ نبوی کی روشنی میں خواتین پر گھریلو تشدد کا خاتمہ

محترمہ بنتِ مدثر عطاریہ*

عورت اور گھر کا تعلق بڑا گہرا ہے۔ گھر کی زینت عورت سے ہے؛ عورت بیٹی ہو تو ایک ایسی کلی ہے جو گھر کے گلشن کو مہکا دیتی ہے۔ ماں ہو تو گھنے درخت کی طرح گھر کے مکینوں کو سایہ فراہم کرتی ہے۔ بہن کی صورت میں بھائیوں کے لئے چہکتی ہوئی چڑیا ہے۔ بیوی کے روپ میں دن بھر کے تھکے ہارے مرد کے لئے راحت و آرام کا ذریعہ ہے۔ الغرض عورت کے وجود کی بدولت ہی گھر کے چمن میں بہار ہے۔ عورت کے دم سے ہی گھر کے آنگن میں رونق ہے۔ لیکن اگر گھر ہی میں تشدد کے کانٹے عورت کو چھلنی کرنے لگیں تو عورت کی زندگی دوبھر ہو جاتی ہے، مال و دولت کی فراوانی بھی ایسی عورت کے دکھ کا مداوا نہیں کر سکتی۔ عورت کی ذہنی و جسمانی صحت تباہ ہو جاتی ہے۔ انجانے خوف کے سائے اس پر گہرے ہو جاتے ہیں جس کے سبب عورت کی نجی اور اجتماعی زندگی غیر معمولی طور پر متاثر ہو جاتی ہے۔ عورت پر گھریلو زندگی میں ہونے والا تشدد کبھی جسمانی ہوتا ہے تو کبھی ذہنی جیسے مار پیٹ، غیرت کے نام پر قتل، منہ پر تیزاب کا چھڑکاؤ، ایموشنل بلیک میلنگ یا ہراساں کرنا۔ نیز کبھی معاشی طور پر تشدد کا نشانہ بناتے ہوئے عورت کو ملکیت کے حقوق سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح عورت کو دوسروں کے سامنے ذلیل کر کے بھی اس پر معاشرتی طور پر تشدد کیا جاتا ہے۔

قبل از اسلام عورت پر گھریلو و معاشرتی تشدد کا تجزیہ

زمانہ جاہلیت میں عورت جس قدر ظلم و ستم کا شکار تھی اس کا تصور ہی دل دہلا دیتا ہے۔ اس دور میں عورت پر تشدد کی ہر شکل روا سمجھی جاتی تھی اور اسے محض خواہشِ نفس کی تسکین کا آلہ سمجھا جاتا تھا۔ معاشرے میں اس کی حیثیت ہل جوتنے والے بیل سے زیادہ نہ تھی۔ وحشت و بربریت اس قدر انتہا کو پہنچی ہوئی تھی کہ لڑکی کی پیدائش کو ہی عار سمجھا جاتا۔ باپ شرم کے مارے چھپ جاتا۔ کبھی زندہ در گور کر کے جان چھڑا لیتا تو کبھی پرایا مال سمجھ کر بے دلی سے پرورش کرتا۔ لڑکی کے سمجھ دار ہونے پر محض اپنی پسند کے شخص سے اس کی شادی کر دیتا جس میں لڑکی کی مرضی کو کچھ دخل نہ ہوتا۔

بیاہے جانے کے بعد بھی یہ صنفِ نازک ظلم و ستم سے محفوظ نہ تھی بلکہ اس کی آزمائشوں کا ایک نیا دور شروع ہو جاتا۔ مثلاً: معمولی باتوں پر شوہر رسمِ فرعونی ادا کرتے ہوئے اسے بے دریغ مارتا اور بعض اوقات ادھ موا کر دیتا۔ اگر چاہتا تو ساتھ رکھتا اور اگر دل بھر جاتا تو علیحدگی کی قسم کھا لیتا، مگر نہ اسے طلاق دے کر آزاد کرتا کہ وہ کسی اور سے نکاح کر سکے اور نہ ہی اسے ساتھ رکھتا کہ سکون پا سکے۔ عورت کے تمام اموال مردوں کی ملکیت سمجھے جاتے اور اسے اپنے رشتہ داروں کی وراثت سے بھی محروم

* طالبہ دورۃ الحدیث
فیضانِ فاطمۃ الزہراء قاسم مارکیٹ صدر

رکھا جاتا۔ حقِ مہر پر بھی دوسروں کی نظریں جمی رہتیں، گویا عورت کسی مال کی مالکہ بننے کے قابل نہ تھی بلکہ خود ہی ایک مال بھی جاتی۔ شوہر کے مرنے کے بعد اولاد دیگر اموال کی طرح اپنی سوتیلی ماں کی بھی وارث بن جاتی۔ عدت کے دوران عورت کو سال بھر جھونپڑی میں قید رکھا جاتا اور اختتامِ عدت کے اعلان کے لئے توہم پرستانہ اور ذلت آمیز طریقے رائج تھے۔

یہ اس دور میں عورتوں پر ہونے والے مظالم کے کچھ خدوخال ہیں، جن سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام سے قبل عورت کی کیا حیثیت تھی؟ اسی ظلم کی تاریک رات میں ایک ایسا سورج طلوع ہوا جس نے سسکتی ہوئی کمزور جان کو کھلی فضا میں سانس لینے کے قابل بنا دیا۔

جہاں تاریک تھا سارا اندھیرا ہی اندھیرا تھا
تم آئے ظلمتیں تم سے مٹیں بدرُ الدُّجیٰ تم ہو

حضور رحمتِ دوعالم نے جور و جفا کی چکی میں پسنے والی عورت کو رہائی عطا فرمائی۔ عورت کو عزت کا مقام عطا فرما کر بیٹی اور بہن کی پرورش کو جنت میں داخلے کا ذریعہ بتایا۔ ماں کے حقوق کو سب حقوق پر مقدم رکھا۔ بیویوں کے متعلق قرآنِ کریم کی تعلیم وَعَاشِرُوۡهُنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ (پ4، النسآء:19) (ترجمہ: اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے گزر بسر کرو۔) کو بخوبی پورا فرمایا۔ خود ارشاد فرمایا: تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا ہو اور میں اپنے گھر والوں کے ساتھ تم سب سے بہترین ہوں۔ [(1)] آپ اپنی ازواج کے لئے ایسے بہترین تھے کہ ازواجِ مطہرات آپ کے اعلیٰ کردار پر فدا تھیں، چنانچہ کسی نے آپ کے خُلق کو قرآن سے تعبیر کیا تو کوئی آپ کے اخلاقِ کریمانہ سے ایسے متاثر تھیں کہ آپ کی خاطر دنیا کی ہر دولت کو خیر باد کہہ دیا۔

بیوی پر اس کی طاقت سے زیادہ گھر کے کام کاج کا بوجھ ڈال دینا بھی تشدد کی ایک قسم ہے، جس سے اس کی صحت وطبیعت متاثر ہو جائے۔ انسانیت کا تقاضا تو یہ ہے کہ ایک جانور کے بھی سکون و آرام کا خیال رکھا جائے یہ تو پھر جیتی جاگتی انسان ہے! حضور نے عملاً اس طرزِ عمل کی نفی فرمائی، جیسا کہ حضور کی گھریلو زندگی کے متعلق مروی ہے کہ حضور گھر کے کام کاج میں مصروف رہتے اور جب نماز کا وقت ہو جاتا تو نماز کے لئے تشریف لے جاتے۔ [(2)] یوں حضور نے گھریلو کام میں ازواجِ مطہرات کا ہاتھ بٹا کر مردوں کو گھر کے کام کاج میں حصہ لینے کی تعلیم ارشاد فرمائی کہ عورت بھی انسان ہے، یہ بھی تھک جاتی ہے، بیمار پڑ جاتی ہے، ایسی حالت میں اس کے ساتھ تعاون اور محبت بھرا سلوک کیا جائے۔ نیز حضور نے اپنے گفتار و کردار سے عورت پر ہونے والے ہر طرح کے ظلم و تشدد کا سدِباب فرمایا۔ چنانچہ عورت پر ہونے والے تشدد کے خاتمے میں سیرتِ نبوی کا جائزہ پیشِ خدمت ہے:

مار پیٹ کی نفی

بیوی پر بلا عذر ہاتھ اٹھانا، زدوکوب اور مار پیٹ کرنا بدترین تشدد ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: حضور نے اپنے دستِ مبارک سے کبھی کسی کو نہ مارا، نہ کسی بیوی کو نہ خادم کو۔ [(3)] اگر خاص مصلحت کے تحت مرد کو مارنے کی اجازت دی گئی تو حضور نے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ عورتوں کو غلام کی طرح نہ مارا جائے۔ [(4)] یعنی ضربِ شدید کی اجازت نہیں۔ لہٰذا مرد کو چاہیے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ حسنِ سلوک کرے اور اس کو حکمتِ عملی کے ساتھ چلائے کہ مار پیٹ سے معاملہ سنورتا نہیں، بلکہ بگڑتا ہے، جیسا کہ ایک روایت میں ہے: بے شک عورت ٹیڑھی پسلی سے پیدا کی گئی ہے، تمہارے لئے کسی طرح سیدھی نہیں ہو سکتی۔ اگر تم اس سے نَفع چاہتے ہو تو اس کے ٹیڑھے پن کے ساتھ ہی نَفع حاصل کر سکتے ہو اور اگر اس کو سیدھا کرنے لگو گے تو توڑ ڈالو گے اور اس کا توڑنا طلاق دینا ہے۔ [(5)] یعنی عورت کے جذبات نازک ہیں، ان کے ساتھ سختی مناسب نہیں۔

جذباتی تشدد کی نفی

ناانصافی کے تشدد کا رد کرتے ہوئے حضور نے اپنے عملِ مبارک کے ذریعے عدل کی تعلیم یوں دی کہ حضر میں تمام ازواج میں باریوں کا التزام فرماتے اور سفر پر تشریف لے جاتے

تو ازواجِ مطہرات کے درمیان قرعہ اندازی فرماتے۔[6] اس عدل کے باوجود اللہ پاک کی بارگاہ میں دعا کرتے کہ الٰہی! یہ میری تقسیم ہے، اس میں جس کا مالک ہوں، پس تو مجھے اس میں عتاب نہ فرما جس کا تو مالک ہے میں مالک نہیں۔[7]

ذہنی تشدد سے تحفظ

سیرتِ نبوی میں مردوں کو یہ جامع تعلیم دی گئی ہے کہ وہ عورتوں کے ذہنی سکون اور نفسیاتی کیفیت کا خاص خیال رکھیں اور ایسے قول و فعل سے اجتناب کریں جو ذہنی دباؤ اور گھریلو کشیدگی کا سبب بنے، جیسے ہر وقت ڈانٹ ڈپٹ کرنا یا معمولی باتوں پر سخت رویہ اختیار کرنا۔ حضور نے ایسے شخص کو بدترین انسان قرار دیا جو اپنے گھر والوں پر تنگی کرے۔ عرض کی گئی: وہ تنگی کیسے کرتا ہے؟ فرمایا: جب وہ گھر میں داخل ہوتا ہے تو بیوی خوف زدہ ہو جاتی ہے، بچے بھاگ جاتے ہیں، خادم سہم جاتے ہیں اور جب وہ گھر سے نکلتا ہے تو گھر والے سکھ کا سانس لیتے ہیں۔[8] اسی طرح حضور نے عورت کی کسی کمزوری یا غلطی پر تشدد کرنے سے منع فرمایا اور درگزر و برداشت کی تلقین کی۔ ارشاد فرمایا: کوئی مومن کسی مومنہ سے بغض نہ رکھے، اگر اس کی ایک بات ناپسند ہو تو دوسری پسندیدہ بھی ہوگی۔[9] یہ تعلیم گھریلو زندگی میں ذہنی اطمینان کی بنیاد فراہم کرتی ہے۔

سماجی و معاشرتی تشدد کا خاتمہ

حضور کے متعدد نکاح فرمانے کی حکمتوں پر غور کیا جائے تو یہ حقیقت نمایاں ہوتی ہے کہ کئی نکاح بے کس، بے سہارا بیوہ اور طلاق یافتہ عورتوں پر رحمت و شفقت کے اظہار کے لئے تھے۔ اس دور میں جب عورتوں کو مالی حقوق اور وراثت سے محروم رکھا جاتا تھا، اسلام نے عورت کے لئے وراثت میں حصہ مقرر کیا، اسے ملکیت کے اختیارات عطا کیے اور حقِ مہر کو عورت کا خالص حق قرار دیا۔ عورت کی معاشی کفالت مرد کی ذمہ داری ٹھہرائی گئی اور حضور نے فرمایا کہ عورتوں کا حق ہے کہ انہیں دستور کے مطابق کھانا اور لباس فراہم کیا جائے۔[10] خود حضور اپنی ازواجِ مطہرات کو سال بھر کا خرچ عطا فرمایا کرتے تھے۔[11]

سیرتِ نبوی کی یہ روشن مثالیں دورِ حاضر میں عورتوں پر ہونے والے معاشی تشدد کی واضح نفی کرتی ہیں اور ان کے تمام مالی حقوق ادا کرنے کی مضبوط تاکید کرتی ہیں۔

حضور نے نکاح اور باندی کے شرعی دائرے کے علاوہ ہر قسم کے جنسی تعلق کو ناجائز و حرام اور پاک دامن عورت پر بدکاری کی تہمت لگانے کو کبیرہ گناہ ٹھہرایا۔ عورت کو عزت و عصمت کے تحفظ کی تعلیم دیتے ہوئے خوشبو لگا کر باہر نکلنے سے منع فرمایا، تاکہ فتنہ و فساد کے دروازے بند رہیں۔ نماز میں بھی عورتوں کی صفیں پیچھے مقرر فرمائیں اور یوں عملی طور پر حیا، وقار اور تحفظ کا اہتمام سکھایا۔ عورت کو قیمتی ہیرا قرار دے کر پردے کے حصار میں رکھا گیا، جو درحقیقت جنسی تشدد اور اخلاقی انحراف سے بچانے کی ایک مضبوط حفاظتی تدبیر ہے۔

حضور اپنی ازواج اور تمام عورتوں کی عزت کے محافظ تھے۔ آپ کی نجی اور اجتماعی زندگی، گفتگو اور طرزِ عمل عورت کے حقوق، عزت اور عصمت کے تحفظ کی روشن مثال ہے۔ حضور نے اپنی تعلیمات اور سیرت کے ذریعے قیامت تک عورت پر ہونے والے ہر قسم کے جنسی، ذہنی اور معاشرتی تشدد کی جڑ کاٹ دی۔ سیرتِ نبوی پر عمل مردوں سے تقاضا کرتا ہے کہ وہ عورت کو باعزت مقام دیں اور اس کے حقوق کی حفاظت کریں، جبکہ عورتوں پر بھی لازم ہے کہ نبوی تعلیمات کے مطابق احتیاط اور وقار اختیار کریں تاکہ وہ خود بھی محفوظ رہیں اور معاشرہ بھی پاکیزہ رہے۔

---

(1) ابن ماجہ، 2/478، حدیث: 1977 (2) بخاری، 1/241، حدیث: 676 (3) مسلم، ص 978، حدیث: 6050 (4) بخاری، 3/465، حدیث: 5204 ملخصاً (5) مسلم، ص 595، حدیث: 3646 (6) بخاری، 2/173، حدیث: 2593 (7) ترمذی، 2/375، حدیث: 1143 (8) معجم اوسط، 6/287، حدیث: 8798 (9) مسلم، ص 595، حدیث: 3648 (10) مسلم، ص 490، حدیث: 2950 (11) بخاری، 3/513، حدیث: 5358 ماخوذاً



جدید مسائل کے حل میں خواتین کے لئے سیرتِ نبوی سے راہ نمائی

محترمہ بنتِ عبد القدیر مدنیہ عطاریہ*

عصرِ حاضر میں خواتین کو جو مسائل در پیش ہیں ان میں مختلف تہذیبی، سماجی، معاشی، معاشرتی اور اقتصادی پہلو شامل ہیں۔ ان مسائل کی بنیادی وجوہات میں اسلام کے بیان کردہ احکامات و حقوق سے لاعلمی، سماجی رسم و رواج، معاشرتی اثرات اور جدید دور کی مختلف اور فیمنزم کا شکار تحریکِ نسواں کے منفی اثرات شامل ہیں۔ در اصل یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ آج کے دور میں خواتین کو در پیش مسائل صرف مسلم خواتین تک محدود نہیں ہیں بلکہ دنیا بھر کی غیر مسلم خواتین کسی نہ کسی شکل میں امتیاز، استحصال اور غیر مساوی سلوک کا شکار ہیں بلکہ کہیں نہ کہیں غیر مسلم خواتین مسلمان خواتین کے مقابلے میں زیادہ استحصال کا شکار ہیں۔

آج پوری دنیا میں خواتین کی معاشرتی حیثیت کا تعین کرنے کے لئے بہت سی تحریکیں سر گرم ہیں۔ ہر تحریک اس بات پر اپنی اہمیت بڑھانے کی کوشش میں ہے کہ خواتین کے معاشرتی مقام کا تعین کیا جائے، ان کے حقوق پر بات چیت کی جائے، مردوں اور عورتوں کو مساوی حقوق دیئے جائیں اور عورت کو چادر اور چار دیواری کے اسلامی تصور سے آزاد کیا جائے۔ اسلامی تعلیمات پر اعتراضات قائم کرتے ہوئے اس بات کا پرچار کیا جا رہا ہے کہ خواتین کو آج کے دور میں وہ مقام نہیں دیا جا رہا جس کی وہ حق دار ہیں۔ بلکہ یہاں تک ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ اسلام در اصل عورت کے لئے منفی خیالات رکھتا ہے۔

اس کے برعکس اگر حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کی حیات و تعلیمات کا جائزہ لیا جائے تو اسلام وہ واحد مذہب ہے جو عورت کو وہ عظیم مقام دیتا ہے جو کوئی دوسرا مذہب نہیں دیتا۔

اگر ہم اس دنیا کی فطرت کا مطالعہ کریں تو واضح ہوتا ہے کہ ہر موجد اپنی ایجاد بنا کر اس کے درست استعمال کا طریقہ بھی ساتھ بتاتا ہے۔ مثلاً: برانڈڈ کپڑے خریدیں تو ساتھ احتیاطی ہدایات درج ہوتی ہیں کہ گرم پانی سے نہ دھوئیں یا استری کے وقت کپڑا الٹا رکھیں۔ اسی طرح جب اس کائنات کے مالک نے یہ دنیا پیدا کی اور اس میں اپنی مخلوق میں سے اشرف المخلوقات کو وجود بخشا تو ان کی صلاحیتوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ان کے درمیان ذمہ داریوں کی تقسیم بھی خود فرما دی۔ لہٰذا ہمارا کامل ایمان ہے کہ اللہ پاک کے مقرر کردہ قواعد و ضوابط ہی کائنات کی فطرت

*سینئر معلمہ جامعۃ المدینہ گرلز بابری چوک کراچی

کے عین مطابق اور درست ہیں۔

آج کے دور میں خواتین جن فکری، معاشرتی اور خاندانی مسائل سے دوچار ہیں، ان کا پائیدار حل کسی وقتی نظریے یا انسانی تجربے میں نہیں بلکہ اللہ پاک اور حضور کے فرامین میں پوشیدہ ہے۔

سیرتِ نبوی کا مطالعہ بتاتا ہے کہ حضور نے عورت کو ہر حیثیت میں عزت، تحفظ اور واضح حقوق عطا فرمائے۔ حضور کا طرزِ عمل اس بات کی عملی تفسیر ہے کہ عورت پر ذمہ داری اس کی فطرت کے خلاف نہیں ڈالی گئی، بلکہ اس کی عزت وسکون کو مقدم رکھا گیا۔

ازواجِ مطہرات کے ساتھ حضور کا حسنِ معاشرت، گھریلو معاملات میں تعاون اور خواتین کے جذبات و مسائل کو سنجیدگی سے سننا اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ اسلام میں عورت کا مقام محض نظری نہیں بلکہ عملی طور پر محفوظ ہے۔ آج اگر خواتین کے مسائل کا حقیقی اور باوقار حل مطلوب ہے تو وہ اسی سیرتِ مصطفےٰ کی پیروی میں ہے، جس میں توازن، رحمت اور عدل یکجا نظر آتے ہیں۔ فی زمانہ خواتین کو جن مسائل کا سامنا ہے، ان کا حل سیرت النبی کی روشنی میں پیشِ خدمت ہے:

دورِ جاہلیت میں خواتین کی معاشرتی حیثیت

اسلام سے قبل عورت کی حالت یہ تھی کہ اسے پاؤں کی جوتی کے برابر بھی درجہ حاصل نہ تھا اور اس کی پیدائش کو باعثِ عار جانا جاتا تھا۔ عورت کے ان حالات کو قرآنِ پاک میں اس طرح ذکر کیا گیا ہے: وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّ هُوَ كَظِيْمٌ ﴿۵۸﴾ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۵۹﴾ (پ14، النحل: 58، 59)

ترجمہ: اور جب ان میں کسی کو بیٹی ہونے کی خوشخبری دی جاتی ہے تو دن بھر اس کا منہ کالا رہتا ہے اور وہ غصے سے بھرا ہوتا ہے اس بشارت کی برائی کے سبب لوگوں سے چھپا پھرتا ہے۔ کیا اسے ذلت کے ساتھ رکھے گا یا اسے مٹی میں دبا دے گا؟ خبردار! یہ کتنا برا فیصلہ کر رہے ہیں۔

جزیرۂ عرب میں عام تھا کہ اکثر و بیشتر لڑکیاں زندہ دفن کر دی جاتیں اور ان کا وجود گھر کے سربراہ کے لئے باعثِ ذلت سمجھا جاتا تھا جس کا اعتراف کئی لوگوں نے حضور کے سامنے کیا۔ جو بچیاں زندہ دفن ہونے سے بچ جاتیں، ان میں سے بھی اکثر کو پاؤں کی جوتی کے برابر بھی نہ سمجھا جاتا بلکہ عورت کو ذاتی استعمال کی چیز سے زیادہ کا درجہ حاصل نہ تھا۔ یہاں تک کہ سوتیلی مائیں وراثت میں تقسیم ہو جاتیں اور ایک مرد کی ملکیت میں بیسیوں خواتین ہوتیں، نیز عورتوں کی باقاعدہ خرید و فروخت ہوتی۔ یہی نہیں بلکہ شادی کے متعدد طریقوں میں نکاحِ بعولۃ (ایک مرد کے ساتھ شادی)، نکاحِ استبضاع (نسل بہتر کرنے کے لئے دوسرے مرد سے مباشرت)، نکاحِ خدن (بغیر نکاح کے تعلق) اور نکاحِ جمع (دس بارہ مردوں کا ایک عورت سے تعلق) شامل تھے۔

ان شادیوں کے طریقوں میں عورت کی عزت و تکریم کا کوئی تصور نہیں تھا۔ ان کے علاوہ بیویوں کا آپس میں بدل لینا اور دیگر غیر اخلاقی رواج بھی عام تھے۔ اسلام نے ان تمام طریقوں کو ختم کر دیا اور معاشرے کو اس گہری فحاشی سے نجات دلائی۔[1]

اسلام نے نہ صرف ان تمام قبیح رسوم کو ناپسند فرمایا بلکہ ان کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔ عورت کو ذلت کی پستیوں سے نکال کر عزت و سربلندی کی وہ چادر اڑھائی جس نے دوسرے مذاہب کی پیروکار خواتین کو حیرت میں ڈال دیا اور عورت کو بے شمار حقوق و عزتوں سے نوازا۔ مثلاً: مرد و عورت کو کئی معاملات میں باہم برابر قرار دیا اور کئی معاملات میں ایک دوسرے پر ترجیح دی۔

خواتین اور عصری چیلنجز

اسلام نے خواتین کو عزت، تحفظ اور آزادی فراہم کی، تاہم موجودہ دور میں خواتین کو اسلام سے دوری کی وجہ سے بہت سے ایسے مسائل کا سامنا ہے جن کو دیکھ کر دورِ جاہلیت کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ عورت اگر اسلام پر عمل کرے تو یقیناً ان مسائل کا وجود ہی نہ ہو مگر وائے ری قسمت کہ اسلام نے جن معاشرتی تباہ کاریوں سے عورت کو نکال کر عزت کی بلندیوں تک پہنچایا آج کی عورت آزادی اور برابری کا نعرہ لگا کر ذلت کی انہی پستیوں

میں جاگری جو ماضی میں اس کا نصیب بنادی گئیں تھیں۔ چنانچہ ذیل میں عورت کی بطور بیٹی، ماں، بہن وغیرہ حیثیت کے اعتبار سے ایک مختصر جائزہ پیشِ خدمت ہے:

بیٹی کے ساتھ سلوک

اسلام میں بیٹی کو اللہ پاک کی رحمت قرار دیا گیا اور حضور نے بیٹیوں کے ساتھ حُسنِ سلوک کو جنت کے حصول کا ذریعہ بتایا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: جس کے پاس تین لڑکیاں یا تین بہنیں یا دو لڑکیاں یا دو بہنیں ہوں اور وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور ان کے حقوق کے سلسلے میں اللہ پاک سے ڈرے تو اس کے لئے جنت ہے۔ (2)

اگر موجودہ دور کا جائزہ لیا جائے تو سب سے پہلے عورت کی جس حیثیت کو ختم کیا گیا یا یوں کہیے کہ جس حیثیت کو سب سے پہلے مسائل کا سامنا کرنا پڑا وہ بیٹی ہی ہے اور ایک اور بد نصیبی یہ کہ عورت کی اس حیثیت کا خاتمہ بذاتِ خود عورت کے ہی ہاتھوں ہوا کہ ماں نے بیٹیوں پر بیٹوں کو ترجیح دینا شروع کی تو مردوں کے اس معاشرے نے اس بات کو اپنا حق جانتے ہوئے ایک بیٹی کو اس کے حقوق سے محروم کرنا شروع کیا۔ گھر کی ذمہ داریوں سے بڑھتی ہوئی یہ کہانی جائیداد کی تقسیم اور پھر غیرت کے نام پر قتل تک جا پہنچی اور عورت کو ظلم و ستم کا نشانہ بنا دیا گیا۔

آج کے دور میں بیٹی کی پیدائش کو کئی معاشرتی طبقات میں بد قسمتی سمجھا جاتا ہے۔ اس کی ضروریات کو نظر انداز کیا جاتا اور اس کی پیدائش پر افسوس کا اظہار کیا جاتا ہے۔ بیٹیوں کی ماں کو طعنے دیئے جاتے ہیں بلکہ بہت سی عورتوں کو بیٹیاں پیدا کرنے کے جرم میں طلاق تک دے دی جاتی ہے۔ یہ رجحان اسلامی تعلیمات کے مکمل خلاف ہے کیونکہ اسلام تو عورت کو عزت و مان دیتا ہے۔

والدہ کے ساتھ سلوک

حضور کی والدہ حضرت آمنہ بچپن ہی میں وفات پا گئیں، مگر رضاعی والدہ حضرت حلیمہ کے ساتھ حضور کا حسنِ سلوک بے مثال رہا۔ اسی طرح حضرت اُمِّ ایمن کو بھی زندگی بھر خاص مقام عطا کیا۔ اس عملی سیرت سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام میں ماں کا مقام انتہائی بلند ہے، خواہ وہ حقیقی ہو یا رضاعی۔ اسی حقیقت کو حضور نے ایک ارشاد میں اور بھی نمایاں فرمادیا کہ سب سے زیادہ حُسنِ سلوک کی مستحق ماں ہے، حتی کہ تین مرتبہ ماں کا ذکر فرمایا۔ (3)

افسوس! آج کے دور میں اسی ماں کو، جس کے قدموں تلے جنت رکھی گئی، وقت، توجہ اور احترام سے محروم کر دیا گیا ہے۔ بوڑھی ماں کی خدمت کو بوجھ سمجھا جاتا ہے، اس کی تنہائی، کمزوری اور ضرورتوں پر خاموشی طاری رہتی ہے، حالانکہ حضور کی سیرت ہمیں یہ یاد دلاتی ہے کہ معاشرتی اصلاح، قلبی نرمی اور گھریلو سکون کی اصل بنیاد ماں کے ساتھ حُسنِ سلوک خصوصاً اس کی بڑھاپے میں خدمت اور دل جوئی ہے۔ یہی وہ راستہ ہے جو اللہ پاک کی رضا کی ضمانت بھی ہے۔

ازواجِ مطہرات کے ساتھ سلوک

افسوس! آج کی عورت بطورِ بیوی محبت، توجہ اور اعتماد سے محروم نظر آتی ہے۔ گھریلو ذمہ داریوں کا سارا بوجھ اسی پر ڈال دیا جاتا ہے اور اس کی قربانیوں کو معمولی سمجھ لیا جاتا ہے، حالانکہ حضور نے ازدواجی زندگی میں نرمی، عزت اور مشاورت کو بنیاد بنایا۔ آپ ازواجِ مطہرات کے جذبات کا خیال رکھتے، ان کے سوالات سنتے اور ان کی ضروریات کو اہمیت دیتے تھے۔ حضرت عائشہ کے ساتھ آپ کا خصوصی اظہارِ محبت اور مختلف مواقع پر ان کے ساتھ خوش طبعی کرنا وغیرہ اس بات کا روشن ثبوت ہے کہ اسلام میں بیوی محض خدمت گزار نہیں بلکہ رفیقۂ حیات ہے۔

الغرض حضور نے عورت کو اس مقامِ عزت پر فائز فرمایا جہاں وہ پاؤں کی جوتی نہیں بلکہ احترام اور شرف کی حق دار ٹھہری اور مردوں کو ارشاد فرمایا: تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ بہتر ہو اور میں اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ سب سے بہتر ہوں۔ (4) یہی اسوہ ایک پُرسکون، باوقار اور محبت بھری

گھریلو زندگی کی حقیقی ضمانت ہے۔

بہن کے ساتھ سلوک

دورِ جدید میں بہنوں کے ساتھ ناانصافی، جائیداد سے محرومی اور عدمِ تحفظ جیسے مسائل بڑھتے جارہے ہیں، حالانکہ سیرتِ نبوی اس کے بالکل برعکس راہ نمائی فراہم کرتی ہے۔ حضور نے بہنوں اور بیٹیوں کے ساتھ حُسنِ سلوک کو ایمان اور آخرت کی کامیابی سے جوڑا اور فرمایا کہ جو ان کی کفالت کرے اور اچھا برتاؤ کرے وہ جنت کا مستحق ہے۔[5] اسلام میں بہن کا رشتہ محبت، ذمہ داری اور انصاف پر قائم ہے۔ اسی کا عملی نمونہ اس وقت نظر آتا ہے جب جنگِ حنین میں حضور نے اپنی رضاعی بہن حضرت شیما کو پہچان کر عزت، شفقت اور تحائف سے نوازا۔ یہ واقعات واضح کرتے ہیں کہ بہنوں کے حقوق کی حفاظت ہی ایک صالح اور متوازن معاشرے کی بنیاد ہے۔

خواتین کا وراثت میں حق

وراثت مرنے والے کی جائیداد کی منصفانہ تقسیم کا طریقہ ہے اور اسلام میں اسے علم الفرائض کے تحت مقرر کیا گیا ہے۔ مرد اور عورت کے حصے واضح طور پر طے کیے گئے ہیں تاکہ جھگڑوں سے بچا جاسکے۔ مگر وائے ری بدنصیبی کہ آج کل جاہلیت کے رسم ورواج کا دور دورہ ہے اور انہی رسوم ورواج کو سامنے رکھتے ہوئے خواتین کو وراثت سے محروم رکھنے کا رجحان عام ہوگیا ہے۔ بھائی بہنوں کے حصے کھا جاتے ہیں اور بہنوں کو بولنے کی اجازت بھی نہیں دیتے۔ بہنیں اگر اپنے حق کا مطالبہ کر ہی دیں تو ان کو میکے کی شکل دیکھنا تو کجا اپنے ماں باپ کی صورت تک دیکھنے سے بھی محروم کر دیا جاتا ہے۔

نکاح اور خلع کا حق

دنیا کی تاریخ میں اسلام وہ واحد دین ہے جس نے خواتین کو دیگر حقوق کے ساتھ نکاح کے بعد خلع لینے کا حق بھی دیا۔ اگر شوہر اپنی بیوی کے حقوق پورے نہ کرے یا عورت اس رشتے میں مطمئن نہ ہو تو زندگی کو عذاب بنانے کے بجائے خلع کا اختیار دیا گیا، تاکہ عورت مجبور نہ ہو اور مرد کو یہ احساس رہے کہ عورت اس کی ملکیت نہیں۔ افسوس! عصرِ حاضر میں خلع کو ناپسندیدہ سمجھا جاتا ہے، حالانکہ یہ اختیار اللہ پاک نے عورت کو دیا ہے۔ یہ رویہ نہ صرف اسلام کے منافی ہے بلکہ جاہلیت کے دور کی عکاسی کرتا ہے۔ قرآن میں واضح فرمایا گیا کہ اگر شوہر یا بیوی کو خوف ہو کہ وہ اللہ پاک کی حدود قائم نہیں رکھ سکیں گے تو مرد بیوی کو طلاق دے سکتا ہے یا بیوی خلع کا مطالبہ کرسکتی ہے۔ مگر شوہر کو یہ اختیار نہیں کہ معاوضہ وصول کرنے کے لالچ میں وہ بیوی کو خلع لینے پر مجبور کرے۔

خواتین کی تعلیم

اسلام نے مردوں کی طرح خواتین کی تعلیم کو بھی فرض قرار دیا اور عہدِ نبوی میں خواتین کی دینی و دنیاوی تعلیم و تربیت کو بڑی اہمیت دی گئی تاکہ وہ اچھی ماں، بہن، بیوی اور بیٹی بن سکیں۔ حضور نے بیٹی کو اچھے طریقے سے ادب سکھانے، اچھی تعلیم دینے اور اللہ پاک کی دی گئی نعمتیں اس پر خرچ کرنے والے کی ستائش فرمائی۔[6] آپ نے خواتین کے لئے خاص دن مقرر کیے تاکہ وہ آپ سے اللہ پاک کے احکام سیکھ سکیں اور شرعی مسائل استفسار کرسکیں۔[7]

اسلام میں خواتین کی تعلیم کو عام کرنے، ان کی تربیت اور علم کی دستیابی کو یقینی بنانے پر زور دیا گیا۔ خواتین کی تربیت اور نیک عمل، جیسے اولاد کی پرورش، شوہر کے ساتھ حُسنِ سلوک اور گھر کی ذمہ داریوں میں مشغول رہنا بھی اجر کے کام ہیں، نیز عورت تعلیم کے ذریعے مردوں کے اعمال میں شریک ہوسکتی ہے۔ قرآن میں خواتین کے احکام کے لئے کئی سورتیں مختص کی گئی ہیں، جیسے سورۃ النسآء، جس سے علم کی اہمیت اور خواتین کے مسائل میں تعلیم کی ضرورت واضح ہوتی ہے۔

بدقسمتی سے آج بھی کئی خاندان خواتین کی تعلیم کو غیر ضروری سمجھتے ہیں اور ان کی ترقی میں رکاوٹیں کھڑی کرتے ہیں، حالانکہ تعلیم یافتہ خواتین نہ صرف اپنے خاندان بلکہ پورے معاشرے

کے لئے مضبوط ستون ثابت ہوتی ہیں۔

اسلام اور خواتین کی معاشی سرگرمیاں

مسلم خواتین کو معاشی لحاظ سے مضبوط ہونا چاہیے، کیونکہ اسلام میں مال و دولت کو اللہ پاک کی راہ میں خرچ کرنا ایک اہم عبادت ہے۔ قرآنِ مجید میں راہِ خدا میں خرچ کرنے والے مومنین و مومنات کو شاندار ثواب کی بشارت عطا کی گئی ہے۔(پ27، الحدید18)

حقیقت یہ ہے کہ جو شخص یا عورت مالی طور پر خود کفیل نہیں، وہ اللہ پاک کی راہ میں خرچ کرنے کا حقیقی جذبہ کیسے رکھ سکتی ہے؟ مکہ معظمہ میں جب اسلام کسمپرسی کا شکار تھا تو حضرت خدیجہ نے اپنے کاروبار اور مال سے دین اسلام کو سہارا دیا۔ آپ کی مثال یہ واضح کرتی ہے کہ خواتین کے پاس کسبِ معاش کا حق نہ صرف جائز بلکہ ضروری بھی ہے، تاکہ وہ خود کفیل ہوں اور دین کی سربلندی میں اپنا حصہ ڈال سکیں۔

اسلام نے معاشی ذمہ داری بنیادی طور پر مردوں پر رکھی، لیکن ضرورت پڑنے پر خواتین کو کسبِ معاش سے منع نہیں کیا۔ عہدِ نبوی میں عورتوں کو مختلف پیشوں، تجارت، دستکاری اور مزدوری کے مواقع دیئے گئے تاکہ وہ اپنی ذاتی، خاندانی اور معاشرتی ضروریات پوری کر سکیں۔ حضرت خدیجہ ایک کامیاب تاجرہ کی روشن مثال ہیں جنہوں نے اپنی محنت، دانشمندی اور مالی وسائل سے اسلام کی مدد کی۔

بدقسمتی سے آج کے بعض مسلم معاشروں میں خواتین کی کسبِ معاش کو تسلیم نہیں کیا جاتا۔ روایتی اور بعض دینی حلقے اس حق کو محدود کر دیتے ہیں اور دلیل پیش کرتے ہیں کہ عورت پر مال و دولت کی ذمہ داری نہیں، لہٰذا اسے کمائی کی ضرورت بھی نہیں۔ اس رویے سے نہ صرف خواتین کا ذاتی اور معاشرتی کردار محدود ہوتا ہے بلکہ دین کے عطا کردہ مواقع بھی ضائع ہوتے ہیں۔

اسلامی تعلیمات اور عہدِ نبوی کے واقعات یہ واضح کرتے ہیں کہ خواتین کو مال و دولت حاصل کرنے، کاروبار کرنے اور مالی خود مختاری اختیار کرنے کا حق حاصل ہے اور انہیں اپنے وسائل سے دین و معاشرت میں حصہ ڈالنے کے مواقع دیئے جائیں۔ معاشی طور پر مضبوط عورت نہ صرف اپنے خاندان بلکہ پورے معاشرے کے لئے ایک فعال اور بااثر ستون بن سکتی ہے۔

عصرِ حاضر کے چیلنجز اور اسلام کی راہ نمائی

آج کے دور میں صرف خواتین ہی نہیں بلکہ پوری دنیا کو سماجی، معاشی، تعلیمی اور اخلاقی چیلنجز کا سامنا ہے۔ ان چیلنجز کی بنیاد اسلام سے دوری اور دین کی تعلیمات کے انکار میں چھپی ہے۔ خواتین کے مسائل کو اسلام کے خلاف قرار دینا، ان کے وراثتی حقوق کو محدود کرنا، بچیوں کی تعلیم کو روکنا، پردہ اور چار دیواری کے اصولوں کو ظلم قرار دینا اور معاشی و معاشرتی سرگرمیوں سے روکنا، یہ سب اسلامی تعلیمات کے منافی ہیں۔ موجودہ دور میں جدید فیمنزم بھی کئی مرتبہ ایسے تصورات کو فروغ دیتی ہے جو خاندانی نظام کو کمزور کرتے ہیں، جبکہ اسلام خواتین کو عزت، وقار اور حقوق و فرائض میں توازن پر مبنی مقام دیتا ہے۔ قرآنِ مجید میں ہے: وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ (پ10، التوبۃ:71) ترجمہ: اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ یہ آیت ظاہر کرتی ہے کہ اسلام خواتین اور مردوں کو زندگی کے ہر میدان میں شراکت داری کی تعلیم دیتا ہے۔

اسلام نے خواتین کو وہ تمام حقوق عطا کیے ہیں جو ان کی عزت، وقار اور تحفظ کو یقینی بناتے ہیں۔ قرآن و سنت کی روشنی میں ان حقوق کا عملی نفاذ ایک بہترین معاشرے کی بنیاد ہے۔ حضور کی حیاتِ طیبہ میں خواتین کے حقوق اور ان کی حفاظت کا کامل نمونہ ملتا ہے اور عملی اقدامات کے بغیر یہ تعلیمات خالی ہیں۔

سوشل میڈیا اور انٹرنیٹ آج کے دور میں سب سے بڑا چیلنج ہیں، کیونکہ ان کے ذریعے نوجوانوں اور خواتین کو جھوٹ اور فتنے میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ ایک ماں کا سب سے بڑا فریضہ اپنی نسلوں کو اس بلا سے محفوظ رکھنا ہے۔ بچوں کو قرآن و سنت کے مطابق تربیت دینا اور سوشل میڈیا کے غیر ضروری استعمال کو محدود کرنا

ضروری ہے، تاکہ وہ دینی اصولوں کے مطابق بڑھیں۔ پردے کے بارے میں بھی آج کی عورت میں الجھن پیدا کی گئی ہے۔ سوشل میڈیا اور میڈیا کے اثرات سے پردے کے صحیح مفہوم کو بھلایا جارہا ہے، جبکہ اسلام میں پردہ عزت و وقار کی علامت ہے۔ ان وسائل سے دوری اور قرآن و سنت سے تعلق قائم کرنا اسلام کی سربلندی کے لئے لازمی ہے۔

اسلام خواتین کو ان کے وراثتی حقوق دیتا ہے، لیکن آج بھی خواتین میکہ ٹوٹ جانے کے ڈر سے اپنا وراثتی حق چھوڑ دینا بہتر سمجھتی ہیں۔ ان کے وراثتی حقوق کو یقینی بنانے کے لئے ضروری ہے کہ لوگوں میں سماجی سطح پر شعور کو اجاگر کیا جائے۔

اسی طرح خلع کے معاملے میں عورتوں کو شرمندہ کرنے کے بجائے ان کے فیصلوں کا احترام کرنا چاہیے، کیونکہ یہ ان کا اسلامی اور قانونی حق ہے۔

خواتین کی تعلیم کو روکنے کی بجائے اسے اس طرز پر فروغ دیا جائے کہ خواتین اسلامی تعلیمات اور ان کے فوائد و حکمتوں سے آگاہ ہوں اور اسلام پر عمل کرتے ہوئے اپنی زندگی گزاریں اور اپنی نسلوں کی تربیت کریں۔ خواتین نسلوں کی امین ہوتی ہیں ان کی کوکھ سے صلاح الدین ایوبی اور ٹیپو سلطان جیسے لوگ جنم لیتے ہیں۔

اگر ان خواتین کی بنیاد ہی دنیا اور اسلام سے دوری پر ہو گی تو ہمیں انہی مسائل کا سامنا کرنا پڑے گا جن سے ہم آج بھی گزر رہی ہیں۔ اپنا کھانا خود گرم کرو؛ جیسے نعروں کے پیچھے چلنے والی عورت اکثر اس حقیقت سے بے خبر ہو جاتی ہے کہ وہ آج کے مکار اور عیار دشمن کے فکری جال میں الجھ چکی ہے۔ اس دوڑ میں وہ کبھی کبھی اللہ پاک کی عطا کردہ عزت و وقار کو خود ہی نظر انداز کر دیتی ہے، حالانکہ اصل وقار اطاعتِ الٰہی میں پوشیدہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک ایسی تعلیم یافتہ عورت جو دین کی سمجھ بھی رکھتی ہو، وہ نہ صرف اپنے گھر کو سنوار سکتی ہے بلکہ پورے معاشرے کی اصلاح میں بھی مؤثر کردار ادا کر سکتی ہے۔

اسی طرح خواتین کے لئے معاشی مواقع کی فراہمی بھی اہم ہے، کیونکہ آج کے مہنگائی بھرے دور میں اگر عورت کاروبار کرنا یا روزگار حاصل کرنا چاہے تو اسلام اس کی اجازت دیتا ہے، بشرطیکہ اسلامی تعلیمات اور حدود و قیود کو ملحوظ رکھا جائے۔ اصل مسئلہ آزادی نہیں بلکہ اس آزادی کا درست مصرف ہے۔

ایک اور اہم پہلو جس کی طرف توجہ ضروری ہے یہ ہے کہ آج کل اسراف اور تبذیر کو عزت کا معیار سمجھ لیا گیا ہے۔ یہ تصور عام ہو چکا ہے کہ ہر تقریب کے لئے نیا لباس اور نیا جوتا لازم ہے، ورنہ وقار مجروح ہو جائے گا، حالانکہ اسلام میں عزت اور برتری کا معیار تقویٰ مقرر کیا گیا ہے۔ درحقیقت ہمارے بہت سے معاشی مسائل ہمارے اپنے بنائے ہوئے ہیں۔ اگر سادگی اور کم خرچ کو اختیار کیا جائے تو حلال و حرام کی تمیز دوبارہ زندہ ہو سکتی ہے، دکھاوا، ریاکاری اور دل آزاری سے نجات مل سکتی ہے، غیبت اور منافقت کے پردے چاک ہو سکتے ہیں اور رحم دلی و ایثار کے جذبات پھر سے پروان چڑھ سکتے ہیں۔ جب ہماری مائیں اور بہنیں سیرتِ فاطمہ کی روشنی میں زندگی گزاریں گی تو ہمارے آنگن ایک بار پھر عمر بن عبد العزیز، محمد بن قاسم اور صلاح الدین ایوبی جیسے کرداروں کی پرورش کے قابل بن سکیں گے۔

اللہ پاک سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اسلام پر خلوص کے ساتھ عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اٰمین بجاہِ النّبیِّ الْاَمین صلی اللہ علیہ والہ وسلم

---

1 کشف الغمۃ، 2/84، 85 ملتقطاً
2 ترمذی، 3/367، حدیث: 1923
3 بخاری، 4/93، حدیث: 5971
4 ابن ماجہ، 2/478، حدیث: 1977
5 مسند امام احمد، 22/150، حدیث: 14247
6 معجم کبیر، 10/197، حدیث: 10447
7 بخاری، 4/510، حدیث: 7310 ماخوذاً

اخلاقی و تربیتی پہلو





سیرت کی روشنی میں زبان کی حفاظت

محترمہ بنتِ ام غزالی عطاریہ*

زبان انسان کی شخصیت، تربیت اور باطنی کیفیت کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ یہی زبان انسان کے خیالات، نیت اور دل کے ارادوں کو ظاہر کرتی ہے، اسی لئے اس کی طاقت اور اثر زندگی کے ہر شعبے میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ اللہ پاک نے انسان کو جن عظیم نعمتوں سے نوازا ہے، ان میں زبان ایک نہایت اہم نعمت ہے۔ اگرچہ اس کا حجم چھوٹا ہے، مگر اس کے اثرات نہایت گہرے اور دور رس ہیں۔ ایمان و کفر کا اظہار بھی زبان ہی کے ذریعے ہوتا ہے: کلمۂ حق انسان کو ایمان کے دائرے میں داخل کرتا ہے اور غلط کلامی اسے ہلاکت کے راستے پر ڈال سکتی ہے۔ زبان قلب و ذہن کی ترجمان ہے۔ اس کا درست استعمال ثواب اور رضائے الٰہی کا ذریعہ بنتا ہے، جبکہ غلط استعمال گناہ اور عذاب کا سبب بن جاتا ہے۔ موجود و معدوم، خالق و مخلوق، ظنی و وہمی؛ ہر تصور زبان ہی کے ذریعے ثابت یا رد کیا جاتا ہے۔ اسی لئے شریعتِ اسلامیہ نے زبان کی حفاظت پر خاص زور دیا ہے۔ اللہ پاک قرآنِ پاک میں ارشاد فرماتا ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًاۙ(۷۰) یُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْؕ-وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا(۷۱) (پ22، الاحزاب:70، 71) ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سیدھی بات کہا کرو اللہ تمہارے اعمال تمہارے لیے سنوار دے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور جو اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے اس نے بڑی کامیابی پائی۔

مفسرین کے مطابق ان آیات میں اہلِ ایمان کو تقویٰ، سچائی اور درست کلامی کا حکم دیا گیا ہے، کیونکہ یہی تمام بھلائیوں کی بنیاد ہے۔ جو اپنی زبان کی حفاظت کرتا ہے، وہ درحقیقت اپنے اعمال، اخلاق اور انجام کی حفاظت کرتا ہے۔ اللہ پاک اور اس کے رسول کی اطاعت اختیار کرنے والا دنیا و آخرت میں حقیقی کامیابی سے ہمکنار ہوتا ہے۔(1)

زبان کی حفاظت کی اہمیت

زبان کی حفاظت نہایت اہم دینی فریضہ ہے، کیونکہ تقویٰ کے بعد زبان کو درست رکھنے کا خصوصی حکم دیا گیا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ جھوٹ، غیبت، چغلی اور گالی گلوچ سے بچنا ایمان اور اخلاق کی بنیاد ہے۔ زبان کی حفاظت درحقیقت تمام بھلائیوں کی اصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بولنے کے لئے ایک ہی زبان دی گئی، وہ بھی ہونٹوں اور دانتوں کے مضبوط

*کراچی

پہرے میں رکھی گئی، تاکہ انسان بے سوچے سمجھے کلام نہ کرے۔ ایک روایت میں ہے: جب انسان صبح کرتا ہے تو جسم کے تمام اعضاء زبان سے کہتے ہیں: ہمارے بارے میں اللہ پاک سے ڈر! اگر تو سیدھی رہی تو ہم بھی سیدھے رہیں گے اور اگر تو ٹیڑھی ہوئی تو ہم بھی ٹیڑھے ہو جائیں گے۔[2] معلوم ہوا کہ زبان کی درستی پورے جسم کے اعمال پر اثر انداز ہوتی ہے۔

امام محمد غزالی فرماتے ہیں: زبان کے شر سے وہی بچ سکتا ہے جو اسے شریعت کی لگام میں رکھے اور صرف فائدہ مندبات کے لئے استعمال کرے، کیونکہ زبان کو حرکت دینا آسان ہے، اسی لئے اس کی نافرمانیاں بھی زیادہ ہوتی ہیں اور شیطان انسان کو سب سے زیادہ اسی کے ذریعے گمراہ کرتا ہے۔[3]

اصلاحِ زبان پر سیرتِ نبوی کی روشن تعلیمات

احادیثِ نبوی میں اصلاحِ زبان کو ایمان کی بنیادوں میں شمار کیا گیا ہے۔ حضور نے واضح فرمایا کہ انسان کی گفتگو اس کے ایمان اور باطن کی ترجمان ہوتی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: جو اللہ پاک اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اسے چاہیے کہ بھلائی کی بات کرے یا خاموش رہے۔[4] یہ حدیث اس حقیقت کو اجاگر کرتی ہے کہ زبان کا درست استعمال ایمان کی علامت اور بے مقصد گفتگو روحانی زوال کا سبب بنتی ہے۔

اہلِ ایمان کی گفتگو پاکیزہ، بامقصد اور اثر انگیز ہوتی ہے۔ وہ لغو، بے فائدہ اور دل آزاری پر مبنی باتوں سے بچتے ہیں۔ اس لئے حضور نے فرمایا: فضول باتوں کو چھوڑ دینا انسان کے اسلام کے حسن کی نشانی ہے۔[5] جو شخص اپنی زبان کو قابو میں رکھتا ہے وہ درحقیقت اپنے نفس کو قابو میں رکھتا ہے۔ اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ جب حضور سے یہ عرض کی گئی کہ مسلمانوں میں افضل کون ہے؟ تو ارشاد فرمایا: وہ جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔[6] یہ ارشاد اس بات کا واضح پیغام ہے کہ کامل مسلمان وہی ہے جس سے کسی کو قولاً یا فعلاً تکلیف نہ پہنچے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلام محض عبادات کا نام نہیں بلکہ دوسروں کو اپنی زبان اور عمل سے امن دینے کا دین ہے یعنی اصلاحِ زبان درحقیقت اصلاحِ انسان اور اصلاحِ معاشرہ ہے۔

یادرکھئے! زبان کے اثرات نہایت گہرے اور دوررس ہیں۔ اسی لئے شریعتِ مطہرہ نے زبان کے خطرات سے خبردار کرتے ہوئے خاموشی اور محتاط گفتگو کی خاص طور پر ترغیب دی ہے۔ احادیثِ نبوی میں بارہا یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ انسان کی نجات اکثر زبان کو قابو میں رکھنے سے وابستہ ہے۔ چنانچہ ارشادِ نبوی ہے: جو خاموش رہا اس نے نجات پالی۔[7] یہ مختصر مگر جامع فرمان اس حقیقت کو آشکار کرتا ہے کہ بہت سی لغزشوں، گناہوں اور فتنوں سے بچاؤ کا راستہ خاموشی میں پوشیدہ ہے۔ ایک اور حدیث میں فرمایا گیا: خاموشی حکمت ہے، مگر اس پر عمل کرنے والے بہت کم ہیں۔[8] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زبان کو روک لینا آسان نہیں، مگر یہی ضبط و تحمل انسان کو دانائی اور وقار عطا کرتا ہے۔

فی زمانہ زبان کی حفاظت کا تصور تقریباً ختم ہو چکا ہے۔ ہمیں یہ احساس ہی نہیں کہ دو ہونٹوں اور دو جبڑوں کے درمیان موجود گوشت کا یہ چھوٹا سا ٹکڑا کس طرح پورے وجود کو دنیا و آخرت کی ہلاکت میں مبتلا کر سکتا ہے۔ آج بلا سوچے سمجھے بولنا اور نتائج سے بے پروا ہو کر گفتگو کرنا ہماری عادت بن چکا ہے، حالانکہ قرآنِ مجید ہمیں متنبہ کرتا ہے کہ زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ محفوظ کیا جا رہا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے: مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ﴿۱۸﴾ (پ26، قٓ:18) ترجمہ: وہ زبان سے کوئی بات نہیں نکالتا مگر یہ کہ ایک محافظ فرشتہ اس کے پاس تیار بیٹھا ہوتا ہے۔ قیامت کے دن یہی الفاظ نامۂ اعمال کی صورت میں کھول دیئے جائیں گے اور انسان کو خود ہی اپنا نامۂ اعمال پڑھ کر سنانا ہو گا۔ اس دن کی رسوائی سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ دنیا میں ہی زبان کو قابو میں رکھا جائے۔ فضول گفتگو، جھوٹ، غیبت، چغلی، تہمت اور فحش گوئی زیادہ تر برائیاں اسی وقت جنم لیتی ہیں جب زبان بے لگام ہو جاتی ہے۔ اس لئے دانشمندی اسی میں ہے کہ ایسی صحبت اور محفل

سے بھی بچا جائے جہاں زبان پر قابو رکھنا مشکل ہو۔ حضرت عبدُ اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: زمین پر زبان سے بڑھ کر قید کیے جانے کے لائق کوئی چیز نہیں۔[9] پس سلامتی اسی میں ہے کہ زبان کی حفاظت کو اپنی دینی اور اخلاقی ذمہ داری سمجھا جائے۔

خواتین کے لئے زبان کی حفاظت کے اصول

زبان کی حفاظت عورت کے ایمان، عزت، گھریلو سکون اور آخرت کی کامیابی کی مضبوط ضمانت ہے۔ جو عورت اپنی زبان کو قابو میں رکھتی ہے وہ بہت سے فتنوں، جھگڑوں اور گناہوں سے محفوظ رہتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ زبان کے درست استعمال سے گھر جنت کا نمونہ بن سکتا ہے اور اس کی بے احتیاطی پورے ماحول کو خراب کر سکتی ہے۔

سب سے پہلا اصول صداقت اور حق گوئی ہے۔ سچائی اللہ پاک کی رضا کا ذریعہ اور جھوٹ گناہوں کی جڑ ہے۔ عورت اگر شوہر و سسرال کی خدمت اور تربیتِ اولاد کے ساتھ سچائی کو شعار بنا لے تو رشتوں میں اعتماد، اطمینان اور مضبوطی پیدا ہوتی ہے۔ خصوصاً تربیتِ اولاد میں ماں کی سچائی بنیادی کردار ادا کرتی ہے، کیونکہ بچے وہی سیکھتے ہیں جو وہ اپنی ماں کو کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ یوں ایک سچی ماں نیک نسل کی بنیاد رکھتی ہے اور خود بھی عزت، سکون اور اللہ پاک کی قربت حاصل کرتی ہے۔

دوسرا اہم اصول غیر ضروری گفتگو سے اجتناب ہے۔ عام طور پر فضول باتیں آہستہ آہستہ غیبت، چغلی، شکایت، طنز اور دل آزاری میں بدل جاتی ہیں۔ سوشل میڈیا پر بلا ضرورت گفتگو بھی اسی زمرے میں آتی ہے۔ کم بولنا انسان کو بہت سے گناہوں سے بچانے سمیت گھریلو جھگڑوں، غلط فہمیوں اور دلوں کی کدورتوں سے حفاظت بھی کرتا ہے۔

تیسرا اصول ادب و حیا کے ساتھ گفتگو ہے کہ یہ دونوں چیزیں عورت کی پہچان ہیں۔ نرم لہجہ، شائستہ انداز اور باوقار گفتگو اللہ پاک کی رضا اور دلوں کو جوڑنے کے اسباب ہیں۔ بلند آواز، چیخ و پکار اور بے احتیاط گفتگو عورت کے وقار کے خلاف ہے۔

یہ محض نظری اصول نہیں بلکہ سیرتِ طیبہ میں ان کی عملی شکلیں بھی پوری وضاحت کے ساتھ موجود ہیں۔ حضور کے گھرانے اور قریبی خواتین نے زبان کی حفاظت، شائستگی، صداقت اور صبر و حیا کو محض قول کی حد تک نہیں رکھا بلکہ اپنی عملی زندگی میں اس کا بہترین نمونہ پیش کیا۔ ان مقدس خواتین کی زندگیاں اس بات کا ثبوت ہیں کہ اگر عورت اپنی زبان کو ایمان، ادب اور حکمت کے تابع کر لے تو وہ نہ صرف اپنے گھر بلکہ پورے معاشرے کی اصلاح کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ انہی روشن عملی نمونوں کی روشنی میں چند جلیل القدر خواتین کی سیرت کا جائزہ پیشِ خدمت ہے، جن کی حیاتِ مبارکہ آج کی مسلمان عورت کے لئے کامل تربیتی نصاب ہے۔

سیرتِ صحابیات طیبات

ام المومنین سیدہ خدیجہ صداقت، نرمی اور فراخ دلی میں بے مثال تھیں۔ ان کی راست گوئی نے تجارت میں برکت پیدا کی اور ان کی نرم گفتاری نے حضور کے لئے ہر مشکل کو آسان بنا دیا۔ ان کی شہزادی سیدہ خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا گفتگو، نشست و برخاست اور اندازِ بیان میں حضور سے سب سے زیادہ مشابہ تھیں۔ ان کا وقار، خاموشی اور حیا ہر عورت کے لئے روشن نمونہ ہے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ میں نے اندازِ گفتگو اور بیٹھنے میں حضرت فاطمہ سے بڑھ کر کسی اور کو حضور سے اس قدر مشابہت رکھنے والا نہیں دیکھا۔[10]

اسی طرح حضرت ام سلمہ نے بیوگی اور مصیبت کے عالم میں بھی صبر، وقار اور شائستگی کو ہاتھ سے نہ جانے دیا، نہ شکوہ کیا اور نہ بد زبانی اختیار کی۔

بد قسمتی سے آج بہت سی خواتین گفتگو میں اعتدال اور وقار کو ملحوظ نہیں رکھتیں۔ بلند آواز میں بات کرنا، بچوں کو ڈانٹتے وقت چیخنا یا برآمدوں اور صحنوں سے ہمسائیوں کو آوازیں دینا ایک عام رویہ بنتا جا رہا ہے، جس سے نہ صرف گھریلو سکون متاثر

ہوتا ہے بلکہ پردے اور حیا کے تقاضے بھی مجروح ہوتے ہیں۔ بعض اوقات اس اندازِ گفتگو سے غیر محرم مردوں تک آواز پہنچنے کا قوی اندیشہ بھی پیدا ہو جاتا ہے، جو ایک مومنہ عورت کے شایانِ شان نہیں۔

سیدہ فاطمۃ الزہرا کی حیاتِ طیبہ ہمارے ایسے ماحول میں لئے روشن مینار کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان کا وقار، ان کی شائستگی اور ان کا متوازن اندازِ گفتگو اس بات کی یاد دہانی ہے کہ عورت کی اصل زینت بلند آواز نہیں بلکہ حیا، حلم اور نرمی ہے۔ سیدہ خاتونِ جنت اور دیگر صحابیات طیبات کی سیرت ہمیں سکھاتی ہے کہ گفتگو ہو یا رویہ، ہر معاملے میں وقار اور اعتدال اختیار کیا جائے۔ اگر آج کی مسلمان عورت اس انداز کو اپنی زندگی کا حصہ بنا لے تو نہ صرف اس کا گھر سکون کا گہوارہ بن سکتا ہے بلکہ وہ اپنی آخرت کی تیاری بھی احسن انداز میں کر سکتی ہے۔

عملی سبق اور خواتین کے لئے راہ نمائی

گھریلو زندگی میں بات چیت کا ادب

عورت کا کردار کسی بھی خاندان میں بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے جس پر پورے گھرانے کا نظام قائم ہوتا ہے۔ عورت کا حُسنِ اخلاق کی پیکر ہونا خاندانی استحکام کی علامت ہے۔ عورت اچھے کردار و گفتار کے باعث خاندان کو جوڑنے میں پیش پیش رہتی ہے۔ اگر کوئی عورت بد زبان ہو تو پورے گھرانے کے لئے ناصرف تکلیف کا باعث بنے گی بلکہ خاندان کو جوڑنے کے بجائے بگاڑ کا باعث بنے گی۔ عورت کی باوقار زندگی گھر کو جنت کا نمونہ بنا سکتی ہے۔ عورت ایک گھر بلکہ پورے معاشرے کو سہارا دیتی ہے۔ عورت ایک ستون کی مانند ہے جو اپنے بچوں اور خاندان کی تعمیر میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اس لئے اگر عورت بات چیت کے آداب کو ملحوظ خاطر رکھے تو گھر امن، محبت اور سکون کا گہوارہ بن جاتا ہے۔ نرم آواز اور محبت بھرے الفاظ دلوں کو جوڑتے ہیں جبکہ سخت لہجہ رشتوں میں دراڑ ڈالتا ہے۔ غیر ضروری گفتگو کرنا دانائی نہیں ہے۔ زبان کی حفاظت، نرمی اور حکمت ہی گھریلو زندگی کی کامیابی کا راز ہیں۔

سوشل میڈیا وغیرہ پر زبان کے درست استعمال کے اصول

سوشل میڈیا وغیرہ پر زبان کا درست استعمال اخلاق و تربیت کا آئینہ دار ہے۔ باوقار اور سچی و محتاط گفتگو نہ صرف رشتوں کو محفوظ رکھتی ہے بلکہ معاشرے میں امن اور اعتماد کو بھی فروغ دیتی ہے۔ آج کے دور میں زبان صرف آمنے سامنے گفتگو تک محدود نہیں رہی بلکہ سوشل میڈیا کے ذریعے لمحوں میں ہزاروں لوگوں تک پہنچ جاتی ہے، اس لئے زبان کا درست اور ذمہ دارانہ استعمال بہت ضروری ہے۔

غیبت چغلی اور جھوٹ سے بچنا

غیبت، چغلی اور جھوٹ ایسے مہلک گناہ ہیں جن سے بچنا بظاہر آسان نہیں، مگر انجام کے اعتبار سے یہ نہایت تباہ کن ہیں۔ جھوٹ انسان کو بتدریج گناہوں کی دلدل میں دھکیل دیتا ہے، جبکہ غیبت صریح حرام اور کبیرہ گناہ ہے جو انسان کو جہنم کے قریب کر دیتی ہے۔ بزرگانِ دین نے غیبت کو نیکیوں کو جلا دینے والی بجلی سے تعبیر کیا ہے، کیونکہ غیبت کرنے والا گویا منجنیق نصب کر کے اپنی محنت سے کمائی ہوئی نیکیاں ہر سمت اچھال دیتا ہے۔ افسوس! آج یہ وبا خصوصاً خواتین کی محفلوں میں عام ہوتی جا رہی ہے اور کوئی نشست اس آفت سے خالی نہیں رہتی۔ حالانکہ عورت کے لئے غیبت، چغلی اور جھوٹ سے بچنا محض اخلاقی نہیں بلکہ دینی اور معاشرتی ذمہ داری بھی ہے۔ زبان اللہ پاک کی امانت ہے جس کے صحیح استعمال سے عورت کا وقار محفوظ رہتا ہے اور غلط استعمال سے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں۔ غیبت دلوں میں نفرت اور بدگمانی پیدا کرتی ہے، جبکہ چغلی اعتماد کو چکنا چور کر دیتی ہے۔ جو عورت اپنی زبان کو قابو میں رکھ لیتی ہے، وہ خود بھی فتنوں سے محفوظ رہتی ہے اور دوسروں کے لئے بھی باعثِ خیر بن جاتی ہے۔

احادیثِ مبارکہ میں زبان کی حفاظت کو نجات کا یقینی راستہ قرار دیا گیا ہے۔ حضرت عقبہ بن عامر عرض کرتے ہیں کہ میں نے حضور سے پوچھا: نجات کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: اپنی زبان

کو قابو میں رکھو، تمہیں تمہارا گھر کافی ہو اور اپنی خطاؤں پر آنسو بہاؤ۔ (11)

اس حدیث میں نجات کے تین اصول بیان ہوئے، جن میں سب سے پہلا اور بنیادی اصول زبان کی حفاظت ہے۔ زبان کی حفاظت کا مطلب یہ نہیں کہ بالکل خاموش ہو جائیں، بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہی بات کہی جائے جو خیر اور بھلائی پر مشتمل ہو۔ حضور کا واضح ارشاد ہے: جو اللہ پاک اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ یا تو اچھی بات کہے یا خاموش رہے۔ (12) حضرت طارق بن اشیم بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور سے زیادہ طویل خاموشی اختیار کرنے والا کوئی نہ دیکھا۔ جب صحابہ کرام زیادہ گفتگو کرتے تو حضور مسکرا دیا کرتے۔ (13) گویا خاموشی کے ذریعے بھی تربیت فرما دیتے تھے۔

فضول، بیہودہ اور گناہ والی گفتگو انسان کو اللہ پاک کی ناراضی اور آخرت کی ہلاکت کی طرف لے جاتی ہے، حتی کہ ایک معمولی سمجھا جانے والا لفظ بھی جہنم کا سبب بن سکتا ہے۔ اسی لئے حضور خود کم گفتگو فرماتے (14) اور امت کو بھی خاموشی، احتیاط اور زبان پر قابو رکھنے کی عملی تعلیم دیتے تھے۔ زبان کی حفاظت ہی ایمان کی سلامتی اور دنیا و آخرت کی کامیابی کا مضبوط ذریعہ ہے۔

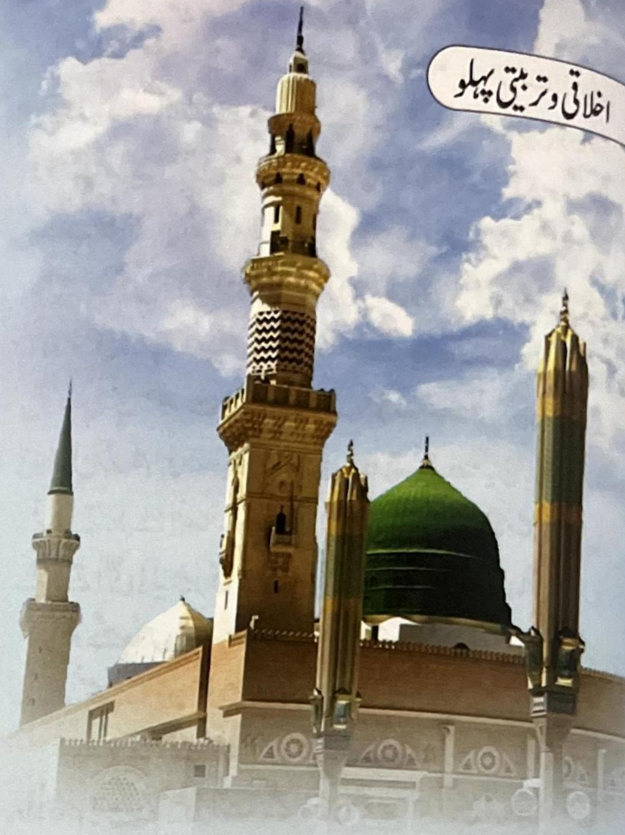
حکیمُ الامت حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی اپنی شہرۂ آفاق تصنیف مراۃ المناجیح میں خاموشی کے مفہوم کو نہایت خوبصورت انداز میں واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ خاموشی سے مراد دنیاوی اور غیر ضروری گفتگو سے اجتناب ہے، ورنہ حضور کی زبانِ مبارک ہر وقت اللہ پاک کے ذکر سے تر رہتی تھی۔ حضور بلا ضرورت کلام نہیں فرماتے تھے، اور جہاں گفتگو فرماتے وہاں بھی وہ حق، حکمت اور خیر ہی پر مشتمل ہوتی۔ ناجائز کلام، جھوٹ، غیبت اور چغلی جیسی آفات تو آپ کی پوری حیاتِ مبارکہ میں ایک لمحے کے لئے بھی زبانِ اقدس پر نہ آئیں، کیونکہ حضور سراپا حق تھے اور باطل کی آپ تک رسائی ممکن ہی نہ تھی۔ (15)

عصرِ حاضر میں اس اسوۂ نبوی سے ہمیں ایک نہایت واضح اور عملی پیغام ملتا ہے کہ زبان کی حفاظت میں انسان کے دین، عزت اور اعمال کی حفاظت ہے۔ حضرت مالک بن دینار فرماتے ہیں: جب دل میں سختی، بدن میں سستی، عبادت میں کمزوری اور رزق میں تنگی محسوس ہو تو سمجھ لو کہ فضول گفتگو کی کثرت ہو چکی ہے۔ (16) زبان کو بے لگام چھوڑ دینا انسان کو غیبت، چغلی اور دیگر اخلاقی بیماریوں میں مبتلا کر دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیق گفتگو سے بچنے کے لئے اپنے منہ میں کنکری رکھا کرتے اور اپنی زبان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کرتے: یہی وہ چیز ہے جو مجھے ہلاکت کی جگہوں پر لے گئی ہے۔ (17) ہمیں بھی چاہیے کہ گفتگو میں نرمی، وقار اور حکمت کو اپنائیں۔

اس سلسلے میں صحابیات کا کردار ہمارے لئے روشن نمونہ ہے، جن کی گفتگو کم مگر با اثر، سچائی سے بھرپور اور خاموشی عبادت کا درجہ رکھتی تھی۔ اگر آج ہم بھی اس اسوۂ حسنہ کو اپنا لیں تو ہماری زبان اصلاح کا ذریعہ بن سکتی ہے، فتنہ و فساد کا نہیں۔ اللہ پاک ہمیں زبان کی حفاظت کرنے اور فضول گفتگو سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اٰمین بِجاہِ النّبیِّ الْاَمین صلی اللہ علیہ والہ وسلم

---

1 تفسیر نسفی، ص952 مفہوماً
2 ترمذی، 4/183، حدیث:2415
3 احیاء علوم الدین، 3/133 ملخصاً
4 بخاری، 4/136، حدیث:6136
5 مؤطا امام مالک، 2/903
6 ترمذی، 4/285، حدیث:2637
7 ترمذی، 4/225، حدیث:2509
8 شعب الایمان، 4/264، حدیث:5027
9 ترغیب و ترہیب، 3/337، حدیث:13
10 ادب مفرد، ص244، حدیث 947
11 ترمذی، 4/182، حدیث:2414
12 مسلم، ص48، حدیث:173
13 معجم کبیر، 8/320، حدیث:8198
14 مسند امام احمد، 7/404، حدیث:20836
15 مراۃ المناجیح، 8/81 ملخصاً
16 بحر الدموع، ص175
17 احیاء علوم الدین، 3/137



تعلیماتِ نبوی اور ازدواجی زندگی

محترمہ بنتِ کریم بخش مدنیہ عطاریہ*

ہمارے پیارے آقا صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی مبارک زندگی ہمارے لیے کامل نمونہ ہے۔ آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے زندگی کے ہر ہر شعبے، ہر ہر معاملے میں ہماری رہنمائی فرمائی ہے۔ اور وہ بھی صرف اپنے اقوال کے ذریعے نہیں بلکہ عملی طور پر زندگی گزارنے کا سلیقہ سکھایا۔

ازدواجی زندگی کو کیسے گزارا جائے، شوہر کو کیسا ہونا چاہیے، اپنی بیوی کے ساتھ کس طرح کا سلوک کیا جائے یہ سب بھی ہمیں پیارے آقا صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی عملی زندگی سے سیکھنے کو ملتا ہے۔ آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم جس طرح ہر لحاظ سے اعلیٰ و بہترین تھے اسی طرح بحیثیتِ شوہر بھی آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم بہترین تھے۔ آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے خود فرمایا: خَیْرُكُمْ خَیْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ وَاَنَا خَیْرُكُمْ لِاَهْلِیْ یعنی تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو اپنی بیوی کے حق میں بہتر ہو اور میں اپنی بیوی کے حق میں تم سب سے بہتر ہوں۔(1)

ازواجِ مطہرات کے ساتھ حسنِ سلوک: آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم ازواجِ مطہرات کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آتے۔ فطری طور پر ہر شخص کا مزاج دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔ حسنِ سلوک میں یہ بات بھی شامل ہے کہ ہر ایک کے مزاج کے مطابق ہی اس کے ساتھ برتاؤ کیا جائے۔ آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم اپنی ازواج کے درمیان اس بات کا بھی خیال رکھتے تھے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ تمام ہی ازواجِ مطہرات اعلیٰ کردار کی مالک تھیں، پیارے آقا صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم سے بے حد محبت فرمانے والی تھیں اور آپس میں بھی ان کے تعلقات انتہائی خوش گوار تھے۔ لیکن کبھی کبھار کسی زوجہ مطہرہ کے مزاج میں کچھ تیزی بھی آجاتی جو کہ ایک فطری عمل ہے۔ ایسے موقع پر بھی پیارے آقا صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم ان سے ناراض ہونے یا جھڑکنے کے بجائے شفقت و محبت سے ہی پیش آتے۔

جیسا کہ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

ایک دن آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم (میری باری کے دن) میرے پاس سے باہر نکلے۔ میں نے دروازہ بند کر دیا۔ آپ تشریف لائے، دروازہ کھولنے کے لیے کہا۔ میں نے دروازہ کھولنے سے انکار کر دیا۔ فرمایا: میں تمھیں قسم دے کر کہتا ہوں کہ تم دروازہ کھولو۔ میں نے عرض کی: آپ میری باری میں کسی اور زوجہ کے پاس تشریف لے گئے تھے۔ فرمایا: میں نے ایسا نہیں کیا بلکہ مجھے قضائے حاجت کرنا تھی۔(2)

ازواجِ مطہرات سے محبت: نکاح ایک ایسا رشتہ ہے جس کی بدولت شوہر اور بیوی میں بغیر کسی معرفت اور قرابت کے محبت اور ہمدردی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ اللہ پاک کی کمال رحمت ہے۔ جیسا کہ اللہ کریم قراٰن پاک میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَیْهَا وَ جَعَلَ

* شعبہ ٹیچر ٹریننگ ڈیپارٹمنٹ مجلس جامعۃ المدینہ گرلز ریاست آباد واہ کینٹ

بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ (۲۱)

ترجَمۂ کنز العرفان: اور اس کی نشانیوں سے ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس سے جوڑے بنائے تاکہ تم ان کی طرف آرام پاؤ اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت رکھی۔ بے شک اس میں غور و فکر کرنے والوں کیلئے نشانیاں ہیں۔ (3)

پیارے آقا صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم بھی اپنی ازواج سے بہت محبت فرماتے اور اس کا اظہار بھی فرماتے تھے۔ چنانچہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرمایا: مجھے اِن کی محبت عطا فرمائی گئی ہے۔ (4)

یہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے محبت ہی تھی کہ جب تک وہ زندہ رہیں آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے کسی اور سے نکاح نہ فرمایا۔

آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم اپنی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی بہت محبت فرماتے تھے۔ آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے ایک مرتبہ اپنی لاڈلی شہزادی حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو مُخاطب کرکے اِرْشاد فرمایا: ربِّ کعبہ کی قسم! تمہارے والد کو عائشہ (رضی اللہ عنہا) بہت زیادہ محبوب ہیں۔ (5)

آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم اپنی ازواجِ مطہرات کے ساتھ مل کر بیٹھا کرتے، ان سے گفتگو فرماتے، ان کے ساتھ کھانا تناول فرماتے۔

حضرت عائشہ صِدِّیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مخصوص ایام میں جب میں پانی پیتی پھر حضور صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کو دے دیتی تو جس جگہ میرا منہ لگتا تھا حضور صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم وہیں دَہن مبارک رکھ کر پیتے اور مخصوص ایام میں ہڈّی سے گوشت نوچ کر کھاتی پھر آپ کو دے دیتی تو آپ اپنا دَہن مبارک اُس جگہ رکھتے جہاں میرا منہ لگتا تھا۔ (6)

ازواجِ مطہرات کے درمیان عدل و انصاف: جس شخص کی ایک سے زائد بیویاں ہوں اس پر ان کے درمیان تقسیم اور عدل و انصاف کرنا واجب ہے لیکن آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم پر یہ تقسیم اور عدل واجب نہ تھا۔ اس کے باوجود آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم ازواجِ مطہرات پر کمال شفقت فرماتے ہوئے ان کے درمیان عدل و انصاف سے ہی کام لیتے تھے۔ سب کو یکساں توجہ اور وقت دیتے، حقوق میں بھی برابری کا لحاظ فرماتے۔ اسی وجہ سے آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے تمام ازواج کی باریاں مقرر کر رکھی تھیں۔ جس زوجہ مطہرہ کی باری ہوتی اس کی اجازت کے بغیر دوسری زوجہ کے پاس تشریف نہ لے جاتے۔

چنانچہ حضرت عائشہ صِدِّیقہ رضی اللہ عنہا سے رِوایت ہے کہ رَسُولِ کریم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم اپنی اَزواج کے دَرمیان باری مقرر فرماتے ہوئے اِنصاف فرماتے اور اللہ پاک کی بارگاہ میں عرض کرتے الٰہی! یہ میری تقسیم ہے اُس میں جس کا میں مالک ہوں پس تو مجھے اُس میں عتاب نہ فرمانا جس کا تو مالک ہے اور میں مالک نہیں۔ (یعنی قلبی محبت) (7)

یہاں تک کہ سفر پر روانہ ہوتے وقت بھی آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم ازواجِ مطہرات کے مابین قرعہ اندازی فرماتے، جس زوجہ کے نام قرعہ نکلتا ان کو سفر میں ساتھ لے جاتے۔ (8)

ازدواجی اختلافات میں برداشت، صبر اور حکمتِ عملی: آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم اپنے اور ازواجِ مطہرات کے درمیان ہونے والے اختلافات کو بھی نہایت صبر اور حکمتِ عملی سے سلجھاتے تھے۔ کبھی بھی غصے و جذبات سے کام نہ لیتے بلکہ نہایت سمجھداری و بردباری سے معاملات کو سلجھایا کرتے۔ اس کی ایک مثال ملاحظہ ہو:

حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی خدمت میں ایک پیالے میں کچھ کھانا بھیجا، آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تشریف فرما تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خادم کے ہاتھ پر مارا، جس سے وہ برتن گر کر ٹوٹ گیا۔ رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے ٹوٹے ہوئے برتن کے ٹکڑوں کو جمع کیا، اور اس میں وہ کھانا جمع کیا جو اس میں تھا، اور خادم سے فرمایا: تمہاری ماں کو غیرت آگئی تھی یہ جملہ آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے دو مرتبہ فرمایا۔ پھر آپ

نے حضرت عائشہ کا صحیح پیالہ منگوایا اور اُسے اُمّ سلمہ کے پاس بھجوا دیا، اور اُمّ سلمہ کا ٹوٹا ہوا پیالہ حضرت عائشہ کو دے دیا۔ (9)

ازواجِ مطہرات کے ساتھ خوش طبعی: شوہر اگر اپنی بیوی کے ساتھ ہر وقت سنجیدگی اور رعب والا رویہ ہی اپنائے رکھے، بالکل بھی ہنسی مذاق نہ کرے تو اس سے ازدواجی تعلق ایک بوجھ محسوس ہونے لگتا ہے۔ لیکن ہمارے پیارے آقا صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے کبھی بھی اپنی ازدواجی زندگی کو بوجھ بننے نہ دیا بلکہ حسنِ اخلاق کے پیکر ہمارے پیارے پیارے آقا صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم اپنی ازواجِ مطہرات کے ساتھ کمال خوش اخلاقی کا مظاہرہ فرماتے ہوئے کبھی کبھی ان کے ساتھ خوش طبعی اور ہنسی مذاق بھی فرماتے لیکن آپ کے مزاح میں حق بات کے سوا کچھ نہ ہوتا۔

آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کا اپنی ازواج کو گزرے ہوئے زمانے کے لوگوں کے قصے سنانا بھی ثابت ہے۔

حضرت سیّدُنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضورِ اکرم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم لوگوں میں سب سے بڑھ کر اپنی اَزواج کے ساتھ خوش طبع تھے۔ (10)

اُمُّ المؤمنین حضرتِ سیّدَتُنا عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ کسی سفر میں اپنے سرتاج، صاحبِ معراج صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کے ساتھ تھیں فرماتی ہیں کہ میں نے آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کے ساتھ دوڑ لگائی تو میں دوڑنے میں آگے نکل گئی پھر (کچھ عرصہ بعد) جب میں ذرا بھاری ہوگئی تو آپ نے دوڑ لگائی تو آپ مجھ سے آگے بڑھ گئے پھر فرمایا: یہ اُس جیت کا بدلہ ہوگیا۔ (11)

گھریلو ذمہ داریوں میں ازواجِ مطہرات کے ساتھ تعاون: ہمارے معاشرے میں اگر شوہر بیویوں کے ساتھ گھر کے کام کاج میں مدد کرے تو اس کو اچھا نہیں سمجھا جاتا، حالانکہ یہ کوئی بری بات نہیں بلکہ ہمارے پیارے آقا صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم دو جہاں کے شہنشاہ و مالک ہونے کے باوجود اپنے کام اپنے ہاتھ مبارک سے کرنے کے ساتھ ازواج مطہرات کی بھی گھریلو کام کاج میں مدد کیا کرتے تھے۔

اُمُّ المؤمنین حضرتِ سیّدَتُنا عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا سے سوال ہوا کہ کیا نبیِ کریم، رؤفٌ رحیم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم گھر میں کام کرتے تھے؟ فرمایا: ہاں آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم اپنے نعلین مبارک خود گانٹھتے، اور کپڑوں میں پیوند لگاتے اور وہ سارے کام کیا کرتے تھے جو مرد اپنے گھروں میں کرتے ہیں۔ (12)

ازواجِ مطہرات کو دینی تعلیم دینا: بیوی کے حقوق میں سے یہ بھی ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو دینی تعلیمات سکھائے۔ حضور صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم بھی اپنی ازواج مطہرات کو دینی تعلیمات سے آگاہ فرماتے اور ازواجِ مطہرات بھی وقتاً فوقتاً آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم سے شرعی مسائل دریافت فرمایا کرتیں۔ ازواجِ مطہرات جہاں دیگر باتوں میں عام خواتین سے ممتاز ہیں وہیں علمِ دین و فقاہت میں بھی کوئی ان کے مقام و مرتبے کو نہیں پہنچ سکتا۔ اور یہ سب آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی سکھائی ہوئی تعلیمات کی ہی بدولت ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شانِ فقاہت کا عالم تو یہ ہے کہ بڑے بڑے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ کے شاگرد تھے۔

صحابۂ کرام علیہم الرّضوان کو جب بھی کوئی گھمبیر اور نہ حَل ہونے والا مسئلہ آن پڑتا تو اس کے حَل کے لئے آپ رضی اللہ عنہا کی طرف رُجوع لاتے، چنانچہ حضرتِ سیّدُنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم اصحابِ رسول کو کسی بات میں اِشکال ہوتا تو اُمُّ المؤمنین حضرتِ عائشہ صِدّیقہ رضی اللہ عنہا کی بارگاہ میں سوال کرتے اور آپ رضی اللہ عنہا سے ہی اس بات کا عِلْم پاتے۔ (13)

یونہی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی شرعی احکام میں بہت مہارت رکھتی تھیں۔ حضرت سیّدنا امام شمس الدین محمد بن احمد ذہبی رحمۃُ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "کَانَتْ تُعَدُّ مِنْ فُقَهَاءِ الصَّحَابِيَاتِ یعنی آپ رضی اللہ عنہا کو فقہا (یعنی شرعی احکام و قوانین کی ماہر) صحابیات میں شمار کیا جاتا تھا۔ (14)

ازدواجی زندگی میں اخلاقیات: حضور صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کا

ہر ہر انداز نرالا اور قابلِ تحسین ہے۔ آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم بلاشک وشبہ بہترین اخلاق کے مالک تھے۔

کسی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کا اپنے اہلِ خانہ میں خلق کیسا ہوتا تھا؟ انہوں نے فرمایا: آپ کا اخلاق سارے لوگوں سے عمدہ تھا۔ آپ فحش گو نہ تھے، قصداً بھی بری بات نہ کرتے تھے، بازار میں شور کرنے والے نہ تھے، برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیتے تھے، بلکہ درگزر فرماتے اور معاف فرماتے تھے۔[15]

یونہی ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کے اس اخلاق کے بارے میں پوچھا گیا جو آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم اپنی ازواج کے ساتھ تنہائی اختیار فرماتے تھے، تو انہوں نے فرمایا: آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم بھی تمہارے مردوں کی طرح ایک انسان تھے، مگر (فرق یہ تھا کہ) آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم سب لوگوں سے زیادہ باعزت، سب سے بہتر اخلاق والے، اپنی قوم میں سب سے نرم مزاج اور سب سے زیادہ شرافت والے تھے۔ آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم خوب ہنستے اور مسکراتے رہتے تھے۔[16]

ازواجِ مطہرات کی نبیِ کریم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم سے محبت: جس طرح پیارے آقا صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم اپنی ازواجِ مطہرات کے ساتھ محبت بھرا سلوک فرماتے اسی طرح ازواجِ مطہرات بھی آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم سے بہت محبت فرماتی تھیں، آپ کی خدمت و اطاعت کو اپنا فرض سمجھتے ہوئے بخوبی ادا کرتیں، کسی بھی معاملے میں آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کو رنجیدہ کرنا انہیں گوارا نہ تھا۔ یہ ازواجِ مطہرات کی آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم سے محبت کا واضح ثبوت ہے کہ جب ازواجِ مطہرات کو اختیار دیا گیا کہ وہ دنیاوی آسائشوں کو اختیار کریں یا اللہ اور اس کے رسول صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کو، تو تمام ازواجِ مطہرات نے دنیاوی آسائشوں کو ٹھکرا کر اللہ اور اس کے رسول صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کو اختیار کیا۔

آپ کی سب سے پہلی زوجہ مطہرہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ہر مشکل گھڑی میں آپ کا ساتھ دیا۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم سے محبت اور آپ سے جدائی کے خوف سے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دی۔ اسی طرح دیگر ازواج بھی آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم سے بہت محبت فرماتی تھیں۔

ازدواجی تعلقات کو خوشگوار کیسے بنائیں؟: پیاری بہنو! آج کل اکثر گھروں میں آئے دن میاں بیوی آپس میں الجھتے، جھگڑتے، ایک دوسرے کو برا بھلا کہتے دکھائی دیتے ہیں۔ جس کی وجہ سے نہ صرف گھر کا ماحول خراب ہوتا ہے بلکہ بچوں کی تربیت پر بھی برا اثر پڑتا ہے۔ ان سب مسائل کے حل کے لیے پیارے آقا صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم اور آپ کی ازواجِ مطہرات کے باہمی تعلقات میں ہمارے لیے بے شمار مدنی پھول ہیں۔ ایک سمجھدار اور باشعور عورت جھونپڑی کو بھی محل بنا سکتی ہے۔

یاد رکھیے! مکان کا چھوٹا بڑا ہونا، آمدن کم زیادہ ہونا، روزگار کے مسائل ہونا وغیرہ یہ سب عام باتیں ہیں جن سے ہر انسان کا کبھی نا کبھی واسطہ پڑتا ہے۔ اصل چیز محبت، توجہ، احساس اور سکون ہے جو شوہر اور بیوی کو ایک دوسرے سے چاہیے ہوتا ہے۔ اور اگر شوہر بیوی کے باہمی تعلقات اچھے ہوں تو اس سے گھر کا ماحول بھی خوشگوار ہوتا ہے۔ لہٰذا اسلامی بہنوں کو بھی چاہیے کہ اللہ و رسول صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کے احکامات پر عمل کرتے ہوئے، سیرتِ مصطفٰی صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم و ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اپنی ازدواجی زندگی کو خوشگوار بنانے کی کوشش کریں۔

---

(1) ابن ماجہ، 2/478، حدیث: 1977 (2) الطبقات الکبریٰ، 8/109 (3) پ21، الروم: 21 (4) مسلم، ص 1016، حدیث: 6278 (5) ابوداؤد، 4/359، حدیث: 4898 (6) مسلم، ص138، حدیث: 692 (7) ترمذی، 2/374، حدیث: 1143 (8) بخاری، 2/173، حدیث: 2593 (9) بخاری، 3/470، حدیث: 5225، سبل الہدی والرشاد، 9/69 (10) فیض القدیر، 5/229، تحت الحدیث: 6865 (11) ابوداؤد، 3/42، حدیث: 2578 (12) مسند امام احمد، 9/519، حدیث: 25396 (13) ترمذی، ج5، ص471، حدیث: 3909 (14) سیر اعلام النبلاء، 3/475 (15) مسند احمد، 43/131، حدیث: 25990 (16) سبل الہدیٰ والرشاد، 11/147۔



تربیتِ اولاد کے مصطفوی اصول

بنتِ افضل مدنیہ عطاریہ*

اولاد کی تربیت کی اہمیت سے انکار ممکن ہی نہیں ہے کیونکہ تربیت ہی انسان کی شخصیت کو نکھارتی، معاشرے کا مفید انسان بناتی ہے، تربیت سیکھے ہوئے علم کو عمل میں لانے اور درست سمت میں استعمال کا طریقہ سکھاتی ہے۔ تربیت یافتہ اولاد ہی دین وملت کا بہترین سرمایہ بنتی ہے۔ لہٰذا والدین کو چاہیے اپنی اولاد کی دینی و دنیوی تربیت کو ہرگز نظر انداز نہ کریں۔

بچے اور بچیاں اللہ کریم کا انمول تحفہ ہیں، اس لیے اُن سے بدسلوکی ہرگز اختیار نہیں کرنی چاہیے۔ چوں کہ بچپن میں تو اللہ پاک کے یہاں بھی ان کے ”گناہ“ شمار نہیں ہوتے لہٰذا بچے اگر جان بوجھ کر بھی کوئی ناپسندیدہ کام کرڈالیں، قیمتی چیز کو نقصان پہنچا دیں تو بھی اُنھیں مارنے کی ضرورت نہیں بلکہ اُنھیں نرمی سے سمجھایا جائے اور ناپسندیدہ باتوں سے دوری اختیار کرنے کی ترغیب حکیمانہ انداز میں دی جائے۔

نبی کریم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی سیرت بحیثیت مربی: نبی پاک صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی ذاتِ اقدس معلمِ اعظم ہے اور اسی پر آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم فخر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔(1)

تاریخ آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کے معلمانہ طرز، مربیانہ اندازِ فکر و نظر پر آج بھی حیران ہے۔ ہمارے نبی پاک صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم ایسے معلمِ اعظم ہیں کہ جہالت کے اندھیروں میں کھوئے ہوئے لوگ ہدایت کے چمکتے دمکتے روشن ستارے بن گئے۔

رسولِ پاک صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے فرمایا: کوئی اپنے بچے کو ادب کی تعلیم دے اس کے لیے اس سے بہتر ہے کہ ایک صاع خیرات کرے۔(2) یعنی اپنی اولاد کو ایک اچھی بات سکھانا ایک صاع خیرات کرنے سے افضل ہے۔(3)

اسی طرح ایک اور روایت میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ فصل کا کوئی پھل پکتا تو لوگ اسے رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی خدمت میں لایا کرتے، آپ اس پر یہ دعا کرتے: اے اللہ! ہمارے لیے ہمارے مدینے میں، ہمارے پھلوں میں اور ہمارے مُد اور صاع میں برکت دے۔ اس کے بعد جو بچے حاضرِ خدمت ہوا کرتے ان میں سب سے چھوٹے کو وہ پھل عنایت فرمادیتے۔(4)

تعلیم و تربیت کا آغاز بچپن سے: بچوں کی تعلیم و تربیت کا آغاز ان کی ولادت سے پہلے ہی ہو جاتا ہے یعنی زمانۂ حمل کے دوران ماں کے عقائد ونظریات، افعال و کردار کا اثر اس کے پیدا ہونے والے بچے پر پڑتا ہے۔ چنانچہ منقول ہے کہ رضاعت طبیعت کو بدل دیتی ہے۔(5)

اس لیے ماں کو چاہیے اس دور میں خاص طور پر نمازوں ذکر و اذکار اور تلاوتِ قراٰن کا اہتمام کرے ہر وقت گناہوں سے بچے بالخصوص اس زمانہ میں گناہ ونافرمانی سے خود کو بچائے

*لاہور

کہ اس کے منفی اثرات سے بچہ متاثر نہ ہو، ولادت کے بعد بچپن ہی سے مرحلہ وار بچے کے اندر اسلامی عقائد و نظریات کو پختہ کیا جائے، نماز کی پابندی کا ذہن دیا جائے بلکہ اپنے ساتھ نماز پڑھوائی جائے، پیارے آقا صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: بچوں کو نماز کا حکم دو جب سات سال کے ہو جائیں اور جب دس سال کے ہو جائیں تو نماز نہ پڑھنے پر انہیں مارو۔ (6)

سات آٹھ برس کی عمر میں بچے اچھے اور بُرے کے درمیان تمیز کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ نبیِ کریم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم جب کسی ایسے بچے کو غلط حرکت کرتا دیکھتے تو اُسے پیار، شفقت اور اچھے انداز میں سمجھاتے تھے۔ اُن کو بتاتے کہ صحیح کیا ہے اور غلط کیا۔ یہ نہیں کہ اُنھیں ڈانٹتے ڈپٹتے یا دوسروں کے سامنے ذلیل کرتے۔

عملی نمونہ پیش کرنا: ماں باپ جو اپنی اولاد کی دینی، دنیاوی، روحانی اور اخلاقی تربیت کرنا چاہتے ہیں انہیں چاہیے کہ اچھی عادات و اچھے اخلاق اپنائیں کیونکہ بچے نصیحت اور باتوں سے اتنا نہیں سیکھتے جتنا وہ اپنے بڑوں کو دیکھ کر سیکھتے ہیں اگر والدین خود اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں گے تو ان کو دیکھ کر بچوں میں بھی دینی شعور بیدار ہو گا۔

دینی تعلیم و اخلاقی تربیت: آپ کی اولاد صرف آپ کے بچے ہی نہیں بلکہ اللہ کریم کے بندے اور امتِ مصطفےٰ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کے افراد ہیں، امتِ مسلمہ کا قیمتی سرمایہ ہیں، قوم کی طاقت ہیں اس لیے والدین کی اہم ذمہ داری ہے کہ ان بچوں کو اپنے فرائض منصبی سے آگاہ کریں، ان کے اندر دینی روح پھونکیں۔ اس کے لیے دین کی بنیادی تعلیم دینا نہایت ضروری ہے۔ لہٰذا بچے کی ذہنی سطح کے مطابق توحید و رسالت اور دیگر بنیادی عقائد کو دل و دماغ میں پختہ کیا جائے جن کے ماننے سے ایک انسان صحیح العقیدہ عاشقِ رسول مومن بنتا ہے اس کے ساتھ ساتھ آدابِ زندگی سکھانے اور اخلاق و کردار کو سنوارنے پر مکمل توجہ دینی چاہیے چنانچہ اس سلسلے میں آقا صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی سیرت مبارکہ ہمارے لیے اسوۂ حسنہ ہے۔

حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہُ عنہما کہتے ہیں: میں جب چھوٹا تھا تو رسولُ اللہ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کے ساتھ کھانا تناول کرتے ہوئے میرا ہاتھ برتن میں ادھر اُدھر چلا جاتا تھا۔ رسولُ اللہ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے مجھ سے ارشاد فرمایا: اے لڑکے! اللہ کا نام لو، دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے قریب سے کھاؤ۔ (7)

بچوں سے محبت وشفقت: بچوں سے محبت و شفقت نبیِ کریم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کا خاص وصف رہا ہے۔ چنانچہ حضرت براء بن عازب رضی اللہُ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کو دیکھا کہ آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے حضرت حسن بن علی رضی اللہُ عنہما کو اپنے کندھوں پر بٹھایا ہوا ہے اور آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم فرما رہے ہیں: اے اللہ! میں بھی اس سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر۔ (8)

محبت، شفقت و نرمی اولاد کا بنیادی حق ہے۔ حضور سید عالم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم بچوں پر بہت ہی شفیق تھے بچوں کو سلام میں پہل کرتے، ان کو گلے لگاتے، منہ چومتے، پیار سے سونگھتے ان کی نرمی و محبت سے تربیت فرماتے، لہٰذا اس سلسلے میں نبیِ اکرم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کرتے ہوئے اپنی اولاد کی تربیت پیار، محبت و نرمی سے کی جائے ورنہ بے جا سختی اور وقت بے وقت کی ڈانٹ ڈپٹ بچوں کو ڈھیٹ و نافرمان بنا دیتی ہے۔ سب کے سامنے ڈانٹ کر سمجھانا بچوں کو ذلیل کرنے کے مترادف ہے۔ بچوں کی تربیت ان کی عمر اور ذہنی سطح کے اعتبار سے مرحلہ وار کی جائے جیسے جیسے بچوں کی عمر بڑھتی جائے ویسے ہی ان کی تربیت کا معیار بھی بڑھتا جائے۔

بچوں کی تربیت میں ان کی نفسیات کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے حکمتِ عملی کے ساتھ ان کے اندر پوشیدہ صلاحیتوں کو اجاگر کیا جائے عمدہ کام کرنے پر حوصلہ افزائی کر کے مزید آگے بڑھایا جائے غیر شرعی و نامناسب کاموں پر نرمی سے منع کرتے ہوئے ایسے کاموں کی برائی بتائی اور سمجھائی جائے۔ گھر میں تلاوتِ قرآن،

درود شریف اور ذکر اذکار بچوں کے سامنے کریں بچوں کو ان عبادتوں کی عملی ترغیب ملے گی۔

الغرض یہ کہ والدین بچوں کو اللہ کریم کا فرمانبر دار بندہ، نبی پاک صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کا وفادار امتی اور خاندان و معاشرے کا مفید انسان بنانے میں اپنی تمام صلاحیتوں کو استعمال کریں تاکہ دین وملت کو بامقصد، بااخلاق وباکردار افراد مہیا کرسکیں کہ نیک اولاد بہترین صدقہ جاریہ ہے۔

اس کے لیے قرآنی دعاؤں سے بھی راہنمائی حاصل کیجیے۔ چنانچہ قراٰنِ کریم میں ہے: ﴿رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ ۖ رَبَّنَا وَ تَقَبَّلْ دُعَآءِ (۴۰) رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَ لِوَالِدَیَّ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ (۴۱)﴾ ترجَمہ کنزالایمان: اے میرے رب مجھے نماز کا قائم کرنے والا رکھ اور کچھ میری اولاد کو اے ہمارے رب اور میری دعا سن لے اے ہمارے رب مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو اور سب مسلمانوں کو جس دن حساب قائم ہوگا۔(9)

بچوں کی حفاظت اور عمدہ تعلیم وتربیت کے لیے عملی اقدامات کے ساتھ دعا سے ہرگز غفلت نہ برتیں ان کے نیک و صالح ہونے کی دعا بھی لازمی کرتے رہیں۔

تربیتِ اولاد میں ماں کا کردار: تربیتِ اولاد کی زیادہ ذمہ داری ماں پر آتی ہے کہ بچے کا اکثر وقت ماں کے ساتھ ہی گزرتا ہے عموماً ماں ہی بچے کو اٹھنا بیٹھنا چلنا پھرنا کھانا پینا سکھاتی ہے لہٰذا ابتدا ہی سے بچے کو یہ سب امور سنت کے مطابق کرنے کی عملی طور پر ترغیب دلاتی رہے۔

ماں کو چاہیے اپنے بچوں کو اللہ کریم کی محبت و معرفت سکھائے اردگرد موجود چیزوں کے متعلق بتائے کہ انہیں اللہ کریم نے ہمارے استعمال کے لیے پیدا فرمایا ہے وہ اپنی مخلوق سے بہت محبت کرتا ہے دنیا کی سب سے بڑی طاقت اللہ کریم کی محبت اور رسول پاک صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کا عشق ہے اسی لیے ایک مسلمان والدہ کو چاہیے کہ وہ اپنی اولاد کو کامل مومن بنائے اور تکمیلِ ایمان کے لیے محبتِ مصطفیٰ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم شرط ہے لہٰذا بچپن ہی سے عشقِ رسول صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم اولاد کے سینوں میں بسادے کہ دنیا کی کوئی طاقت اسے شکست نہ دے سکے۔

اسی لیے نبیِ کریم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے فرمایا: اپنی اولاد کو تین باتوں کی تعلیم دو: (1) اپنے نبی صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی محبت (2) اپنے نبی صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کے اہلِ بیت کی محبت اور (3) قراٰن کی تلاوت۔(10)

مائیں بچوں کو سنائیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے تعداد کی کمی کے باوجود دشمنانِ اسلام کے سامنے کس قدر شجاعت و بہادری کا مظاہرہ کیا، ان کے ننھے منے دل و دماغ میں اسلام کی حقانیت کا ایسا سکہ جما دیں کہ وہ زندگی کے ہر موڑ پر اسلام کی خاطر مر مٹنے کے لیے تیار رہیں۔

تربیت کرنے والوں کے لیے بھی ضروری ہے کہ خود بھی سیرتُ النبی صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کا مطالعہ کریں اور بچوں کو بھی سیرت کی کتب خرید کردیں ان کے سامنے پڑھیں اور سیرتِ مصطفیٰ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کے واقعات و معجزات بچوں کے سامنے کہانی کی صورت میں بیان کریں۔

اس لیے تمام والدین اور سرپرستوں کو چاہیے کہ وہ وقتاً فوقتاً سیرتِ نبوی کا مطالعہ کرتے رہیں، تاکہ اُن پر یہ واضح ہوسکے کہ نبی کریم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے بچوں کے ساتھ کس قسم کا انداز رکھا، اور پھر اس کی روشنی میں وہ بچوں کی صلاح و فلاح کے لیے راستے ہموار کریں۔

اللہ پاک والدین کو تربیتِ اولاد کے اس فریضے کو اَحسن طریقے سے ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اٰمِیْن بِجَاہِ النَّبِیِّ الْاَمِیْن صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

---

(1) مشکاۃ المصابیح، 1/67، حدیث: 257 (2) ترمذی، 3/382، حدیث: 1958 (3) مراٰۃ المناجیح، 6/564 (4) مسلم، ص547، حدیث: 3334 ملتقطاً (5) جامع صغیر، ص277، رقم: 4525 (6) ابو داود، 1/208، حدیث: 494 (7) بخاری، 3/70، حدیث: 5376 (8) مسلم، ص1013، حدیث: 6259 (9) پ13، ابرٰھیم: 40، 41 (10) جامع صغیر، ص25، رقم: 311۔



اخلاقی و تربیتی پہلو

حضور ﷺ نے عورتوں کو کن کاموں سے اور کیوں روکا؟

محترمہ ام انس عطاریہ*

شریعتِ مطہرہ کی ہر ہدایت، ہر حکم اور ہر ممانعت، چاہے وہ مردوں کے لئے ہو یا خواتین کے لئے، درحقیقت حکمتِ ازلی کا وہ گہرا بھید ہے جو ابدی مصلحتوں کی بنیاد پر استوار ہے۔ جب سیرتِ نبوی کے منور اور بابرکت سفر کا گہرائی سے جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت یقین کی روشنی بن کر سامنے آتی ہے کہ حضور نے جس طرح مرد حضرات کو کردار کی بلندی اور تقویٰ کی شاہراہ پر گامزن رکھنے کے لئے کچھ افعال سے باز رکھا، بالکل اسی شفقت اور نگہبانی کے ساتھ صنفِ نازک کو بھی کئی ایسے افعال سے منع فرمایا جو ان کے روحانی مقام کے شایانِ شان نہ تھے۔ آپ کی یہ مبارک ممانعتیں در اصل عورت کی فطری نزاکت اور نزہت کا پاس ہیں، یہ اس کے وقار اور عزت کی حفاظت کی مضبوط ڈھال اور خاندان کو مرکزیت و استحکام عطا کرنے کا الٰہی فارمولا ہیں۔ چنانچہ وہ کون سے حساس افعال ہیں جن سے روک کر حضور نے خواتین کو معاشرتی فتنوں کے سیلاب اور اخلاقی پستی کے اندھیروں سے بچانے کا کامل انتظام فرمایا، زیرِ نظر مضمون میں اسی مقدس دستور، ان ممنوعہ افعال اور ان کے پس پردہ پوشیدہ حکمتوں اور لازوال فوائد کا سیرت کی روشنی میں تفصیلی جائزہ لیا جائے گا۔

حضور کا عورتوں سے حُسنِ سلوک

پیارے آقا صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی آمد سے پہلے زمانہ جاہلیت میں عورت پر بہت ظلم و ستم کیا جاتا تھا، کہیں وہ بچپن میں یا پیدا ہوتے ہی دفن ہو رہی تھی، کہیں شوہر کے مرنے پر شوہر کے ساتھ جلائی جا رہی تھی، کہیں پانی کے حصول کے لئے دریاؤں میں ڈالی جا رہی تھی، تو کبھی باپ کے مرنے کے بعد میراث کی طرح بانٹی جا رہی تھی۔ الغرض عورت کی حیثیت صرف نفسانی خواہشات کو پورا کرنے اور ایک لونڈی کے سوا کچھ نہ تھی۔ لیکن جب حضور تشریف لائے تو نہ صرف عورتوں کے حقوق بیان فرمائے بلکہ خود بھی عملی نمونہ یوں پیش کیا کہ آپ نے عورت کو عزت اور شرف کا تاج پہنایا اور بلند مقام عطا کیا۔ پیارے آقا صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے بیٹیوں کی اچھی پرورش کے صلے میں جنت میں اپنی رفاقت کی خوشخبری دی۔[1] حضور خاتونِ جنت کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے، ان کا ہاتھ چومتے اور اپنی مسند پر بٹھاتے۔[2] ماں کے لئے فرمایا کہ ماں کے قدموں تلے جنت ہے۔[3] ایک صحابی کے تین بار یہ سوال کرنے پر "میرے حُسنِ سلوک کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟" جواب میں تینوں بار فرمایا: تیری ماں۔[4] بہن کے لئے فرمایا: جس نے دو بیٹیوں یا دو بہنوں یا دو رشتے دار بچیوں پر اللہ پاک کی رضا کے لئے خرچ کیا یہاں تک کہ اللہ پاک نے انہیں اپنے فضل سے غنی کر دیا تو وہ اس کے لئے آگ سے پردہ ہو جائیں گی۔[5] حضور خود بھی اپنی رضائی بہن سے حُسنِ سلوک فرماتے اور ان کی آمد پر قیام

* رکن انٹرنیشنل افیئرز ڈیپارٹمنٹ

فرماتے۔[6] آپ نے اپنی رضاعی بہن حضرت شیماء کے ساتھ یوں حُسنِ سلوک فرمایا کہ اپنی مبارک چادر بچھا کر فرمایا: مانگو! تمہیں عطا کیا جائے گا، سفارش کرو! تمہاری سفارش قبول کی جائے گی۔[7] بحیثیتِ بیوی عورت پر یوں کرم نوازی فرمائی کہ فرمایا: بیویوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے والا بہترین شخص ہے۔[8] اس کے علاوہ حضور نے عورت کے ہر رشتے کو عزت بخشتے ہوئے فرمایا: جس نے دو بیٹیوں یا دو بہنوں یا دو خالاؤں یا دو پھوپیوں یا نانی دادی کی کفالت کی تو وہ اور میں جنت میں یوں ہوں گے، اتنا فرما کر آپ نے اپنی شہادت اور اس کے ساتھ والی انگلی کو ملایا۔[9] یوں آپ کا عورتوں کے لئے ہر رشتے کے ساتھ حُسنِ سلوک کی تعلیم دینا اور خود اس کا عملی نمونہ پیش کرنا عورتوں پر احسانِ عظیم ہے۔

یوں سمجھئے کہ سیرتِ رسول ایک ایسا مینارِ نور ہے جس کی ہر شعاع خواتین کے وقار، عافیت اور ذمہ داری کی راہ نمائی کرتی اور انہیں معاشرتی انحطاط کے ہر سائے سے محفوظ رکھتی ہے۔ حضور کا اپنی لختِ جگر، سیدہ فاطمۃ الزہرا کی تعظیم میں کھڑے ہو جانا اور ماں کو حُسنِ سلوک کا سب سے بڑا حق دار قرار دینا اس بات کا عملی اعلان ہے کہ عورت معاشرتی ڈھانچے کا سب سے محترم اور روحانی ستون ہے۔

سیرتِ طیبہ ہمیں یہ درس دیتی ہے کہ عورت کا وجود ہر رشتے میں رحمت، برکت اور اخروی کامیابی کا سرچشمہ ہے۔ بیٹیوں اور بہنوں کی کفالت پر جنت کی بشارت اور آپ کی معیت کا وعدہ، مردوں کے دلوں میں ان کی دلجوئی کا جذبہ بیدار کرتا ہے، جبکہ "بیویوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے والا بہترین شخص ہے" فرما کر ازدواجی زندگی میں بھی ان کا مقام متعین کر کے ان کی عظمت کو مزید چار چاند لگا دیئے۔

عہدِ نبوی میں خواتین کی عمومی آزادی

عورتیں فطری طور پر نازک مزاج اور جسمانی طاقت میں مردوں سے کمزور ہوتی ہیں، اسی لئے ان کی طبیعت، ذمہ داری اور نزاکت کو ملحوظ رکھتے ہوئے شریعت نے بعض معاملات سے انہیں روکا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور کے تمام احکام کامل حکمت اور فطرتِ انسانی کے مطابق ہیں۔ تاہم بہت سے امور ایسے بھی ہیں جن کی عہدِ نبوی میں باقاعدہ اجازت موجود ہے؛ جیسے عورتوں کا عبادت گاہوں میں حاضر ہو کر نماز ادا کرنا، میدانِ جنگ میں معاون خدمات سرانجام دینا، بیعت میں شامل ہونا، مشورہ دینا، سماجی سرگرمیوں میں حصہ لینا اور تعلیم و تربیت کے مواقع سے فائدہ اٹھانا۔

وہ امور جن سے خواتین کو روکا گیا

عورت کو مسجد میں آنے سے روکنا:

عورتوں کی حفاظت، عفت اور معاشرتی وقار کو ملحوظ رکھتے ہوئے عورتوں کو مسجد آنے سے منع کر دیا گیا، اگرچہ عہدِ نبوی میں خواتین مسجدوں میں حاضر ہو کر نماز ادا کرتی تھیں۔ حضور کے زمانے میں عورتیں سادگی، پردہ اور بغیر زینت کے نکلتی تھیں۔ یہاں تک کہ حضور سلام پھیرنے کے بعد مردوں کو حکم دیتے کہ اپنی جگہ کھڑی رہیں تاکہ عورتیں سکون اور پردے کے ساتھ واپس جا سکیں۔ اس کے باوجود حضور نے واضح فرمایا کہ عورت کا گھر میں نماز ادا کرنا اس کے حق میں زیادہ بہتر ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا کہ اگر حضور وہ حالات دیکھ لیتے جو بعد میں عورتوں میں پیدا ہو گئے، تو وہ بھی انہیں مسجد آنے سے روک دیتے، جیسے بنی اسرائیل کی عورتوں کو روکا گیا تھا۔[10] یہ ارشاد ان اعلیٰ درجے کی صحابیات کے بارے میں ہے تو آج کی خواتین کے بارے میں کیا فرمایا جاتا![11] اسی طرح حضرت عبدُ اللہ بن مسعود جمعہ کے دن خواتین کو مسجد سے واپس بھیج دیتے اور فرماتے: اپنے گھروں کو چلی جاؤ، یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔[12]

ان آثار سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ عورتوں کو مسجد سے روکنے کا مقصد انہیں محروم کرنا یا ان کے مرتبے میں کمی کرنا نہیں، بلکہ ان کی عفت، وقار اور روحانی یکسوئی کا تحفظ

ہے۔ اسلام نے خواتین کو عبادت، علم اور خیر کے کاموں میں حصہ لینے کی آزادی دی، مگر اس کے ساتھ حیا، پردہ اور وقار کی لازمی شرائط بھی مقرر کیں۔ جب عورتوں میں نرم روی، سادگی اور پردہ داری کم ہونے لگی تو فاروقِ اعظم جیسے بصیرت افروز صحابی نے امت کے وسیع تر مفاد میں پابندی عائد کی۔ لہٰذا خواتین کے لئے اصل راہ نمائی یہ ہے کہ مسجد یا دینی محفل میں جانا ہو تو سادگی، مکمل حجاب، خوشبو اور زینت سے خالی ہو کر جائیں اور یہ جانیں کہ ان کے گھروں میں ادا کی جانے والی عبادتیں؛ جو نگاہوں سے محفوظ اور دکھاوے سے پاک ہوتی ہیں، اللہ پاک کے ہاں زیادہ مقبول اور افضل ہیں۔ یہی طرزِ عمل اسلامی معاشرے میں عورت کی روحانی اہمیت اور اس کی حفاظت کی حکمت کو نمایاں کرتا ہے۔

عورتوں کو خوشبو لگا کر باہر نکلنے سے روکنا

خوشبو پھیلتی ہے اور جہاں سے خوشبو آتی ہے وہاں مزید سونگھنے کی خواہش ہوتی ہے اور بلا اختیار ہی چہرہ اس سمت کر لیا جاتا ہے جہاں سے اس کی لپٹیں آ رہی ہوں۔ عورت بوجہ ضرورت باہر نکلے تو ہرگز خوشبو نہ لگائے تاکہ غیر مردوں کی توجہ سے بچ جائے اور کوئی فتنہ پیدا نہ ہو۔ عورتوں کے لئے مہک کی ممانعت اس صورت میں ہے جبکہ وہ خوشبو اجنبی مَردوں تک پہنچے، اگر وہ گھر میں عطر لگائیں جس کی خوشبو خاوند یا اولاد، ماں باپ تک ہی پہنچے تو حرج نہیں۔[13] ❀ خواتین کو ایسی خوشبو نہیں لگانی چاہیے جس کی خوشبو اُڑ کر غیر مَردوں تک پہنچ جائے۔[14] ❀ فرمانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم: عورت جب خوشبو لگا کر کسی مجلس کے پاس سے گزرتی ہے تو وہ ایسی اور ایسی ہے یعنی بدکارہ ہے۔[15]

حضور کا یہ فرمان ایک ابدی انتباہ ہے جو نسوانی عظمت کے مینار کو ہر طوفان سے محفوظ رکھنے کے لئے نصب کیا گیا ہے۔ یہ ارشاد دراصل عفتِ نسواں کی حفاظت کا وہ الہامی حصار ہے جسے توڑنے کی ہلکی سی کوشش بھی روح کو داغ دار کر سکتی ہے۔ خوشبو جو کہ ایک لطیف آرائش ہے جب غیر محرم کی حدوں میں داخل ہوتی ہے تو اپنی نزاکت کھو دیتی ہے اور فتنے کے دروازے کی دستک بن جاتی ہے۔ اسی لئے اسے بدکارہ سے تعبیر کیا گیا؛ کیونکہ وہ صرف ایک عمل نہیں، بلکہ شہوت کو دعوت دینے والی خاموش پکار بن جاتی ہے۔ ایک سچی مسلمان عورت کا وقار محض ظاہری پردے کا ایک ٹکڑا نہیں، بلکہ ایک جامع روحانی کیفیت ہے۔ اس کی نیکی صرف عبادات میں نہیں جھلکتی، بلکہ اس کی چال، اس کی آواز اور اس کے اردگرد کی ہوا میں بھی حیا کی پاکیزہ مہک ہونی چاہیے۔ اس کے گھر کی دہلیز سے باہر قدم رکھتے ہی دنیاوی کشش اور زینت کے سارے رنگ مدھم پڑ جانے چاہئیں۔ اسے یہ درس یاد رکھنا ہے کہ اس کا ایمانی وقار ہر دنیوی زینت سے کہیں زیادہ قیمتی ہے۔ یہ ممانعت ایک پابندی نہیں، بلکہ ایک ایمانی ڈھال ہے جو عورت کو نگاہوں کی تیزی اور نفس کے فریب سے بچا کر روحانی پاکیزگی کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز کرتی ہے۔ یہی اس کے امتیازی نسوانی وقار کی اصل خوشبو ہے۔

اکیلے سفر کرنے کی ممانعت

حضور کی سیرت درحقیقت انسانیت کے لئے رحمت اور ہر طبقے کے لئے عملی تحفظ کا مکمل دستور ہے۔ آپ نے محض احکام نہیں دیئے بلکہ وہ معاشرتی ماحول فراہم کیا جس میں خواتین کو مکمل تحفظ اور عزت و وقار حاصل ہو۔ آپ کا ہر حکم خواتین کی عفت و سلامتی کا ضامن ہے۔ وہ دور جب سفر غیر محفوظ، راستے پُرخطر اور اکیلی عورت کی عزت خطرے میں ہوتی تھی، حضور نے اپنی امت کی خواتین کو ذلت، فتنے اور ہر قسم کی تکلیف سے بچانے کے لئے یہ بنیادی اصول عطا فرمایا اور اسی تحفظ کو یقینی بناتے ہوئے فرمایا: جو عورت اللہ پاک اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہے، اس کے لئے حلال نہیں کہ وہ اپنے باپ، بیٹے، شوہر یا بھائی یا کسی محرم کے بغیر تین دن یا اس سے زیادہ کا سفر کرے۔[16] اس میں عورت کی حفاظت اس کی عصمت اور

پاکیزگی کا خیال ہے کہ بدکار لوگ اکیلی عورت کو دیکھ کر اس پر قابو نہ پالیں۔ عورت کے لئے بغیر محرم کے (شرعی) سفر کرنا حرام ہے۔(17) معلوم ہوا کہ محرم کی ہمراہی عورت کے لئے ایک ایسا مضبوط قلعہ ہے جو اسے ہر قسم کی دست درازی سے محفوظ رکھتا ہے۔ اس حکم کے ذریعے اسلام نے عورت کے وقار اور ناز کی کا اس طرح لحاظ رکھا ہے کہ وہ معاشرتی فتنوں اور بری نگاہوں سے مکمل طور پر آزاد رہ سکے۔

مردوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے کی ممانعت

اللہ پاک نے ہر جنس یعنی مرد و عورت کے لئے ایک مخصوص فطرت، کردار اور لباس مقرر کیا ہے تاکہ معاشرتی توازن بر قرار رہے۔ حضور نے اس فطری امتیاز کو بر قرار رکھنے پر شدید زور دیا اور اس کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سخت تنبیہ فرمائی۔ اس کی ایک واضح مثال اس وقت سامنے آئی جب ایک عورت گلے میں کمان لٹکائے حضور کے قریب سے گزری تو آپ نے ارشاد فرمایا: اللہ پاک مردوں کی مشابہت کرنے والی عورتوں اور عورتوں کی مشابہت کرنے والے مردوں پر لعنت فرماتا ہے۔(18)

اسلام ہمیں یہ درس دیتا ہے کہ ہر انسان کو اللہ پاک نے جس فطرت، ساخت اور مزاج پر پیدا فرمایا ہے، اسی میں اس کی اصل خوبی اور حسن چھپا ہے۔ عورت کا حسن اسی بات میں ہے کہ وہ اپنی نسوانیت، لطافت اور وقار کے ساتھ رہے۔ جب وہ مردانہ انداز اختیار کرتی ہے تو اس کی فطری نزاکت اور اللہ پاک کی ودیعت کردہ خوبصورتی کو ٹھیس پہنچتی ہے۔ مردانہ وضع اختیار کرنے سے نہ صرف اس کا ظاہری حسن متاثر ہوتا ہے بلکہ اس کے کردار اور وجود پر بھی منفی اثر پڑتا ہے۔ عورت کی حقیقی خوبصورتی اس کی نسوانی لطافت میں ہے اور اسی میں اس کا وقار، کشش اور معنوی حسن پوشیدہ ہے۔

بلا ضرورت گھر سے نکلنے پر ممانعت

اسلام نے عورت کو گھر میں رہنے کا جو حکم دیا ہے، وہ اس کی عزت، عصمت اور وقار کے تحفظ پر مبنی ہے۔ اللہ پاک نے ارشاد فرمایا کہ عورتیں اپنے گھروں میں وقار کے ساتھ ٹھہری رہیں اور بلا ضرورت باہر نہ نکلیں۔ اسی ہدایت کی تائید حضور کے ارشادات سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ کچھ خواتین حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ مرد جہاد میں شرکت کر کے عظیم فضیلت حاصل کرتے ہیں، جبکہ ہم ایسا کوئی عمل نہیں کرتیں جس سے وہ درجہ پاسکیں۔ اس پر حضور نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جو عورت اپنے گھر میں رہتے ہوئے اللہ پاک کی رضا کے مطابق زندگی گزارے، وہ اللہ پاک کی راہ میں جہاد کرنے والے مجاہدین کے برابر اجر پاتی ہے۔(19) یہ عظیم بشارت جہاں عورت کے وقار اور گھریلو ذمہ داریوں کی روحانی اہمیت کو واضح کرتی ہے، وہیں اس میں اُن عورتوں کے لئے بھی تنبیہ ہے جو بلا ضرورت بازاروں اور گلیوں میں گھومنے کو معمول بنا لیتی ہیں۔ اگر وہ گھر میں رہنے کی اس ہدایت کو اختیار کریں تو انہیں مجاہدین جیسا اجر مل سکتا ہے، جو کسی عظیم نعمت سے کم نہیں۔

یہ بات سمجھ لینا ضروری ہے کہ اسلام کا یہ حکم کسی قسم کی قید، ظلم یا قلیل سوچ پر مبنی نہیں۔ اسلام ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ عورت قیدی پرندے یا باڑے میں بند جانور کی طرح زندگی گزارے۔ بلکہ اس ہدایت کی اصل حکمت یہ ہے کہ عورت کی عزت و عصمت کو زیادہ سے زیادہ محفوظ رکھا جائے۔ مثال کے طور پر اگر کسی کے پاس قیمتی ہیرا ہو تو وہ اسے سرِعام بازار میں دکھاتا نہیں پھرتا بلکہ اسے مضبوط ترین لاکر میں رکھ کر محفوظ کرتا ہے۔ یہ عمل عقلِ سلیم رکھنے والوں کے نزدیک دانشمندی ہے۔ لیکن اگر وہی شخص اپنا ہیرا بازاروں میں لئے گھومے تو ممکن ہے کوئی اسے لوٹنے کی نیت کر لے اور لوگ ایسے شخص کو نادان اور بے وقوف کہیں۔ اسی طرح عورت کی عصمت اور وقار کا اصل تحفظ اس کے گھر میں ہے، جہاں وہ غیر مردوں کی نگاہوں اور فتنوں سے محفوظ رہتی ہے۔

افسوس! آج کچھ لوگ اسلام کے اس حکیمانہ حکم پر اعتراض کرتے ہیں اور مغربی تہذیب سے مرعوب ہو کر اسے پابندی یا ناانصافی قرار دیتے ہیں۔ وہ درحقیقت اسلام کی حکمت سے بے خبر ہوتے ہیں۔ ان کا مقصد نہ عورت کا وقار ہے نہ اس کی حفاظت؛ بلکہ وہ صرف اسلامی اقدار کو کمزور کرنا چاہتے ہیں تاکہ عورت حیا اور عصمت کے اس قیمتی خزانے سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ اللہ پاک مسلمانوں کو دین کی حکمتیں سمجھنے، ان پر عمل کرنے اور عورت کی عفت و عصمت کے دشمنانہ نظریات سے محفوظ رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

موجودہ دور میں ان تعلیمات کی اہمیت

توجہ رہے! جن امور سے اسلام نے عورتوں کو روکا ہے، وہ دراصل ان کے لئے بے شمار فوائد اور حکمتیں رکھتے ہیں۔ ان کا مقصد ہرگز یہ نہیں کہ معاذ اللہ اسلام عورتوں کی آزادی سلب کرنا چاہتا ہے یا انہیں جانوروں کی طرح گھروں میں باندھ کر رکھنے کا حکم دیتا ہے۔ ابتدا ہی میں ذکر کیا جاچکا ہے کہ اسلام نے عورت کو گھر کی ملکہ اور شہزادی کا مقام دیا ہے۔ اسی نزاکت اور عزت کے پیشِ نظر کہیں جانے سے منع کیا، کہیں کچھ کرنے سے روکا، تاکہ اس کی عصمت و وقار محفوظ رہیں۔

سوچئے! شہزادیاں اور ملکائیں کبھی اکیلے نہیں نکلتی بلکہ حجاب، حفاظت اور پروٹوکول کے ساتھ باہر آتی ہیں۔ وہ بلاوجہ بازاروں میں نہیں گھومتیں، نہ انہیں ہر ہر شخص دیکھ سکتا ہے۔ ان تک رسائی بھی صرف مخصوص لوگوں کو ہوتی ہے، جیسے عورت کے لئے اس کے محرم۔ اسی طرح عورت کا مقام بھی وقار، حیا اور حفاظت کا ہے: نہ چیخ وپکار، نہ بے مقصد گھومنا، بلکہ ایک باوقار اور محفوظ زندگی گزارنا ہی اس کی حقیقی عظمت ہے۔ آج کے دور میں میڈیا نے حالات مزید نازک بنا دیئے ہیں۔ خواتین اپنی ظاہری خوب صورتی کے لئے بے شمار احتیاطیں کرتی ہیں: کریمیں، سن بلاک، ہیئر کلر اور مختلف زیبائشی تدابیر، لیکن یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ عورت کی اصل حفاظت، اصل حسن اور اصل عظمت حضور کے احکام پر عمل کرنے میں ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ عورت ان تمام کاموں سے بچے جن سے حضور نے منع فرمایا ہے اور ایسا انداز اپنائے جو ایک باحیا، باوقار، پردہ دار ملکہ کا ہوتا ہے، نہ کہ بے پردہ اور آزاد خیال عورت کا۔

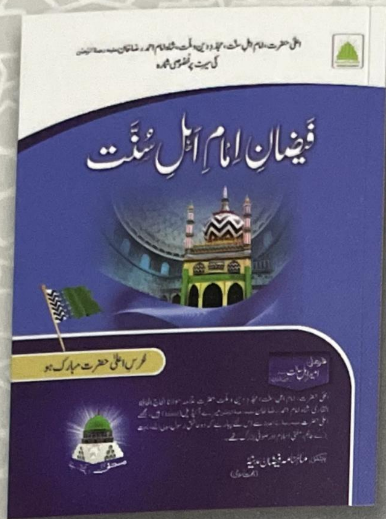
عمل کیسے کریں؟

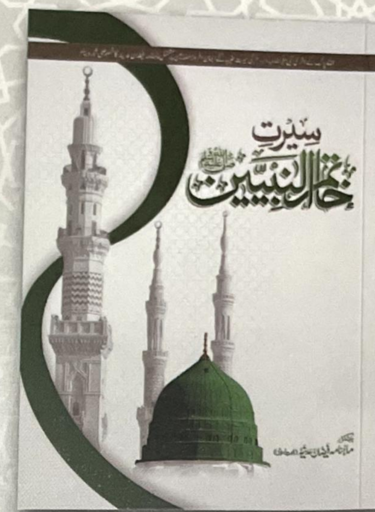
ان تعلیمات پر عمل اسی وقت ممکن ہے جب دین کے احکام سیکھے جائیں اور ان خواتین کی صحبت اختیار کی جائے جو ان پر عمل کرتی ہیں۔ صحابیات وصالحات کی سیرت کا مطالعہ کیجئے، دیکھئے کہ انہوں نے احکامِ نبوی کو کیسے مضبوطی سے تھاما اور انہی پر عمل کر کے ہمیشہ کے لئے نام پیدا کیا۔ کافر عورتوں کی طرزِ زندگی سے ہرگز متاثر نہ ہوں، نہ ان کے فیشن وانداز سے مرعوب ہوں۔ وہ عورت کی عزت وو قار کا حقیقی مقام کیا جانیں! بلکہ ان کا ماحول تو عورت کو ہر اس رکاوٹ سے آزاد کرنا چاہتا ہے جو اسے فتنوں سے بچاتی ہے۔ اسلامی احکامات کے اصل مقاصد کو سمجھیے۔ عورت کی عفت وعصمت کی حفاظت کے جو مضبوط انتظام اسلام نے کیے ہیں، دنیا کی کوئی تہذیب اس کی مثال پیش نہیں کر سکتی۔ خدارا! اس نظام کو اپنا لیجیے، اسی میں ہماری فلاح اور کامیابی ہے۔ اللہ پاک ہمیں اُسوۂ رسول کو حقیقی معنی میں اپنی زندگیوں میں نافذ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اٰمین بِجاہِ النّبیِّ الْاَمین صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم

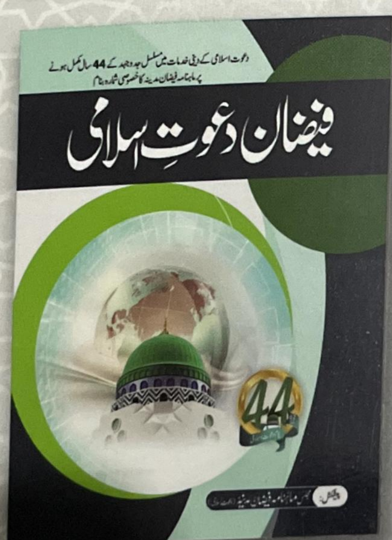
---

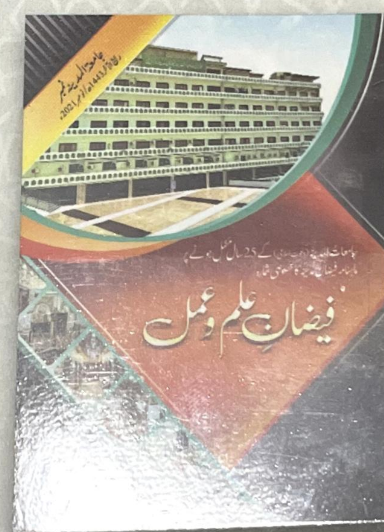
(1) مسند امام احمد، 19/480، 481، حدیث: 12498 ملخصاً (2) ابوداود، 4/454، حدیث: 5217 (3) نسائی، ص504، حدیث: 3101 (4) بخاری، 4/93، حدیث: 5971 (5) مسند امام احمد، 44/134، حدیث: 26516 (6) سبل الہدی والرشاد، 5/333 (7) دلائل النبوۃ للبیہقی، 5/200 (8) ترمذی، 5/475، حدیث: 3921 (9) معجم کبیر، 22/385، حدیث: 959 (10) مسلم، ص185، رقم: 999 (11) المتجر الرابح فی ثواب العمل الصالح، ص121 (12) معجم کبیر، 9/294، حدیث: 9475 (13) مراٰۃ المناجیح، 6/113 (14) سنتیں اور آداب، ص85 (15) ترمذی، 4/361، حدیث: 2795 (16) مسلم، ص538، حدیث: 3270 (17) جہنم میں لے جانے والے اعمال، 1/485 (18) معجم اوسط، 3/106، حدیث: 4003 (19) مسند بزار، 13/339، حدیث: 6962

مجلس ماہنامہ فیضانِ مدینہ کے خصوصی ایڈیشن









فیضانِ مدینہ، محلّہ سوداگران، پرانی سبزی منڈی، باب المدینہ (کراچی)
UAN: +92 21 111 25 26 92 Ext: 2650 / 1144
Web: www.maktabatulmadinah.com / www.dawateislami.net
Email: feedback@maktabatulmadinah.com / ilmia@dawateislami.net

978-969-722-891-1
01013594